یا اللہ مدد جل جلالہ　　لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ　　حق چار یار خلافت راشدہ

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بفیضان مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ ارشد و خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد محدث عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

دین پوری نمبر

فقیہ وقت، استاذ العلماء، ولی کامل
شیخ الحدیث حضرۃ
مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید نور اللہ مرقدہ

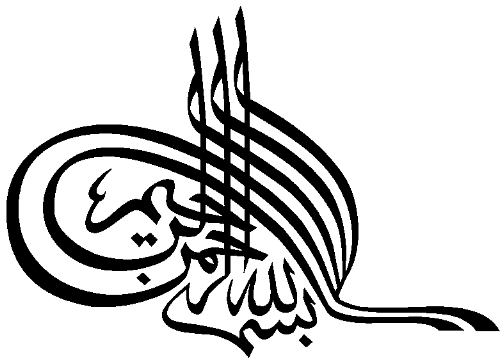
نائب رئیس دار الافتاء: جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی　شیخ الحدیث: جامعہ درویشیہ، کراچی

مظہریہ دار المطالعہ
0312 4612774　0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

رعائتی قیمت: 200 روپے

مجلّہ صفدر

دین پوری نمبر


بسم اللہ الرحمن الرحیم

......اشاعت خاص بیاد......

فقیہ وقت، استاذ العلماء، شیخ الحدیث، حضرت مولانا

مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

رئیس دارالافتاء: جامعہ معہد الخلیل، کراچی

شیخ الحدیث: جامعہ درویشیہ، کراچی

......نظر ثانی......

مفتی محمد شعیب عالم

تلمیذِ رشید: حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ

مدرس و مفتی: جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

......مرتب......

خادم اہل سنت حمزہ احسانی غفرلہ

فاضل: دارالعلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی، بہاول پور

مدیر مجلّہ صفدر

مجلّہ صفدر......اغراض ومقاصد

☆......مجلّہ ''صفدر'' اکابرِ دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے افکار ونظریات کا ''بے باک'' ترجمان ہے۔

☆......دورِ حاضر میں یہ قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ [تلمیذ وخلیفہ مجاز: شیخ مدنی رحمہ اللہ] اور امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ [تلمیذِ شیخ مدنی رحمہ اللہ......خلیفہ مجاز: امام المفسرین مولانا حسین علی رحمہ اللہ] کے مسلک اور طرزِ عمل کا پابند ہے۔

☆......اس کا اولین مقصد قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی تعلیمات کی صحیح تشریح......تحفظ ناموسِ رسالت......دفاعِ صحابہؓ واہل بیتؓ......مسلک اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کی اشاعت وحفاظت......اور فرقِ باطلہ ضالہ کا تعاقب ہے۔

بفیضان

قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

بیاد

امام اہل سنت حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

شیخ المشائخ، امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ

مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

ترجمان اہل سنت حضرۃ مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ

فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ

شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

امین ملت حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ

محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا

وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ

حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

زیر سرپرستی

بقیۃ السلف، شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ

جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ

شیخ الصرف والنحو، نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ

جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ

زیر نگرانی

جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی	مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا نور محمد تونسوی......	مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء
مولانا مفتی جمیل الرحمٰن......	مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
جناب اشتیاق احمد......	مولانا مفتی رب نواز
مولانا ندیم الرشید......	مولانا احمد طاہر

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

اشاعت خاص بیاد

فقیہ وقت، استاذ العلماء

شیخ الحدیث، حضرت مولانا

مفتی عبدالمجید دین پوری شہید

رحمہ اللہ تعالیٰ

نائب رئیس دار الافتاء واستاذ الحدیث:

جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

شیخ الحدیث: جامعہ درویشیہ، کراچی

رئیس دار الافتاء: جامعہ معہد الخلیل، کراچی

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

مدیر مسئول: احسن خدامی

مدیر: حمزہ احسانی

برائے ترسیلِ زر، اجراء رسالہ وخط وکتابت:

مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82،

محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

0333-8765602

نام کتاب..............................مجلّہ ''صفدر'' دین پوری نمبر

بیاد..............................فقیہ وقت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ

نظر ثانی..............................مولانا مفتی شعیب عالم مدظلہ

مرتب..............................خادم اہل سنت حمزہ احسانی

صفحات: ۶۷۲ رعائتی قیمت: 200 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

طبع اول..............................فروری ۲۰۱۳ء.....ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

ناشر..............................مظہریہ دار المطالعہ

ملنے کے پتے

دفتر مجلّہ صفدر، مولانا احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ،

محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور 0333-8765602

عمیر کیمونیکیشن، دوکان نمبر ا/سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی 0333-3866779

مسلم دواخانہ، شاہی روڈ، خان پور 0333-7473352......0336-1622325

شاہی دواخانہ، ماڈل ٹاؤن، کچہری روڈ، خان پور 0333-7498893

مکتبہ صفدریہ، نزد مدینہ مسجد، ماڈل ٹاؤن بی، بہاول پور 0301-7790908

......مکتبہ جمال قاسمی، بالمقابل جامعہ گلشن عمر، سہراب گوٹھ، کراچی

......مکتبہ درخواستی، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

......ادارہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

......مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور ......مکتبہ قاسمیہ، اردو بازار، لاہور

......مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور ......مکتبہ الحسن، اردو بازار، لاہور

......باب نمبر ا......

آغاز سخن

فہرست، کلمات تبریک، پیامِ صفدر،
پیش لفظ، کلمات تشکر، عرض خادم

......فهرست ابواب......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

......باب ۱:...... آغاز سخن......

......باب ۲:...... تعزیتی پیغامات وتأثرات......

......باب۳:......سوانح......

......باب۴:......ہمارے مفتی صاحب (اہل خاندان کے تاثرات)......

......باب ۵:......مقالات ومضامین......

......باب۶:......رشحاتِ قلم......

......باب۷:......متفرقات......

......باب ۸:......دیگر رسائل وجرائد کے مضامین......

......باب ۹:......منظوم خراجِ عقیدت......

......باب ۱۰:...... آئینہ تحاریر وتصاویر......

یہ ایک ایسے مفتی کی سرگزشت ہے جو اس حیثیت سے فائق اور ممتاز تھا کہ فقہ اور افتاء کے ساتھ اس کا صرف نظری اور علمی نہیں بلکہ عملی اور حقیقی تعلق تھا اور اس وجہ سے وہ اس راہ کی مشکلات سے واقف، ضروریات سے آگاہ اور باریکیوں اور نزاکتوں سے باخبر تھا۔ اس کی نظر عمیق، فہم دقیق اور نگاہ حقیقت بین تھی۔ اس کا کمال اور بڑا کمال یہ ہے کہ اسلاف کے چھوڑے ہوئے ذخیرۂ فقہ پر اپنے اخلاف کا اعتماد قائم کر گئے اور ان کا حوصلہ بڑھا گئے ہیں۔ اس طرح کا اعتماد جذباتی وابستگی، خالی نعروں اور بلند دعوؤں سے قائم کرنا ممکن نہیں، اگر اس کے پشت پر عمل کی مہر اور تجربے کی تصدیق ثبت نہ ہو۔

اس کا عملی پیغام یہ ہے کہ موجودہ سرمایہ، تمدنی ضروریات اور عصری مشکلات کے حل کے لیے کافی ہے، وقت کا تقاضا اس سے بھرپور واقفیت، اس میں اعلیٰ مہارت، اسے نئے رنگ میں پیش کرنے اور زمانے کے اسلوب میں مرتب کرنے کا ہے، اسلاف کا ذخیرہ بہترین دماغوں کی کاوش اور قرآن وسنت کا نچوڑ ہے اور اس کے ذریعے کتاب وسنت کے گرد مضبوط حصار اور آہنی باڑ قائم ہے۔ ضرورت اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامنے، دستیاب ذخیرے میں غور وخوض کرنے اور قدیم کو جدید قالب، نئے رنگ اور زمانے کے مزاج ومذاق کے مطابق پیش کرنے کی ہے۔ یہ سبق انہوں نے حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے آغوشِ تربیت میں سیکھا تھا کہ سلف سے بیزاری ان پر بے اعتمادی ہے اور بے اعتمادی کا مطلب ان سے بدگمانی ہے اور بدگمانی گستاخی کا سبب ہے اور گستاخی کا نتیجہ اکثر وبیشتر الحاد وزندقہ کی صورت میں نکلتا ہے۔

استاذ العلماء مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہم العالی☆

کلماتِ تبریک

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

امابعد! ہماری جامعہ کے شہیدوں کے قافلے میں ہمارے مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، انہوں نے خاموشی وسادگی کے ساتھ دین کی عظیم خدمت انجام دی، جس کا صحیح ادراک بہت کم لوگوں کو ہوگا، مگر آپ کی شہادت کے بعد جو عظیم خلا پیدا ہوا ہے، اس سے آپ کی خدمات اور شخصیت کی وسعتوں کا اندازہ ہو رہا ہے۔

آپ کی خدمات اور شخصیت کے مختلف گوشوں کو منظر عام پر لانے کا سلسلہ آپ کی شہادت سے تاحال جاری ہے، اسی سلسلہ قیمہ کی ایک کڑی ''مجلّہ صفدر'' کی یہ کاوش بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ پر لکھے گئے مضامین کے عناوین وفہرست دیکھی جو لائق تبریک، قابلِ تحسین وتشجیع ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گراں قدر کوشش کو قبول فرمائے اور حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کے صلبی وروحانی پسماندگان کو ان کی خدمات وحسنات کا تسلسل برقرار رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

فقط......والسلام

عبدالرزاق اسکندر

مہتمم: جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۱۴۳۴/۱۱/۲۶ھ......۲۰۱۳/۱۰/۳ء

☆مہتمم: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی......نائب صدر: وفاق المدارس العربیہ وعالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

تاابد اُونچا رہے گا اُن کی عظمت کا نشاں

دین و ملت کے بلا شک تھے حقیقی پاسباں
تا ابد اُونچا رہے گا اُن کی عظمت کا نشاں

جامعہ بنوری ٹاؤن سے بندہ کی محبت و تعلق:

جب سے بندہ نے ہوش سنبھالا، بنوری ٹاؤن...... حضرت بنوریؒ......اور حضرت لدھیانویؒ کا نام کانوں میں پڑنے لگا، حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا نام تو اکثر ہی سننے کو ملتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۰۰۰ء میں جب حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا تو اس وقت مَیں اپنی عمر کا تقریباً بارہواں (۱۲) برس عبور کررہا تھا۔ مجھے خبر ملی تو نہایت ہی رنج اور افسوس ہوا، کیونکہ حضرت کی محبت بچپنے ہی میں میرے دل و جان میں سرایت کرچکی تھی۔ حضرت کی شہادت سے اگلے جمعہ کے موقع پر میرے والد گرامی نے بہت ہی پُر جوش، جلالی اور جذباتی بیان کیا تھا، وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ابھی بھی گردش کررہا ہے کہ جب لاؤڈ اسپیکر بار بار بند ہورہا تھا تو والد صاحب نے اپنی قمیص سے کالر مائیک اتار کر ایک جانب اچھال دیا اور بغیر سپیکر دھاڑنے لگے، بالکل ایسے جیسے بپھرا ہوا شیر گرجتا ہے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوچکے تھے اور میں مبہوت ہوکر والد صاحب کو دیکھے جارہا تھا۔ حضرتؒ کی شہادت سے مجھے اس قدر صدمہ ہوا کہ بیان سے باہر ہے، آج تک وہ صدمہ برقرار ہے کہ میں حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا زمانہ پانے کے باوجود اُن کی زیارت کی سعادت سے محروم رہا۔

دو تین سال گزرے تو باغ آزاد کشمیر میں دادا جان امام اہل سنت مولانا سرفراز خان

صفدر رحمہ اللہ کے ہمراہ ''خدمات دیوبند کانفرنس'' میں شرکت کی سعادت ملی، وہاں امام المجاہدین مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ کی زیارت وملاقات کا موقع ملا، وہ مئی کا مہینہ تھا، تعلیمی سال چل رہا تھا، اور میں ابھی متوسطہ میں تھا، دوران سال ہی یہ سفر پیش آیا۔ اسی سال حضرت شامزئی شہید رحمہ اللہ کی شہادت کا دلخراش واقعہ پیش آ گیا۔

جب میں گکھڑ حضرت داداجان رحمہ اللہ کی خدمت میں تھا، وہاں حضرت مفتی جمیل شہید رحمہ اللہ کی زیارت وملاقات کا موقع بار ہا ملا۔ پھر باغ آزاد کشمیر ''خدمات دیوبند کانفرنس'' کے بعد ہم مفتی صاحب ہی کی تحریک اور اُن کے پروگرام پر داداجان رحمہ اللہ کے ہمراہ مری، ایبٹ آباد، پشاور، دیر، چترال، گلگت، سکردو، چلاس، بشام، بٹگرام، اچھڑیاں اور راولپنڈی تک کے سفر میں مفتی صاحب کے ساتھ رہے۔ اس طویل اور یادگار سفر میں بھی مفتی صاحب کو کافی قریب سے دیکھا۔ بدقسمتی سے حضرت شامزئی شہید کی شہادت کے فقط تین ماہ بعد حضرت مفتی جمیل خان صاحب کی شہادت کا اندوہناک حادثہ پیش آ گیا۔

اِن حضرات کی شہادت، بنوری ٹاؤن کی تاریخ سے واقفیت اور فضلاء وابنائے جامعہ بنوری ٹاؤن کے دینی، علمی، جہادی، سیاسی، ملی اور روحانی کارناموں کو دیکھ کر میرے دل میں جامعہ بنوری ٹاؤن کی محبت بڑھتی چلی گئی۔ میرا جی کہتا تھا کہ صحیح معنوں میں ''مرکز علم'' اور ''مرکز اسلام'' تو یہی مدرسہ ہے، جس کے فضلاء ہر دینی محاذ پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ تعلیم وتدریس، تبلیغ وجہاد، تصنیف وتالیف، افتاء وخطابت، سیاست وقیادت، دفاع ختم نبوت، دفاع صحابہ واہل بیت، دفاع فقہاء ومحدثین، مسلک دیوبند کی اشاعت وحفاظت، مشرب اہل سنت کی پاسبانی وترجمانی ......غرضیکہ ہر میدان میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے فضلاء ہی آگے نظر آتے ہیں ۔

جرأت سے، شجاعت سے، محبت سے فراست سے
باطل کو کیا تُو نے ہر ڈھنگ سے شرمندہ

بکثرت مجاہدین بھی جامعہ بنوری ٹاؤن سے نکلے، اکثر غازی بھی اسی کے بیٹے قرار پائے اور شہادت کا رتبہ بھی زیادہ تر اسی کے فرزندوں کو نصیب ہوا۔ جو کہ میرے خیال کے مطابق

اس کی عنداللہ مقبولیت کی قوی اور وزنی دلیل ہے ؎

پاکیزہ فطرت یہ پاک لشکر تصویرِ ہمت، جرأت کا پیکر
سوزِ یقیں سے سینے منوّر فتح و ظفر ہے اس کا مقدر
اللہ اکبر اللہ اکبر

گکھڑ ہی میں داداجان رحمہ اللہ کے ہاں حضرت جلال پوری شہید سے بھی بندہ کا تعلق جڑا، جو بڑھتا رہا، داداجان کی وفات کے بعد مزید مضبوط ہوگیا۔قسمت کی بدقسمتی، ۲۰۰۹ء میں حضرت جلال پوری کو بھی شہید کر دیا گیا۔اسی طرح مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید رحمہ اللہ بھی جامعہ بنوری ٹاؤن کے ہی فاضل تھے۔ان سب سے قبل مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے پاکیزہ خون سے اس سلسلے کی داغ بیل ڈال چکے تھے۔آج بھی مَیں ''کاروانِ بنوری'' کے افراد کے چمکتے دمکتے نورانی اور بے خوف چہروں کو دیکھتا ہوں تو رشک آنے لگتا ہے۔کاش کہ ہمیں اسی کارواں کی رفاقت نصیب ہو ؎

خدا رکھے مرے حرف و قلم کو کاروانِ حق سے وابستہ
تمہارا نقشِ پائے استقامت ہو مری منزل مرا رستہ

حضرت دین پوری شہیدؒ کا غائبانہ تعارف:

جامعہ بنوری ٹاؤن سے تعلق تو ہے ہی، اسی نسبت سے جامعہ کا ترجمان ماہنامہ ''بینات'' بھی میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ بینات میں اکثر فتاویٰ جات دیکھتا تو لاشعوری طور پر ''الجواب صحیح ......محمد عبدالمجید دین پوری'' بھی میرے ذہن میں نقش ہوگیا۔حالانکہ میرے لیے فقط اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ ''جامعہ بنوری ٹاؤن'' سے جاری ہوا ہے، بس! اس سے زیادہ کی حاجت نہیں ہوتی۔اگرچہ میں اس پر غور نہیں کرتا کہ کون فتویٰ دینے والا ہے اور کون تائید، تصدیق و تصویب کرنے والا۔لیکن چونکہ بینات میں شائع شدہ اکثر فتاویٰ جات شوق سے پڑھتا ہوں اس لیے آخر میں لکھے ہوئے مفتیان کے نام بھی نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔انہی ناموں میں سے ایک نمایاں نام حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کا تھا۔

ثالثہ والے سال بندہ اپنے والد گرامی کے مشورے پر ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور''

میں داخل ہوا اور دورۂ حدیث شریف تک وہیں تعلیم حاصل کی۔ اس دوران دارالعلوم مدنیہ میں حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے بھتیجوں سے تعارف ہوا، لیکن حضرت سے قرابت کے حوالہ سے نہیں، بلکہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے خانوادہ کے حوالہ سے۔ کافی عرصہ بعد ایک روز دوران گفتگو انہی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ''مفتی عبدالمجید دین پوری'' ان کے چچا ہیں، اور اس وقت وہی جامعہ بنوری ٹاؤن کے ''صدر مفتی'' ہیں۔ مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس کے بعد حضرت دین پوری کی زیارت کا شوق دل میں پیدا ہوا۔

زیارت وملاقات:

چنانچہ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے فوراً بعد استاذ محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم کی خدمت میں ''دورۂ تفسیر'' کے لیے کراچی حاضری دی، جاتے ہوئے ''خان پور'' سے ہو کر گیا، حضرت دین پوری کے برادرِ مکرم، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم نے کچھ سامان دیا کہ یہ حضرت مفتی صاحب کا ہے، اُن کے صاحب زادے ''سہراب گوٹھ'' اڈے سے وصول کرلیں گے۔ بندہ نے سامان وصول کرلیا، اور اس کو بے ادبی سمجھا کہ وہ حضرات سامان لینے خود اڈے پر آئیں، میں نے سوچا کہ اُن کے گھر پہنچانے کی سعادت خود حاصل کروں۔ چنانچہ وہ سامان بنوری ٹاؤن پہنچایا۔ اس وقت حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ، وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحان کے پرچوں کی چیکنگ کے لیے ملتان گئے ہوئے تھے، اس لیے زیارت وملاقات نہ ہوسکی۔

میں مسلسل رابطہ کرتا رہا، معلوم ہوا کہ فلاں دن حضرت ملتان سے واپس تشریف لائیں گے اور اس کے دو دن بعد عمرے کے لیے تشریف لے جائیں گے۔ ظاہر بات ہے تھکاوٹ بھی ہوگی، مصروفیت بھی، دیگر امور بھی، پتہ نہیں وقت مل سکے گا یا نہیں۔ لیکن دل مچل رہا تھا کہ ابھی ملاقات کروں، اگرچہ یہ تو ذہن میں نہیں تھا کہ حضرت اتنی جلدی چلے جائیں گے، لیکن نجانے کیوں دل چاہتا تھا ابھی ملاقات ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرتؒ کے بھتیجے، مولانا عبدالکریم صاحب کے بیٹے، اسامہ بھائی کو کہ وہ مسلسل رابطہ میں رہے، جیسے ہی حضرت کراچی پہنچے، مجھے بھی اطلاع کی اور حضرت کے صاحبزادے کو بھی میرے بارے میں بتایا۔ حضرت شہید

رحمہ اللہ نے بھی حسب مزاج وعادت وقت عنایت فرمادیا۔اور آپؒ کے صاحبزادے کے ہمراہ آپ کے گھر جو جامعہ بنوری ٹاؤن کی طرف سے ملا ہوا تھا، میں حاضر ہوا۔نہایت ہی شفقت ومحبت سے پیش آئے۔نرم خوئی،محبت،الفت،شفقت اور سادگی وتواضع دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

تمکنت ایسی، وقار ایسا، وجاہت ایسی
لاکھ درویش سہی لیکن کسی سلطان میں ہے؟

پھر اکابر سے محبت اور اُن کی نسبت کا احترام بھی آپؒ کی ادا ادا سے چھلک رہا تھا۔ اگر چہ آپؒ سے ملاقات تو فقط وہی ایک ہو سکی،لیکن اس کی یادوں کے انمٹ نقوش تادم آخر لوح دل پر ثبت رہیں گے اور اُن کی یاد دلاتے رہیں گے ۔

میں اُن کے چہرے کی مسکراہٹ کو ایسے محسوس کر رہا ہوں
کہ جیسے کوثر پہ شام ہوتے، کوئی دِیا جھلملا رہا ہے

فتنوں کے تعاقب اور تردید کے لیے فکر مندی:

دوران ملاقات جب بندہ نے اپنے والد گرامی محقق اہل سنت حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہم کا ایک کتابچہ ''امام اہل سنتؒ کا مسلک اعتدال اور حافظ محمد عمار خان ناصر'' پیش کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپؒ کے چہرے پر فکر کے گہرے اثرات نمودار ہونے لگے، پھر نہایت ہی فکرمندانہ لہجے میں فرمایا:''جی!یہ (عمار خان ناصر) بھی بڑا فتنہ ہے۔''مزید کیا ارشاد فرمایا؟ وہ اِس وقت صحیح یاد نہیں۔خلاصہ یہی کہ آپ اس فتنے سے متعلق نہایت فکرمند تھے اور امت کو اس کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے ہر قسم کی کوشش کے حامی تھے۔

''شیخ الحدیث نمبر'' کا مطالعہ:

بندہ کے محبوب استاذ، پیر طریقت، پاسبان مسلک دیوبند، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ[شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور] کی وفات کا دلسوز سانحہ پیش آیا تو مجلّہ ''صفدر'' کے مدیر اعلیٰ مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہم کی خواہش اور تحریک پر بندہ نے ''شیخ الحدیث نمبر'' مرتب کر کے شائع کیا۔جو بحمد اللہ قلیل وقت میں اپنی عقیدت کے اظہار کی بہترین

صورت ثابت ہوا۔ بندہ نے ''شیخ الحدیث نمبر'' کا ایک نسخہ اسامہ بھائی کے والد اور حضرت دین پوری شہیدؒ کے برادرِ صغیر مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم کی خدمت میں بھجوایا۔ اسامہ بھائی نے حضرتؒ کی شہادت کے بعد مجھے بتایا کہ: آخری مرتبہ جب حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ ہمارے گھر تشریف لائے تھے تو قلت وقت کے باوجود آپ کا ''شیخ الحدیث نمبر'' مکمل پڑھ کر گئے تھے۔ اس سے حضرت شہید رحمہ اللہ کی اکابر سے محبت اور اُن کے حالات سے آگاہی کے شوق وذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے اسامہ بھائی سے پوچھا کہ: حضرت شہید رحمہ اللہ نے اُس پر کوئی تبصرہ بھی فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں، کیوں کہ اُس کا مطالعہ عین اس وقت ختم کیا جب اُن کی کراچی روانگی کا وقت آپہنچا۔ اس لیے اُس پر ان کا تبصرہ یا رائے کا معلوم نہیں ہوسکا۔

جمعرات کے روز حضرت کی شہادت کی خبر ملی، جمعہ کے روز علی الصبح خان پور حاضری ہوئی، اور جنازہ میں شرکت میں نصیب ہوئی۔ جنازہ سے قبل بیانات ہوئے۔ کراچی سے حضرت کے ساتھ تشریف لانے والوں میں مولانا مفتی شعیب عالم اور مولانا مفتی رفیق بالاکوٹی بھی شامل تھے، میں بار بار مفتی شعیب صاحب اور دیگر رفقائے کاروانِ بنوری کے روشن، منور اور چمکتے چہروں کو دیکھ رہا تھا، نظر تھی کہ اُن سے ہٹتی نہیں تھی۔ اور مجھ جیسے بے علم وعمل، گناہ گار، سیارکار، سراپا خطاکار اور بزدل ترین شخص کی حالت بھی یہ تھی کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے کسی قسم کا خوف وڈر دامن گیر ہونے کی بجائے الٹا ''شوقِ شہادت'' جوش مار رہا تھا اور دین کی خاطر سینے پر گولیاں کھانے کے لیے دِل بری طرح مچل رہا تھا، اور بار بار دُعا نکل رہی تھی کہ: ''یا اللہ! جب بھی موت آئے، اپنے دین کی خاطر مخلصانہ شہادت کی موت نصیب فرما!''۔ تو متقین وصالحین کا عالم کیا ہوگا؟ اور بالخصوص بنوری ٹاؤن کے روحانی ونورانی ماحول میں رہنے والے تو شہادت کے جنون کی حد تک متمنی ہوتے ہیں۔ اسی سے دشمن کو سمجھ لینا چاہیے کہ

ع اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

اور......

یہ بازی خون کی بازی ہے   یہ بازی تم ہی ہارو گے

ہر گھر سے غازی نکلے گا تم کتنے غازی مارو گے؟

دشمن ذرا اُن افراد کو تو گن لے جو قاتلانہ حملوں، فائرنگ، ٹارگٹ کلنگ اور شہادتوں سے خائف ہو کر جامعہ بنوری ٹاؤن چھوڑ کر جا چکے ہیں؟......ذرا اُن طلباء کو تو شمار کرے جو خوف ودہشت کی وجہ سے جامعہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ نہیں لیتے، یا داخل تھے اور چھوڑ کر چلے گئے ہیں؟ ارے پاگلو! تم احمقوں کی جنت میں رہتے ہو! کبھی کوئی اپنی محبوب چیز سے بھی بھاگتا ہے؟ یہ تمہاری بھول ہے کہ تمہارے اِن ہتھکنڈوں سے خائف ہو کر اہلِ دین ومحبانِ وطن ''کراچی'' جیسے عالمی شہر کو تم جیسے جاہلوں، درندوں اور دین ووطن کے دشمنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر وہاں سے چلے آئیں گے، جہاں تم بے دینی، بے راہ رَوی اور درندگی وسفاکی کی حکومت قائم کر لو۔ نہیں! ہر گز نہیں! ٹھیک ہے، ہم پر وہاں مصائب وآلام اور آزمائشوں کی بوچھاڑ ہے، لیکن

ع جس دَور میں جینا مشکل ہو، اُس دَور میں جینا لازم ہے

اور......

راہِ وفا میں ہر سُو کانٹے، دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پر چلنے والے، خوش ہی رہے پچھتائے کم

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی محمد شعیب عالم ☆

پیشِ لفظ

مجلہ صفدر کا دین پوری نمبر اشاعت کے لیے تیار ہے۔اس نمبر کی اشاعت کا مقصد سوانحی لٹریچر میں اضافہ اور زبان وادب کی خدمت نہیں ہے،صحافیانہ اخلاق کا اظہار، روش زمانہ کی تقلید، پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی تکمیل اور جذباتِ عقیدت وارادت کی تسکین بھی پیش نظر نہیں ہے۔مقصد اور اولین مقصد ''عبرت وموعظت'' اور ''تذکیر ونصیحت'' ہے، یہی ہدف وغایت اور یہی باعث ومحرک ہے اور یہی اس نمبر کے پسِ پشت مضمر پیغام اور پوشیدہ تلقین ہے۔قرآن کریم اسی مقصد کے لیے تاریخی واقعات، گزشتہ قوموں کے حالات، قصص وامثال اور رفتگان کا تذکرہ کرتا ہے۔اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے تو محنت وصول اور سعی مقبول ہے۔

کسی علمی کاوش کی قدر وقیمت کا انحصار اس کے موضوع پر ہوتا ہے۔اس نمبر کا موضوع ''مفتی عبدالمجید دین پوری شہید'' ہے، یہ موضوع نہایت بصیرت افروز اور نصیحت آمیز ہے اور ہم سمیت آنے والی نسلوں کے لیے اس میں عبرت اور ہدایت کا بڑا سامان ہے۔

کسی شخصیت پر نمبر نکالنے کا مقصد اس کی ذات نہیں بلکہ حیات وخدمات ،اہم کارنامے، نمایاں اوصاف اور ممتاز صفات مقصود ہوا کرتی ہیں۔حضرت شہید لائق رشک اوصاف وکمالات کے مالک اور نمایاں صفات وخصوصیات کے حامل تھے،سلسلہ کشمیری اور دین پوری کے فیض یافتہ ، عاجزی کے پیکر، زاہد ومتقی، سنت کے شیدائی، پختہ عالم اور جید مفتی تھے۔شخصیت کے ان عناصر ترکیبی سے اور صفات کے ان مجموعے سے وہ نادرِ روزگار اور سلف کے یادگار تھے۔

انہیں دیکھ کر یہ یقین، حق الیقین میں بدل گیا ہے کہ اس راہ کے اصول نرالے، انداز جداگانہ، طور طریقے مختلف اور مزاج انوکھا ہے۔یہاں جو جھکتا ہے وہ ابھرتا ہے، جو چھپتا ہے وہ

☆ مدرس ومفتی: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی...... تلمیذِ خاص: حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

چمکتا ہے اور جو مٹتا ہے وہ وجود پالیتا ہے۔اس کی زندگی اپنے اکابر کی زندگی کا ورق اور اس کا عمل اپنے اسلاف کے صفات اور کمالات کا نمونہ تھا۔

ان کی صحبت اور قربت سے ذہن میں کھلبلاتے سوالات صاف، نوکیلے اشکالات حل، چبھن والے اعتراضات دور اور ذہنی سکون اور یکسوئی کو منتشر کرنے والے شبہات کافور ہوتے تھے۔قلب وذہن دھلتے، فکر ونظر کی درستگی ہوتی، روح کو تازگی اور جذبات کو آسودگی نصیب ہوتی تھی۔

یہ ایک ایسے مفتی کی سرگزشت ہے جو اس حیثیت سے فائق اور ممتاز تھا کہ فقہ اور افتاء کے ساتھ اس کا صرف نظری اور علمی نہیں بلکہ عملی اور حقیقی تعلق تھا اور اس وجہ سے وہ اس راہ کی مشکلات سے واقف، ضروریات سے آگاہ اور باریکیوں اور نزاکتوں سے باخبر تھا۔اس کی نظر عمیق، فہم دقیق اور نگاہ حقیقت بین تھی۔اس کا کمال اور بڑا کمال یہ ہے کہ اسلاف کے چھوڑے ہوئے ذخیرۂ فقہ پر اپنے اخلاف کا اعتماد قائم کر گئے اور ان کا حوصلہ بڑھا گئے ہیں۔اس طرح کا اعتماد جذباتی وابستگی، خالی نعروں اور بلند دعووں سے قائم کرنا ممکن نہیں، اگر اس کے پشت پر عمل کی مہر اور تجربے کی تصدیق ثبت نہ ہو۔

اس کا عملی پیغام یہ ہے کہ موجودہ سرمایہ، تمدنی ضروریات اور عصری مشکلات کے حل کے لیے کافی ہے، وقت کا تقاضا اس سے بھرپور واقفیت، اس میں اعلیٰ مہارت، اسے نئے رنگ میں پیش کرنے اور زمانے کے اسلوب میں مرتب کرنے کا ہے، اسلاف کا ذخیرہ بہترین دماغوں کی کاوش اور قرآن وسنت کا نچوڑ ہے اور اس کے ذریعے کتاب وسنت کے گرد مضبوط حصار اور آہنی باڑ قائم ہے۔ضرورت اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامنے، دستیاب ذخیرے میں غور وخوض کرنے اور قدیم کو جدید قالب، نئے رنگ اور زمانے کے مزاج ومذاق کے مطابق پیش کرنے کی ہے۔یہ سبق انہوں نے حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے آغوشِ تربیت میں سیکھا تھا کہ سلف سے بیزاری ان پر بے اعتمادی ہے اور بے اعتمادی کا مطلب ان سے بدگمانی ہے اور بدگمانی گستاخی کا سبب ہے اور گستاخی کا نتیجہ اکثر وبیشتر الحاد وزندقہ کی صورت میں نکلتا ہے۔

اس کی شخصیت کا یہ پہلو انتہائی عجیب تھا کہ خود فہیم تھا مگر اسے اعتماد بڑوں کے فہم پر تھا،

چنانچہ جب حدیث بہ طور معارضہ کے اس کے سامنے پیش کی جاتی تو اس کا جواب متعین تھا کہ یہ بتاؤ کہ: ''فقہاء نے اس حدیث سے کیا سمجھا ہے؟ اس طرح نہایت کامیابی سے وہ یہ پیغام سینوں میں اتارنے میں کامیاب ہوگیا کہ نصوص کو معنوی تحریف سے بچانا ہے تو اس کا حل فقہ کو لازم پکڑنا ہے۔ اس طرح کے عملی پیغامات کی لہریں ہر وقت اس کے وجود سے خارج ہوتی تھیں۔

اس کے شب و روز درس و تدریس، امامت و خطابت اور افتاء کی الجھی ہوئی گھتیاں سلجھانے میں صرف ہوتے تھے۔ افکار و اشغال کے ہجوم، لحاتِ فرصت کی قلت اور دوسرے اہم تر تقاضوں میں مصروفیت کی بنا پر انہوں نے کوئی مستقل تصنیفی سرمایہ تو یادگار نہیں چھوڑا، مگر شخصیت کی تکمیل کے لیے یہ کوئی لازمی عنصر بھی نہیں، حق تعالی شانہ کی تقسیم ہے کہ کچھ کے لکھے ہوئے کو پڑھا جاتا ہے اور کچھ ایسا کر جاتے ہیں کہ ان کے کیے ہوئے کو لکھا جاتا ہے۔ حضرت کی شخصیت اس دوسری نوع میں داخل ہے اور یہ نمبر اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

اس کے علاوہ اس کی شخصیت اس مادی ذہنیت پر کاری ضرب اور گہری چوٹ ہے جو اشخاص کی قدر و قیمت کا اندازہ ڈگریوں کے وزن سے لگاتی ہے اور مال و منال اور عہدہ اور منصب کے میزان میں اسے تولتی ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ سب سے بڑی ڈگری کسی عمدہ اخلاقی نمونے یا ملک و ملت کی حقیقی خدمت پر نہیں بلکہ اوراق کا پیٹ بھرنے پر دی جاتی ہے۔ ڈگریاں ایسی کہ عموماً تحقیق برائے تحقیق مقصود ہوتی ہے اور اس پر عمر عزیز کا گراں قدر حصہ، کثیر سرمایہ، قیمتی صلاحیتیں، اعلی مہارتیں اور قابل رشک قابلیتیں صرف ہو جاتی ہیں، لیکن عمل کے میدان میں اس کی قیمت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ تحقیق اور ریسرچ کی اہمیت سے انکار نہیں اور کوئی ذی عقل اور ہوش مند کیسے انکار کر سکتا ہے، اصل مقصود یہ ہے کہ معیار، ڈگریاں، مقالے اور کتابیں نہیں بلکہ علم نبوت اور نور نبوت ہے۔ شی اپنے ہم جنس کو جنم دیتی ہے، افراد سے افراد اور کتابوں سے کتابیں تیار ہوتی ہیں۔ نبوت نے افراد تیار کیے ہیں اور راہ حق کی نشاندہی ''ما انا علیہ و اصحابی'' سے کی ہے۔ یہ افراد اپنے اصل کا پَر تو تھے اور انہیں دیکھ کر اصل کو جانا اور پہچانا جا سکتا تھا۔ ان کی دعوت'' کونوا مثلنا'' کے دوٹوک الفاظ میں ہوتی تھی اور وہ قرآن اور صاحب قرآن کو سمجھنے کے

لیے عملی نمونوں اور زندہ شخصیتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ بہر حال خدا کی نگاہ، نبوت کے دربار اور آخرت کے بازار میں اصل قیمت، صحیح عمل، ذاتی جوہر، بلند اخلاق، اعلیٰ کردار، تزکیہ نفس اور صفاء قلب کی ہے۔ یہ صفات حضرت استاذ کو میسر تھیں اور آج ضرورت اسی کی ہے۔ تحقیق برائے تحقیق اور ڈگریوں کی فائلیں بنانے سے بازار میں اونچی بولی اور منڈی میں بڑے دام لگ سکتے ہیں، مگر عنداللہ قبولیت اور اہل قلوب کی نظر میں مقبولیت کا معیار کچھ اور ہے، جس سکے کا یہاں چلن ہے، وہ وہاں کھوٹا ہے اور جو یہاں بے قیمت ہے، اسی کی وہاں وقعت ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ طریقِ عشق کے مسافر اور راہِ حق کے شہید ہیں، بڑی محنتوں ،نہایت کلفتوں، جاں گسل ریاضتوں، بزرگوں کی توجہات، اساتذہ کی عنایات والطافات، بقعہ نور کے انوار و تجلیات، سلسلہ کشمیری اور دین پوری کے فیوضات و برکات اور متواتر محنت، مسلسل جدوجہد اور متواصل سعی و کوشش سے ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اب وہ امت کا مشترکہ سرمایہ تھے۔ ان کی شہادت ہمارا زیاں اور ملک وملت کا نقصان ہے اور اس پہلو سے ان کی جدائی پر رنج والم فطری اور قابل فہم ہے۔ انسان صرف عقل وخرد کا پتلا تو نہیں وہ جذبات واحساسات بھی رکھتا ہے اور موقع بموقع اس کا اظہار بھی کرتا ہے، مگر اس نمبر سے مطلوب جذبات کا اظہار نہیں بلکہ حضرت ممدوح کا پیغام ہے۔ نیک سیرت شخصیتوں، باکمال ہستیوں، جاں نثاروں اور سرفروشوں کا حق ہے کہ جس مقصد کے حصول میں انہوں نے زندگیاں کھپائیں اور جانیں قربان کیں، اس مقصد کو عام کیا جائے اور ان کے پیغام کو دور دور تک پہنچایا جائے۔

آج کل کسی شخصیت کے پیغام کو عام کرنے کا ایک مؤثر اور باوقار طریقہ اور ایک سنجیدہ اور پائیدار کوشش، تذکرہ اور سوانح پر مشتمل کتاب کی تالیف یا خاص نمبر کی اشاعت ہے۔ یہی ہمارے وسائل میں ممکن اور زمانے کے اہل حق کا طریقہ ہے، ورنہ حق تو یہ ہے کہ اپنے اسلاف کی تعلیمات، ان کے افکار ونظریات اور حیات وخدمات کے متعلق ہر اسٹیج سے صدا بلند کی جائے، ابلاغ کے تمام ذرائع اور نشرواشاعت کے سب وسائل اس مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیے جائیں، زبان یہی بولے، قلم یہی لکھے، اخبار یہی چھاپے اور رسائل اسے موضوع بنائیں،

باتوں میں یہی تذکرے اور بیٹھکوں میں یہی تبصرے ہوں، محفلیں اس سے آباد، انجمنیں اس سے گرم اور مجلسیں اس سے معمور ہوں۔

....

خاص نمبرات اپنا خاص مزاج رکھتے ہیں، رسائل وجرائد نے اسے رواج اور شہرت دی ہے، اس کی نشو ونما کی ہے اور پروان چڑھایا ہے۔ یہ مختلف موضوعات پر نکالے جاتے ہیں، ادبی رسائل ادب اور ادیبوں پر، سائنسی جرائد سائنس اور سائنسدانوں پر اور مذہبی پرچے مذہبی شخصیات پر نمبر نکالتے ہیں۔ ماضی قریب میں مذہبی رسائل نے بڑے وقیع اور مفید نمبر نکالے ہیں، جن میں ’’بینات‘‘ کا ’’محدث العصر‘‘ نمبر، ’’البلاغ‘‘ کا ’’مفتی اعظم‘‘ نمبر اور ’’الرشید‘‘ کا ’’دارالعلوم نمبر‘‘ قابل ذکر ہیں۔ مجلّہ ’’صفدر‘‘ نے اس روایت کو نہ صرف برقرار بلکہ دو قدم آگے بڑھایا ہے، یہ رسالہ بہت کم عرصے میں اور اپنے عہد آغاز میں تیسرا خاص نمبر شائع کر رہا ہے، اس طرح اس رسالے نے موقر رسائل کی صف میں جگہ بنالی ہے۔ اس سے پہلے ماہنامہ بینات حضرت شہید پر تقریبا ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل خاص نمبر شائع کر چکا ہے، اس نمبر کی اہمیت اور قاری کی سہولت کی خاطر اس کا غالب حصہ بھی اس نمبر کے وجود کا حصہ بنادیا گیا ہے۔

یہ نمبرات بڑی حد تک سوانحی مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں اور ان میں حتی الامکان سوانح کے تقاضوں کو پیش نظر بھی رکھا جاتا ہے، مگر اصولی حیثیت سے خاص نمبر کو سوانح کا ہم معنی اور ہم پلہ سمجھنا درست نہیں ہے۔ خاص نمبر سوانح کا ایک جز یا اس کی ایک صنف کی حیثیت رکھتا ہے، ایک صنف پر دوسری صنف کے اصولوں کا اطلاق یا جز کو کل کے میزان پر تولنا اور حصے میں مجموعے کے خواص تلاش کرنا منصفانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ نہیں۔ دونوں کے اصول بڑی حد تک مشترک ضرور ہیں مگر کلی طور پر یکساں اور مساوی نہیں ہیں۔

اگر ایک مذہبی رسالے کے خاص نمبر کا مروجہ ادبی اصولوں کے تحت جائزہ لیا جائے تو فرق بہت زیادہ اور اختلاف کی خلیج بہت وسیع معلوم ہوگی۔ جدید ادب کے کڑے اصول، مشکل معیار اور سخت شرطیں ادبی زاویہ نظر سے خواہ کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہوں، مگر شرعی نقطہ نگاہ سے

بسا اوقات غیر اہم بلکہ نا قابل عمل ہوتی ہیں۔ وہاں ایک سوانح نگار ممدوح کے مناقب کے ساتھ اس کے مثالب بیان کرنے کا بھی پابند ہے، جبکہ یہاں حکم '' **اذکروا محاسن موتاکم** '' کا ہے۔ وہاں فنی اصولوں اور ادبی نزاکتوں کی رعایت زیادہ ہے، جبکہ یہاں اصولوں سے زیادہ ان کے مقاصد اور نتائج کی اہمیت ہوتی ہے اور تحریر کے اخلاقی اثر اور معاشرتی پہلو کو بہ طور خاص مد نظر رکھا جاتا ہے۔

جہاں تک داخلی جذبے کا تعلق ہے تو چونکہ مدار نیت اور جذبے پر ہے، اس لیے نیت کی خوبی اور فساد سے ایک ادبی خدمت، عبادت ہو سکتی ہے اور ایک مذہبی کاوش لائقِ ملامت بن سکتی ہے۔ **اعاذنا الله من شرور انفسنا**۔

بہر حال یہ نمبر سوانح کی رائج فنی شرطوں پر شاید پورا نہ اترے، مگر سوانحی مقاصد کی کافی حد تک تکمیل کرتا ہے، کیونکہ اس میں بڑی حد تک موضوع کے لائق ذکر اقوال، قابل تقلید افعال، نمایاں اوصاف، اہم واقعات و حالات، تعلیمی مراحل، تدریسی مشاغل اور روزمرہ کے معمولات و مصروفیات وغیرہ آ گئی ہیں۔ مستقبل کا محقق اس بنیاد پر ایک جامع اور مکمل سوانح مرتب کر سکتا ہے۔

آغاز میں اکابر کے تاثرات درج ہیں، جن سے تبرک بھی مقصود ہے، مگر اس کی روح یہ تلقین ہے کہ حضرت کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا جائے۔ فنی نقطہ نگاہ سے یہ تاثرات معاصرین کی شہادت سے زیادہ اہمیت اور مقام رکھتے ہیں اور مذہبی زاویہ نظر سے تو موضوع کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہیں۔

حضرت شہید کے یادوں کے نقوش ابھی دھندلے نہیں ہوئے ہیں، اس لیے تمام ہی اہل قلم نے اپنے اپنے تجربات، مشاہدات اور تاثرات درج کیے ہیں، اس بنا پر مواد کا اکثر حصہ شخصی معلومات اور براہ راست مشاہدات پر مشتمل ہے۔ خطوط اور ڈائریوں کے اقتباسات بھی درج کیے گئے ہیں، جن کی اہمیت خودنوشت سوانح کی سمجھی جاتی ہے اور عرفان ذات کا بہترین ذریعہ، تصنع و تکلف سے پاک اور مشاہدے کی غلطی سے محفوظ گردانے جاتے ہیں۔

بعض مقالہ نگاران نے خاکہ نگاری اور سراپا نگاری بھی کی ہے اور اس کے ساتھ

موضوع کے کردار و گفتار، نشست و برخاست اور رہن سہن کو بھی زیر بحث لائے ہیں، جن اہل قلم کا مفتی صاحبؒ کے ساتھ قریبی یا قرابتی تعلق رہا ہے، انہوں نے شہیدِ حق کے باطن میں جھانکا ہے اور شخصیت کے اندرون کا کھوج لگایا ہے۔ ظاہر اور باطن کی بازیافت مکمل ہو تو شخصیت پورے روپ میں سامنے آجاتی ہے۔

اخبارات کو شام کے وقت ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے اور رسالوں کی عمر ایک ماہ سمجھی جاتی ہے مگر سوانح کے بیان میں ان کی خبریں اہمیت رکھتی ہیں، اس لیے تاریخ محفوظ رکھنے کی غرض سے ان تراشوں کے لیے بھی ایک مستقل باب باندھا گیا ہے۔

تکرار کو حتی الامکان ختم کیا گیا ہے مگر بسا اوقات ایک بات دعوی کے لیے دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے حذف کرنا مضمون کی بنیاد منہدم کرنے کے مترادف ہوتا ہے، گاہے ایک بات مقصد سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اور مقصد کو بار بار دہرانا اور اسلوب بدل بدل کر بیان کرنا خود مطلوب ہوتا ہے۔ الغرض اس طرح کی تحریروں میں تکرار کی حیثیت ایک ناگوار ضرورت ہوتی ہے اور اسے کم تو کیا جاسکتا ہے لیکن بالکلیہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔

مضامین کے جمع کرنے، کمپوز کرنے، ترتیب دینے اور منصۂ شہود پر لانے کا مشکل اور صبر آزما کام بہت سے مخلصین اور احباب کے مشترکہ کاوشوں کا نتیجہ ہے، اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، مجلّہ صفدر کی پوری انتظامیہ، مولانا احسن خدامی اور خاص طور پر رسالے کے مدیر، عمر جواں اور جنون بے پایاں کے مالک مولانا حمزہ احسانی اور حضرت شہید کے برادر عزیز حکیم عبداللہ صاحب، حضرت کے جملہ متعلقین اور احباب کی طرف سے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ پاک انہیں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ حق تعالی شانہ سے دعا ہے کہ اپنے ایک نیک بندے کے طفیل اور شامل بزم احباب اور شریک محفل مخلصین کی بدولت اس نذرانہ عقیدت کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین.**

☆......☆......☆......☆

مولانا احسن خدامی ☆

کلماتِ تشکر

اللہ جل شانہ کا بے پایاں فضل اور بے پناہ احسان ہے کہ اس نے "مجلّہ صفدر" کو اپنے ایک اور نیک اور پاکیزہ بندے کا تذکرہ اہلِ اسلام کے سامنے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ محض اللہ جل شانہ کا انعام، اس کا احسان اور اس کی توفیق ہے ورنہ ہم کبھی اس قابل نہیں تھے اور نہیں ہیں کہ اتنی عظیم شخصیت کی یادوں کو مرتب کر سکیں، جس کی زندگی بھی قابلِ رشک تھی اور جب اسے موت نے آواز دی تو وہ لہو کا سرخ لبادہ پہن کر اس وارفتگی سے موت کی طرف بڑھا کہ خود موت کو اس پر رشک آنے لگا۔

ایسا شخص جو علم و تفقہ کا گہرا سمندر تھا، اخلاق و کردار کا خوبصورت گلدستہ، عاجزی و تواضع کا حسین پیکر، حق گوئی و بے باکی کا متلاطم سمندر، جس کی راتیں اسلاف کی آہ وزاری کی یاد دلاتی تھیں، جس کے دن اکابر اہلِ علم کے علمی شغف کا پتہ دیتے تھے، جس کے اخلاق شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی یاد تازہ کرتے تھے، جس کے معاملات کی صفائی سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی یاد آتی تھی، جس کا دماغ علم، جس کا دل ذکر، جس کی نظر حیا اور جس کا کردار وفا تھا، ان تمام خوبیوں کا پیکر بننے کے بعد اگر اس دولہا کے سنگھار میں کچھ کمی رہ گئی تھی تو اس کے خالق و مالک نے اسے اپنے پاس بلانے سے پہلے شہادت کے سرخ خون سے ایسا رُوپ دیا کہ جنت کی حوروں نے اسے جھک جھک کے دیکھا اور ملأ اعلیٰ کے فرشتوں نے اس کے حسن و جمال کے نغمے گائے، اس کا انتظار کرنے والے حضرت بنوریؒ نے اپنے باغ کے اس

☆ مدیر مسئول: مجلّہ صفدر...... مدرس: جامعہ محمدیہ، چوبرجی چوک، لاہور

بے لوث مالی کو مرحبا کہہ کر سینے سے لگایا، حق گوئی و جرأت کا ایک اور راہی فائز و کامران ہو کر اپنی منزل پر پہنچا اور بدبختی و شقاوت کے کچھ سوداگروں نے اپنے لئے مزید لعنت کا سامان کر کے اطمینان محسوس کیا۔ تاریکی کے باشندوں نے اگر اس پرنور چراغ کو بجھا کر اندھیروں کو پھیلانے کی کوشش کی ہے تو روشنی کے پروانوں نے بھی اپنا فرض سمجھا کہ اس چراغ کی سلگتی ہوئی راکھ کو جمع کر کے اس سے مزید در مزید چراغ جلانے کی کوشش کریں۔

حضرت شہید کے شاگردوں نے اشک بار آنکھوں سے اپنے محبوب استاد کی یادوں کو جمع کیا، اکابر نے ان کی کامرانی پر ان کو مرحبا اور آفرین کہا، اہلِ علم اور اہلِ قلم نے قطراتِ خون کو صفحاتِ قرطاس پر بکھیرا، دل شکستہ قافلے والوں نے قافلہ سالار کی روِش کو کبھی نہ چھوڑنے کا عزمِ مصمم کیا، سوختہ جانوں نے ایک دوسرے کے زخموں پر مرہم رکھا، ایک دوسرے کے آنسوؤں کو پونچھا، ٹوٹے دلوں نے ٹوٹے دلوں کو سہارا دیا اور ''مجلّہ صفدر'' نے اس لہو رنگ داستاں کو سجانے کیلئے اپنا سینہ پیش کیا۔ سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت پانے والے اس عظیم شخص کی زندگی کی کتاب آپ کے سامنے ہے۔ اگر ہم اور آپ اس کو پڑھنے کے بعد اپنی زندگی، اپنے روز و شب میں کچھ تبدیلی محسوس کریں تو شاید کہا جا سکتا ہے کہ یہ محنت ٹھکانے لگی۔

اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تفتنا بعدہ۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ برحمتك یا ارحم الراحمین۔

مرتب کے قلم سے☆

عرضِ خادم

بندہ ناچیز دارالعلوم مدنیہ میں مقیم تھا تو حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کی شہادت کی خبر سنی، دوسرے روز بحمد اللہ خان پور کے جنازہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، چند روز بعد مجلّہ ''صفدر'' شمارہ:۲۶ر کے لیے بطورِ اداریہ حضرتؒ پر مضمون لکھا۔ حضرت کے بھتیجے اسامہ بھائی اور اپنے ہم کلاس احباب مولانا محمد دلشاد اور مولانا محمد عثمان غنی [فاضلان بنوری ٹاؤن] سے بھی گزارش کی کہ آپ بھی مجلّہ ''صفدر'' کے لیے مضمون لکھ دیں، سب احباب نے کرم نوازی فرمائی، اسی دوران معلوم ہوا کہ ماہنامہ ''بینات'' حضرت دین پوری شہید پر خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے، چنانچہ تمام مضامین ''بینات'' کے پتے پر ای میل کر کے ان کو اطلاع دیدی، دو مضامین بینات کی اشاعت خاص کا حصہ بنے اور دو رہ گئے۔

اسامہ بھائی کے مضمون کے اوائل میں حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کا سوانحی خاکہ بھی تھا، جو مستند تھا، اس لیے ارادہ ہوا کہ بقیہ رسائل کو بھی اسامہ بھائی کا مضمون ارسال کر دیا جائے، تاکہ سب کو صحیح معلومات پہنچ جائیں، لیکن مضمون کی طوالت کی بنا پر خدشہ تھا کہ اکثر رسائل و جرائد میں جگہ نہ مل سکے گی، اس لیے اس کا خلاصہ تیار کر کے جہاں جہاں ممکن ہوا ارسال کر دیا گیا، بہت سے رسائل واخبارات نے اسے شائع بھی کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

چند روز بعد ارادہ ہوا کہ حضرت شہید کے دیگر اعزہ جن کے تاثرات و مضامین بینات کی اشاعت خاص سے رہ گئے ہیں، وہ بھی حاصل کر لیے جائیں اور مجلّہ ''صفدر شمارہ:۲۶'' کی بجائے شمارہ:۲۷ر میں سب اکٹھے شائع کر دیئے جائیں، چنانچہ شمارہ:۲۶ر کے اداریہ میں فوت شدگان و شہداء کے تذکرہ و دعا پر اکتفاء کرتے ہوئے یہ اعلان لگا دیا کہ:

''**اعلان**: ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین

☆خادم اہل سنت حمزہ احسانی [مدیر: مجلّہ صفدر]

پوری شہید رحمہ اللہ [صدر مفتی: جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی] پر خصوصی مضامین شائع کیے جائیں گے۔[ادارہ]''

۲/اپریل کو خان پور جا پہنچا اور حضرتؒ کے برادران جناب حکیم عبداللہ صاحب اور مولانا عبدالکریم صاحب سے گزارش کی کہ حضرت کے کچھ حالات وواقعات سنادیں، جو سن کر قلم بند کیے گئے، بعد میں اُن کو صفحہ قرطاس پر منتقل کیا گیا، اس تمام عمل میں حضرت کے بھتیجوں مولانا نعمان احمد، محمد اسامہ مجاہد، محمد عمر، محمد حنظلہ اور مولانا سہیل وشعیب احمد کا مکمل تعاون حاصل رہا۔

مجلّہ صفدر کا شمارہ: ۲۷/ترتیب کے آخری مراحل میں تھا کہ حضرتؒ کے برادرِ مکرم حکیم عبداللہ صاحب کا پیغام آگیا کہ: آپ ابھی شائع نہ کریں، ہم مزید مضامین کی کوشش کرتے ہیں، اکٹھے شائع کریں۔ چنانچہ انہوں نے اور حضرت شہید کے دیگر اعزہ واقارب جناب عبدالحمید صاحب [جامعۃ الرشید، کراچی]، مولانا عبدالکریم صاحب، حضرت شہیدؒ کے صاحبزادگان، بھتیجوں اور بھانجوں سب ہی نے اپنے طور پر کوشش کی، جامعہ بنوری ٹاؤن، جامعۃ الرشید سمیت کراچی کے مدارس میں اعلانات لگائے گئے، اہلِ علم وقلم سے مضامین کی گزارش کی گئی۔

اسی دوران حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے تلمیذِ خاص، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مدرس ومفتی مولانا مفتی شعیب عالم مدظلہ کا فون آیا، فرمانے لگے کہ: آپ، حضرتؒ پر خصوصی اشاعت کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ کا کیا ارادہ ہے؟ یعنی کس پیمانے پر کام کرنا چاہتے ہیں؟ عرض کیا: کوئی بہت لمبا چوڑا تو نہیں، بس ڈیڑھ دوسو صفحات تک کا ارادہ ہے۔(اور میرا خیال تھا کہ: اس سے زیادہ مواد ہوگا بھی نہیں۔) وہ فرمانے لگے: اگر کراچی کی حد تک ہم کوشش کریں اور یہاں کے حضرات سے مضامین اکٹھے کرلیں تو آپ اُن کو شامل کرسکیں گے؟ عرض کیا: جی! ضرور کیوں نہیں۔(اندھا کیا چاہے؟ دو آنکھیں۔)

چنانچہ انتظامیہ مجلّہ صفدر، حضرت شہید کے برادران اور مولانا مفتی شعیب عالم صاحب کی باہمی مشاورت کے بعد وسیع پیمانے پر کام شروع کیا گیا، محترم جناب حکیم عبداللہ صاحب نے کثیر رقم صرف کرکے روزنامہ ''اسلام'' اور ہفت روزہ ضرب مومن'' میں اشتہار دیا۔ بندہ نے مختلف مجلّات وجرائد کے منتظمین سے درخواست کی، انہوں نے بھی تبادلے میں مجلّہ صفدر کے

دین پوری نمبر کا اعلان لگا دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

چیدہ چیدہ اہل علم وقلم کی خدمت میں درج ذیل عریضہ ارسال کیا گیا:

باسمہ سبحانہ

محترم ومکرم جناب ______________ صاحب زید شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے!

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ مؤرخہ ۱۸، ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱، جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات...... جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ''دارالافتاء کے ذمہ دار واستاذ الحدیث''...... جامعہ درویشیہ کراچی کے ''شیخ الحدیث''...... معہد الخلیل الاسلامی کے ''صدر مفتی''...... جامع مسجد الحمرا کے ''امام وخطیب''...... جامعہ حسینیہ شہداد پور، جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر، مدرسہ عربیہ دین پور اور جامعہ اشرفیہ سکھر کے سابق مدرس...... حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ کے خانوادہ کے عظیم فرد...... قدیم روحانی سرزمین دین پور شریف کے ''سپوت''...... حضرت درخواستیؒ، حضرت بنوریؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مولانا فضل محمد سواتیؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ (ظاہر والی)، مولانا عبیداللہ درخواستیؒ اور مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم (ظاہر پیر) کے شاگردِ رشید...... فاضلِ دیوبند مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند...... محمد عمیر، مولانا محمد زبیر، مولانا محمد عزیر اور محمد شعیب کے مشفق ومہربان والد...... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری کو دِن دیہاڑے ''عروس البلاد'' (جو کہ آج کل ''خونی شہر'' بنا ہوا ہے) کراچی کی معروف ومشہور ''شاہراہِ فیصل'' پر تین بدبخت وشقی القلب قاتلوں نے ٹارگٹ کلنگ کرتے ہوئے گولیاں مار کر شہید کر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شیٔ عندہ باجل مسمی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شہادت، اہل اسلام بالخصوص مسلک اہلِ سنت احناف علماء دیوبند سے وابستہ اکابر واصاغر کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے پینتیس (۳۵) سال سے زائد عرصہ تک دینی، ملی، فقہی، تدریسی، سماجی اور روحانی بالخصوص جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں جو عظیم خدمات سرانجام دی ہیں وہ عصرِ حاضر کی تاریخ کا ایک روشن اور یادگار باب ہیں۔ جنہیں وقت کا

مؤرخ نظرانداز کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔

مظہریہ دارالمطالعہ کے آرگن ''مجلّہ صفدر'' کی انتظامیہ نے حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ کے خانوادہ (برادران وصاحبزادگان) کے مشورے اور اجازت سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کی حیاتِ مستعار کے علم وتقویٰ پر مبنی حالات وواقعات کو منظر عام پر لانے کے لیے مجلّہ ''صفدر'' کا ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ سے دست بستہ درخواست ہے کہ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کے حالات' واقعات' تعلیمات اور خدمات کے بارہ میں مجلّہ ''صفدر'' کے خصوصی نمبر کے لیے اپنے خیالات، جذبات، قلبی تاثرات اور تعزیتی پیغامات تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ اگر بالفرض آپ اپنی تدریسی، تحقیقی اور دعوتی یا دیگر مصروفیات وعوارض کی وجہ سے تفصیلی مضمون تحریر نہ فرما سکیں تو آپ کی طرف سے چند صفحات اور چند سطور بھی ہمارے لیے باعث سعادت ہوں گی۔ ازراہِ کرم دس (۱۰) شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ تک اپنا مضمون یا مکتوب ضرور ارسال فرمادیں۔ امید قوی ہے کہ خاص شفقت سے نوازیں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کو دنیوی واُخروی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یارب العالمین، بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام

(مولانا) جمیل الرحمٰن عباسی (مدیر اعلیٰ) 0301-7790908

(مولانا) ممتاز الحسن خان احسن (مدیر مسئول) 0333-8765602

خادم اہل سنت حمزہ احسانی (مدیر) 0307-5687800

تلمیذِ حضرت مفتی صاحبؒ، مولانا مفتی محمد شعیب عالم 0321-3767912

مولانا عبدالکریم صاحب وحکیم عبداللہ صاحب (برادران حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ)

0333-7473352

نوٹ: اپنا مضمون، مقالہ یا مکتوب درج ذیل ایڈریس پر روانہ فرمائیں۔ جزاک اللہ احسن الجزاء

مولانا مفتی محمد شعیب عالم مفتی: جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

ای میل ایڈریس khadim.khan4@yahoo.com

☆......☆......☆......☆

اکابر علماء بالخصوص حضرت الشیخ مولانا سلیم اللہ خان، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا سمیع الحق، مولانا مفتی ارشادالحق دامت برکاتہم العالیہ وغیرہم نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود فقط اسی ایک عریضہ کے جواب میں حضرت شہیدؒ کے بارے اپنے تأثرات بروقت تحریر فرما کر ارسال فرما دیئے۔فجزاھم اللہ تعالیٰ خیرا۔

اس کے علاوہ بہت سے مضامین بذریعہ''ای میل'' موصول ہوئے، جو قابلِ قدر حضرات نے ''ضربِ مومن'' ''اسلام'' اور دیگر اخبارات و رسائل میں اشتہار دیکھ کر از خود ارسال فرما دیئے تھے،لیکن اُن میں اکثر وہی تھے جو دیگر رسائل کے بعد''بینات'' کی اشاعت خاص میں بھی شامل ہو چکے تھے، جبکہ بندہ کا ارادہ تھا کہ جو مضامین''بینات'' میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے صرف وہی مضامین لیے جائیں جو''صفدر'' کے لیے لکھے گئے تھے۔(اسی لیے محترم جناب مولانا رب نواز صاحب [مدرس: جامعہ فتحیہ، احمد پور شرقیہ] سے گزارش کی تھی کہ :ایک مضمون بینات کی اشاعت خاص کو سامنے رکھ کر تحریر فرما دیں، جو انہوں نے بہت جلد عنایت فرما دیا۔جزاہ اللہ ۔بعدازاں وہ مضمون مجلّہ صفدر [دسمبر ۲۰۱۳ء] میں شائع کر دیا گیا۔) چنانچہ اُن سب مضامین کو کمپیوٹر کے ایک کونے میں رکھ دیا۔

پھر بندہ نے انفرادی کوشش کی تو پنجاب و سرحد کے اہل علم و قلم اور حضرت شہیدؒ کے خانوادہ کے مضامین ہاتھ آئے۔اُدھر مفتی شعیب عالم صاحب اور ان کی معیت میں مولانا محمد یاسر عبداللہ نے کمر کسی تو اساتذہ و مفتیان اور فضلائے بنوری ٹاؤن کے اہم اور تفصیلی مضامین شامل ہوئے، اس خاص نمبر کے لیے لکھے گئے مضامین زیادہ تر مفتی شعیب صاحب کی کوشش و کاوش کا نتیجہ ہیں۔حضرت شہیدؒ کے احباب و تعلق داروں کے کچھ مضامین حضرت شہیدؒ کے برادرِ مکرم محترم جناب حکیم عبداللہ صاحب کی کوشش کی بدولت حاصل ہوئے۔ اس کے علاوہ ماسٹر عبدالحمید صاحب، مولانا عبدالکریم، مولانا قاری عبدالحی [برادران حضرت شہیدؒ]، صاحبزادگانِ حضرتؒ اور مولانا زین العابدین و مولانا شفیق جلال پوری وغیرہم نے مضامین کے حصول کے لیے خوب تگ ودَو کی، بالخصوص مفتی شعیب عالم صاحب اور مولانا زین العابدین کے واسطے سے دیگر رسائل میں چھپنے والے اکثر مضامین کمپوز شدہ موصول ہو گئے، جس سے وقت کے ساتھ ساتھ

محنت اور خرچ کی بھی بچت ہوئی۔ فجزاھم اللہ خیرا۔

حضرت شہیدؒ کے صاحبزادگان، تلامذہ، اعزہ و اقرباء سب ہی نے کمپوزنگ و پروف ریڈنگ وغیرہ دیگر امور میں خوب تعاون کیا، مولانا غلام مصطفیٰ، مولانا یاسر عبداللہ بھی پیش پیش رہے، محمد انس پٹیل اور بلال نور (متعلمانِ جامعہ) نے بھی اچھی خاصی معاونت کی، نظر ثانی اور پروف ریڈنگ میں بھی زیادہ کردار تو مفتی شعیب عالم صاحب اور مولانا یاسر عبداللہ کا رہا، کسی قدر حضرت شہیدؒ کے فرزندار جمند مولانا عزیر بھی شریک رہے۔ مولانا عبدالرزاق خان، برادرم مولانا احسن خدامی، مولانا احمد طاہر اختر، مولانا محمد نوید، مولانا صدیق حسن، بھائی عبدالغفور اور محترم جناب ماسٹر منظور حسین صاحب [ناظم: ماہنامہ حق چار یار لاہور] نے بھی تمام مواد کی پروف خوانی اور دیگر امور میں کثیر وقت صرف فرمایا، اس کے علاوہ بھی احباب معاون رہے، سب کے نام ذکر کرنا مشکل ہے۔ الغرض ایک پوری جماعت نے مسلسل اور جان توڑ محنت کی تو کہیں جا کہ یہ مواد اکٹھا ہوسکا اور خاص نمبر تیار ہوا۔

اس بے لوث جہدِ مسلسل کے علاوہ مفتی شعیب عالم صاحب نے بذات خود بھی دو عدد مفصل مضامین تحریر فرمائے، جن سے ''خاص نمبر'' کی اہمیت اور وقعت میں اضافہ ہوا، اگر ان دونوں مضامین کو پورے نمبر کی جان کہا جائے تو شائد بے جانہ ہو۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

شعبان المعظم اور نصف رمضان بندہ ناچیز ''دورۂ تفسیر قرآن'' کی خاطر کراچی میں قیام پذیر تھا، اس دوران مفتی شعیب عالم صاحب سے مسلسل رابطہ رہا، اور اُن کی نگرانی و سرپرستی میں جتنا ممکن ہوسکا، کام جاری رکھا۔

رمضان المبارک کے بعد بندہ اور مفتی شعیب عالم صاحب نے دیگر احباب کے ساتھ مل کر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ٹھانی، ابتدا میں بندہ تین دن مفتی شعیب عالم صاحب کی مسجد ''جامع مسجد ٹیلیگراف، پاکستان چوک، کراچی'' میں اس مقصد کے لیے معتکف رہا، پھر جمعرات جمعہ کو حاضری ہوتی رہی، مفتی شعیب صاحب اور اُن کے تلامذہ کے بھرپور تعاون اور کوشش سے اب ربیع الاول کے قریب جا کر یہ کام مکمل ہوتا نظر آیا۔ اس دوران کئی نشیب و فراز بھی آئے، بہت مرتبہ ہمت ہارنے اور امید ٹوٹنے کے حالات پیدا ہوئے، کئی دفعہ اس کارِ خیر کو اُدھورا

چھوڑنے کی نوبت آتی محسوس ہوئی، لیکن خدا کے فضل وکرم، حضرت شہیدؒ کی کرامت اور مفتی شعیب عالم صاحب کی مستقل مزاجی اور ہمت نے بندہ کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود تک پہنچا ہی دیا۔

یہ ملحوظ رہے کہ بندہ کو حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ سے فقط ایک بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، اس لیے ان کے مزاج ومزاق اور حالات سے واقفیت نہ ہونے کی بنا پر اس ’’خاص نمبر‘‘ کے جملہ امور حضرت شہیدؒ کے تلمیذِ خاص مولانا مفتی شعیب عالم صاحب کی مشاورت سے طے پائے، ابواب کی ترتیب، مضامین ومواد کا انتخاب، حذف واختصار، تقدیم وتاخیر وغیرہ۔ تمام امور میں باہمی مشاورت رہی۔

ایک اہم بات ذکر کرتا چلوں، حضرت شہیدؒ کو کسی نے ’’رئیس دارالافتاء‘‘ اور کسی نے ’’نائب رئیس دارالافتاء‘‘ لکھا ہے، بندہ نے مفتی شعیب عالم صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ: ضابطہ کے مطابق تو ’’نائب رئیس‘‘ ہی تھے، لیکن عملاً ’’رئیس‘‘ تھے۔ پھر مخدوم مکرم حضرت مولانا اعجاز مصطفیٰ مد ظلہم [جانشین حضرت جلال پوری شہیدؒ، معاون مدیر: ماہنامہ بینات، امیر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، کراچی] کی خدمت میں حاضری ہوئی، ان کو خاص نمبر کی فہرست دکھائی تو انہوں نے بھی ارشاد فرمایا کہ: اس بات کا خاص خیال رکھیں، جامعہ کے ضابطہ کے مطابق دارالافتاء کے رئیس اب بھی حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی مد ظلہم ہی ہیں، حضرت شہیدؒ نائب رئیس تھے، اسی لیے ہم نے بینات میں ہر جگہ ’’نائب رئیس‘‘ یا ’’دارالافتاء کے ذمہ دار یا مسئول‘‘ وغیرہ الفاظ لکھے ہیں، تاکہ جامعہ کے ضابطے کا احترام برقرار رہے۔

نیز ایک اور بات جو بہت مشہور ہوئی اور بہت سے مضمون نگار حضرات نے بھی اپنے مضامین میں لکھی کہ: ’’آخری دن حضرت شہیدؒ نے حدیث "القبر روضة من رياض الجنة" پڑھائی۔‘‘ اس امر کی تحقیق کی خاطر بندہ نے حضرت دین پوری شہیدؒ کے آخری درس کی ریکارڈنگ حاصل کی، اُس میں یہ حدیث موجود ہے۔ چنانچہ بندہ نے آخری درس کا آخری حصہ ریکارڈنگ کی مدد سے لکھ کر اِس اشاعت خاص کا حصہ بنا دیا ہے۔ اور حضرت کے صاحبزادے سمیت کئی تلامذہ نے اس کی تصدیق کی ہے کہ یہی آخری سبق ہے۔

قارئین کی خوب بصر خراشی کے بعد اب اجازت چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اُن کی اولاد، تلامذہ و متعلقین کو اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین اسلام، مذہب اہل سنت اور مسلک احناف کی اشاعت، حفاظت و ترجمانی کی توفیق ارزانی فرمائے۔ مجلّہ ''صفدر'' کی اس اشاعت خاص کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور ہم سب کے لیے ''نشانِ راہ'' بنائے۔ آمین۔

خادم اہل سنت حمزہ احسانی......مدیر: مجلہ صفدر

نوٹ: آخر میں مجلّہ صفدر کی سابقہ روایات کے مطابق بعض خطوط بھی درج کیے جا رہے ہیں۔

☆......☆......☆......☆

محترم جناب مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہ و مولانا مفتی شعیب عالم صاحب مدظلہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سے میری براہِ راست ملاقات صرف ایک دفعہ کچھ دیر کے لیے ہوئی، دوسرے حضرات کی صحبت کی کیفیات و تاثرات سے عام طور سے نابلد ہی رہتا ہوں، اپنی کوتاہی طبع کا معترف ہوں، اس لیے حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کے بارے میں کچھ بھی لکھنے سے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام علیکم۔ عبدالواحد غفرلہ

☆......☆......☆......☆

برادرِ گرامی قدر و معظم جناب مولانا حمزہ صاحب احسانی زید مجدہ

السلام علیکم مزاجِ گرامی!

معروض آں کہ ہمارے مولانا لدھیانوی جامعہ کی لائبریری کے نائب ناظم ہیں، آپ اکثر جامعہ کے حضرات کی شہادتوں پر عبراتِ غم بہاتے رہے ہیں، موصوف نے حضرت دین پوریؒ کی شہادت کے موقع پر یہ مضمون سپردِ قلم کیا، لیکن شاید جگہ کی تنگی کی وجہ سے ماہنامہ بینات کے نمبر میں جگہ نہ پا سکا، اب آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے امید ہے قبول فرمائیں گے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ مولانا لدھیانوی کا یہ مضمون، اور راقم نے جو پہلے تین مضامین بنام ''حیاتِ شہید اِک نظر میں''، ''مفتی شہیدؒ اخبارات کی نظر میں'' اور ''عالم گیر خراجِ عقیدت'' بھیجے تھے، یہ چاروں مضامین اب تک غیر مطبوعہ ہیں، کہیں بھی نہیں چھپے۔ فقط......والسلام......محمد زین العابدین

☆......☆......☆......☆

محترم مولانا مفتی محمد شعیب عالم صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

گلہائے عقیدت السلام علیکم

اللہ سدا شاد آباد رکھے، مفتی عبدالمجید دین پوری شہید کی یاد میں مجلّہ ''صفدر'' خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے، یہ ایک عظیم کارنامہ ہے، شہید تو زندہ ہیں، زندہ رہیں گے، ان کی یادیں تڑپاتی ہیں، وہ قلندر انسان تھے، قلندر دنیا سے بیزار رہتا ہے، اپنی جستجو اللہ کی لگن میں زندگی گزار دیتا ہے، میرا تعلق ادب سے ہے، ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے ساتھ کچھ بھیج رہا ہوں، قبول فرمالیں۔

بہ صد احترامات......سید شاہ عالم زمرد اکبر آبادی

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی شعیب عالم صاحب

ماہنامہ ''الخیر'' میں حضرۃ الاستاذ رحمہ اللہ کی یاد میں مجلّہ ''صفدر'' کی خصوصی اشاعت کا اشتہار دیکھ کر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی اپنے استاذ محترم کے لیے کچھ لکھوں، آپ سے درخواست ہے کہ ان سطور کو بھی جگہ عنایت فرمائیں۔ شکریہ

آپ سے کعبۃ اللہ میں ملاقات ہوئی تھی، جب آپ کا نام دیکھا تو مجھے اپنا عمرے کا سفر یاد آگیا، آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ والسلام......فقط

عزیز اللہ بلوچ جوسکی......مدرسہ خلفائے راشدین، جوسک، تربت، بلوچستان

☆......☆......☆......☆

محترم المقام جناب مفتی شعیب صاحب دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آداب عرض۔ حضرت استاذ جی کے ساتھ بندہ کی جو یادیں ہیں، بے ربط طور پر پیشِ خدمت ہیں، مناسب سمجھیں تو مجلّہ ''صفدر'' میں لگادیں۔ جزاک اللہ خیرا

والسلام علیکم......قاضی محمد اسعد الحسینی، بن مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ

☆......☆......☆......☆

محترم المقام حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بعد از ہدیہ مسنونہ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے مجلّہ ''صفدر'' کے لئے چند بے ربط الفاظ کا مجموعہ ارسال خدمت ہے۔ مجلّہ ''صفدر'' کا خاص شمارہ جو حضرت دین پوری رحمہ اللہ کی خدمات پر شائع کیا جارہا ہے، اس میں شامل کروا کر شکریہ کا موقع بخشیں، چونکہ یہ سب کچھ عجلت میں لکھا گیا ہے بمہربانی

مطالعہ فرما کر کہیں کوئی غلطی ہو درستگی فرما کر شامل اشاعت کروادیں ممنون ہوں گا۔

فقط والسلام الاحترام......دعاؤں کا طالب گل احمد الاظہری

خطیب جامع مسجد مدنی چکوٹھی، موڑ بازار چکوٹھی آزاد کشمیر۔ موبائل۔۰۳۴۷۔۵۳۲۰۶۳۱

☆......☆......☆......☆

محترم مفتی شعیب عالم صاحب!

کثر اللہ امثالکم فینا تحیۃ وسلام علی طریق خیر الانام وحسن الفخام.

الرام۔ معروض آنکہ حضرت مفتی دین پوریؒ کے بارے میں اپنے تأثرات بینات کے لئے لکھے تھے، مگر کچھ اسفار ورحلات اور کچھ مشاغل ومصروفیات کے باعث اسے بروقت ارسال نہیں کرسکا تھا۔

اب روزنامہ اسلام میں آپ کی طرف سے اشتہار واعلان نظر سے گذرا، سو آپ کے حکم کی تعمیل میں یہ بھیج رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ کتر وبیونت کے بغیر من وعن شائع فرمائیں گے۔

نیز ماہنامہ ''صفدر'' سے میں ناآشنائے محض ہوں، برائے مہربانی اگر یہ شرف قبولیت پاکر اس میں شامل اشاعت ہوجائے تو آنجناب یا تو اس کا ایک نسخہ ارسال فرمائیے، یا اس کا پتہ بھیج دیجیے۔

حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادگان کو سلام فرمائیے۔

زیادہ والسلام بالوف الاکرام......احقر الزمان حمید الرحمٰن

مرکزی جامع مسجد عمر فاروقؓ، منگرال ماڈل ٹاؤن، ڈاکخانہ فضائیہ کالونی، راولپنڈی
۰۳۳۳۔۵۲۵۷۴۸۹

امام اہل سنت، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی اپنے

تلامذہ اور مریدین کے لیے نصیحت

عزیزان گرامی قدر!

میں کسی بھی مسئلہ میں اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا۔ بلکہ قرآن وسنت اور فقہ وتاریخ کے تمام افکار ومسائل میں اکابرین علماء دیوبند کی اجماعی تحقیق پر اعتماد کرتا ہوں اور اُن کی تمام اجماعی تعلیمات کو حق جانتے ہوئے اُن پر عمل پیرا ہونے کو اپنے لیے ہدایت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں اپنے تمام تلامذہ، مریدین اور متعلقین کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اکابر علماء دیوبند کے مسلک پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہیں۔ اور اُن کے دامن کو کسی صورت چھوڑنے نہ پائیں۔ جو اکابر علماء دیوبند کے اجماعی مسلک کو قرآن وسنت کے مطابق سمجھتے ہوئے اس پر پوری طرح قائم رہے وہ میرے متعلقین میں شامل ہے۔ اور جس کا اکابر کی ''اجماعی تحقیق'' پر اعتماد نہ ہو میرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

نوٹ: عقیدہ حیات النبی کے بارہ میں اکابر علماء دیوبند کے مسلک جو ''المہند علی المفند'' کے اندر مذکور ہے، اس کی روشنی میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ارواح مبارکہ کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور عند القبر پڑھا جانے والا الصلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ ہمارے حضرت رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ جس کا یہ عقیدہ ہے وہی دیوبندی ہے۔ اور میرے متعلقین میں شامل ہے۔ اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کی پاسبانی کے لیے میرے تمام شاگرد، مریدین و متعلقین ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے ساتھ ہر قسم کا بھرپور تعاون فرمائیں کہ یہ جماعت ہمارے بزرگوں کی قائم کردہ ہے۔ میری سب کو یہ نصیحت اور حکم ہے۔

(امام اہل سنت، حضرت مولانا) ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر (رحمہ اللہ)

...... باب نمبر۲ ......

تأثرات اور تعزیتی پیغامات

اساتذہ واکابر علماء ومشائخ، احباب ومتعلقین کے تأثرات وتعزیتی شذرے

احقر نے خصوصیت کے ساتھ ان میں انکساری، فنائیت، بے نفسی کی صفت کو واضح طور پر ہمیشہ محسوس کیا۔اسی طرح فتویٰ کے باب میں ان کی مہارت اور دقیقہ رسی بھی لائق رشک تھی۔

واقفانِ حال مرحوم کے اوصاف اور کمالات پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ احقر تو یہ کہہ کر کہ: ''مفتی صاحب خانوادۂ علم وعمل کے کریم النفس چشم وچراغ تھے۔'' اپنی بات ختم کرتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

حضرت موصوفؒ کا بڑا وصف میری ناقص رائے میں آپ کا تقویٰ و طہارت ہے۔چہرہ انور پر تقوٰی کا ایک خاص نور تھا جو اپنے اندر جذب کی ایک بے پناہ قوت رکھتا تھا اور اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔اللہ والوں کی خاص نشانی کہ ''جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے'' کا عین مصداق۔خدا تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔

☆......☆......☆......☆

مفتی صاحب موصوف سے چند سالوں سے تعلق رہا، کئی مرتبہ علمی نشستوں میں واسطہ پڑا، حضرت تواضع میں نمونۂ اسلاف اور فقاہت کے لحاظ سے ٹھوس فکر کے حامل اور نظریاتی لحاظ سے جبلِ استقامت تھے۔ بلاخوف لومۃ لائم حق کہنے والے تھے۔

حضرت موصوف تمام اکابرِ امت کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے، اگر کسی کے خلاف رائے بھی رکھتے تب بھی اُس کا نہایت ادب واحترام سے ذکر فرماتے۔

بقیۃ السلف ،استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی......وبعد

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ احقر کے روابط کافی عرصے تک رہے، مشاورت کی محفلیں بھی ہوتی تھیں، ہم سفر ہونے کا اتفاق بھی ہوتا تھا، وفاق المدارس کے امتحانات کے بعد طلباء کی جوابی کاپیاں جانچنے کے عمل میں بھی حضرت مرحوم کے ساتھ تعلق رہتا تھا۔

احقر نے خصوصیت کے ساتھ ان میں انکساری، فنائیت، بے نفسی کی صفت کو واضح طور پر ہمیشہ محسوس کیا۔اسی طرح فتویٰ کے باب میں ان کی مہارت اور دقیقہ رسی بھی لائق رشک تھی۔

واقفانِ حال مرحوم کے اوصاف اور کمالات پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔احقر تو یہ کہہ کر کہ:''مفتی صاحب خانوادۂ علم وعمل کے کریم النفس چشم وچراغ تھے۔'' اپنی بات ختم کرتا ہے۔

اللہ بزرگ وبرتر جنت الفردوس میں ان کو بلند درجات عطا فرمائیں اور ان کے پس ماندگان کا بہترین تکفل فرمائیں، آمین ثم آمین۔ سلیم اللہ خان، جامعہ فاروقیہ کراچی

۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ ۳۰ اپریل ۲۰۱۳ء

☆......☆......☆......☆

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم

[مدیر وشیخ الحدیث: جامعہ عربیہ احیاء العلوم، ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خان]

برخوردار عزیزم مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے ہمارے ہاں ''جامعہ عربیہ احیاء العلوم، ظاہر پیر'' میں ایک سال تعلیم کے سلسلہ میں اور ایک سال تدریس کے سلسلہ میں گزارا۔ بہت سمجھدار، ذی استعداد اور محنتی ولائق تھے۔ ان کے والد مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ [والد گرامی برادر مکرم مولانا محمد مکی حجازی مدظلہم] اور مولانا غلام رسول پونٹوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔سکول کی ٹریننگ کے دوران انہوں نے نارمل

سکول گکھڑ میں امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی پڑھا تھا۔ مولانا محمد عظیم صاحب مرحوم اگرچہ سکول میں پڑھاتے تھے لیکن بہت ماہر نحوی تھے، ''جامعہ مخزن العلوم، خان پور'' کے طلباء آپ سے استفادہ کے لیے آپؒ کی مسجد میں جایا کرتے تھے، اور نحو میں اگر کوئی طالب اپنے مدرسہ کے استاذ سے مطمئن نہ ہو پاتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور تسلی بخش جواب پاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ مولانا مفتی عبدالمجید اور ان کے والد گرامی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین ☆......☆......☆......☆

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

عزیزِ محترم مولانا شعیب عالم صاحب۔ حفظہ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ محترم جناب مفتی عبدالمجید دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی دردناک شہادت کے بعد ان کی دینی خدمات کے حوالے سے آپ حضرات ''مجلّہ صفدر'' کا خصوصی نمبر شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھ سے بھی اس میں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کے بارے میں لکھنے کی فرمائش کی گئی ہے۔

بندہ اگر کچھ لکھنے کی پوزیشن میں ہوتا تو یہ میری سعادت ہوتی، چونکہ بندہ کو موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے واقفیت نہیں اور سرسری ملاقاتیں بھی ایک دو سے زیادہ نہیں، اس لئے میں مزید کچھ لکھنے سے معذور ہوں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، درجات عالیہ سے نوازے اور ان کے تمام پسماندگان اور اہل تعلق کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطا فرمائے، نیز یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ''مجلّہ صفدر'' کے اس خصوصی نمبر کو قارئین کے لئے نافع بنائے، اور آپ حضرات کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

والسلام ......محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ......رئیس: الجامعہ دارالعلوم کراچی۔

☆......☆......☆..........☆

شیخ الحدیث، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپنی بیماری اور اسفار کی بناء پر تاخیر سے جواب دے رہا ہوں۔ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بندہ کو صرف چند بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، اور بندہ ان کی تواضع، سادگی اور ان کے مخلصانہ انداز سے متأثر ہوا۔ اُنکی شہادت امت کا بڑا نقصان ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں شہادت کا یہ قابلِ رشک مقام بھی عطا فرمانا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کو اپنے مقامِ قرب میں درجاتِ عالیہ سے نوازیں۔ آمین

جہاں تک ان پر کچھ لکھنے کا تعلق ہے، بندہ کو چونکہ نیاز حاصل کرنے کا موقع بہت کم ملا، اس لئے ان کے بارے میں کچھ لکھنے میں اپنے آپ کو نااہل پاتا ہوں۔ دل سے دعا ہے کہ آپ کا یہ خصوصی مجلّہ نافع اور مقبول ہو۔ آمین۔

والسلام...... بندہ محمد تقی

☆......☆......☆......☆

قائد جمعیۃ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہم

محترم المقام مدیر اعلیٰ صفدر گجرات السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گزشتہ کئی سالوں سے عروس البلاد کراچی علماء کرام اور مظلوم عوام کے لئے مقتل گاہ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ آئے روز ٹارگٹ کلنگ، دھماکے، دینی مدارس پر چھاپے، حملے اور فرقہ وارانہ فسادات نے پورے خطے کو ابتلاء وآزمائش میں ڈالا ہے۔ گزشتہ برسوں میں دہشتگردی کے اس عفریت نے ہم سے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مفتی حبیب اللہ مختارؒ، مولانا عنایت اللہؒ، مفتی نظام الدینؒ شامزئی جناب حکیم محمد سعیدؒ وغیرہ جیسے دینی اور علمی شخصیات چھین لئے۔ اور اب مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کے سانحہ شہادت نے ہمیں مزید درد وکرب میں مبتلا کیا۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت ایک فرد کی شہادت نہیں بلکہ پوری علمی دنیا کی

شہادت ہے۔ یہ تو خود سید الکائنات ﷺ نے فرمایا۔ موت العالم موت العالم۔

ان کے جانے کے بعد دارالافتاء اور دارالحدیث کی مسندیں خالی رہ گئیں۔ ہزاروں تشنگان علم پیاسے رہ گئے۔ بہرحال مفتی صاحب ایک جامع الکمالات اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے شاہسوار تھے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ مجلّہ صفدر ان کے حیات وخدمات کے حوالے سے خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے۔ امید ہے یہ کاوش آئندہ نسلوں کے لئے مینارہ نور ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اوران کے قاتلوں کو دنیا وآخرت میں رسوا فرمائیں۔ راقم سمیت دارالعلوم حقانیہ اس غم میں آپ کے برابر شریک ہے۔ تمام پسماندگان کو میری طرف سے تعزیت کیجئے۔

والسلام......مولانا سمیع الحق

☆......☆......☆......☆

فقیہ وقت، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان مدظلہم

[بانی ومہتمم وشیخ الحدیث: جامعۃ الحمید، عظیم آباد، رائے ونڈ روڈ، لاہور]

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہا کردند و رفتند

بندہ نہ تو تحریر کا شہسوار ہے اور نہ وہ اندازِ بیان رکھتا ہے کہ اللہ والوں کی شایانِ شان الفاظ لاکر ان کی ہستی کو اُجاگر کر سکے، بس بعض حضرات کے اصرار پر حضرت اقدس دین پوری صاحب مرحوم کے بارے میں چند جملے لکھ رہا ہوں۔

علماء حق کا دنیا سے جانا علامات قیامت میں سے ہے، جیسا کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ: علامات قیامت میں سے علم کا اٹھ جانا ہے، علماء کے اٹھ جانے سے۔

مفتی صاحب موصوف سے چند سالوں سے تعلق رہا، کئی مرتبہ علمی نشستوں میں واسطہ پڑا، حضرت تواضع میں نمونہ اسلاف اور فقاہت کے لحاظ سے ٹھوس فکر کے حامل اور نظریاتی لحاظ

سے جبلِ استقامت تھے۔ بلاخوف لومۃ لائم حق کہنے والے تھے۔ خصوصاً نام نہاد اسلامی بینکاری کے خلاف جو حضرت نے استقامت کا مظاہرہ کیا وہ قابل صد مبارک باد ہے۔

حضرت موصوف تمام اکابرِ امت کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے، اگر کسی کے خلاف رائے بھی رکھتے تب بھی اُس کا نہایت ادب واحترام سے ذکر فرماتے۔ اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ صفات مذکورہ عالیہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آخر میں شہادت جیسی عظیم مرتبت سے نوازا۔ فانالله وانا اليه راجعون۔

☆......☆......☆......☆

استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم

[مدیر و شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور......فرزندارجمند: مولانا محمد شریف بہاول پوریؒ]

برخوردار مولانا سرفراز صاحب حمزہ نے مفتی عبدالمجید صاحب دین پوری رحمہ اللہ کے بارے میں مجلّہ ''صفدر'' میں خصوصی اشاعت کی خوشخبری سنائی، اللہ تبارک وتعالیٰ اسے نافع بنائیں اور بعافیت تکمیل تک پہنچائیں، آمین۔

حضرت مفتی عبدالمجید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ہم سب کے لئے تو بہت بڑا نقصان ہے اور ان کے لئے اللہ کے ہاں بہت بڑا اعزاز ہے، جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں برادرِ محترم حضرت مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ کے ہاں جانا ہوتا تو ان سے بھی ملاقات ہوتی تھی، حضور ﷺ کے فرمان (ان من المعروف ان تلقى اخاك بوجه طلق) کے مطابق بہت ہی خندہ پیشانی اور ہمیشہ مسکراہٹ سے ملتے اور خیریت معلوم فرماتے۔ اسی طرح برخوردار مفتی احمد سفیان (مفتی دارالعلوم مدنیہ) ان کے شاگرد ہیں، ان کا مسائل کے بارے میں ہمیشہ رابطہ رہتا، جب بھی کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی تو ان سے رہبری حاصل کرتے اور اس سے مکمل رسوخ فی العلم معلوم ہوتا۔

بندہ ان کے دینی جذبات اور خصوصاً افتاء میں ان کی خدمات کا ہمیشہ معترف رہا، ان سے استفادہ یا تفصیلی ملاقات کی نوبت نہیں آئی، اس وجہ سے ان کی خدمات پر تفصیلی مضمون لکھنے کا

اپنے آپ کو اہل نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں ترقی عطاء فرمائیں اور مجلّہ ''صفدر'' کے منتظمین کو اُن کی خدمات جلیلہ کے تعارف کے لئے اپنی رضا کے مطابق اس کی اشاعت کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں اور امت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

☆......☆......☆......☆

استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد قاسم مدظلہم

[مدیر وشیخ الحدیث: جامعہ خالد بن ولید، ٹھینگی موڑ، وہاڑی]

قال اللہ تعالیٰ وعزمن قائل، ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

آج ۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ جمعرات بہاولپور سے واپسی پر دورانِ سفر بڑی المناک خبر سنی ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کے نائب رئیس الافتاء انتہائی خوش اخلاق، سلیم الصدر لکل مسلم، مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی محمد صالح اور تیسرے طالب دین قدس اللہ اسرارہم کو بدطینت اور دین دشمن ظالموں نے کراچی میں شہید کردیا۔ **فان للہ ما اخذ ولہٗ ما اعطیٰ وکل شیء عندہ باجل مسمّی فلنصبر** ۔ وہ تو اپنے اسلاف واکابر شہداء وصالحین کے ہاں پہنچ کر ان شاء اللہ ارواحھم فی طیر خضر یسرحون من الجنۃ حیث شائت کے لطف ولذۃ سے شادکام ہو چکے، یعنی اللہ کے فضل وکرم سے انہیں جنت میں طیارے مل چکے، اور حسب منشاء جنت کے نعمہائے دائمہ ومستمرّہ سے بہرہ ور ہو رہے ہوں گے، لیکن ان کی علمی واخلاقی خوبیوں سے مستفید ہونے والی مسلم قوم محروم ہوگئی، اس موقعہ پر الصادق والمصدوق حضور پرنور ﷺ کا وہ ارشاد گرامی یاد رکھنے کی ضرورت ہے جو ستر شہداء بئر مؤنۃ اور غزوۂ موتہ کے شہداء بالخصوص سیدنا زید بن حارث وسیدنا جعفر طیار وسیدنا عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اطلاع شہادت دیتے ہوئے مبارک آنکھوں سے طبعی غم کے آنسو بھی جاری تھے اور ساتھ یہ بھی فرمارہے تھے:

''ولکنھم لم یسیروا ان یکونوا عندنا فکفی بنا اسوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھٰؤلاء الشھداء اللھم وسّع مدخلھم وبرّد مفحمھم وادخلھم فی دار نعیمک المقیم الذی لا یزول ولا یحول''۔

ان شہداء پر لکھنے والے سینکڑوں اصحاب قلم ہوں گے، بندہ فقط اس تذکرہ خیر میں

شریک ہونے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔کہ ھٰذا المجلس لا یشقیٰ جلیسھم . اللھم متعنا بصفاتھم الحسنیٰ واخلاقھم الفُضلٰی. تقبل منا انک انت السمیع العلیم

☆......☆......☆......☆

استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ارشاد الحق مدظلہم

[شیخ الحدیث: جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور]

محترم ومکرم جناب مدیر اعلیٰ صاحب مجلّہ صفدر گجرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی؟

مکتوب گرامی بسلسلہ خصوصی نمبر مجلّہ ''صفدر'' بیاد حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ باعث سرفرازی ہوا، یادآوری وخوردنوازی کا شکریہ!

بلاشبہ حضرت دین پوری شہیدؒ کا سانحہ شہادت علماء حقہ اہل سنت کیلئے بلکہ عوام وخواص کیلئے ایک عظیم نقصان اور عظیم صدمہ کا موجب ہوا۔

حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کی ہمہ جہت دینی اور ملی خدمات کا دائرہ کافی وسیع اور مؤثر تھا۔ ماضی قریب میں ملک کے بہت سے جید علماء بالخصوص مردم خیز شہر کراچی کے نامور علماء ایک ایک کر کے دین کے دشمنوں نے ہم سے چھین لئے ہیں۔ اور شہادتوں کا ایک سلسلۃ الذھب جاری وساری ہے جو رکنے نہیں پا رہا اور دل وجگر خون کے آنسو رو رہا ہے، لیکن کیا کیا جائے سنت اللہ یہی ہے کہ ؎ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

وہ خلد آشیاں خوش نصیب ہیں جو گلشن اسلام کو اپنے گرم گرم خون سے سینچ کر امر ہو گئے۔

بنا کر دند خوش رسمے بہ خاک و خوں غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہمارے ممدوح حضرت دین پوری شہیدؒ بھی بلا ریب شہادتوں کی اس سنہری زنجیر کی ایک روشن کڑی ہیں جو اپنے عظیم اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کامیاب وکامران ہو گئے۔

یہ رتبہ بلند ملا کہ جس کو مل گیا ہر مدعی کیلئے دار ورسن کہاں!

حضرت مفتی صاحب شہیدؒ بہت سے اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ مجھ ناچیز کو حضرت موصوف سے صرف چند ملاقاتوں کا شرف حاصل ہے، وہ اس طرح کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر ملتان میں وفاق کے تحت منعقدہ سالانہ امتحانات کے پرچوں کی چیکنگ کیلئے حاضری ہوا کرتی تھی اور حضرت شہیدؒ بھی اس خدمت کیلئے تشریف فرما ہوا کرتے تھے، اس طرح ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت موصوفؒ کا بڑا وصف میری ناقص رائے میں آپ کا تقویٰ وطہارت ہے۔ چہرہ انور پر تقوی کا ایک خاص نور تھا جو اپنے اندر جذب کی ایک بے پناہ قوت رکھتا تھا اور اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔ اللہ والوں کی خاص نشانی کہ ''جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے'' کا عین مصداق۔ خدا تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔

مجلّہ ''صفدر'' کی پوری انتظامیہ بہت بہت مبارکباد کی مستحق ہے جو اپنے اکابر کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے ''صفدر'' کے پے در پے وقیع نمبرات اہل فکر ونظر کی نذر کر رہی ہے۔ مثلاً امام اہل سنت نمبر، شیخ المشائخ نمبر، شیخ الحدیثؒ نمبر اور اب مفتی عبد المجید شہید نمبر۔ حق تعالیٰ مزید حوصلہ وہمت عطاء فرمائے۔ فقط والسلام دعا گو! محمد ارشاد الحق غفرلہ، ۲۴ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

☆......☆......☆......☆

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان مدظلہم

حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحبؒ ایشیا کے مقتدر ادارے، ہماری مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے خریج، ممتاز فاضل اور وہیں سے متخصص اور آخرکار جب افتاء کے اساتذہ رخصت ہوئے، تو وہاں کے اہل انتظام کی دوررس نگاہیں آپ ہی کے اوپر وہاں کے افتاء کی مسند نشینی کے لئے پڑ گئیں، آپ عظیم مفتی، مقتدر فقیہ، کہنہ مشق استاذ، اساسی مدرس اور اپنے دینی اداروں کی آن بان تھے۔ ہمارے اس گئے گزرے دور میں اہل حق پر جو آفات آئی ہیں ان میں نام نہاد اسلامی بینکاری کے نام سے مکر وتلبیس اور دجل کا ترانہ ہے۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ظاہر تو یہ کیا گیا کہ بینک کے سود اور نظام سود سے نجات دلانے کی ایک شرعی کوشش اور فقہی تدبیر اختیار کی گئی لیکن تجسس اور تحقیق سے پتہ چلا کہ اس سلسلے میں نام نہاد اسلامی بینکنگ کے کارپردازان سود ہی کو اسلامی ناموں سے حلال کرنے کے درپے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

اس سلسلے میں ملک اور بیرون ملک کے اہل حق علماء حد درجہ فکر مند رہے، چنانچہ مختلف علماء نے نام نہاد اسلامی بینکاری کا بھرپور رد فرمایا، پاکستان میں بھی صدر الوفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی میں مقتدر اہل افتاء اور ذمہ دار مدارس کے فقہاء متوجہ کئے گئے۔ چنانچہ ایک متفقہ تحریر لکھی گئی اس پر اتفاق کیا گیا کہ بعض اہل حق علماء کی طرف سے جو اسلامی بینکنگ کی کوشش کی گئی ہے وہ بینکنگ کو سود سے نکال نہ سکی، اس واسطے مسلمانان عالم سے اپیل کی گئی کہ وہ ان بینکوں سے عام بینکوں جیسا سلوک کریں اور ان کو ہرگز کسی درجہ میں اسلامی بینک کی نظر سے نہ دیکھیں ورنہ اس کا گناہ بہت بڑا ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب رحمہ اللہ اپنے پورے تبحر فقہی کے ساتھ میدان میں اترے تھے اور ان کی طرف سے اس پر ایک محقق کتاب تیار کی گئی جس کے جواب وحل سے فریقِ مخالف اور بینکار ہمیشہ عاجز رہے، خود جامعہ احسن العلوم کی طرف سے نام نہاد اسلامی بینکاری پر مشتمل ماہنامہ الاحسن کا خصوصی نمبر شائع ہوا جس میں اس موضوع پر تمام فتاویٰ چھوٹے بڑے کتابچے اور تحقیقی مقالے اور فتاویٰ شامل کئے گئے ہیں، اس عاجز اور فقیر کی طرف سے سات قسطوں پر مشتمل ایک طویل مقالہ ''ماہنامہ الاحسن'' میں شائع ہوا ہے، اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب رحمہ اللہ سے بعض اہم ملاقاتیں بھی رہیں۔

ان کی نظر وسیع، علم محقق اور زمانے کے حالات سے خوب واقف تھے، آپ علم اور فقہ کے میدان کے شہسوار تھے، شہادت بھی جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں درس حدیث وفقہ

مکمل کر کے جامعہ درویشیہ تشریف لے جاتے ہوئے ہوئی، اُس ادارے کے قریب میں گلی کے اندر ظالم سفاکوں کے ہاتھ سے پیش آنے والے حادثے میں آپ کے ساتھ قابل قدر صلاحیتوں کے رفیق مولانا مفتی صالح محمدؒ اور عزیزم حسان علی شاہؒ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان شہداء اور سعداء کا سانحہ شہادت قبول فرمایا اور اس کے بعد دہشت گردوں پر دائرۂ حیات تنگ ہوگیا کسی نے سچ کہا ہے کہ شہید کا خون ضرور رنگ لاتا ہے۔

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شُد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بہر حال حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب رحمہ اللہ کی شہادت جیسے واقعات پر جلدیں لکھی جاسکتی ہیں، یہ تنگ وتاریک تحریریں ان کی عظمت وشان اور جلالت شہادت کی ترجمانی سے عاجز ہے۔

☆......☆......☆......☆

استاذ العلماء، حضرت مولانا مفتی سید نجم الحسن امروہوی صاحب مدظلہم

[مہتمم ورئیس دارالافتاء: جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن، نارتھ کراچی]

الحمد للّٰہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کو اللہ تعالیٰ نے یہ امتیاز عطا فرمایا ہے کہ جامعہ کے مشائخ واساتذہ اور ان سے منسلک طلباً کرام کو ایک تحریکی مزاج سے نوازا ہے، جنہوں نے ہر سامراجی وباطل قوتوں کا مقابلہ ڈٹ کر کیا، یہی وجہ ہے کہ باطل قوتوں کی نگاہوں میں ہمیشہ جامعہ کے مشائخ واساتذہ کھٹکتے رہے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علم وتقویٰ کی ان جبال وکبار ہستیوں کو راستے سے ہٹانے تک سے گریز نہ کیا گیا، کبھی سحر سے اور کبھی سیف سے۔

ہمارے اس مادرِ علمی کے گلدستے میں میرے ہی نہیں سینکڑوں تشنگانِ علم کے استاذ ومربی مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی ولی حسن خان ٹونکی نور اللہ مرقدہٗ برسوں صاحب فراش رہے، حضرت اقدس مولانا محمد بدیع الزمانؒ، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، حضرت مولانا محمد

سواتیؒ اور حضرت مولانا عبدالقیوم چترائیؒ ایسی مقدس ہستیاں جو اپنے علمی عروج کے زمانے میں سحر زدہ ہوکر برسوں صاحب فراش رہیں۔ دوسری طرف حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ، حضرت مفتی عبدالسمیع رحمہ اللہ، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ، حضرت مفتی ڈاکٹر نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ، حضرت مفتی محمد جمیل خان رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری رحمہ اللہ کو کتنی ہی بے دردی سے سرِ راہ شہید کردیا گیا۔

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی رونق ایک زمانے تک حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن خان ٹونکی نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی دامت برکاتہم سے قائم رہی۔ حضرت مفتی اعظمؒ کی معذوری اور حضرت چاٹگامی صاحب کے بنگلہ دیش سکونت اختیار کرنے کے بعد دارالافتاء کی زینت حضرت اقدس مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے مقدر میں آئی، جو ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، بندہ ناچیز کی حضرتؒ سے ملاقاتیں کم رہی ہیں، اپنی سستی اور مصروفیات کی بنا پر زیادہ جانا تو نہ ہوتا، البتہ کبھی حضرتؒ کسی مسئلہ کی تحقیق ومشاورت کے لیے بلاوا بھیج دیتے تھے یا کسی اور مجلس میں شرفِ ملاقات حاصل ہوجاتا، ان چند ملاقاتوں میں بندہ نے حضرتؒ کو ہمیشہ سنجیدہ اور اپنے مدعیٰ کو مدلل انداز میں بیان کرتے پایا، جس مسئلہ پر بحث فرماتے، وہ قرآن وسنت اور دلائل عقلیہ سے مرصع ہوتی۔

آخری ایام میں حضرت دین پوری رحمہ اللہ اپنے دیگر ہم عصر مشائخ کی طرح دو مسائل کے بارے میں بہت زیادہ متفکر تھے۔ ایک اسلامی بینکاری، اور دوسرا ڈیجیٹل تصویر۔ ان دونوں مسئلوں پر حضرتؒ نے مفتیانِ کرام کی اکثریت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا، اور دونوں مسئلوں کی حرمت پر اجتماعی فتویٰ دینے پر آمادہ کیا، بندہ ناچیز نے ڈیجیٹل کیمرہ کی تصویر کی حرمت پر جب مفصل فتویٰ لکھا تو حضرت رحمہ اللہ نے بے حد پسند فرمایا اور خصوصی طور پر تصحیح وتصویب بھی زیبِ قرطاس کرکے بھجوائی، اور آخر میں تحریر فرمایا:

> ''زیرِ بحث مسئلے کے متعلق ممکنہ سوالوں کے کافی ووافی جوابات حضرت مولانا مفتی نجم الحسن صاحب نے بہت عمدہ انداز میں دے دیے، ہماری رائے یہ ہے کہ مفتی صاحب موصوف کی تحریر کے اندر تقریباً ان تمام مغالطوں کا ٹھوس علمی جواب دے دیا گیا، جو

عام طور پر ہمارے قابلِ احترام اہلِ علم کی طرف سے عام کیے جاتے ہیں، اور یہ کہ کسی روایت پسند عالمِ دین کے لیے عذر کی گنجائش بظاہر نہیں چھوڑی، فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء (ڈیجیٹل کیمرہ کی تصویر کی حرمت پر مفصل ومدلل فتویٰ، مع تصدیقات دار العلوم دیوبند وغیرہ ص:۱۴)۔

لیکن اسلام دشمنوں نے ایک بار پھر میرے اس مادرِ علمی کے چمن کا ایک اور پھول مسل دیا۔ حضرتؒ کو اپنے چند ساتھیوں سمیت شہید کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے اور متعلقین کو ان کی علمی کاوشوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ چند کلمات سمندر کے مقابلے میں قطرے کے مصداق تحریر کر دیے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے تمام بزرگانِ دین کی قبور کو انوارات سے منور فرمائے۔ ☆......☆......☆......☆

جانشین قائد اہل سنت شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم

[خلیفہ مجاز: وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ...... مدیر وشیخ الحدیث: جامعہ مظہریہ حسینیہ، ٹنڈو محمد خان]

حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فاضل بھی تھے، متخصص بھی، استاذ الحدیث بھی اور مفتی بھی۔ یہ بڑی سعادت اور فضیلت کی بات ہے۔

بندہ ۸۰ء میں بنوری ٹاؤن میں پڑھتا تھا، حضرت مفتی صاحب اس سے پہلے پڑھ کر جا چکے تھے، وہ قدیم فضلاء میں سے تھے۔ فراغت کے بعد اساتذہ کی زیارت وملاقات یا کبھی فتویٰ کے سلسلے میں بنوری ٹاؤن حاضری ہوتی تھی تو حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہو جاتی تھی، بہت ہی ملنسار شخص تھے۔ بہت پیارے آدمی تھے۔ وہ بھی توجہ فرماتے تھے۔ بہت زیادہ قرب وتعلق نہیں تھا، اس لیے اُن کے احوال سے آگاہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے، اہل حق کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم



جانشین شیخ المشائخ، پیر طریقت حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔امابعد

خداوند کائنات نے دین کی خاطر اپنے پیارے بندوں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو تکالیف ومصائب میں ڈالا، اُن کو اپنوں اور غیروں سب کی مخالفت، طعن وتشنیع اور ہر طرح کی مقابلہ بازی کا سامنا کرنا پڑا۔ پتھر سہنے پڑے، تلواروں کے کٹ، نیزوں کے گھاؤ، تیروں کے زخم برداشت کرنے پڑے، حتیٰ کہ بعض انبیاء کو آرے سے دو ٹکڑے کر کے شہید کر دیا گیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنے مقبول ومحبوب ترین بندوں کو بھی شہید کرادیا لیکن دین پر آنچ کو برداشت نہیں کیا۔

دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، اس لیے دین تو محفوظ رہے گا، لیکن جو لوگ اسباب کی دنیا میں اس کا ذریعہ بنیں اُن کی خوش قسمتی اور سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے دین کے لیے قبول فرمالیا ہے۔ بالخصوص وہ خوش بخت حضرات جنہوں نے دین کی اشاعت وحفاظت میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا وہ تو انتہائی نیک بخت ہیں۔ انہی سعید ہستیوں میں سے ایک ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن سے دین کا بہت بڑا کام لیا۔

فقیر جب بنوری ٹاؤن حاضر ہوتا تو اُن کی زیارت وملاقات نصیب ہوتی، بہت سادگی پسند اور منکسر المزاج تھے۔ خانقاہ سراجیہ کی نسبت سے بہت احترام فرماتے تھے۔ اور بہت عقیدت سے پیش آتے تھے۔ بالآخر آپ بھی بنوری ٹاؤن کے دیگر اکابر واسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔ سعادت کی زندگی اور مبارک موت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی بال بال مغفرتِ کاملہ فرمائے اور کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ اہل حق کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

فقیر خلیل احمد عفی عنہ......خانقاہ سراجیہ، کندیاں شریف......۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ



ترتیب: مولانا محمد زین العابدین☆

ملک گیر خراجِ عقیدت

مولانا سلیم اللہ خان (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان):

مفتی عبدالمجید دین پوری اور ان کے رفقاء کی شہادت قومی سانحہ ہے اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

مولانا عبدالمجید لدھیانوی (امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت):

مفتی عبدالمجید دین پوری کے قاتلوں کو گرفتار اور علمائے کرام کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

مفتی محمد تقی عثمانی (نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی):

علماء کرام کی مسلسل پے در پے شہادتوں اور اب مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت کے بعد مسلک دیوبند سے وابستہ تمام افراد کو اکٹھا ہو جانا چاہیے۔

مولانا محمد اسفندیار خان (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ دارالخیر کراچی):

مفتی عبدالمجید دین پوری جیسے جید علماء کو تسلسل کے ساتھ شہید کیا جا رہا ہے، لیکن حکومت کو اقتدار کے سوا کسی چیز کی فکر نہیں۔

چودھری پرویز الٰہی (نائب وزیر اعظم):

مفتی عبدالمجید دین پوری کے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

میاں محمد نواز شریف (صدر پاکستان مسلم لیگ (ن)):

مفتی عبدالمجید دین پوری کا قتل انتہائی قابلِ مذمت ہے، کراچی کے شہریوں کو قاتلوں کے رحم وکرم پہ چھوڑ دیا گیا ہے، حکومت عوام کے جان و مال کے تحفظ میں بری طرح ناکام ہو چکی

☆ فاضل: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی...... مدرس: جامعہ امام ابو یوسف، شادمان ٹاؤن، کراچی

ہے کراچی میں حکومتی رٹ نام کی کوئی چیز نہیں تمام مجرموں کے خلاف بلا امتیاز سخت آپریشن کیا جائے۔

سید عطاء المہیمن شاہ بخاری (مرکزی امیر مجلس احرار اسلام):

مفتی عبدالمجید دین پوری جیسے جید علماء شہید کیے جا رہے ہیں اور حکومت کو اقتدار بچانے کے علاوہ کسی چیز کی کوئی فکر نہیں۔

مولانا حق نواز (مہتمم جامعہ دار العلوم الصفہ):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت امت مسلمہ کے لیے عظیم نقصان ہے، وہ سادہ طبیعت اور خالص علمی ذوق رکھنے والے انسان تھے، ایسے شخص کا قتل کسی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔

مولانا سمیع الحق (امیر جمعیت علمائے اسلام س):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت پوری امت کے لیے سانحہ ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن (امیر جمعیت علمائے اسلام ف):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت بدترین دہشت گردی ہے حکومت صرف بیانات نہ دے بلکہ قاتلوں کو بے نقاب کر کے انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائے۔

مولانا محمد احمد لدھیانوی (امیر اہل السنت والجماعت):

علمائے اہلِ سنت کے قاتل اسلام کے کھلے دشمن ہیں مفتی عبدالمجید دین پوری شہید کے قتل میں ملک اور اسلام دشمن عناصر ملوث ہیں۔

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت شدید تشویش کا باعث ہے، کراچی میں اہل سنت علماء کے ساتھ ہونے والے مظالم اور پے در پے شہادتیں انتہائی افسوس کا باعث ہے، کراچی کے علماء کی قربانیاں کسی صورت فراموش نہیں کی جاسکتیں، شہادتوں اور گولیوں کے ذریعے علمائے حق کے حوصلوں کو متزلزل نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا محمد عبدالعزیز غازی (خطیب لال مسجد):

مفتی عبدالمجید دین پوری جیسے جید عالم دین کی شہادت بہت بڑا نقصان ہے۔

مولانا مفتی محمد نعیم (رئیس جامعہ بنوریہ عالمیہ):

مفتی عبدالمجید دین پوری کو دن دیہاڑے شہید کرنے والے ٹارگٹ کلرز کی ویڈیو کے باوجود اب تک قاتلوں کو گرفتار نہ کیا جانا افسوسناک اور لمحۂ فکریہ ہے۔

مولانا قاری محمد امداد اللہ قاسمی (مرکزی نائب امیر جمیعت علمائے برطانیہ):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی الم ناک شہادت ایک بہت بڑا نقصان ہے۔

مفتی ابوہریرہ محیی الدین (چیئرمین مجلس صوت الاسلام پاکستان):

مفتی عبدالمجید دین پوری جیسے قابل ترین عالم کی شہادت قابل افسوس اور قابل مذمت ہے، اور یہ دینی حلقوں کے لیے ناقابل تلافی نقصان اور عوام اور معاشرے کو علماء سے محروم کرنے کی سازش ہے۔

مولانا عزیز الرحمٰن ثانی (مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت قومی نقصان ہے۔

سید منور حسن (امیر جماعت اسلامی):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

حافظ محمد طاہر محمود اشرفی (چیئرمین پاکستان علماء کونسل):

مفتی عبدالمجید دین پوری کو اللہ تعالی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

علامہ عبداللہ (چیئرمین تحریک اہل حدیث):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت پوری قوم کے لیے ناقابل برداشت سانحہ ہے۔

مولانا عبدالصمد ہالیجوی (امیر جمعیت علمائے اسلام سندھ):

جو حکومت اپنے قائد کے قاتلوں کو گرفتار نہ کرسکی وہ مفتی عبدالمجید دین پوری جیسے جید عالم کے قاتلوں کو کیا گرفتار کرے گی؟۔

پیر سیف الرحمٰن درخواستی (مرکزی نائب امیر جمعیت علمائے اسلام س):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت بہت بڑی دہشت گردانہ کاروائی ہے۔

ڈاکٹر معراج الہدیٰ صدیقی (امیر جماعت اسلامی سندھ):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت کھلی دہشت گردی ہے۔

پروفیسر حافظ محمد سعید (امیر جماعۃ الدعوہ):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی الم ناک شہادت بہت افسوس ناک ہے اسلام اور پاکستان کے دشمن ایک منظم سازش کے تحت انبیاء کے ورثاء کو شہید کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں (سیکریٹری جنرل اہل السنّت والجماعت):

مفتی عبدالمجید دین پوری جیسے جید عالم کا قتل نا قابلِ برداشت ہے، مفتی عبدالمجید دین پوری کا خون رائیگاں نہیں جائے گا ظالم دہشت گرد بہت جلد اللہ کی پکڑ میں آئیں گے۔

مولانا قاضی نثار احمد (امیر اہل السنّت والجماعت گلگت، بلتستان):

مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت پر حکومت مستعفی ہوجائے۔

قاری محمد عثمان (امیر جمعیت علماء اسلام (ف) کراچی):

مفتی عبدالمجید دین پوری درس وتدریس کے ذریعے دینی خدمات سرانجام دے رہے تھے کہ انہیں دین دشمنوں نے شہید کر دیا، اگر حکمران قوم کو تحفظ نہیں دے سکتے تو انہیں اقتدار چھوڑ دینا چاہیے۔

مولانا اورنگ زیب فاروقی (امیر اہل السنّت والجماعت کراچی):

مفتی عبدالمجید دین پوری کے قتل میں ملوث عناصر انسانیت کے ساتھ ساتھ علم کے بھی دشمن ہیں، قاتل جتنا بھی اثر رسوخ والا ہو کسی صورت معافی کے قابل نہیں۔

مفتی عثمان یار خان (سیکریٹری جنرل جمعیت علماء اسلام (س)، سندھ):

مفتی عبدالمجید دین پوری کے قاتلوں کو عبرت ناک سزا دی جائے، عوام کے پیسوں پر

عیش کرنے والے حکمران علماء اورعوام کے جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری بھی اداء کریں، ورنہ وہ وقت دورنہیں کہ جب ان ظالم حکمرانوں کا گریبان ہوگا اور مظلوموں کا ہاتھ ہوگا۔

ڈاکٹر نصیرالدین سواتی (رکن سینٹرل کونسل جمعیت علمائے اسلام):

مفتی عبدالمجید دین پوری کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، حکمران اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے شہر کو کشت وخون میں نہلانے کے بھیانک کھیل سے باز رہیں، شہر قائد کی سڑکیں علمائے امت کے خون سے رنگین ہو چکی ہیں، ان کے لہو کا حساب حکمرانوں کو دینا ہوگا۔

رابطہ کمیٹی متحدہ قومی موومنٹ:

مفتی عبدالمجید دین پوری کو ایک سازش کے تحت قتل کروایا گیا ہے، تاکہ کراچی کو قتل وغارت کی آگ میں جھونک دیا جائے، اس سانحہ کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

محمود حامد (صدر اسال ٹریڈرز آرگنائزیشن کراچی ورہنماء تاجر اتحاد):

مفتی عبدالمجید دین پوری کے قاتلوں کو گرفتار کرکے عبرت ناک سزا دی جائے۔

......باب نمبر۳......

سوانح

خاندان، ولادت باسعادت، تعلیم وتربیت،
درس وتدریس، افتاء وتحقیق، شہادت، تدفین
سوانحی خاکہ ماہ وسال کے آئینے میں، تواریخ وفات

حضرت مفتی صاحبؒ کی رسم بسم اللہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے کروائی تھی اوراس موقع پرآپ کے نانا نے موتی چور کے لڈو تقسیم کئے تھے۔ حضرت شہیدؒ خود ہی موتی چور کی وضاحت کیا کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے دین پور کے قرب ونواح میں مولانا عبیداللہ درخواستیؒ سے حاصل کی، مولانا عبیداللہ درخواستیؒ ابتداء مخزن العلوم خان پور میں مدرس تھے، بعدازاں لیاقت پور پھر سبجا اور پھر تاج گڑھ تشریف لے گئے اور حضرت شہیدؒ بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس کے بعد جامعہ انوریہ طاہر والی میں مولانا حبیب اللہ گمانویؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور مولانا حاجی محمد احمد مدظلہ سے فیضیاب ہو کر فنون میں مہارت پائی، پھر جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر میں مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، نیز حضرت مولانا عبداللہؒ درخواستی کے دورۂ تفسیر میں دوبار شرکت کی۔

سادسہ کے لئے آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے اور یہاں کی قدآور علمی شخصیات محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھی، مولانا بدیع الزمان اور مولانا فضل محمد سواتیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، یہاں آمد کے وقت عمر شریف اٹھارہ برس تھی، جامعہ کے رجسٹر اندراج داخلہ میں آپ کا داخلہ نمبر ۱۵۰۳، رجسٹریشن نمبر ۱۶۱، تاریخ داخلہ ۱۸ شوال ۱۳۸۸ھ اور سابقہ مدرسہ مخزن العلوم خان پور درج ہے۔ ۱۹۷۱ء بمطابق ۱۳۹۱ھ میں امتیازی درجات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔

مولانا مفتی شعیب عالم☆

عاش سعیداً ومات شہیداً

اضداد کا تصادم:

دنیا عالم اضداد ہے اور اضداد کے مابین منافرت ہوتی ہے، اس لیے ان کا اجتماع واتحاد نہیں ہوسکتا ہے۔ دھوپ اور چھاؤں جمع نہیں ہوسکتے ہیں، سیاہی اور سفیدی اکھٹی نہیں ہوسکتی، زمین اور آسمان کے فاصلے ختم نہیں کیے جاسکتے اور مشرق اور مغرب کی دوریاں مٹائی نہیں جاسکتیں۔ اگر اضداد قریب آئیں تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور ایک دوسرے کا وجود مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہوا مٹی کو اڑا دیتی ہے یا مٹی ہوا کو دبا دیتی ہے، پانی آگ کو بجھا دیتی ہے یا آگ پانی کو بھاپ میں بدل دیتی ہے۔ اسی نفرت اور عناد کا نتیجہ ہے کہ عنصر عنصر سے، نوع نوع سے اور جنس جنس سے متزاحم ومتصادم ہے اور ان میں باہمی کش مکش جاری ہے۔ یہ تصادم اس حد تک ہے کہ ایک ہی نوع کے افراد ایک دوسرے کو مرنے مارنے اور مٹنے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ انسان انسان کو اور حیوان حیوان کو فنا کے گھاٹ اتار رہا ہے۔ بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے اور قومیں مقابلے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں اور خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہیں۔

''اضداد کا تصادم'' بظاہر کچھ غیر حکیمانہ معلوم ہوتا ہے، مگر ترقی اور نمو اسی تصادم کے نتیجے میں ہوتی ہے، بلکہ ترقی نام ہی تصادم کا ہے۔ اسی سے مخفی جوہر کھلتے ہیں، پوشیدہ قوتیں آشکارا ہوتی ہیں اور نئی نئی اشیاء ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں یہ قانون خدا کی ربوبیتِ عامہ اور رحمت تامہ کا مظہر ہے اور خلق خدا کے لیے حد درجے نافع اور مفید ہے۔ جو چیز متحارب ومتصادم قوتوں سے نبرد آزما نہیں ہوتی اور جو چیز ناموافق حالات اور مخالف قوتوں سے برسرِ پیکار نہیں ہوتی وہ رک جاتی ہے اور آگے ترقی نہیں کرسکتی ہے۔ دریا کی راہ میں اگر پتھریلی چٹانیں حائل نہ ہوں تو اس کی تیزی اور روانی سکون اور جمود میں تبدیل ہوجائے، چقماق کی شعلہ فشانی پتھر کے رگڑ کے بغیر ممکن نہیں، پانی کے اندر مخفی قوتیں ٹکراؤ کے

☆ مدرس ومفتی: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی...... تلمیذِ خاص: حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

بغیر ظہور پذیر نہیں ہوتیں اور تاروں کو چھوئے بغیر آلے کے اندر خوابیدہ نغمے بیدار نہیں ہوتے ہیں۔

معنویات کی باہم کش مکش:

باہمی رقابت اور چشمک جس طرح مادی اشیاء میں ہوتی ہے اسی طرح معنوی اشیاء بھی جاری رہتی ہے، معنویات کی باہمی کش مکش بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی مادیات کی ہے، وہ بھی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار اور نبرد آزما رہتی ہیں۔ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس کی نمود بھی ہوگئی تھی اور اسی روز سے حق اور باطل کی کش مکش اور خیر وشر کا تصادم جاری ہے اور تا صبح قیامت جاری رہے گا۔

مادی اشیاء میں سے مٹی اگر پانی کی لطافت کو اور پانی اگر مٹی کی کثافت کو ختم کرنا چاہتی ہے تو معنوی اشیاء میں سے نیکی بھی بدی کا اور بدی بھی نیکی کا وجود مٹانے کی کوشش کرتی ہے۔ صاف خون اگر فاسد غذا کو قبول نہیں کرتا تو صالح معاشرے کو بھی برائی سے گھن آتی ہے، نیک اور پارسا لوگ اگر سرکشوں اور بدکاروں کو برداشت نہیں کرتے تو سرکشوں اور بدکاروں کے لئے بھی نیکوکاروں کا وجود نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔روشنی سے انسان راہ یاب ہوتا ہے، ٹھوکروں سے بچتا ہے اور سانپ اور رسی میں فرق کر لیتا ہے مگر یہی روشنی چوروں اور لٹیروں کے لیے باعث تکلیف ہوتی ہے اور ان کے مقاصد میں رکاوٹ بنتی ہے اس لیے وہ روشنی کے چراغ گل کرتے ہیں۔

انسان جب گرتا ہے اور ایک خاص حد تک گراوٹ اور پستی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اسے نیکی سے گھٹن محسوس ہوتی ہے اور اچھے لوگوں کا وجود اسے زہر معلوم ہوتا ہے۔یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں پہنچ کر قلب کا رخ اور سوچ کا زاویہ بدل جاتا ہے اور انسان معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگتا ہے۔حدیث میں تو اس کا صاف تذکرہ ہے ہی قرآن کریم میں بھی اس مضمون کی بے شمار آیتیں موجود ہیں۔

روحانیت کا غلبہ اور برتری:

مادی اشیاء کے باہم ٹکراؤ میں جو چیز قوی اور طاقتور ہوتی ہے وہ برتر اور غالب رہتی ہے، اور جو کمزور ہو اسے شکست وہزیمت اٹھانی پڑتی ہے، مگر حق وباطل کے نزاع اور خیر وشر کے

تصادم میں فتح اور کامرانی حق کی ہوتی ہے۔خالق کائنات صرف خیراور حق کو باقی رکھتا ہے کیوں کہ اس نے یہاں ''بقائے انفع'' کا قانون نافذ کر رکھا ہے۔جو بھی چیز،فرد یا جماعت نافع اور مفید ہوگی اسے غلبہ اور کامرانی نصیب ہوگی۔

فتنہ تاتار سے زیادہ سخت اور کڑا وقت مسلمانوں پر کبھی نہیں آیا،انہوں نے مسلمانوں کو شکست دی،مسلمانوں کی تلواروں کو کند،شہروں کو تباہ،بستیوں کو ملیا میٹ اور اموال کو برباد کیا اور ایسی تباہی مچائی کہ اسلام کے مستقبل سے ہی مایوسی ہوگئی تھی،مسلمان مؤرخ جب اس کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا قلم رو پڑتا ہے،مگر تاتاری جلد ہی مغلوب ہوگئے حالانکہ فاتح اور غالب بن کر داخل ہوئے تھے،وجہ اس کی یہی تھی کہ وہ کوئی مفید اور نافع پیغام نہیں رکھتے تھے۔

علماء کی جماعت سے زیادہ نافع ،مفید اور کارآمد اور کیا چیز ہوسکتی ہے؟دنیا کی بقا اور آخرت کی کامیابی ان ہی کی بدولت ہے۔دنیا کی تخلیق خدا کی بندگی کے لئے ہے اور بندگی کے لیے علم کی ضرورت ہے اور علم کے لیے علماء کی ضرورت ہے۔نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ دنیا کو علماء کی ضرورت ہے۔اس تناظر میں عالم کی شہادت گویا دنیا کی طنابیں کھینچنے کی کوشش ہے اور اس کی بنیاد پر کاری ضرب ہے۔

لہولہو جامعہ:

۳۱رجنوری ۲۰۱۳ء کی دوپہر عالم اسلام کی ممتاز دینی درسگاہ،خیر کے منبع،رحمت کے مہبط اور روحانی علوم کے سرچشمہ،جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دو جید،تجربہ کار اور پختہ مفتیانِ کرام،دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن کے مسئول حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری اور استادمحترم مفتی صالح محمد کاروڑی اور ان کو لانے لے جانے کی خدمت پر مامور طالبعلم حسان علی شاہ کو برسرعام لہو میں نہلا دیا گیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون

جامعہ کے ساتھ اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے،شہادتوں کا اک تسلسل اور خون شہداء کا ایک سیل رواں ہے جو جامعہ کے وجود سے بلاانقطاع جاری ہے۔جامعہ کے علاوہ بھی پورے ملک کو بالعموم اور کراچی کو بالخصوص دہشت گردی نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے جس میں کی

کی بجائے زیادتی اور تخفیف کے بجائے دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

عرب کے وحشی اپنی جنگجویانہ فطرت اور لڑاکو طبیعت کے باعث بجا طور پر بدنام ہیں، وہ خون ریزی، قتل وقتال اور جنگ وجدال میں ایک پیشے اور مشغلے کے طور پر مصروف رہتے تھے، مگر ایسا صرف سال کے دو تہائی حصے میں ہوتا تھا، ایک تہائی یعنی چار مہینے ان کی تلواریں بھی نیام میں رہتی تھیں اور قتل وغارتگری کا بازار ٹھنڈا رہتا تھا، یہ آج کے تہذیب یافتہ لوگوں کا کمال ہے کہ سال کے کسی مہینے، مہینے کے کسی ہفتے، ہفتے کے کسی دن اور دن کے کسی گھنٹے درندگی اور سفاکی سے باز نہیں آتے ہیں۔ نہ کوئی موسم دیکھتے ہیں، نہ کوئی مقدس دن، نہ کوئی قومی یا مذہبی تہوار۔

خوف اور دہشت کا، ظلم اور بربریت کا بازار گرم رہتا ہے، بوری بند لاشیں، چھلنی سینے ،اعضاء کٹے جسم، ہوا میں بارود کی بو اور فضا میں دھویں کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ خون گرتا ہے اور بہہ جاتا ہے، سر کٹتا ہے اور فرش کے برابر ہو جاتا ہے، لاشوں کے ڈھیر لگتے ہیں اور زمین میں دفن ہو جاتے ہیں، مگر کوئی ان ظالموں کے ہاتھ روکنے، دستانے اتارنے اور چہروں سے نقاب ہٹانے والا نہیں ہے۔ جنگل میں درندے امن سے ہیں مگر آبادی میں انسان بدامنی کا شکار ہیں۔ امن منہ چھپائے پھر رہا ہے، نیکی نوحہ کناں ہے، خیر کی کس مپرسی قابل دید ہے۔ خدا کی وسیع سرزمین اس کے بندوں پر تنگ کر دی گئی ہے اور انسان سے وہ اعزاز واکرام چھین لیا گیا ہے جو خدائے تعالیٰ نے ''وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ'' کہہ کر اسے عطا کیا ہے۔

زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ خون کے قطرے اور لہو کے دھارے بھی ذمہ داروں کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام ہیں، حالانکہ نہ مرض کی تشخیص کے لیے کسی افلاطونی ذہن کی ضرورت ہے، نہ اسباب ووجوہات کا پتہ چلانا کوئی مشکل ہے اور نہ ہی نسخے کی تجویز ان کی طاقت اور امکان سے باہر ہے۔

موت اٹل حقیقت ہے اور کسی ذی نفس کو اس سے مفر نہیں، اس لحاظ سے وہ کوئی زیادہ قابل افسوس چیز نہیں ہے، لیکن اگر اس کا شکار ایسا فرد ہو جو بے پناہ خوبیوں کا مالک ہو، قحط الرجال کے دور میں لاکھوں کروڑوں میں سے ایک ہو تو اس کا جانا یقیناً قیامت ہے۔

افسوس اس وجہ سے بھی ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور جو کام انبیاء کا ہے وہی علماء

کا ہے۔تاریخ میں ایسے شقی القلب گزرے ہیں جنہوں نے انبیاء کواہل خانہ سمیت دربدر کیا ہے۔ مگر انبیاء کوقتل کرنا، یہ تو ''یہود کی خصلت'' رہی ہے۔قرآن نے ان پر ناحق قتل انبیاء کی دفعہ لگائی ہے''**ویقتلون الانبیاء بغیر حق**'' اللہ نہ کرے کہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے یہ فعلِ بدانجام پایا ہو، اگر ایسا ہے تو پستی کی جس حد تک ہم پہنچ چکے ہیں، اس پر خون کے آنسو بھی کم ہے۔

نام ونسب:

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی ولادت ۱۵رجون ۱۹۵۱ء کو خان پور کے قریب دین پور نامی بستی میں ہوئی، آپ کے شناختی کارڈ اور تعلیمی اسناد میں یہی تاریخ درج ہے۔دین پور وہی قصبہ ہے جو تحریک آزادی کے حوالے سے بہت مشہور رہا ہے، جس وقت کہ یہ قصبہ ''تحریک ریشمی رومال'' کا مرکز تھا اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس کا خاص اور مرکزی کردار تھے۔حضرت شہیدؒ ددھیال کی طرف سے آرائیں ذات کے تھے جو محمد بن قاسم کے ساتھ حجاز سے ہجرت کرکے یہاں آئے تھے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیمؒ دیوبند کے فاضل اور حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے اور نہایت متقی، پرہیزگار اور شب بیدار عالم تھے۔

مولانا عظیم صاحب نے دو نکاح کیے تھے، جن سے نو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئی تھیں۔مفتی صاحب بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھے۔آپ کی دونوں ہمشیرائیں حیات ہیں، جبکہ بھائیوں میں سے حکیم عبدالجلیل کا انتقال ہوچکا ہے۔دیگر بھائیوں کے اسماء گرامی حکیم عبداللہ صاحب، مولانا عبدالکریم صاحب، مولانا قاری عبدالحی صاحب، جناب عبدالرحیم، جناب عبدالحمید، جناب عبدالرشید اور جناب عبدالعزیز صاحب ہیں۔

ننھیال کی طرف سے حضرت مفتی صاحب شہیدؒ خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے پڑنواسے تھے۔حضرت خلیفہؒ اصلاً ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے، مگر اپنے مرشد حضرت حافظ محمد صدیق بھر چونڈویؒ کے حکم پر ایک صحرا (دین پور) میں قیام پذیر ہوئے اور جلد ہی خلق خدا کا دیوانہ وار رجوع ہونے لگا، موجودہ دین پور آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے اور اس نسبت سے بانی دین پور بھی کہلاتے ہیں، حضرت شیخ الہند کا ریشمی خط آپ کے پاس بھی آیا تھا اور تحریک کے دوران بڑی مقدار میں آلات

حرب وضرب یہاں جمع کئے گئے تھے، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے اکابر نے آپ سے کسب فیض کیا۔ جلیل القدر اور عالی مرتبت اشخاص نے آپ کے حق میں بہت بلند تعریفی کلمات کہے ہیں جن سے آپ کے مقام رفیع کا اندازہ ہوتا ہے:

''حضرت دین پوری کی صحبت اور نشست و برخاست میں طالب کو جو کچھ ملتا ہے وہ دوسرے بزرگوں کے ہاں ورد اور اوراد سے بھی نہیں ملتا'' (حضرت شیخ الہندؒ)

''حضرت دین پوری کی ولایت مسلم ہے'' (حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

''حضرت دین پوری کے چہرے پر صرف نظر ڈالنے سے کئی مقامات طے ہو جاتے ہیں'' (حضرت کشمیریؒ)

حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے پیر بھائی (حضرت سندھی کے استاذ) مولانا عبدالقادر سے کیا، جس سے ایک فرزند مولانا عبدالمنانؒ تولد ہوئے جو کہ حضرت راہ حق کے شہیدؒ کے نانا (اور حضرت سندھی کے تلمیذِ رشید) تھے اور مفتی صاحب شہیدؒ کی تعلیم و تربیت ان ہی کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ مولانا عبدالمنانؒ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں اور آپ اپنے خاندان کے ولی اور سرپرست تھے اور جملہ امور آپ کو تفویض تھے، اس خاندانی سربراہی کی بدولت آپ نے اپنے نواسے یعنی حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کا اپنی پوتی کے ساتھ نکاح کر دیا۔ نکاح کی محفل اس لحاظ سے دلچسپ تھی کہ اصلاً حضرت مفتی صاحب کے نکاح کے لیے منعقد ہی نہیں کی گئی تھی، کسی اور صاحب کی مجلس نکاح تھی۔ حضرت مفتی صاحب بھی حاضر مجلس تھے، ان صاحب کے نکاح کے بعد نانا جان مولانا عبدالمنان کی نگاہ اپنے نواسے حضرت مفتی صاحب پر پڑی اور نکاح خواں سے فرمایا کہ ان کا نکاح بھی پڑھا دو۔ یوں مفتی صاحب رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

آپ نے ایک بیوہ اور چار بیٹے اور دو بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑے محمد عمیر ہیں جو تجارت پیشہ ہیں، پھر مولانا محمد زبیر ہیں جو جامعہ بنوری ٹاؤن کے فارغ التحصیل اور مدرسہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی میں مدرس ہیں، اس کے بعد مولانا محمد عزیر ہیں جو جامعہ کے سند یافتہ ہیں اور اس سال تخصص فی الفقہ سال اول کے طالب علم اور مسجد الحمراء، جمشید روڈ کے امام وخطیب ہیں، سب سے چھوٹے محمد شعیب ہیں جو جامعہ میں درجہ خامسہ میں زیر تعلیم ہیں۔

تعلیمی مراحل:

حضرت مفتی صاحبؒ کی رسم بسم اللہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے کروائی تھی اور اس موقع پر آپ کے نانا نے موتی چور کے لڈو تقسیم کئے تھے۔ حضرت شہیدؒ خود ہی موتی چور کی وضاحت کیا کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے دین پور کے قرب ونواح میں مولانا عبید اللہ درخواستیؒ سے حاصل کی، مولانا عبید اللہ درخواستیؒ ابتداء مخزن العلوم خان پور میں مدرس تھے، بعدازاں لیاقت پور پھر سبجا اور پھر تاج گڑھ تشریف لے گئے اور حضرت شہیدؒ بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس کے بعد جامعہ انوریہ طاہر والی میں مولانا حبیب اللہ گمانویؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور مولانا حاجی محمد احمد مدظلہ سے فیضیاب ہو کر فنون میں مہارت پائی، پھر جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر میں مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، (بعدازاں ایک سال وہاں پڑھایا بھی۔) نیز حضرت مولانا عبداللہؒ درخواستی کے دورۂ تفسیر میں دوبار شرکت کی۔

سادسہ کے لئے آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے اور یہاں کی قدآور علمی شخصیات محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھی، مولانا بدیع الزمان اور مولانا فضل محمد سواتیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، یہاں آمد کے وقت عمر شریف اٹھارہ برس تھی، جامعہ کے رجسٹر اندراج داخلہ میں آپ کا داخلہ نمبر ۱۵۰۳، رجسٹریشن نمبر ۶۱، تاریخ داخلہ ۱۸ شوال ۱۳۸۸ھ اور سابقہ مدرسہ مخزن العلوم خان پور درج ہے۔ ۱۹۷۱ء بمطابق ۱۳۹۱ھ میں امتیازی درجات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔

آپ نے بخاری شریف حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے، مسلم جلد اول مولانا محمد ادریس میرٹھی سے، مسلم ثانی مولانا بدیع الزمانؒ سے، ترمذی مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ سے، ابوداؤد مولانا فضل محمد سواتی سے اور طحاوی اور دونوں مؤطا مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب سے پڑھی تھیں۔ مولانا محمد رفیق بن کلیم احمد حال مقیم امریکہ، مولانا محمد اکمل حسین (بنگلہ دیش) اور مولانا عبدالحیٔ (مزار شریف افغانستان) آپ کے رفقاء میں سے ہیں۔ جامعہ کے ریکارڈ کے مطابق فراغت کے سال آپ کا رول نمبر ۱۳۲، رجسٹریشن نمبر ۶۸۷ ہے، ۲۸ محرم ۱۳۹۲ھ کو آپ کو سند فراغت کی حوالگی

ہوئی ہے۔ فاتحہ فراغ کے بعد بنوری ٹاؤن میں ہی حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے زیر نگرانی دوسالہ تخصص کیا۔ ذیل میں آپ کے امتحانی نتائج ایک نقشے کی صورت میں درج کیے جاتے ہیں۔

امتحانی نتائج:

نتیجہ امتحان درجہ سادسہ

سہ ماہی امتحان صفر ۱۳۸۹ھ

جلالین	اصول بزدوی	میبذی	دیوان حماسہ	حسامی	کل میزان	فیصد	نتیجہ
۶۰	۷۰	۶۵	۸۰	۷۵	۳۵۰	۷۰%	کامیاب

ششماہی امتحان جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

جلالین	اصول بزدوی	میبذی	دیوان حماسہ	حسامی	کل میزان	فیصد	نتیجہ
۵۰	۷۵	۶۵	۹۰	۷۵	۳۵۵	۷۱%	اول پوزیشن

سالانہ امتحان شعبان ۱۳۸۹ھ

جلالین	بزدوی	میبذی	حماسہ	حسامی	شرح عقائد	میزان	فیصد	نتیجہ
۶۵	۸۲	۷۰	۸۰	۷۸	۷۵	۴۵۰	۷۵%	اول پوزیشن

درجہ سابعہ

سالانہ

مشکوۃ	بیضاوی	ہدایہ اخیرین	الفوز الکبیر	شرح نخبہ وتدریب	کل میزان
۷۵	۶۰	۷۰	۴۱	۷۲	۳۱۸

دورہ حدیث رول نمبر (۱۳۲) نقل از رجسٹر فضلاء جامعہ

سہ ماہی صفر ۱۳۹۱ھ

بخاری	مسلم	ابوداؤد	ترمذی	نسائی	طحاوی	میزان	فیصد
۶۵	۴۱	۶۰	۷۵	۵۵	۶۸	۳۶۴	۶۰%

ششماہی جمادی الاولیٰ ۹۱ھ

بخاری	مسلم	ابوداؤد	ترمذی	نسائی	طحاوی	میزان	فیصد
۴۰	۴۵	۶۵	۸۰	۷۰	۶۲	۳۶۲	۶۰%

سالانہ شعبان ۱۳۹۱ھ

بخاری	مسلم	ابوداؤد	ترمذی	سنن وشمائل	طحاوی ومؤطین	میزان	نتیجہ
۵۵	۱۰۰	۸۰	۷۲	۱۰۰	۵۷	۴۶۴	مدرسہ میں سوم پوزیشن

تخصص فی الفقہ الاسلامی سال دوم

سہ ماہی ۱۳۹۳ھ

مقالہ	انگلش	فیصد	میزان	نتیجہ
۷۰	۷۴	۷۲	۱۴۴	اوّل (بطور انعام کتب ملیں)

ششماہی ۱۳۹۳ھ۔

مقالہ	انگلش
۵۰	۶۶

زمانہ تخصص کے چند مکتوبات:

(۱)

۱۱ر ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ۔ ۱۸/۲۱/۲/۷۲ء

بگرامی قدر محترم المقام حضرت والد ماجد صاحب زیدت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی، خیریت طرفین مطلوب من اللہ۔

بندہ بھی اپنی تعلیم میں پوری طرح مصروف ہے، اس سہ ماہی میں کتابیں دیکھنی ہوں

گی، القواعد ابن رجب حنبلیؒ، کتاب الاحکام لعز الدین عبد السلام، شرح الاشباہ والنظائر، موافقات شاطبی، یہ کتب اصول مذہب اربعہ پر مشتمل ہیں، اس وقت شرح الاشباہ والنظائر زیر مطالعہ ہے، اوراس کے ساتھ ہی انگلش کا کام بھی جاری ہے.....

والسلام مع الاکرام

محمد عبدالمجید دین پوری

درجہ تخصص فی الفقہ، مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن، کراچی نمبر۔

(۲)

۱۸رصفر۱۳۹۳ھ۔۲۴ر۳ر۷۳ء

بگرامی قدر محترم المقام حضرت والد ماجد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

....آپ نے مقالہ کے بارہ میں استفسار فرمایا ہے، تو فی الحال تو ابھی نصاب کی کتب باقی ہیں، جن میں مزید چند مہینے لگیں گے، جب مقالہ ملے گا اور جس عنوان پر ملے گا میں آپ کو مطلع کروں گا......

والسلام......محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ

متعلم مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی نمبر

تدریسی مشاغل: (دارالعلوم حسینیہ شہداد پور)

۱۳۹۳ھ میں تخصص کی تکمیل کے بعد مشہور یہ ہے کہ جامعہ میں ہی دارالافتاء کے شعبے میں آپ کا تقرر ہوا اور سال سے کم عرصہ خدمات انجام دینے کے بعد آپ خان پور تشریف لے گئے، مگر آپ کے خطوط، ذاتی ڈائریاں اور جامعہ میں اساتذہ کے کوائف ملاحظہ کرنے بعد اصل حقیقت اس طرح ابھر کر سامنے آتی ہے کہ جامعہ میں آپ کی اولین تقرری جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ میں ہوئی تھی۔ اس سے قبل دارالعلوم حسینیہ شہداد پور میں آپ نے تدریس کی خدمت انجام دی ہے۔ قاری عبدالرشید اور مفتی عبدالمنان صاحب آپ کے معروف شاگرد ہیں، جنہوں نے وہاں آپ سے حماسہ پڑھی ہے۔ اس زمانے کے حضرت شہیدؒ کے چند مراسلات ملاحظہ ہوں۔

(۱)

۲۲/رجب ۹۶ھ۔۳/۸/۷۵ء

ذوالمجد والکرم حضرت والد ماجد زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ کل ۲۲/رجب کو موصول ہوا، اطمینان قلبی حاصل ہوا، کل آپ کے گرامی نامہ کے ساتھ ہی رشید کا خط بھی موصول ہوا ہے، ابھی اس کو بھی جواب لکھوں گا، میں پہلے بھی اس کو ان چیزوں کی طرف توجہ دلا چکا ہوں، لیکن مزید پھر تحریر کروں گا....

والسلام......محمد عبدالمجید دین پوری

دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ

(۲)

۱۹/ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ۔۲/۷/۷۵ء۔

ذوالمجد والکرم حضرت والد ماجد زید معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

خدا کرے مکان کی مرمت کا کام صحیح طور پر بخیر وخوبی انجام پائے، دشمن کی تدبیروں کو ناکام کرنے کے لئے کسی نماز کے بعد وقت مقرر کر کے گیارہ مرتبہ سورہ قریش پڑھیں، نیز دشمن کی یورش کے وقت ایک سو گیارہ مرتبہ سورہ قریش اول آخر درود شریف پڑھ کر ثواب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بخش دیں اور دعا کریں، نیز دیگر عمل یہ ہے کہ روزانہ فجر کے بعد سر بسجود ہو کر یہ دعا سات مرتبہ پڑھیں۔ ''**اللّٰھم انا نسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرۃ**'' اس کے بعد سجدہ سے سر اٹھا کر درود شریف پڑھیں انشاء اللہ دشمن چند دنوں میں ذلیل وخوار ہوگا، نیز روزانہ سورہ ''الم تر'' بلا ناغہ پڑھی جائے، تو بھی انشاء اللہ دشمن ذلیل وخوار ہوں گے.....

بندہ کے حالات بحمد اللہ معمول پر ہیں، اسی ہفتہ امتحانات شش ماہی ہو رہے ہیں، اساتذہ کرام کی رائے سے بندہ کو ناظم امتحان مقرر کیا گیا، چند کتابوں کا امتحان تحریری ہوگا، اور چند کا تقریری، نیز امتحان پر چند کتابیں ختم ہو رہی ہیں، ان کی جگہ مزید کتابیں شروع کرانی ہیں،

دیوان حماسہ ختم کرا کرشرح عقائد اور ہدایۃ النحو ختم کرا کر روضۃ الادب پڑھائی ہے.....

والسلام.....محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ.....دارالعلوم شہداد پور ضلع سانگھڑ

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن آمد:

دارالعلوم حسینیہ شہداد پور کے بعد آپ کراچی تشریف لائے ہیں اور ۹/۸ سی ایریا لیاقت آباد میں رہائش اختیار کی ہے۔ کراچی آمد کی ضمنی غرض تو مقالہ کی تکمیل تھی، مگر خطوط کے بین السطور سے اصل منشا جامعہ سے تعلق کو برقرار رکھنا اور اپنے اکابر کے زیر سایہ خدمات کا انجام دینا تھا، چنانچہ آپ نے مقالہ مکمل فرمایا اور حضرت مفتی ولی حسن صاحب کی خدمت میں اس مضمون کی درخواست پیش کی کہ میں آپ کے زیر سایہ استفادہ کا خواہش مند ہوں۔ حضرت مفتی ولی حسن نے ذاتی رضا مندی کا اظہار کر کے درخواست حضرت مہتمم صاحب کو محول کر دی۔ اگر چہ حضرت شہید کا ارادہ حضرت مفتی ولی حسن کے زیر سرپرستی استفادہ کرنا تھا، اور اس پر کسی معاوضے وغیرہ کا کوئی مطالبہ نہ تھا، حضرت اقدس بنوری قدس سرہ نے درخواست کو بھی شرف قبولیت بخشا اور ساتھ ہی آپ کے مصارف خورد ونوش کے لیے وظیفہ بھی مقرر فرما دیا۔ ۵ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ سے یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ جمادی الاولی ۱۳۹۶ھ میں محدث العصر حضرت بنوریؒ نے مزید شفقت فرماتے ہوئے آپ کو دارالافتاء کے ایک رکن کی حیثیت سے خدمت کا موقع عنایت فرما دیا۔ ذیل میں آپ کے خطوط کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں، جن سے تاریخی حقائق کی تصدیق ہوتی ہے:

(۱)

۸/محرم ۹۷ھ

عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ کا کام بھی مسجد کے متعلق ابھی تک کوئی نہیں بنا، فی الحال تو مدرسہ ہی میں کام کر رہا ہوں، اور رہائش بھی مدرسہ ہی میں ہے.....

والسلام.....محمد عبدالمجید دین پوری

دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی

(۲)

۵/ذوالحجہ ۹۶ھ۔ ۲۷/۱۱/۷۶ء

باسمہ تعالیٰ

عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نیوٹاؤن میں بلامعاوضہ کام کرنے کی درخواست حضرت مولانا نے منظور کر لی ہے، مفتی عبدالسلام صاحب منگل کو روانہ ہوں گے، وہ بھی فی الحال دوماہ کی رخصت پر جا رہے ہیں، بہر حال میں سردست کسی مسجد کی تلاش میں ہوں......

والسلام......محمد عبدالمجید دین پوری......۹/۸سی ایریا لیاقت آباد کراچی ۱۹۔

(۳)

۲۴/محرم ۱۳۹۶ھ۔ ۲۷/۱/۷۶ء

بگرامی قدر ذوالمجد والکرم قبلہ حضرت والد ماجد صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ بفضلہٖ تعالیٰ خیریت سے ہے، مقالہ کا کام بھی شروع کر دیا ہے، شام کو اسباق سے فارغ ہو کر سیدھا نیوٹاؤن جاتا ہوں وہاں عشاء تک کام کرتا ہوں، پھر وہاں سے گھر جا کر کھانا کھاتا ہوں، انگریزی کی کتابیں بھی دیکھتا ہوں، معلوم ہوا ہے کہ امتحان مئی یا جون میں ہوں گے۔

والسلام......محمد عبدالمجید عفی عنہ......۹/۸سی ایریا لیاقت آباد کراچی ۱۹۔

دارالافتاء میں رکن کی حیثیت سے تقرر کے بعد آپ نے نارتھ ناظم آباد (حیدری) میں ایک مسجد میں امامت اور خطابت بھی شروع کر دی، آپ کے برادر محترم عبدالحمید صاحب کے بہ قول یہ سلسلہ حضرت محدث العصر کی ایماء پر ہی شروع کیا تھا۔

(۱)

عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دیگر اینکہ نارتھ ناظم آباد (حیدری) میں ایک مسجد میں خطابت مل گئی ہے، پانچوں نمازیں بھی ساتھ ہیں، (۳۵۰) روپے مشاہرہ طے ہوا ہے، فی الحال تو مکان نہیں ہے،

جلد ہی مکان بھی بنوادیں گے......

(۲)

۴صفر ۱۳۹۷ھ ۲۴/۱/۷۷ء

برادرم عزیز محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محبت نامہ آج ہی موصول ہوا.... مسجد کا مسئلہ بحمداللہ ٹھیک چل رہا ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ٹھیک رکھیں.....

والسلام..... محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ..... دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی۔

حضرت شہیدؒ یہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی طرف سے ان کے درس ہدایہ میں بیٹھنے کی تلقین تھی۔ حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کے حکم پر احقر بھی ان کے درس ہدایہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ یہ ایک ظاہری سی مشابہت ہے جس کی نوعیت محض تاریخی واقعے کی ہے، حق تعالیٰ شانہ ان دونوں بزرگوں کے طفیل حقیقت بھی نصیب فرمادیں۔ وما ذلك على بعزيز

رجب ۱۳۹۶ھ میں آپ کے والد بزرگوار مولانا محمد عظیمؒ حج بیت اللہ کی غرض سے حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے۔ حج کے بعد علیل ہوگئے تھے اور وہیں قیام پذیر تھے کہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ کو مختصر علالت کے بعد مکہ المکرمہ میں انتقال فرماگئے۔ مولانا محمد عظیم وفات سے پیشتر حضرت مفتی صاحب کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

۱۷فروری ۱۹۷۷ء

پیارے عبدالمجید سلامت باکرامت

.....آپ خود بھی تسلی کریں اور گھر بھی بچوں کو تسلی دیں، بحمدہ تعالیٰ میں تندرست ہوں، حضور کی حاضری دیکر آؤں گا....

والد ماجد کے انتقال کے بعد کچھ ایسی ذمہ داریاں آپ پر آن پڑی تھیں کہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے وطن خان پور میں قیام پذیر ہوئے، جامعہ میں رہنا مشکل تھا، چنانچہ نہایت لجاجت اور بہت عاجزی سے آپ نے جامعہ سے رخصت کا عریضہ لکھا اور حضرت محدث العصر نے عذر کے قوی اور شرعی ہونے کی بنا پر بادل نخواستہ قبول فرمالیا۔ جامعہ سے

رخصت کا واقعہ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ کا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی آپ کو دارالافتاء میں ایک مستقل رکن کے طور پر خدمت انجام دیتے ہوئے ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا۔

خان پور واپسی:

والد ماجد کے وصال کے بعد آپ خان پور تشریف لے گئے اور مدنی مسجد چوک رازی خان پور میں امامت وخطابت کی خدمت انجام دینے لگے۔ یہ وہی مسجد ہے جس کی بنیاد آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیمؒ نے رکھی تھی، ساتھ ہی پرانے تبلیغی مرکز میں تدریس شروع کی اور مسجد کے متصل رفاہ عام کے نام سے مطب قائم کیا۔ تبلیغی مرکز کے بعد ایک سال فی سبیل اللہ ظاہر پیر میں تدریس کی، پھر آپ دین پور شریف میں تدریس کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔

جامعہ اشرفیہ سکھر:

بعدازاں ۱۹۸۸ء سے ۹۵ء تک جامعہ اشرفیہ سکھر سے وابستہ رہے اور وہاں مختلف سالوں میں مسلم جلد ثانی، ابوداؤد، طحاوی، جلالین ثانی، ہدایہ ثالث و رابع، میبذی، متنبّی، حماسہ، کنز اور صرف وغیرہ آپ کے زیر تدریس رہیں، ایک سال بخاری ثانی بھی پڑھائی اور ختم بخاری شریف کیا، تین سال وہاں ایک قریبی مسجد میں امام وخطیب بھی رہے تھے۔

سکھر کے قیام کے دوران جب آپ کسی نجی غرض اور ذاتی حاجت کے سلسلے میں کراچی تشریف لائے تو حضرت شہیدؒ کے بہ قول یہاں ایک مدرسے میں آپ کو بڑے درجات کی کتب اور معقول مشاہرے کی پیش کش ہوئی، اگر چہ آپ کی طبیعت اب کراچی کو مستقل جائے قیام بنانے کی تھی، مگر صاحب نظر اور بصیرت قلبی کے حامل بزرگ، فقیہ اعظم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ سے مشاورت کے بعد انکار فرمادیا اور واپس تشریف لے گئے۔

دوبارہ جامعہ آمد:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ جن کو گوہر نایاب کی پہچان اور انہیں لڑی میں پرونے کا ملکہ اور سلیقہ تھا وہ حسنِ تدبیر اور حسنِ انتظام سے آپ کو جامعہ لے آئے اور ۶ شوال ۱۴۱۶ھ کو جامعہ میں بحیثیت مدرس کتب اور نائب رئیس دارالافتاء آپ کی تقرری عمل میں آئی،

دارالافتاء کے رئیس حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی مدظلہٗ نے بھی اس سلسلے میں بھرپور معاونت کی تھی اور حضرت شہیدؒ اس پوری روئیداد کو اپنی تمام جزئی تفصیلات سمیت سنایا کرتے تھے۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزیؒ کی شہادت کے بعد ترمذی ثانی اور تخصص میں مقدمہ شامی اور شرح عقود رسم المفتی وغیرہ کا درس آپ کے سپرد تھا، جامعہ میں ابتدائی سالوں میں آپ نے ادب عربی بنات، ترمذی ثانی بنات، اور بنین میں ہدایہ رابع پڑھائی، ۲۳۔۱۴۲۲ھ میں آپ کے ذمہ ترمذی اول بنات بھی مفوض تھی، ۱۴۲۳ھ تا ۱۴۲۵ھ آپ کے پاس بنین میں ہدایہ ثالث کا سبق بھی تھا، ۱۴۲۵ھ سے ۱۴۳۴ھ تک ترمذی ثانی وشمائل دورہ حدیث میں اور شرح عقود تخصص میں آپ پڑھایا کرتے تھے۔

عنایات الٰہی عام طور پر اسباب سے متعلق ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔حضرت الاستاذ کا معاملہ بھی کچھ اس قسم کا تھا۔ اچھے شہسوار کو سبک رفتار سواری اور مضبوط بازو کو تیز دھار تلوار میسر آجائے تو پھر رفتار اور کاٹ دیکھا چاہیے۔ جامعہ میں نہ صرف مفتی صاحب کے مخفی جوہر کھلے بلکہ اس نے ایسا جوش مارا کہ ایک عالم کو سیراب کر دیا۔

دیگر دینی خدمات:

جامعہ میں تدریس اور خدمت افتاء کے ساتھ آپ الحمراء مسجد جمشید روڈ میں پنجگانہ نمازوں کے امام تھے اور جامعہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔شہادت کے روز آپ اپنے رفقاء سمیت جامعہ درویشیہ ہی تشریف لے جارہے تھے۔مدرسہ معہد الخلیل بہادر آباد میں مغرب کے بعد تشریف لے جاتے اور آمدہ سوالات کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔کچھ عرصہ تک مدرسہ الٰہیہ لیاقت آباد میں دورہ حدیث کے سبق کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔

درس کی خصوصیات:

آپ کا درس نہایت سنجیدہ اور متین ہوا کرتا تھا۔درس کے لیے تشریف لے جانے سے قبل صاحب کتاب کے لیے دعا اور ایصال ثواب کرتے اور درس میں شستہ، شگفتہ اور شائستہ زبان

استعمال فرمایا کرتے تھے۔ پانی کے بہاؤ کی طرح زبان سے الفاظ نکلا کرتے تھے اور کبھی اس میں خطابت کا آہنگ اور تقریر کا جلال پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ آواز بلند، بیان تسلسل سے مزین اور لغزش ولکنت سے پاک ہوا کرتا تھا۔ عام فہم اور سادہ الفاظ میں پہلے عبارت کا مطلب بیان کرنے کے بعد جب اس کا ترجمہ اور حل طلب نکات کی تشریح کرتے تو معمولی استعداد کے طلبا بھی سمجھ جایا کرتے تھے۔ علمی لطائف اور سلف صالحین کے واقعات موقع ومحل کی مناسبت سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ تجزیہ وتحلیل اور تجربہ وتمثیل سے درس کی رونق اور بڑھ جایا کرتی تھی۔

وہ خصوصیت جس کی وجہ سے آپ کا درس ایک امتیازی شان رکھتا تھا وہ قدیم اجتہادات کی روشنی میں جدید عصری مسائل کا حل پیش کرنا ہے۔ درس میں جب کوئی ایسا مقام آتا جس کا کسی نو پید مسئلے سے تعلق ہوتا تو وہاں بسط وتفصیل سے کام لیتے۔ کسی عبارت کے تحت کن مسائل پر گفتگو کرنی ہے اور کس قدر کرنی ہے؟ کہنہ مشقی کی بدولت یہ فیصلہ آپ کے لیے مشکل نہیں تھا۔ کوئی عبارت جس سے موجودہ علماء کسی مسئلے کے جواز یا عدم جواز پر استدلال کرتے ہوں، اس کی وضاحت فرماتے، تفہیم کے لیے بجائے قدیم تمثیلات کے جدید تمثیلات پیش فرمایا کرتے تھے۔

تقریر وخطابت:

تقریر اور خطابت کے معاملے میں برملا کسر نفسی اور عجز وانکساری کا اظہار فرمایا کرتے تھے، مگر جب منبر کو رونق بخشتے تو الفاظ کانوں کے راستے دل پر دستک دیتے تھے۔ تقریر اگر اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا عمدہ اور احسن اظہار ہے اور سامعین کو کسی مقصد پر آمادہ کرنا اور یہ کوشش کرنا کہ وہ بھی وہی محسوس کرنے لگیں جو مقرر محسوس کرانا چاہتا ہے تو حضرت کی تقریر مذکورہ اوصاف کی حامل اور ان خصوصیات سے مزین ہوا کرتی تھی۔ طوفانی لہجہ، طغیانی اسلوب، گن گرج، جھنکار ولکار، الفاظ کی بھرمار اور فقروں کی یلغار نہ تقریر کا حصہ ہیں اور نہ ہی حضرت اسے پسند فرمایا کرتے تھے، البتہ جب شکار نشانے پر آجائے، لوہا گرم ہو جائے اور کھیتی پک جائے تو پھر تاخیر کا مطلب محنت کا ضیاع ہوتا ہے۔ سمجھ دار اور عوام کی نفسیات سے واقف مقرر ایسے موقع پر الفاظ کے زیر وبم اور لہجے کے اتار چڑھاؤ سے لوگوں کے جذبات وصول کر لیتے ہیں۔ حضرت شہید کا لہجہ بھی ایسے مواقع پر بلند ہو جایا

کرتا تھا، گویا گرم لوہے پر پے در پے ضربیں لگا رہے ہیں۔

اصلاحی تعلق اسی مشہور و معروف، روحانی، علمی، تاریخی اور انقلابی خانقاہ دین شریف سے تھا۔ ہالیجی شریف سے بھی بھرپور ربط و ضبط رکھتے تھے اور گاہے گاہے وہاں حاضر بھی ہوا کرتے تھے۔

سفر میں معمول:

سفر و حضر میں وضو پر مواظبت فرمایا کرتے تھے۔ دوران سفر راستے میں کبھی ایسا ہوتا کہ وضو کے لیے مناسب جگہ دستیاب نہیں ہوتی تھی مگر حضرت گھٹنوں کی تکلیف کی شدت کے باوجود معمول پورا فرمالیا کرتے تھے۔ "الاجر بقدر التعب والمشقة" کے قاعدے سے یقیناً یہ وضو زیادہ اجر و ثواب اور فضیلت رکھتا تھا۔ ایسا بھی ہوا کہ دن بھر کے تھکا دینے والے سفر کے بعد نصف شب کے قریب آرام کا موقع ملا، مگر جب صبح فجر کے لیے آنکھ کھلی تو حضرت شہید کو مراقب پایا، جس کا مطلب تھا کہ حضرت تہجد، ذکر اور دعا وظائف سے فارغ ہو چکے ہیں۔ سفر میں فجر سے گھنٹہ بھر قبل بیدار ہو جایا کرتے تھے۔

فقہ و فتاویٰ:

آپ کا اصل میدان فقہ اور فتاویٰ کا میدان تھا۔ بلا مبالغہ آپ ملک کے صف اوّل کے مفتیان کرام میں سے تھے۔ احقر کے خیال میں آپ کی خاص خصوصیت مطالعہ کی کثرت اور جزئیات پر دسترس وغیرہ نہیں بلکہ فقہی ملکہ اور خداداد ذہانت تھی۔ اس کے ساتھ آپ پختہ استعداد کے مالک، نہایت زیرک، سخن فہم اور گہری نگاہ کے مالک تھے۔ کئی مواقع پر ایسا ہوا کہ کسی چیز کو محض اپنے ذوق سے آپ نے مسترد کیا اور بعد میں تلاش بسیار کے بعد اسی کے موافق نص مل گئی۔

دنیوی گورکھ دھندوں سے آپ منقطع تھے اور "الذین احصرو فی سبیل اللہ" کے کامل مصداق اور اتم نمونہ تھے، مگر اس کے باوجود سیاسی قوانین، معاشی نظریات، رسم و رواج، عرف و عادات اور ملکی حالات سے کما حقہ واقفیت رکھتے تھے۔ مسجد اور مدرسہ میں زندگی بسر کرنے کے باوجود لوگوں کی عادات اور ان کے محاورات پر آپ کی گرفت مضبوط تھی، طلاق اور ایمان کے مسائل میں اس کا خوب اندازہ ہوا کرتا تھا۔

کام کا جتنا دباؤ دارالافتاء بنوری ٹاؤن میں ہے، شاید ہی کسی اور جگہ ہو، مگر افرادی قلت کے باوجود اسے بہ سہولت پورا فرمالیا کرتے تھے۔ ۱۹۹۶ء میں جامعہ آمد کے بعد کچھ عرصہ تک خود بھی فتاوی تحریر فرماتے رہے اور نائب رئیس ہونے کی حیثیت سے دیگر رفقاء کے فتاوی بھی آپ کی تصدیق وتصویب سے جاری ہوتے تھے۔ حضرت مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی مدظلہ العالی کے تشریف لے جانے کے بعد فتاوی کی آخری تصحیح آپ ہی فرمایا کرتے تھے، مگر ذمہ داری کے بڑھ جانے اور کام میں اضافے کی وجہ سے خود فتوی نویسی کا معمول ترک فرمادیا۔ ہر سال تقریبا دس ہزار فتاوی دارالافتاء سے جاری ہوتے ہیں، اس لحاظ سے آپ کے مصدقہ فتاویٰ کی تعداد تقریبا ڈیڑھ لاکھ بنتی ہے۔ جو فتاوی اس سے قبل کے زمانے کے ہیں اور جو دیگر مدارس سے جاری کیے اور جن کی تصدیق فرمائی، ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، مگر ان میں شاید و باید ہی کوئی ایسا فتوی ہوگا جو اکابر کے مزاج کے خلاف اور جمہور کے مسلک سے کٹ کر ہو۔ رحمہ اللہ وارضاہ

بعض فنون سے خصوصی مناسبت یا تجربہ اور ممارست کی بناء پر ان فنون سے متعلقہ سوالات کے جوابات بصیرت اور مہارت سے عنایت فرماتے تھے۔ مثلا خان پور میں مسجد کے متصل رفاہ عام کے نام سے جو مطب قائم کیا تھا اس کی بدولت آپ امراض، ان کے طریقہ علاج، ادویہ اور ان کے خواص واثرات سے آگاہی رکھتے تھے۔ اس خصوصی تجربے کی بنا پر آپ کا جواب حقیقت سے واقفیت اور اصلیت وواقعیت سے باخبری کا بھرپور ترجمان ہوتا تھا۔ جواب میں گہرائی ہوتی اور طرز تحریر اور اسلوب بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ کاتب موضوع سے آگاہ، معلومات مکمل، ذہنی طور پر یکسو اور خود جواب سے پوری طرح مطمئن ہے۔ اس کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ جواب میں تشقیق یعنی اگر مگر کی نوبت کم آتی تھی۔

ابھی کچھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک شئے کی ترکیب کے متعلق ہمارے ہاں ایک تحریری سوال جمع ہوا، سوال ایک ادارے کی طرف سے تھا اور مہارت سے تیار کیا گیا تھا اور اس پر ایک کیمیا داں کے تصدیقی دستخط بھی ثبت تھے، احقر نے سوال کی بنیاد پر جواب لکھا مگر حضرت نے سوال اور جواب دونوں مسترد کردیے، جب مزید تحقیق کی گئی تو حضرت کا اعتراض درست تھا اور

سائل اور مجیب دونوں سے چوک ہوئی تھی۔

علم طب کے علاوہ آپ ایک اور فن اس حد تک جانتے تھے کہ اسے باقاعدہ ذریعہ معاش بنا سکتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''الذین احصروا فی سبیل اللہ'' کی فضیلت سے بھی نوازنا تھا، اس لیے آپ ان دونوں فنون سے مجتنب رہے۔

سفر آخرت:

پچھلے کچھ عرصے سے ایک خاص قسم کا تغیر طبیعت میں پیدا ہو گیا تھا۔ اللہ جانتا ہے کہ جب آپ کی یہ کیفیت ملاحظہ میں آتی یا تنہائی میں، اس کی طرف دھیان جاتا تو ذہن سورہ نصر کی طرف چلا جایا کرتا تھا اور طبیعت فراق کے خیال سے پریشان ہو جایا کرتی تھی۔ اب حضرت شہیدؒ ایک ایک لمحے کو ذکر الٰہی سے آباد کرنے لگے تھے، یہاں تک کہ سوال وجواب پڑھتے وقت تو ہونٹ ساکت رہتے تھے مگر جونہی دستخط فرمانے لگتے، لب حرکت کرنے لگ جاتے، ہونٹوں کو جنبش شروع ہو جاتی، حالانکہ سوالات کی کثرت کی وجہ سے دستخط کے لیے نام کی مہر بنوانی پڑ گئی تھی، جس کے ثبت کرنے میں بہ مشکل ایک دو سیکنڈ لگتے تھے، مگر حضرت اس وقت کو بھی مزید پرنور بناتے تھے۔ اس کے ساتھ ایک تبدیلی یہ آئی تھی کہ فوری طور پر رقت قلبی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ محسن انسانیت، سید الکونین، سرکار دو عالم ﷺ کے نام نامی اور اسم گرامی پر آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے تذکرے پر طبیعت میں ایک جوش سا پیدا ہو جایا کرتا تھا اور موضوع سخن چھوڑ کر ان کا کوئی واقعہ یا منقبت یا ان کی بلند پایہ شخصیت کے متعلق کوئی جملہ ارشاد فرما لیا کرتے تھے۔

جو عالم دین کوئی دینی مشغلہ رکھتا ہو مثلاً درس وتدریس، تصنیف وتالیف یا وعظ ونصیحت کرتا ہو اور اسی حالت میں وفات پا جائے تو اس کی موت حکمی شہادت کی موت ہے اور جو ناحق آلہ جارحہ سے مارا جائے اور وہ کوئی دنیوی آسائش بھی نہ اٹھائے تو اس کی موت حقیقی شہادت کی موت ہے۔ حضرت الاستاذ، مشفقی ومربی کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں معنوں کے لحاظ سے شہادت نصیب فرمائی ہے۔ شہادت کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گہری نیند میں ہیں اور اپنے مقام بلند

کو دیکھ کر تبسم فرمار ہے ہیں۔

جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب حفظہ اللہ ورعاہ نے شہداء کا جنازہ پڑھایا، لگتا تھا کہ کہیں تکبیرات کے ساتھ جگر کے ٹکڑے نکل کر باہر نہ آ جائیں، مگر خدا تعالیٰ جب کوئی ذمہ داری ڈالتا ہے تو اس کے لیے درکار صفات سے بھی نواز دیتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب استقامت نہ دکھاتے تو کس کا دل گردہ تھا کہ وہ صبر کر جاتا۔ جنازے سے قبل حضرت ڈاکٹر صاحب نے جو کلمات ارشاد فرمائے وہ مختصر مگر جامع، سادہ مگر مدلل، صدمات سے چُور روح کے ترجمان اور روح شریعت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس وقت یہ حقیقت کھلی کہ ''الاستقامة فوق الكرامة''۔

جنازے میں بہت قلیل وقت میں بہت بڑا مجمع جمع ہو گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے موقع پر چند آدمیوں نے مل کر ملکوں کے ملک راکھ اور خاک کر دیے، ایک غیر محتاط جملے سے یہ لوگ کچھ کرنے اور دکھانے، مرنے اور مارنے پر آمادہ ہو سکتے تھے، مگر ایمان اور دینی تربیت نے انہیں روک دیا، جامعہ کے اکابر نے نہ صرف خود صبر کیا بلکہ صبر کی فضا بنا دی، جس کی بنا پر یہ تمام مجمع انتہائی پرامن طور منتشر ہو گیا، نہ کوئی نعرہ لگا، نہ کوئی شیشہ ٹوٹا اور نہ کسی کو بے جا تکلیف ہوئی، ورنہ دینی تربیت سے عاری لوگ ایسے مواقع پر کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ جنازے کے بعد حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کو ان کے آبائی شہر خان پور لے جایا گیا اور مدینۃ الاولیاء، مقبرۃ المشائخ دین پور میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہ وہی مقبرہ ہے جس میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا عبداللہ درخواستیؒ جیسے بڑے بڑے اولیاء اور مشائخ مدفون ہیں۔ مرقد میں رکھنے کے بعد جب چہرے سے ذرا کفن سرکا تو چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا اور ماہتاب کی مانند پُرنور تھا۔ اللھم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی☆

شہادت، جنازہ اور تدفین

مؤرخہ ۱۸، ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق 31 جنوری 2013ء بروز جمعرات ظہر کی نماز کے بعد حضرت شہید رحمہ اللہ کے بھتیجے حنظلہ بھائی نے موبائل پر بتایا کہ: چاچو جی مفتی عبدالمجید صاحب شہید ہوگئے ہیں! یہ سنتے ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پوچھا: کب؟ کیسے؟ حنظلہ بھائی نے بتایا: فائرنگ ہوئی ہے، ابھی ساڑھے بارہ بجے وہیں کراچی میں شہید ہوئے ہیں۔ میں ہکابکا رہ گیا۔ اول تو کچھ سجھائی نہ دیا۔ پھر اپنے ساتھ بیٹھے ساتھیوں کو اطلاع دی اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے بھتیجوں کو اطلاع دینے کے لیے اُن کی طرف دوڑا، بھائی نعمان احمد کو اُن کی کلاس میں جا کر اس کربناک حادثہ کی خبر دی تو حیرت سے وہ بھی ساکت رہ گئے۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ عصر کے بعد حضرت شہید کا پہلا جنازہ بنوری ٹاؤن میں ہوگا اور دوسرا جنازہ کل بروز جمعہ کو صبح دس بجے نارمل سکول خان پور میں ہوگا، بعد ازاں دین پور شریف کے قدیمی قبرستان میں تدفین ہوگی۔

پروگرام کے مطابق دوسرے دن صبح چار بجے مدرسہ سے روانہ ہوا، برادر محترم مولانا دلشاد صاحب مدظلہ [فاضل: جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی] کو راستے سے ساتھ لیا، اور نماز فجر سے چند منٹ قبل ''خان پور'' پہنچ گئے۔ حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ کے بھتیجے بھائی نعمان احمد صاحب اور بھائی عمر فاروق صاحب ہمیں لینے اڈے پر موجود تھے۔ ان کے ہمراہ مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم کے گھر ''رازی چوک'' پہنچے، جو حضرت شہید رحمہ اللہ کا آبائی گھر ہے اور وہیں اُن کی میت کی آمد تھی۔ پہنچتے ہی وضو کیا، اور نماز فجر کے لیے مسجد میں جا پہنچے۔ اسامہ بھائی نے نماز میں ''یاایھاالذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ، ان اللہ مع الصابرین۔ ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات،

☆ مدیر: مجلّہ صفدر......فاضل: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

بل احیاء ولکن لاتشعرون،" آیات تلاوت کیں تو دل کی عجیب سی کیفیت ہوگئی، حضرت شہید کی جدائی کے غم کی وجہ سے آنسو بھی آرہے تھے اور ''استعینوا بالصبر'' پر عمل کی نیت سے ضبط کی کوشش بھی جاری تھی۔ پھر حضرات شہداء کے بلند مقام اور علوشان ومرتبہ کی وجہ سے اطمینان بھی تھا۔ اور "بل احیاء" کے حکم قرآنی کی جہ سے دل کو تسکین بھی۔

پڑھو اُن کے حق میں جو آیات اُتریں
خدا کی طرف سے ہدایات اُتریں

نماز کے بعد حضرت شہید رحمہ اللہ کے بھائیوں، برادر زادوں اور دیگر اعزہ سے ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر انتظامات وغیرہ میں صرف ہوگئی، جس ایمبولینس میں حضرت کے جسدِ خاکی کو کراچی سے لایا جارہا تھا، اُس سے مسلسل رابطہ تھا، ''رازی چوک'' میں سب منتظر کھڑے تھے، احباب کی آمد جاری تھی، حضرت شہید رحمہ اللہ کے تلامذہ بہاول پور، لاہور اور اسلام آباد تک سے اپنے محبوب استاذ کی زیارت ونمازِ جنازہ کے لیے آئے ہوئے تھے۔ تقریباً آٹھ بجکر بیس منٹ (8:20) پر ایک جانب سے وہ بس آتی دکھائی دی جس میں حضرت شہید رحمہ اللہ کے اہل خانہ اور دیگر اعزہ کراچی سے آئے تھے، اور ساتھ ہی دوسری جانب سے ایمبولینس کا شور بلند ہوا، جسے استقبالی جلوس کی شکل میں پیتاں نچھاور کرتے ہوئے لایا جارہا تھا، آگے پیچھے موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کی قطاریں تھیں، ایمبولینس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ دیوانہ وار پیدل دوڑ رہے تھے اور پیتاں نچھاور کررہے تھے۔

اے سید والاشاہ! جیتا تھا ترا جینا
جینا تو اُنہی کا ہے جو مر کے رہیں زندہ

جسدِ خاکی کو ایمبولینس سے نکالا گیا تو حضرت شہید رحمہ اللہ کے تلامذہ کا دھاڑیں مار مار کے اور بلک بلک کر رونا دنیا کو بتارہا تھا کہ جسمانی رشتے اتنے مضبوط نہیں ہوا کرتے اور اُن میں وہ طاقت نہیں ہوتی جو علمی، دینی اور روحانی رشتوں میں ہوتی ہے، یہ رشتے بے لوث، بے غرض اور مخلصانہ ہوتے ہیں۔ اور حضرت کے اعزہ واقرباء کی آپ کے ساتھ دیوانہ وار محبت ووارفتگی بھی اس

بات کی غمازی کر رہی تھی کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے ساتھ اُن کا تعلق فقط نسبی نہیں، بلکہ علمی و دینی تھا، ورنہ آج اس خودغرضی و مفاد پرستی کے دور میں کون اپنے رشتہ داروں کو پوچھتا ہے؟ جنازہ سے قبل خطاب کے دوران جامعہ بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب فرمانے لگے: ''آپ حضرات جو حضرت سے نسبی اور خاندانی تعلق رکھتے ہیں، اور حضرت کی جدائی پر مغموم ہیں، اگر کل وہاں کراچی میں حضرت کے تلامذہ اور دینی و روحانی تعلق والوں کے غم والم کا مظاہرہ کر لیتے تو آپ کے لیے تسلی کا سامان ہو جاتا، اُن کا درد آپ کے درد سے کہیں زیادہ اور اُن کا غم آپ کے غم سے کہیں بڑھ کر ہے۔''

کراچی سے حضرت شہید کے ساتھ آنے والوں میں حضرت کے برادران، صاحبزادگان، اعزہ، واقرباء کے علاوہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی شعیب عالم، مولانا مفتی رفیق احمد اور دیگر حضرات تھے۔ حضرت کے جسد خاکی کو گھر کے اندر لے جایا گیا اور مرد حضرات کو مسجد میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ علماء وصلحاء اور مشائخ کی آمد جاری تھی، مولانا مفتی محفوظ احمد صاحب [صدر مفتی: جامعۃ الصابر، بہاول پور] حضرت کے بھائیوں اور صاحبزادوں کو تسلی دے رہے تھے، کچھ ہی دیر میں سب حضرات مسجد میں بیٹھ گئے۔

تقریباً ساڑھے نو (9:30) بجے جسد خاکی کو گھر سے باہر لایا گیا، چارپائی کے ساتھ بانس باندھ کر کاندھوں پر رکھا گیا تو ہر کوئی دیوانہ وار لپک کر چارپائی کو کندھا دینے کی کوشش میں نظر آیا، جس کو موقع نہ مل سکا اُس نے بانس کو ہاتھ لگانے کو ہی غنیمت خیال کیا، کچھ احباب فرط محبت میں چارپائی کے نیچے گھس گئے، لیکن اُن کو وہاں نہیں ٹھہرنے دیا گیا۔ جنازہ نارمل سکول کے گراؤنڈ کی طرف رواں دواں تھا، لوگ پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے ہوئے جا رہے تھے، گراؤنڈ میں پہنچے تو علماء، طلباء، صلحاء، مشائخ اور اکابر کا جم غفیر نظر آیا۔ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی [ظاہر پیر]، حضرت مولانا میاں مسعود احمد [دین پور شریف]، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری [ملتان]، حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن [بہاول پور]، حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی [رحیم یار خان]، مولانا ظفر احمد قاسم، وفاق المدارس کی قیادت کے نمائندہ کے طور پر حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی [شجاع آباد]، حضرت صاحبزادہ

ہالیجوی، حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال[کہروڑپکا] اور حضرت مولانا سیف الرحمٰن درخواستی[راجن پور]، حضرت مولانا عطاء المنعم[رحیم یار خان] سمیت کراچی، سکھر، صادق آباد، رحیم یار خان، ظاہر پیر، بہاول پور، ملتان، لاہور اور اسلام آباد سے آئے ہوئے سینکڑوں علماء کرام اور ہزاروں طلبہ وعوام الناس موجود تھے۔

چارپائی رکھتے ہی لوگ زیارت کے لیے بڑھے، اسٹیج سے اعلان کی گیا کہ تمام حضرات اپنی جگہ پر کھڑے رہیں، صفوں کی ترتیب برقرار رکھیں، زیارت، نمازِ جنازہ کے بعد کرائی جائے گی، لیکن مجمع نہ سنبھل سکا اور لوگ چارپائی پر گرنے لگے، نظم وضبط اور ترتیب نہ ہونے کی وجہ سے کثیر مجمع کو زیارت کرانا تقریباً ناممکن تھا، لہٰذا چند ہی لمحوں بعد عوام الناس کو چارپائی کے گرد سے ہٹ کر صفوں میں واپس جانے کی تلقین کی گئی۔ اکثر لوگ صفوں میں پہنچ گئے۔

جنازہ سے قبل مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا رشید احمد لدھیانوی اور مولانا زبیر احمد صدیقی سمیت دیگر علماء کرام کے بیانات ہوئے۔ مولانا زبیر احمد صدیقی نے فرمایا: ''الحمدللہ ہماری قیادت، ہمارے اکابر کی حالات پہ گہری نظر ہے، وہ کبھی بھی مدارس اور علماء وطلباء کے تحفظ سے غافل نہیں ہوئے، لیکن ہم نے جرأت وحکمت کے ساتھ دشمن کی کوشش کو ناکام بنانا ہے۔ اپنی قیادت پر اعتماد کریں، اور اُن کے حکم کے مطابق عمل کریں۔'' انہوں نے مزید فرمایا کہ: ''حکومت ہوش کے ناخن لے، ہمیں کسی انتہائی اقدام پر مجبور نہ کرے، اگر بلوچستان کے چند لوگوں کے احتجاج اور شدید مطالبہ پر منتخب جمہوری حکومت ختم ہوسکتی ہے تو ملک عزیز پاکستان کے بیس ہزار (20,000) مدارس کے تیس لاکھ (30,000) طلباء احتجاج کر کے حکومت سے اپنے مطالبات منوا سکتے ہیں یا حکومت کا تخت الٹ سکتے ہیں، اس لیے حکومت علماء وطلباء بے گناہ لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ سے باز رہے۔ قاتلوں کو فی الفور گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دے۔ ورنہ حالات کی تمام تر ذمہ داری حکوت پر عائد ہوگی۔'' مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی نے فرمایا کہ: ''ہم صبر وتحمل کے ساتھ رہیں، مشتعل نہ ہوں۔ اور دشمن یہ نہ سمجھے کہ ہم خوف زدہ ہوکر دین کا کام چھوڑ دیں گے''۔

سمجھ کر، سوچ کر، راہِ وفا میں پاؤں رکھا ہے
یہ مت سمجھو کہ ہم واقف نہ تھے انجام سے پہلے

مزید یہ بھی فرمایا کہ: آپ حضرات نے اپنا جو فرزند ہمارے سپرد کیا تھا، ہمارے اساتذہ نے اسے پڑھایا، سکھایا، اس کی تربیت کی اور ہیرا بنا کر اُسے چمکایا، پھر اُس نے اپنے علم سے ایک عالَم کو منور کیا، علماء، طلباء، عوام الناس حتیٰ کہ مفتیان کرام کی ایک بڑی تعداد کو فیض یاب کیا، گویا ایک کامیاب ترین زندگی گزاری اور پھر قابلِ رشک موت سے ہمکنار ہوا، آج ہم ''دین پور شریف'' کی یہ امانت واپس آپ کے سپرد کرنے آئے ہیں۔ بیانات کے بعد حضرت میاں مسعود احمد صاحب مدظلہم نے حضرت شہید رحمہ اللہ کا دوسرا جنازہ پڑھایا، اور جنازہ کے بعد زیارت کرائی گئی، کچھ دیر بعد جنازہ کندھوں پر اٹھالیا گیا، ابھی اس گراؤنڈ سے باہر بھی نہ نکلا تھا کہ پھر زیارت کے لیے نیچے رکھ دیا گیا اور لوگوں کو قطار بنا کر زیارت کرائی گئی ؎

رُخِ زیبا سے ہوتا ہے ہویدا نُورِ ایمانی
مجاہد مرد کی صورت پیاری دیکھتے جاؤ
مَلَک صورت، فلک رتبہ، سراپا اسوۂ حسنہ
گزاری جس نے حق پر عمر ساری دیکھتے جاؤ

بالآخر چارپائی کے بانس کھول کر اسے گاڑی میں ''دین پور شریف'' لے جایا گیا۔ عقیدت مند وہاں بھی ہمراہ پہنچے۔ دین پور شریف کے قدیمی قبرستان کے ایک جانب وہ احاطہ ہے جس میں حضرت خلیفہ غلام محمد صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالہادیؒ، حضرت سندھیؒ اور حضرت درخواستیؒ جیسے اساطین علم و معرفت آرام فرما ہیں۔ اس احاطے سے باہر عام قبرستان ہے۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کے اقارب نے بتایا کہ حضرت کو اس احاطہ کے اندر دفن کرنے کی اجازت تو مل گئی تھی، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اس احاطے کی دیوار سے چند گز کے فاصلے پر جہاں حضرت شہید رحمہ اللہ کے دیگر اقارب آرام فرما ہیں وہاں قبر بنائی گئی۔

جب جسد خاکی کو قبر میں رکھنے کے لیے چارپائی سے اٹھایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چارپائی کی سفید پھول دار چادر تازہ خون سے رنگین ہے۔ اور لوگ روئی کے ساتھ وہ خون لگا لگا کر اپنے پاس محفوظ کر رہے ہیں، حالانکہ حضرت کی شہادت کو 23/24 گھنٹے گزر چکے تھے، لیکن

زخموں سے تازہ خون ابھی تک رِس رہا تھا ۔

مشک نہیں اور خوشبو مہکے آگ نہیں اور شعلہ دہکے

عرش پہ پہنچا فرش پہ بہہ کے دیکھ کے اس کو عالَم حیراں

خونِ شہیداں، خونِ شہیداں

آپ رحمہ اللہ کو اپنے اُسی لباس، کرتا، شلوار، واسکٹ، اور رومال سمیت جس میں شہادت کی خلعت ملی حوالہ خاک کر دیا گیا ۔

ہم سے دامن چھڑا لیا تُو نے

اِک نیا گھر بسا لیا تُو نے

حضرت کے صاحبزادے اندر اُترے اور قبلہ رُخ کروٹ دلانے لگے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتی شعیب عالم صاحب ہدایات دے رہے تھے اور حضرت کے صاحبزادے کمال صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے استاذ محترم کی ہدایات پر عمل کر رہے تھے، کیونکہ حضرت شہید رحمہ اللہ کی تمام زندگی ''اتباعِ سنت'' سے عبارت تھی، اس لیے ان حضرات کی پوری کوشش تھی کہ کوئی عمل بھی سنت سے ہٹ کر نہ ہو۔ تمام امور سنت کے مطابق انجام پائیں۔ اور الحمد للہ اس میں کامیاب ہوئے ۔

خدائے پاک کے امر و نواہی کی اشاعت میں

رہی ہے عمر بھر تک جہد جاری دیکھتے جاؤ

[شائع شدہ، ماہنامہ بینات]

مولانا محمد زین العابدین ☆

حیاتِ شہید اِک نظر میں

☆نام وولدیت: مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوریؒ بن مولانا محمد عظیم بخش دین پوریؒ۔

☆تاریخ پیدائش: ۱۵/جون ۱۹۵۱ء بمطابق ۱۰/شعبان ۱۳۷۰ھ۔

☆جائے پیدائش: رحیم یار خان کی تحصیل خان پور کی بستی دین پور۔

حیاتِ مبارکہ پر ایک نظر:

☆ابتدائی تربیت: گھر میں ہی اپنے عظیم والد جو کہ نام کے ساتھ ساتھ کام کے بھی عظیم تھے ان کے ذریعے ہوئی۔

☆قرآنِ کریم کی تعلیم جامعہ مخزن العلوم خان پور میں حضرت قاری عبید اللہ صاحب سے حاصل کی۔

☆درسِ نظامی: فارسی وصرف ونحو کی کتابیں جامعہ مخزن العلوم خان پور، تاج گڑھ، جامعہ فاروقیہ لیاقت پور میں مولانا عبید اللہ درخواستیؒ سے پڑھیں۔

☆پھر جامعہ انوریہ طاہر والی میں حضرت مولانا حبیب اللہ گمانویؒ، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور مولانا محمد احمد صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

☆بعد ازاں جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم سے درجۂ خامسہ تک کی کتابیں پڑھیں۔

☆دو مرتبہ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ کے پاس دورۂ تفسیر پڑھا۔

☆۱۹۶۸ء......۱۸/شوال ۱۳۸۸ھ: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں

☆ فاضل: جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی......مدرس: مدرسہ امام ابو یوسف شادمان ٹاؤن نارتھ کراچی

درجہ سادسہ میں داخلہ لیا۔

☆۱۳۸۹ھ: جامعہ کے سالانہ امتحان میں درجہ سادسہ میں اول پوزیشن حاصل کی۔

☆۱۳۹۱ھ: دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں مدرسہ کی سطح پر تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆۱۹۷۱ء......۱۳۹۱ھ: جامعہ میں مسلسل ۳رسال پڑھنے کے بعد جامعہ ہی سے امتیازی نمبرات کے ساتھ دورۂ حدیث پاس کیا اور حضرت بنوریؒ سے خصوصی شرفِ تلمّذ حاصل کیا۔ جامعہ کے تعلیمی ریکارڈ کے مطابق آپؒ کا رول نمبر۱۳۲۱ اور رجسٹریشن نمبر ۶۸۷ ہے، ۲۸رمحرم ۱۳۹۳ھ کو آپؒ کو سندِ فراغت دی گئی۔

☆۱۹۷۲ء......۱۳۹۲ھ: جامعہ میں ہی تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا۔

☆۱۹۷۳ء......۱۳۹۳ھ: مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ کی زیر نگرانی تخصص کی تکمیل کی۔

☆اساتذہ کرام: مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ محدّث العصر حضرت مولانا علاّمہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ، حضرت مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، حضرت مولانا محمد بدیع الزمانؒ، حضرت مولانا معاذ الرحمٰن پشاوریؒ وغیرہ۔

☆بعد ازاں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے پیر بھائی حضرت مولانا عبد القادرؒ کی پڑپوتی سے آپ کی شادی ہوگئی۔

☆۱۹۷۵ء: آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے جناب محمد عمیر کی ولادت ہوئی۔

☆۷۶/۱۹۷۵ء: دوسال جامعہ حسینیہ شہداد پور میں تدریس کی۔

☆۱۹۷۶ء......۱۳۹۷ھ: جامعہ بنوری ٹاؤن میں اولین تقرر ہوا۔

☆۱۷راکتوبر ۱۹۷۷ء بمطابق ۳رذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ بروز دوشنبہ آپ کے محبوب استاذ جامعہ کے بانی ومہتمم اور شیخ الحدیث محدّث العصر حضرت مولانا علاّمہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ

رحلت فرما گئے۔

☆رجب ۱۳۹۶ھ......۱۹۷۷ء: آپ کے والد مکرم حج کے لیے تشریف لے گئے، ۲۱ رربیع الثانی کو مکہ مکرمہ میں ہی انتقال فرما گئے، جس کی بنا پر آپ جامعہ بنوری ٹاؤن سے واپس خان پور چلے گئے۔اور ۱۹۸۸ء تک فی سبیل اللہ اپنے والد کی قائم کردہ مدنی مسجد چوک رازی، خان پور میں امامت وخطابت فرماتے رہے۔ساتھ ساتھ آپ خان پور میں جناب ڈاکٹر سیف اقبال رازی صاحب کے ساتھ رفاہِ عام کے نام سے ایک مطب بھی چلاتے رہے۔۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۸ء تک اسی مسجد میں ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آپؒ نے اعتکاف بھی فرمایا۔

☆۷۸۔۱۹۷۷ء: ایک سال تبلیغی مرکز خان پور کے مدرسے میں تدریس کی۔

☆۱۹۷۸ء: ایک سال جامعہ احیاء العلوم ظاہر پیر میں تدریس کی۔

☆۱۹۸۵ء: آپ کے دوسرے بیٹے مولانا زبیر احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔ جو جامعہ ہی کے فاضل اور اب جامعہ درویشیہ میں درس وتدریس کی خدمت سے منسلک ہیں۔

☆۸۷۔۱۹۸۶ء: دو سال مدرسہ امداد العلوم دین پور میں تدریس فرمائی۔

☆۱۹۸۷ء: آپ کے تیسرے بیٹے مولانا عزیر محمود صاحب کی ولادت ہوئی۔ جو کہ امسال جامعہ میں تخصص فی الفقہ سالِ اول کے طالب علم ہیں، ماشاء اللہ امتحانات میں پوزیشن لیا کرتے ہیں، اپنے والد شہیدؒ کی حیات میں ہی ان کی مسجد میں ان کی موجودگی میں نمازوں کی امامت فرمایا کرتے تھے۔

☆۱۹۸۸ء: جامعہ اشرفیہ سکھر میں تدریس شروع فرمائی اور مسلسل سات سال ۱۹۹۵ء تک اس ادارے سے منسلک رہے، یہاں تک کہ استاذ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔جامعہ اشرفیہ سکھر میں کنز الدقائق، ہدایہ ثالث، مسلم، ترمذی اور بخاری کی تدریس آپ سے متعلق رہی۔

☆جامعہ اشرفیہ میں تدریس کے دوران وہیں تین سال تک ایک مسجد میں امام وخطیب بھی رہے۔

☆۱۹۹۱ء: آپ کے چوتھے اور آخری بیٹے محمد شعیب کی ولادت ہوئی، جو کہ جامعہ میں

درس نظامی کے وسطانی درجات کے طالب علم ہیں۔اس کے علاوہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو دو صاحبزادیوں سے بھی نوازا۔

☆ ۶رشوال ۱۴۱۶ھ......۱۹۹۶ء: جامعہ بنوری ٹاؤن کے سابق رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ نے جامعہ میں بحیثیت مدرس اور نائب رئیس دارالافتاء آپ کا تقرر کیا، ہدایہ اول کا درس آپ کے سپرد کیا گیا۔ جب کہ اسی سال جامع مسجد الحمراء جمشید روڈ کی امامت وخطابت بھی آپ سے متعلق کردی گئی۔

☆ جامعہ بنوری ٹاؤن میں تقرری کے پہلے دن ہی ایک آدمی آپ کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کے مسلمان ہوا۔

☆ جامع مسجد الحمراء جمشید روڈ میں صبح کے وقت آپ درس قرآن اور شام کے وقت درس حدیث دیتے رہے۔

☆ ۲۰۰۵ء بمطابق ۱۴۲۵ھ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزیؒ کی شہادت کے بعد آپ کو استاذ الحدیث کا منصب دے کر ترمذی ثانی کا درس حوالہ کیا گیا، اور تخصص فی الفقہ کے طلباء بھی آپ کے حوالے ہوئے اسی طرح مقدمہ شامی وشرح عقود رسم المفتی بھی تدریس کے لیے آپ کے سپرد ہوئی۔ جب کہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی میں افتاء کے شعبے سے بھی منسلک رہے۔ یہ خدمات تادمِ حیات بجالاتے رہے۔

☆ حضرت شامزیؒ کی شہادت کے بعد سے تا شہادت، ملک گیر ہونے والی فقہی مجالس میں دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن کی نمائندگی کرتے رہے۔

☆ وفاق المدارس العربیہ کے درجہ سابعہ کے ممتحن اعلیٰ مقرر کیے گئے، ساتھ ساتھ مولانا محمد زرولی خان صاحب کے ادارہ جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی میں وفاق کے سالانہ امتحانات کے نگرانِ اعلیٰ بھی مقرر ہوئے۔

☆ ۲۰۰۸ء: آپ جامعہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

☆ ۳۱رجنوری ۲۰۱۳ء بمطابق ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بروز جمعرات دوپہر کے

وقت تقریبا ساڑھے بارہ بجے آپ کو رفیق دار الافتاء حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اور جامعہ درویشیہ کے طالب علم حسان علی شاہؒ سمیت دن دہاڑے شارع فیصل پولیس کی عین ناک کے نیچے نرسری پل کے قریب انتہائی بے دردی کے ساتھ فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔

☆اسی دن بعد نماز عصر شہدائے جامعہ کے وارث اور جامعہ کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے نہایت ہی مجروح دل کے ساتھ آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، ایک عظیم خلقت جمع تھی جیسا کہ آپ کے پیشرو اکابر مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مفتی محمد جمیل خانؒ اور مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کے مبارک جنازوں میں مسجد، مدرسہ، باہر کی سڑکیں نمازیوں سے پُر تھیں۔بعینہ حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے جنازہ میں بھی مجمع کا یہی عالم تھا کہ لوگ جوق در جوق اپنے قائد کے جنازے میں شرکت کے لیے چلے آ رہے تھے۔جنازے کے بعد تدفین کے لیے آپ کا جسدِ خاکی آپ کے آبائی گاؤں دین پور روانہ کر دیا گیا۔

☆اگلے دن بروز جمعہ، آپ کا دوسرا جنازہ خانقاہ راشدیہ قادریہ دین پور کے سجادہ نشین حضرت میاں مسعود احمد دین پوری مدظلہ نے پڑھایا۔وہاں بھی بلا مبالغہ ہزاروں کا مجمع تھا بعد ازاں اس علم وعمل اور ورع تقویٰ کے چمکتے دمکتے آفتاب کو دین پور کے اس تاریخی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا، جہاں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، حضرت مولانا عبدالقادرؒ، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ، حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، حضرت مولانا محمد لقمان علی پوریؒ، حضرت مولانا غلام مصطفیٰؒ، میاں جی خیر محمدؒ، مولانا انیس الرحمٰن درخواستی شہیدؒ اور مولانا شفیق الرحمٰن درخواستیؒ کے علاوہ کئی اکابر، علماء اور صلحاء اور علم وتقویٰ کے آفتاب و ماہتاب محوِ استراحت ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆......☆......☆......☆

مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

تواریخِ وفات حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ

(۱) آج ‏ مفتی حاجی محمد عبدالمجید دین پوری، ‏ شہید ہوئے

٤ + ١٠٩٠ + ٣٤٠ = ١٤٣٤ھ

(۲) محمد عبدالمجید، ‏ محمد صالح، احسان علی شاہ ‏ آج سب ہی شہید ہوئے

٢٥٦ ٢٢١ + ٥٣٦ + ٤٢١ = ١٤٣٤ھ

(۳) آہ استاذ الحدیث ‏ مولانا عبدالمجید

١٧٢١ + ٢٩٢ = ٢٠١٣ء

(۴) بندۂ محبوب عبدالمجید دین پوری ‏ نائب رئیس دارالافتاء جامعہ بنوری

٥٦٥ + ١٤٤٨ = ۲۰۱۳ء

(۵) حکیم الزماں عبدالمجید ‏ استاد حدیث ‏ جامعہ درویشیہ

٣٧١ + ٩٨٨ + ٦٥٤ = ۲۰۱۳ء

(۶) نائب رئیس دارالافتاء ‏ جامعہ معہد الخلیل آزاد

۱۱۸۰ + ۸۳۳ = ۲۰۱۳ء

(۷) جناب محمد عبدالمجید ‏ خطیب جامع مسجد الحمراء

۳۱۲ + ۱۱۲۲ = ۱۴۳۴ء

(۸) الحاج سید محمد عبدالمجید ‏ ممتحن وفاق المدارس

۳۷۳ + ۱۰۶۱ = ۱۴۳۴ھ

(۹)عبدالجید صاحب شاگرد مولانا محمد یوسف بنوری

۲٦۵ + ۱۱٦۹ = ۱۴۳۴ھ

(۱۰)زبدہ زماں عبدالجید شاگرد رشید مفتی ولی حسن

۲۸۰ + ۱۷۳۳ = ۲۰۱۳ء

(۱۱)عبدالجید ابن محمد عظیم چل بسے

۱۳۲۹ + ۱۰۵ = ۱۴۳۴ھ

(۱۲)فقد قال اللّٰہ جل وعدہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها

۴۹۹ + ۱۵۱۴ = ۲۰۱۳ء

(۱۳)انما قال جل قوله ، واللّٰہ غفور رحیم

۳۹۷ + ۱٦۱٦ = ۲۰۱۳ء

(۱۴)فانما قال جل قوله فوقاهم اللّٰہ شر ذالک الیوم

۴۷۷ + ۱۵۳٦ = ۲۰۱۳ء

(۱۵)لقال اللّٰہ جل امرہ ، حسنت مستقرا ومقاما

۵۰٦ + ۱۵۰۷ = ۲۰۱۳ء

(۱٦)فقال جل امرہ، سلام علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا

۴۹۰ + ۱۵۲۳ = ۲۰۱۳ء

[شائع شدہ، ماہنامہ بینات]

......باب نمبر۴......

ہمارے مفتی صاحب

اعزہ واقارب، اولاد واحفاد
کے
مضامین وتأثرات، واقعات ویادداشتیں

حضرت مفتی صاحب نے نہ صرف سرپرستی کا شرف بخشا بلکہ سرپرستی کا حق ادا کیا، تعلیمی سفر میں ہر موڑ پر مفید مشوروں سے راہ نمائی فرمائی اور ہمیشہ متفکر رہے کہ میں اپنے والدین کے لیے سرمایۂ آخرت بن جاؤں۔ ۲۰۰۱ء میں جب آپؒ نے اپنے بیٹے برادرم مولانا عزیر صاحب کا داخلہ جامعۃ الرشید میں کرایا تو ہمارے چچا عبدالحمید صاحب (جو جامعۃ الرشید کے شعبہ ریکارڈ میں ہیں) کے ایماء پر مجھے بھی جامعۃ الرشید میں داخل کرادیا۔ مجھے یاد نہیں کہ ان تیرہ (۱۳) سالوں میں کبھی کوئی مشکل پیش آئی ہو۔ آج جب سوچتا ہوں تو ان کے بہت سے احسانات جذبۂ حُسنِ معاشرت جگادیتے ہیں، میں ذہن کا غبی تھا مگر حضرت دِل کے غنی تھے، کبھی میری کوتاہی کو سببِ محرومی نہیں بنایا اور نہ کبھی احسان جتلایا، ہفتے میں ایک بار ان کے دولت کدے پر جانا ہوتا تو دل آویز مسکراہٹوں سے استقبال فرماتے، اور تعلیمی احوال دریافت فرماتے۔ میں سوچتا تھا کہ اس دور میں بھی ایسے چچا ہیں جو بھتیجوں کا بھی بیٹوں کی طرح خیال رکھتے ہیں۔ ہمارے والد صاحب بتایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب بچپن ہی سے بھائیوں کا خیال رکھتے آئے ہیں، سب کو اتحاد واتفاق سے رکھا، رشتے کی اس دیوار میں کہیں بھی ذرا دراڑ دیکھتے تو بے چین ہوجاتے، جب تک اسے ختم نہ کرلیتے سکون سے نہ بیٹھتے۔

مدرسہ کی تعطیلات میں ملک بھر کی مقتدر شخصیات کی خدمت میں حاضری اور اکابر واسلاف کی قبور کی زیارت کا معمول تھا۔

زندگی بھر اپنی ذات کے حقوق کے لیے کوئی آواز نہیں اٹھائی، لیکن جب شریعت کی بات آجاتی تو سینہ سپر ہوجاتے، اپنی ذات کو جتنا نظر انداز کیا ہوا تھا، دوسروں کے حقوق کا اتنا ہی خیال رکھتے۔

[بھتیجا حضرت شہیدؒ: مولانا صدیق حسن بن حکیم عبداللہ صاحب]

مولانا عبدالحنان صاحب [ناظم دفتر محاسب جامعہ بنوری ٹاؤن]

حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ

مفتی صاحبؒ کے ساتھ کافی عرصہ تک ایک مکان میں رہنا ہوا، آپس میں کبھی کوئی تلخی، ناراضگی نہیں ہوئی، پھر جب مکان علیحدہ علیحدہ ہوگئے، پھر بھی آنا جانا رہا، اس عرصہ میں بھی کبھی کوئی ناچاقی کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

حضرت مفتی صاحب کی شہادت کا سانحہ پسماندگان کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے، مجھے کبھی کسی غم پر، کسی کی فوتگی پر اتنا رونا نہیں آیا جتنا حضرت مفتی صاحب کی شہادت پر آیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ سکھر میں پڑھاتے تھے تو میں ان کا مہمان بنا، اُن کا مہمان خانہ دوسری منزل پر تھا، مَیں مہمان خانہ میں بیٹھا تھا، مفتی صاحب تشریف لارہے تھے، اُن کے صاحبزادے مولانا زبیر احمد سلمہ اللہ، مولانا عزیز محمود سلمہ اللہ اُن کے ساتھ آرہے تھے، اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہتے اور جب اترنے لگے تو سبحان اللہ کہتے ہوئے اُترے۔ اس کم سنی میں ان کی تربیت کو دیکھ کر مَیں مفتی صاحب کی شخصیت سے متاثر ہوا۔

لین دین اور معاملات کے بہت کھرے تھے، اپنے ذمہ کسی کا ایک روپیہ بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ اُن کے بجلی اور گیس کے بل کی ادائیگی میں کرتا تھا، مہینہ شروع ہوتے ہی میرے پاس روزانہ پوچھنے آتے تھے کہ: بل کی ادائیگی ہوگئی ہے یا نہیں؟ بل ادا ہوجانے کے بعد اُن کو پیش کرتا تو فوراً رقم میرے حوالے کرتے یا پھر وہ بل اپنے ساتھ دارالافتاء لے جاتے اور اسی وقت بل کی رقم بھیجتے تھے۔

ان کی شہادت کے بعد روزانہ مفتی صاحب کا نام لے کر ایصالِ ثواب کرتا ہوں، میرے انتہائی قریبی دوستوں کی فہرست جس میں حافظ مسلم، مولانا شمس الدین کا نام شامل ہے، پہلے نمبر پہ حضرت مفتی صاحب کا نام ہے۔ مرحوم دوستوں کو ایصالِ ثواب کرتے ہوئے سب سے پہلے مفتی صاحب کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں ؏ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا!

حکیم عبداللہ صاحب☆
ضبط وترتیب: عمر فاروق

آہ، برادرِ مکرم!

چچاجان، شیخ الحدیث، فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کی المناک شہادت نہ صرف ہمارے خاندان اور بنوری ٹاؤن کے لیے المیہ ہے بلکہ جملہ اہل اسلام کا ناقابل تلافی عظیم نقصان ہے۔ اُن کی شہادت سے امت مسلمہ کو جو رنج والم پہنچا اور جو غم وکرب دامن گیر ہوا اُس کا اثر تاحال باقی ہے اور نجانے کب تک رہے گا۔ حضرت والد ماجد حکیم عبداللہ صاحب اطال اللہ عمرہ بھی چچاجان شہید رحمہ اللہ کی فرقت وجدائی میں حزین وغمگین ہونے کی بنا پر سردست اپنے اندر کچھ لکھنے کا حوصلہ نہیں پاتے، اُدھر حمزہ بھائی کا اصرار ہے کہ مجلّہ ''صفدر'' کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لکھ بھیجیں۔ اس مقصد کے لیے حمزہ بھائی نے خان پور کا سفر بھی کیا۔ اُن کی آمد پر حضرت والد ماجد نے چچاجان شہید رحمہ اللہ کے کچھ واقعات وحالات سنائے، جو قلم بند کرلیے گئے۔ حمزہ بھائی کی مصروفیت کے پیشِ نظر حضرت والد ماجد کی اُس گفتگو کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا میرے ذمہ قرار پایا۔ سو اُسی فرض کی تکمیل میں یہ چند صفحات تحریر کردیئے ہیں۔ قارئین اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ حضرت والد ماجد کی نہیں، بندہ ناچیز کی ٹوٹی پھوٹی تحریر ہے، اس لیے تحریری سقم وبے ربطگی کو حضرت والد ماجد کی طرف منسوب نہ فرمائیں۔ شکریہ

[عمر فاروق بن حکیم محمد عبداللہ، خان پور]

بقیۃ السلف، فقیہ وقت، استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ بھی دارِفنا سے دارِبقا کی طرف کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان

☆ برادرِ صغیر حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ......خان پور

لله مااخذ وله مااعطیٰ وکل شیءٍ عنده باجل مسمی۔

برادرِ عزیز حمزہ صاحب سے برادرِ مکرم حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کے حالات لکھنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ لیکن قلب شکستہ، طبیعت مضمحل اور حوصلہ ناپید ہونے کی بنا پر بمشکل ڈیڑھ صفحہ ہی لکھ پایا۔ بسیار کوشش کے باوجود قلم چلا نہ ذہن، ہمت ہوئی نہ حوصلہ۔ حمزہ صاحب کا کہنا ہے کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ تو اُن کے ابتدائی حالات ہیں جو برادرِ عزیز مولانا عبدالکریم سلمہ کے بیٹے اور میرے بھتیجے عزیزم اسامہ مجاہد سلمہ کے مضمون میں آگئے ہیں۔ آپ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کے کچھ واقعات سنا دیں۔

ویسے تو حضرت رحمہ اللہ کی یادوں کا ایک طویل سلسلہ قلب وذہن میں اس طرح مجتمع ہے کہ ابتدا کرنے کے لیے سِرا ہاتھ نہیں آتا۔ لیکن اس وقت دِل کی کیفیت ایسی ہے کہ صدمہ سے جگر شق ہوا چاہتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے علاوہ عالم اسباب میں ہمارا تھا ہی کون؟ ہمارا سائبان، ہمارے لیے ہمہ وقت سایہ فگن بادل، شجرِ سایہ دار اور کڑی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں کی مانند حضرت کا وجود ہمارے لیے سراپا خیر ہی خیر اور برکت ہی برکت تھا۔ آپ کے جانے کے بعد تو یہ حال ہے کہ ؎

دِلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
اُمیدیں اس قدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں
ہُوا ہوں اس قدر افسردہ رنگِ باغِ مستی میں
ہوائیں فصلِ گُل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

آپ رحمہ اللہ کی شخصیت ایسی دل نواز، حیات افروز، باغ وبہار، اور اتنی بھاری بھرکم تھی کہ آپ کے اوصاف وکمالات پر روشنی ڈالنا ہمارے بس کی بات ہی نہیں۔ وہ اپنے بلند پایہ اور عظیم المرتبت اساتذہ کی یادگار تھے۔ علم فقہ وافتاء تو خیر ان کا خاص موضوع تھا جس میں اس وقت ان کا ہم مثل خال خال ہی ہوگا۔ لیکن اپنے اکابر واسلاف کی طرح وہ ہر علم وفن میں معلومات کا خزانہ تھے۔ ان کی قوت حافظہ، ان کی وسعت مطالعہ، ان کا ذوق کتب بینی، اکابر واسلاف کے تذکروں سے ان کا شغف، علماء دیوبند کے مسلک پر ان کا تصلب اور پختگی، دین کے لیے اُن کا جذبہ اخلاص وللّٰہیت، اندازِ زندگی میں نفاست، سادگی اور بے تکلفی کا امتزاج، ان کا ذوقِ مہمان

نوازی، ان کی باغ وبہار مجلسیں ونشستیں، ان میں کون سی ایسی چیز ہے جسے بھلایا جاسکتا ہو؟

ع وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

کہاں ہیں وہ علمی مجلسیں؟...... کہاں ہیں وہ دقائق واسرار کوحل کرنے والے؟...... کہاں ہیں وہ دستِ شفقت پھیرنے والے؟...... روتوں کو ہنسانے والے...... بے کسوں کا سہارا...... مصیبت زدوں کا آسرا...... بیواؤں، یتیموں، غریبوں، مسکینوں اور طالب علموں کا ماویٰ وملجا...... صوفیاء، مشائخ، اولیاء، متقین، مقربین، مخلصین، مقبولین، متوکلین، قانعین، زاہدین، صابرین، عابدین، اور مفتیان کے ساتھی، ہمراز، دوست اور قدر شناس...... سچ ہے: موت العالِم موت العالَم ......وہ کیا گئے کہ علم وفضل، جُود وسخا، حلم ووقار، نظافت وطہارت، عبادت وریاضت، حمیت وغیرت سب کو اپنے ساتھ لے گئے ؎

اُٹھتے جاتے ہیں اِس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کو بڑھانے والے

آپ رحمہ اللہ صرف عالم، مفتی، مدرس، فقیہ، محدث، مقرر، مبلغ، مصلح اور مربی ہی نہیں تھے بلکہ ایک عظیم مجاہد بھی تھے، جو بالآخر اپنی مراد کو پاتے ہوئے تاجِ شہادت سے سرفراز ہوئے اور اُس بلند وبالا مرتبے پر جا بیٹھے کہ رب کے قرآن کو اُن کے حق میں بولنا پڑا: "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات، بل احیاء ولکن لاتشعرون"......اور......"بل احیاء عند ربھم یرزقون" وہ زندہ ہیں، رب کے ہاں سے اُن کو پاکیزہ رزق ملتا ہے، اُنہیں مردہ کہنا تو دُور کی بات ہے، مردہ گمان بھی نہ کرو، ایسے گمان وخیال پر بھی پابندی ہے، ہاں! یہ الگ بات ہے کہ اُن کی اعلیٰ وارفع زندگی کا تم شعور نہیں رکھتے۔ آیئے! آج اُس اعلیٰ زندگی والے، یعنی حیاتِ جاوداں پانے والے ایک عظیم فرد کی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت کی پیدائش، ابتدائی تعلیم، تکمیل، تخصص، تدریس اور مسندِ افتاء وحدیث پر رونق افروزی کے متعلق لکھا جاچکا ہے، ہم تو صرف اُن کی چند باتیں کرنا چاہیں گے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مجھ سے عمر میں سات سال بڑے تھے۔ میری ۵۸ء کی پیدائش ہے، اور اُن کی ۵۱ء کی۔ ہماری والدہ ماجدہؒ فرماتی تھیں کہ:

''عبدالمجید نے پڑھائی میں کبھی پریشان نہیں کیا۔''

آپؒ عاجزی، بے نفسی، سادگی اور بے تکلفی کا عالی نشان تھے۔ شیخ الحدیث اور نائب رئیس دارالافتاء کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود اپنے ماتحتوں میں گھل مل کر رہتے تھے، اپنی جداگانہ شان اور مقام ملحوظ نہیں رکھتے تھے۔ کھانے، پینے، پہننے، رہائش وغیرہ سب میں سادگی ملحوظ رکھتے تھے۔

زمانہ طالب علمی میں بھی گھر والوں کو کبھی اخراجات کے لیے تنگ نہیں کیا۔ بلکہ جو مل جاتا اُسی پر قناعت کے ساتھ گزارا کیا۔ زمانہ طالب علمی میں ''صوفی'' مشہور تھے۔ اپنے آپ میں مگن رہتے تھے، پڑھائی، پڑھائی اور پڑھائی کی فکر تھی اور بس!

آپؒ نے ایف اے کیا ہوا تھا۔ پڑھائی کے بعد فوج میں خطیب کی درخواست دی، انٹرویو ہوا، سب کچھ OK ہوگیا۔ لیکن نانا جان رحمہ اللہ نے فرمایا: تعلیمی خدمات سرانجام دو، فوج کو چھوڑو، مدرسہ میں پڑھاؤ! نانا جان کے کہنے پر خوشی سے چھوڑ دیا اور فرمایا کرتے تھے کہ:

''فوج میں نہ جانے پر کبھی ملال نہیں ہوا۔''

ہمارے والد ماجد فاضلِ دیوبند حضرت مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ نے اُن کو ہمارا سرپرست ونگران بنایا تھا، ہم تمام بھائیوں کے کاروبار کی نگرانی وہی فرماتے تھے اور ایسی کمال شفقت ومحبت اور اس قدر خیال رکھتے کہ ہم دنگ رہ جاتے۔ خود ہی آرڈر لاتے، خود ہی موٹر سائیکل پر مال سپلائی کرتے، خود ہی وصولی کرتے اور خود ہی تمام کام نمٹاتے۔ جان توڑ محنت، مشقت، جہدِ مسلسل اور بے پناہ توجہ کی بدولت آپ نے ہمارے کاروبار کو بامِ عروج تک پہنچادیا۔ اس قدر بھاگ دوڑ فرماتے تھے کہ اپنی جان، مال، آرام، راحت اور وقت سب کچھ قربان کردیا۔ کمیٹیوں تک کی وصولی کے لیے خود جایا کرتے تھے۔

اُس وقت اُن کے پاس موٹر سائیکل تھی، موٹر سائیکل ہم بھی چلاتے، خوب چلاتے اور بعض اوقات بڑی دُور دُور تک جاتے تھے لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی ہم نے پٹرول ڈلوایا ہو۔ خدا کی قسم بالکل نہیں، کبھی ایسا موقع انہوں نے آنے ہی نہیں دیا۔ (یہ بات سناتے ہوئے والد صاحب آبدیدہ ہوگئے [عمر])

والد صاحب رحمہ اللہ کی حیات تک میرے ساتھ دوسرے بھائی بھی کاروبار میں شریک

تھے۔ ۱۹۷۶ء میں حضرت والد صاحب مرحوم ومغفور کا انتقال پُر ملال ہوا تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ: ''اب آپ بااختیار ہیں، یہ کاروبار آپ کا ہے، چھوٹے بھائیوں کا حصہ رکھیں یا نہ رکھیں آپ کی مرضی، یہ آپ پر منحصر ہے، لیکن فیصلہ ابھی کرلیں، آج موقع ہے، جو کرنا چاہیں کرلیں۔'' میں نے عرض کیا کہ: ''بھائی شریک رہیں۔'' تو مجھے تاکیداً واصراراً فرمایا: ''خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔'' میں نے سوچ بچار کے بعد یہی عرض کیا کہ: ''چھوٹے بھائی اس کاروبار کو چلاتے رہیں۔'' پھر حضرت رحمہ اللہ جب تک سکھر نہیں تشریف لے گئے، مسلسل ہمارے کام کی بھرپور نگرانی اور ہمارے ساتھ بے لوث معاونت فرماتے رہے۔

اسی دوران اپنی ضروریات واخراجات کے لیے آپ ڈاکٹر سیف اقبال رازی صاحب کے کلینک پر کام کرتے رہے۔ وہاں آپ کا ایک تعلق دار رمضان نامی لڑکا ڈسپنسر کے طور پر کام کرتا تھا۔ اس کے ذریعہ آپ بھی وہاں کام کرنے لگے۔ یوں آپ نے چھوٹے بھائیوں کے کاروبار میں اپنی جان تک کھپانے کے باوجود اُن سے کچھ بھی لینا گوارہ نہیں فرمایا، بلکہ اپنی گزراوقات کے لیے الگ سے محنت فرمائی۔

پھر جب آپ رحمہ اللہ سکھر تشریف لے گئے تو بھی آپ نے توجہ اور نگرانی برقرار رکھی، مسلسل معاونت فرماتے رہے، ہمیں سکھر میں کسی بھی قسم کا کوئی بھی کام ہوتا تو بس فون کرنے کی دیر ہوتی تھی کہ حضرت فوراً وہ کام کردیتے تھے۔ بروقت کام کرتے، صحیح کرتے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کرتے تھے، ہمارا پنسار کا کام ہے، آپ کو اس کی پوری پہچان تھی، اس لیے بھی بہت ہی عمدہ کام کرتے تھے۔

سکھر میں آپ کو جوں ہی تنخواہ ملتی آپ خود سوجی وغیرہ لاکر حلوہ پکواتے اور طلباء کی دعوت کرتے تھے، طلباء انتظار میں رہتے کہ کب تنخواہیں ملیں گی اور ہم حلوہ کھائیں گے، یہ معمول اخیر تک جاری رہا۔ جب تک سکھر میں رہے، طلباء آپ کے صدقے ہر ماہ بہترین حلوہ کھاتے رہے۔

ہمارے چھوٹے چھوٹے کام بڑی خوشی سے کردیتے یا کرادیتے اور اس میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے کراچی گیا تو میں نے اپنی لاٹھی کے نیچے والے ربڑ

کے ٹوٹنے کا شکوہ کیا اور نیا لگوا کر دینے کا مطالبہ، فوراً کسی کو بھیج کر لگوا دیا۔ مجھے کمبل کی ضرورت تھی، میں نے ذکر کیا تو اپنے ایک جاننے والے سے رابطہ کر کے خود میرے ساتھ چل پڑے اور کمبل دلوا دیئے۔ کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ میں اتنی بڑی شخصیت اور اتنے معمولی معمولی کام کرتا پھروں، نہیں! بلکہ انتہائی اخلاص کے ساتھ ہر کام سرانجام دیتے تھے۔

۸۹ء میں آپ نے موٹر سائیکل خریدی تھی، آخر تک آپ کے پاس وہی تھی۔ حالت دیکھنے میں کسی کھڑتل اور کباڑی موٹر سائیکل کی سی لگتی تھی، لیکن آپ نے ہمیشہ اسی پر سفر کیا۔ ایک مرتبہ کسی نے نئی موٹر سائیکل پیش کی، آپ نے لے تو لی مگر اُس کی رقم ادا کی اور وہ اپنے بیٹے مولوی عزیر محمود کے نام کر دی، کچھ عرصہ چلائی۔ اور فرمایا: اس کے چلانے میں سہولت تو کافی ہے، لیکن ہے یہ عزیر کی۔ سہولت اس لیے کہ وہ نئی تھی، آرام سے سٹارٹ ہو جاتی تھی۔ پرانی کو سٹارٹ کرنے میں کافی دِقت ہوتی تھی۔

اپنی تمام تر مصروفیات اور مشغولیات کے باوجود جملہ اہل خاندان کے ہر دُکھ درد میں شریک ہوتے، خوشی غمی میں شرکت فرماتے، ہر تنگی و آسانی میں قدم بہ قدم ہوتے، ہر عُسر و یُسر میں پیش پیش رہتے۔ سب کے ساتھ خوب بنا کے رکھتے اور رشتہ داری و تعلق کو بھرپور طریقہ سے نبھاتے تھے، جب بھی خان پور آتے سب سے ضرور ملتے تھے، سب بھائیوں، ہمشیرگان، اعزہ واقارب سب سے مل کر جاتے۔

وسعت ظرفی ایسی تھی کہ مجھے کم از کم اپنے خاندان و تعلق داروں میں ایسی وسعت دیکھنے کو نہیں ملی۔ ایک دوبار ایسا موقع آیا کہ میں نے کسی مسئلہ میں حضرت کی بات نہ مانی، لیکن قربان جاؤں! پیشانی پر شکن آئی نہ تیوری چڑھائی، کبیدہ خاطر ہوئے نہ رویہ بدلا، انداز تبدیل کیا نہ رخ پھیرا، بلکہ اُسی پہلے کی سی شفقت و محبت سے پیش آتے رہے اور زندگی بھر کبھی اس کا طعنہ تک نہ دیا کہ فلاں موقع پر تم نے میری فلاں بات نہیں مانی۔

سید گھرانے کے ایک مفلس صاحب سے آپ کا تعلق تھا، گاہے بگاہے اُن کی معاونت فرمایا کرتے تھے، پہلے وہ سکھر میں تھے، پھر کراچی منتقل ہو گئے۔ قربانی کے موقع پر آپؒ خود اُن کے

گھر جا کر گوشت دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت کے اہل خانہ نے آپؒ کو نہ جانے دیا کہ بیٹے دے آئیں گے، آپ خود نہ جائیں، آپؒ خاموش ہو گئے۔ دوسرے روز گھر والے کہیں گئے تو آپ نے فریج میں سے گوشت کا بڑا شاپر اُٹھایا اور اُن کے گھر دے آئے۔ کچھ نقد خدمت بھی کی، بعد میں گھر والوں سے پتہ چلا کہ وہ شاپر معمولی گوشت لگی ہڈیوں والا تھا جو یخنی بنانے یا چاولوں میں ذائقے کی خاطر ڈالنے کے لیے رکھا ہوا تھا، آپؒ بہت شرمندہ ہوئے۔ فوراً اُسے فون کیا، اور معافی چاہی، اُس نے کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں، میں نے تو گھر والوں کو دے دیا تھا۔ انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔ اُنہوں نے اہلیہ سے پوچھا تو اُس اللہ کی بندی نے کہا: تھی تو ہڈیاں ہی، لیکن میں یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ ہماری قسمت میں اللہ نے یہی لکھی تھیں۔ اللہ اکبر۔ آپؒ بار بار اس سے معذرت کرتے رہے۔

آپ کے زمانہ طالب علمی کے ایک کند ذہن، غبی اور کمزور وغریب ساتھی کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق تھا۔ جو آخر تک برقرار رہا، ہر طرح سے اُن کے ساتھ تعاون فرماتے رہے۔ جب بھی خان پور آتے تو اُن کے پاس ضرور تشریف لے جاتے تھے۔ ہر رمضان میں خاص طور پر اُن کی خدمت کرتے تھے، خود کبھی نہ تشریف لا سکتے تو ہمیں باقاعدہ یہ تاکید ہوتی تھی کہ یہ سامان، یہ رقم، یہ کپڑے اُن کو پہنچانے ہیں۔ اپنے منصب سے ذاتی ودنیاوی فائدہ کبھی نہیں اُٹھایا، نہ کبھی کسی چیز کی فرمائش کی، بلکہ مزاج میں قناعت رچ بس چکی تھی۔ والدین کے لیے ہم بھائی مل کر قربانی کیا کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ: ''چندہ کر کے نہ کیا کرو! بلکہ ایک آدمی کر لیا کرے۔''

جب خان پور تشریف لاتے تو ہمارے ہاں سیٹلائٹ ٹاؤن میں قیام فرماتے تھے۔ اپنے معمولات وغیرہ کو حتی الامکان پوشیدہ رکھتے، الگ کمرہ میں رات کو آرام فرماتے تھے، مَیں کبھی کہتا کہ اُدھر دوسرے کمرے میں اکٹھے سو جائیں تو فرماتے: ''نہیں! میں یہاں اکیلا ہی ٹھیک ہوں۔''

میرے دو بیٹے صدیق حسن اور حق نواز کراچی میں زیر تعلیم ہیں۔ اُن کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت پڑی، آپ نے فوراً مہیا فرمائی، کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ دوا، علاج، ضروریات زندگی کی اشیاء ہر چیز کا انتہائی ذمہ داری سے انتظام فرماتے تھے۔

معاملات میں خوب صفائی رکھتے، بہت سے لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس ہوتیں، یا لین دین ہوتا اسے فوراً لکھتے تھے۔آپ کی شہادت کے بعد آپ کے ڈیسک میں سے مختلف لوگوں کے نام کی پرچیاں نکلیں، جن پر اُن کے حساب کتاب کی مکمل تفصیل درج تھی اور بقایا رقم بھی ہمراہ رکھی ہوئی تھی۔مولانا اللہ بخش صاحب کا حساب کتاب لکھا ہوا تھا اور بقایا تیرہ صد کچھ روپے بچتے تھے،اسی پرچی میں پندرہ صد روپے بھی پڑے تھے۔

میں اپنے بیٹوں کے اخراجات کے لیے رقم آپؒ کے پاس رکھوادیتا تھا، جب جہاں وہ چاہتے آپ اُن کو عنایت فرما کر فوراً اپنی جیب میں موجود چٹ پر درج کر لیتے تھے۔کبھی یہ نہیں کہا کہ دفتر میں آکر لے لینا، یا فلاں وقت لیا کرو، کچھ بھی نہیں، بلکہ جب رقم مانگی، فوراً دے دی اور نوٹ بھی کرلی۔

خان پور میں آپ کو اپنا ذاتی مکان تعمیر کروانا تھا، اس لیے ہمیں نگرانی اور ذمہ داری سونپی، پھر مختلف حضرات سے قرض لے کر بھیجتے رہے اوراسے انتہائی ذمہ داری سے نوٹ فرماتے رہے اور وصیت لکھ کر رکھ دی کہ اگر قرضہ اترنے سے پہلے میری موت واقع ہوجائے تو میرے ترکہ سے پہلے قرضہ ادا کیا جائے اور سارے قرض کی تفصیل لکھی۔دوسرے سال ''ترمیمی تفصیل قرضہ جات''لکھی،تیسرے سال پھر''ترمیمی تفصیل''اور آخر میں لکھا کہ:''الحمدللہ آج قرض سے آزاد ہوگیا ہوں، اب میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں۔''

جب آپ کا مکان بن گیا تو ہم نے آپ کے حکم سے اس میں کرایہ دار بٹھائے، 5 جنوری کو کرایہ دار آگئے، لیکن انہوں نے بہانہ کیا اور 25 دن کا کرایہ نہ دیا۔ہم نے آپؒ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:''چھوڑو! رہنے دو۔''اسی طرح سالانہ اضافہ بھی انہوں نے آئندہ ماہ جنوری کے بجائے فروری سے دیا، ہم نے مفتی صاحب سے عرض کیا تو فرمایا: رہنے دو! اس طرح آپ نے 25 دن کے کرایہ اور ایک ماہ کے سالانہ اضافے کا نقصان برداشت کرلیا، جوکہ آپ کے مالی حالات کے لحاظ سے ایک معتدل رقم بنتی تھی۔

جب خان پور تشریف لائے تو اُس کرائے دار نے آپ کی چائے کی دعوت کی، میں

نے عرض کیا کہ اُسے کرایہ کا کہیے! آپ نے اُسے یہ کہنا ہے، یہ کہنا ہے۔ لیکن جب وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اس کرایہ کے بارے میں ایک حرف بھی نہ کہا۔ بعد میں مَیں نے شکوہ کیا تو فرمانے لگے: ''تم نے مجھے طوطے کی طرح بیان تو خوب رٹوایا تھا، لیکن مجھے اچھا نہیں لگا، کیونکہ اس کے گھر بیٹھا تھا۔ چھوڑو!'' میں نے کہا کہ: ''سالانہ اضافہ میں تو آپ کے کھاتے میں جنوری سے لکھ چکا ہوں، یوں نقصان تو میرا ہوا۔'' آپؒ نے فرمایا: ''وہ تم میرے کھاتے سے لے لو، اُس سے نہ لو۔'' میں نے بہت کہا کہ: ''وہ مجھے کہے گا کہ اصل مالک مکان تو مانگتا نہیں، تُو خوامخواہ تنگ کر رہا ہے۔ آپ اُس کا راستہ کھول رہے ہیں۔'' لیکن آپؒ نہ مانے اور نقصان ہی برداشت کیا۔

آپ کے ڈیسک میں کسی کا زیور امانت رکھا ہوا تھا، اُس کا نمبر بھی درج تھا اور نام بھی۔ بعد میں جب رابطہ کیا گیا تو وہ کوئی مجبور عورت تھی، اس کے اولیاء غیر مذہب میں اُس کی شادی کرنا چاہتے تھے، اُس نے بچنے کے لیے کوئی حیلہ کیا اور اپنا زیور آپ کے پاس امانت رکھوا دیا اور آپ سے گزارش کی کہ کہیں مناسب رشتہ طے کرا دیں۔

آپ نے اپنی ایک بیٹی کی امانت مبلغ پندرہ سو الگ رکھی ہوئی تھی، نام درج تھا۔ ایک بیٹی کی امانت چند ریالوں کی شکل میں آپ کے ڈیسک میں محفوظ تھی۔ ہر ایک کا نام، تفصیل وغیرہ سب کچھ درج تھا۔

آپ کے ڈیسک سے ایک لفافہ ایسا بھی نکلا جس پر ''ذاتی'' لکھا ہوا تھا۔ اس میں بھی کچھ رقم تھی۔ غرض ہر ایک کی رقم جدا جدا اور مکمل تفصیل کے ساتھ موجود تھی اور حساب بالکل صاف شفاف تھا۔

ناظم دفتر آپ کے عزیز تھے، وہ آپ کے بجلی و گیس کے بل جمع کرایا کرتے تھے، آپ تاریخ ذہن میں رکھتے اور جیسے ہی بل آنے کی تاریخ آتی، آپ خود ناظم دفتر سے پوچھتے اور بلوں کی رقم ادا کرتے تھے۔

عمرے کا ایک سفر مَیں نے حضرت رحمہ اللہ کی معیت میں کیا۔ صحیح معنوں میں عمرہ وہی تھا۔ وہ میری زندگی کا یادگار ترین سفر تھا۔ آپؒ نے ہر موڑ پر بھرپور راہ نمائی فرمائی، تمام افعال

وارکان انتہائی توجہ سے سنت کے مطابق ادا ہوئے۔اس کے بعد اب تک دو عمروں کی سعادت حاصل کر چکا ہوں، لیکن وہ لطف وسرور اور وہ اہتمام نصیب نہیں ہوا۔

سفرِ عمرہ میں آپؒ کی اہلیہ، سسر صاحب، ساس صاحبہ، خالہ وغیرہ ہمراہ تھے، خالہ کو میں طواف کراتا۔ باقی مستورات اکٹھی حرم میں رہتیں، آپؒ اُن کو حرم شریف میں چھوڑ کر وقت پوچھتے اور الگ ہو جاتے۔ زیادہ تر وقت طواف میں گزرتا یا پھر تلاوتِ قرآن میں مشغول دکھائی دیتے تھے۔

مستورات کو تاکید فرما رکھی تھی کہ رش وہجوم ہو تو طواف بالکل نہ کریں، بلکہ الگ بیٹھ کر تلاوت اور ذکر واذکار کرتی رہیں۔ دوپہر کو جب مجمع کم ہو، مطاف خالی ہو، اس وقت ایک دو طواف کر لیا کریں۔

وہاں بھی حساب بالکل صاف اور بے باق رکھتے، لیکن سخاوت کا دریا تھا جو موجیں مارتا رہا۔ ہمیں کہہ رکھا تھا کہ پیسوں کی تھیلی سے سارے پیسے نہیں نکالنے اور نہ ہی ان کو شمار کرنا ہے، جتنے ضرورت ہوں نکالو اور خرچ کرو۔ خرچ کرنے میں کنجوسی بالکل نہیں کرنی، جو چیز ضرورت ہو، لے لو! فکر نہیں کرنی، ہم نے خوب کھلا خرچ کیا۔ آپؒ چند دن بعد مزید رقم ہماری تھیلیوں میں ڈال دیتے، رقم ختم ہونے کی نوبت نہیں آئی، وہ دیتے رہے، ہم بلا روک ٹوک خرچ کرتے رہے۔

مدینہ شریف میں آپؒ کا زیادہ تر وقت ریاض الجنہ میں یا ''صفہ'' پر گزرتا تھا، ہر نماز کے بعد پابندی سے حاضری دیتے اور پھر ریاض الجنہ یا صفہ میں پہنچ جاتے، نوافل کا وقت ہوتا تو نوافل پڑھتے یا قرآن پاک کی تلاوت اور درود شریف سے زبان تر رہتی تھی۔

آپؒ کے آخری عمرہ میں ہماری ہمشیرہ اور آپؒ کا بیٹا مولوی زبیر احمد بھی ہمراہ تھا۔ ہمشیرہ کو آپؒ نے خود عمرہ کرایا، پاسپورٹ تک خود بنوایا، حتیٰ کہ خان پور سے کراچی وہاں سے حرمین، پھر واپس خان پور تک اُن کو ایک پائی تک نہ خرچ کرنے دی۔

اس سال کسی نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کو حج کرانا چاہتے ہیں۔ آپؒ نے گھر والوں سے ذکر کیا اور اہلیہ سے کہا کہ آپ عمرہ تو کر آئی ہیں، حج آپ کے ذمہ ہے، ان شاء اللہ

اکٹھے حج کرنے جائیں گے۔

رمضان المبارک میں آپ کے معمولات قابل رشک ہوتے تھے۔ مسجد کی رونق دوبالا ہوجاتی، پہلے تو آخری عشرہ میں پابندی سے اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔ خوب نورانی ماحول ہوا کرتا تھا، نوجوانوں کو ترغیب دلاتے، سب اکٹھے ہوجاتے، مجلسِ ذکر ہوتی، نوافل کی ترتیب، تلاوت کی گونج، نصف نصف گھنٹہ کی پُرسوز دعائیں بہت ہی روحانی کیفیت ہوا کرتی تھی۔ لوگ آپ کے ہمراہ بڑے شوق سے اعتکاف بیٹھتے تھے، ہر سال نوجوانوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ لیکن جب کراچی گئے تو دیگر علمی ودینی مصروفیات کے باعث پہلے کی سی پابندی سے اعتکاف نہ بیٹھ سکے۔

جب بھی خان پور آتے تو دین پور شریف کی مجلس میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے تھے۔ خود تو بالکل ناغہ نہیں فرماتے تھے، کئی مرتبہ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ آپ کا قرآن بہت پختہ تھا، حفاظ کی غلطیاں پکڑ لیا کرتے تھے۔ دس سال معہد الخلیل کے نائب صدر مفتی اور کئی سال ''جامعہ درویشیہ'' کے شیخ الحدیث رہے، لیکن کبھی تذکرہ نہ کیا، بتایا تک نہیں۔ فخر کرنا اور فخریہ بیان کرنا تو دُور کی بات ہے۔ خودداری، استغناء اور مال ودولت سے بے پرواہی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ کسی کی جیب پر نظر نہ رکھتے تھے۔

لوگ بکثرت آپ سے فون پر مسائل پوچھتے تھے، آپ سب کو خوش اخلاقی سے جواب دیتے، تنگ ہوئے، نہ کسی کو ڈانٹا، بلکہ ذمہ داری اور فریضہ سمجھتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت فرماتے تھے۔

آپ کے بعد تو بس ہر جانب اندھیرا ہی اندھیرا ہے، تاریکی ہی تاریکی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں آپؒ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالکریم صاحب☆
ضبط وترتیب: محمد حنظلہ

عَاشَ سَعِيداً وَّمَاتَ سَعِيداً

زیرِ نظر مضمون مولانا عبدالکریم (برادرِ صغیر حضرت شہیدؒ) کے مشاہدات وتأثرات پر مشتمل ہے، جسے اُن کے صاحبزادے محمد حنظلہ نے قلم بند کیا ہے۔

ہوش سنبھالنے کے بعد سے تقریباً بیالیس (۴۲) سال سایۂ شفقت وظلِ عاطفت میں گزرے، اس عرصہ میں مجھے اپنے برادرِ مکرم، مشفق ومہربان بھائی حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کی شخصیت اور سیرت کا جلوت اور خلوت اور سفر وحضر میں بہت قریب سے مشاہدہ کرنے اور توجہ کے ساتھ انہیں دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا موقع ملا، چنانچہ اس طویل مدت میں شیخ الحدیث، فقیہِ وقت حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے جو اوصاف وکمالات، شمائل وفضائل، محاسن ومکارم، عادات وخصائل اور خصائص ومزایا میرے مشاہدہ اور علم وادراک میں آئے، ناممکن ہے کہ میں ان کا عشرِعشیر بھی بیان کرسکوں۔ اجمالی طور پر یہی کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ اُن خاص الخاص افراد میں سے تھے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کسی خاص مقصد کے لیے دنیا میں بھیجتا ہے اور پھر اپنے خصوصی فضل وکرم سے اُن سے اپنی دین کی خدمت لے کر وقت مقررہ پر اُن کو ''عاشَ سعیداً و ماتَ سعیداً'' کا مصداق بنا کر اپنے ہاں بلا لیتا ہے۔

حضرت مفتی دین پوری صاحب شہید رحمہ اللہ کی سعادت کی ابتدا تو اُن کی ''دین پور شریف'' جیسی روحانی ونورانی سرزمین پر پیدائش کے ساتھ ہی ہوگئی تھی، حالانکہ ہمارے والد صاحب کی رہائش ''خان پور'' میں تھی۔ اتفاق سے مفتی صاحب رحمہ اللہ کی پیدائش کے وقت ہماری والدہ ہمارے ننھیال ''دین پور شریف'' میں تھیں۔ اس لیے آپؒ کی ولادت باسعادت

☆برادرِ صغیر حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ......خان پور

''دین پور'' کی ہے۔

پھر اس سعادت میں اضافہ وعروج اس وقت ہوا جب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے پہلا سبق پڑھا۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے، ہمارے نانا جی رحمہ اللہ، حضرت مفتی صاحب کو حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے اور ''بسم اللہ'' کرائی۔

پھر بڑے بھائی حکیم عبدالجمیل صاحب، مولانا عبدالسمیع صاحب اور حضرت مفتی صاحبؒ اکٹھے حضرت درخواستی رحمہ اللہ کی قائم کردہ عظیم دینی درسگاہ ''جامعہ مخزن العلوم، خان پور'' میں قاری عبیداللہ صاحب کے پاس قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپؒ اس وقت حفظ تو نہ کر سکے البتہ ناظرہ قرآن پڑھ لیا۔ پھر میاں جی خیر محمد درخواستی صاحب کے فرزند ارجمند مولانا عبیداللہ درخواستی کی آغوش میں چلے گئے، انہوں نے آپؒ پر شفقت ومحبت کی انتہا فرمادی، اپنا بیٹا بنا کر رکھا ہوا تھا۔ آپؒ نے بھی پوری پوری وفا کی اور ہمیشہ گہرا اور مضبوط تعلق رکھا۔

پھر اس سعادت میں مزید ترقی اور اس کمال کو عروج اس وقت حاصل ہوا جب آپ تکمیل علم کے لیے جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے عالمی ادارہ میں چلے گئے اور دورۂ حدیث وتخصص کے مراحل طے فرمائے۔ جب آپ تخصص میں تھے تو اس وقت میں بھی ایک سال آپؒ کے ساتھ رہا، اس دوران آپ انگریزی کی بھی تیاری کرتے رہے۔ آپؒ کے اساتذہ میں مولانا بدر عالم کے بھائی مولانا حامد عالم بھی شامل ہیں، اُن کے پاس بھی پڑھتے تھے، یہ اب یاد نہیں کہ کیا پڑھتے تھے۔

بنوری ٹاؤن میں تخصص کے طلباء کو یہ اعزاز دیا جاتا ہے کہ وہ کھانا اپنے اپنے کمروں میں کھاتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن صاحب مدظلہم ایک ہی کمرے میں رہتے تھے، مَیں اُن کی خدمت کیا کرتا تھا، کھانا لانا، برتن دھونا، دیگر چھوٹے موٹے کام سب میں کیا کرتا تھا۔ مفتی صاحب کو تنگ بھی بہت کرتا تھا لیکن آپؒ کمال شفقت وتحمل کا مظاہر فرماتے تھے۔ پڑھائی میں شوق وذوق کی بہت ترغیب دیتے، اور محنت کی تلقین فرماتے تھے، اگر بہت زیادہ تنگ کرتا تو ڈانٹ دیتے تھے، مارتے بالکل نہیں تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی ''سعادت'' میں مزید ترقی جامعہ حسینیہ شہدادپور اور پھر بنوری ٹاؤن میں دینی خدمات سے ہوئی۔ پھر والد ماجد کے انتقال کے بعد خان پور واپس تشریف لے آئے اور مدنی مسجد چوک رازی کی امامت وخطابت سنبھال لی۔ ۸۸ء تک مسجد کا تمام نظام آپ نے سنبھالے رکھا۔ ۸۸ء میں جب سکھر جانے لگے تو مسجد کا انتظام میرے سپرد کیا اور مجھے فرمایا:

''حضرت والد صاحب نے مجھے یہ نصیحت کی تھی، میں آپ کو کر رہا ہوں کہ: ''مسجد کو ذریعۂ معاش نہیں بنانا'' الحمدللہ میں نے والد صاحب کی نصیحت پر عمل کیا، آپ بھی اسی پر عمل پیرا رہیں۔''

بحمداللہ تعالیٰ وبفضلہٖ میں آج تک اُن کے حکم کے مطابق بلامعاوضہ، فی سبیل اللہ مسجد کا جملہ انتظام وانصرام سنبھالے ہوئے ہوں، خدا تعالیٰ ہماری اس خدمت کو قبول فرمائے اور آنے والی نسلوں کو بھی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس نصیحت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بچپن ہی سے آپؒ کے مزاج میں نرمی اور شفقت تھی، سخت گیری بالکل نہیں تھی، ہم سب بھائیوں سے نہایت ہی شفقت سے پیش آتے تھے۔ سب بھائیوں کی نسبت والد صاحب رحمہ اللہ آپؒ کی بات کو اہمیت دیتے تھے۔ سب بھائی بھی اُن کا بیحد احترام کرتے تھے، کیونکہ وہ عالم تھے، اُن سے بڑے بھائی بھی تھے، لیکن سب کے سب مفتی صاحبؒ کی بات پر متفق ہوتے تھے، آپؒ بھی سب کا خوب خیال رکھتے۔

کاروبار بلکہ تمام معاملات میں سب بھائیوں بلکہ سارے خاندان کی راہ نمائی اور معاونت فرماتے تھے۔ سب آپ سے مشاورت کرتے اور ہدایات لیتے تھے، ہر ایک کے معاملے میں خوب توجہ اور گہری دلچسپی لیتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ آپ کا اپنا ذاتی کام ہے۔ ہر کسی کے ساتھ تعاون فرماتے، لیکن خود کسی سے تعاون نہ چاہتے تھے۔ اس سے بالکل بیزار تھے۔

ایک مرتبہ ہمارے بھائی ماسٹر عبدالحمید صاحب کو ہچکی لگ گئی، جو کسی بھی طرح بند ہونے کو نہیں آرہی تھی، آپؒ نے برادرِ مکرم حکیم عبداللہ صاحب کے ساتھ مل کر منصوبہ بنایا اور ماسٹر صاحب کو گھر بُلایا۔ جیسے ہی اُن کو آتے دیکھا تو مفتی صاحبؒ نے نہایت غصیلے لہجے میں بھائی

عبداللہ صاحب کو کہا: عجیب شرافت ہے؟ تمہیں کوئی تمیز نہیں؟ کیا اس لیے مجھے گھر بُلایا ہے؟ وغیرہ وغیرہ...... جواب میں حکیم صاحب نے بھی دو چار باتیں کہہ دیں۔ گویا دونوں اُلجھ پڑے۔ ماسٹر صاحب کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا واقعہ بھی پیش آسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کسی سے اُلجھ پڑیں۔ اُن کے تو اوسان خطا ہو گئے اور سخت پریشانی لاحق ہوئی، جس کی بنا پر ہچکی بند ہوگئی۔ جب ہچکی بند ہونے کا اطمینان ہو گیا تو حضرت مفتی صاحب نے اُن کو اپنے منصوبہ سے آگاہ کر دیا کہ یہ محض آپ کی ہچکی بند کرنے کی خاطر تھا۔

آپ کی شادی کا قصہ بھی عجیب ہے، دین پور شریف میں کسی عزیز کی شادی تھی، آپ اس میں شرکت کی خاطر دین پور شریف گئے، نانا جان رحمہ اللہ نے وہیں اپنی عزیزہ سے آپ کا نکاح کر کے اسی وقت رخصتی کرادی۔ حضرت میاں سراج احمد صاحب مدظلہ العالی کے بھائی میاں خلیل صاحب دین پوری کے گھر رخصتی ہوئی، وہ دن آپ نے وہیں گزارا، گویا شادی میں شرکت کرنے گئے اور خود دولہا بن کے آگئے۔

دین پور شریف میں درجہ موقوف علیہ (مشکوٰۃ شریف) تک درجات تھے، دورۂ حدیث نہیں تھا۔ ۸۸ء میں جب ''دین پور شریف'' سے چھوڑ کر ''جامعہ اشرفیہ'' سکھر جانے لگے تو حضرت میاں صاحب مدظلہم نے فرمایا: ''علمی ترقی کے لیے جارہے ہیں یا صرف زیادہ تنخواہ کے لیے؟'' آپؒ نے نہایت انکساری سے عرض کیا کہ: ''علمی ترقی کی خاطر!'' اس پر حضرت میاں صاحب مدظلہ العالی نے خوشی سے اجازت مرحمت فرمائی۔

پھر آپ کی سعادت در سعادت یہ کہ سکھر سے جامعہ بنوری ٹاؤن کے رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی آپ کو آپ کے مادرِ علمی ''جامعہ بنوری ٹاؤن'' لے گئے اور آپ اپنے مادرِ علمی میں حدیث وفقہ کی گراں قدر خدمات سرانجام دینے لگے۔ بنوری ٹاؤن میں وظیفہ سکھر کی نسبت کم تھا، لیکن آپ نے اپنی مادرِ علمی کو ترجیح دی اور تنخواہ کی کمی کی پرواہ نہ کی، ہدایہ ثالث اور ترمذی ثانی تک کا سبق بھی آپ کے سپرد ہوا۔

مزاج میں سادگی تھی، اتنے بڑے مفتی بلکہ صدر مفتی اور شیخ الحدیث تک ہونے کے باوجود اپنے کپڑے خود دھولیا کرتے تھے اور اس میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ شادی

ہوگئی، بیٹے بیٹیاں، نواسے تک ہوگئے، لیکن اپنا جوڑا خود دھوتے رہے، کھانے میں بھی سادگی تھی، جو مل جاتا کھا کر خدا کا شکر ادا کرتے تھے، البتہ بہت ہی بچپن کا ایک واقعہ ہم نے سنا کہ آپ کو پگھلا ہوا مکھن ملا تو احتجاج کیا اور فرمایا: ''پگھلا ہوا کم ہوتا ہے، مجھے جما ہوا چاہیے۔''

ایک مرتبہ بڑے بھائی صاحب نے گجریلا بنایا، بجلی بند تھی، عشاء کا ٹائم تھا، گھپ اندھیرا تھا، انہوں نے گجریلے کی کڑاہی راستے کے قریب رکھ دی، مفتی صاحب کو معلوم نہیں تھا، آپؒ گزرنے لگے تو پاؤں کڑاہی کے اندر جا پڑا، بڑے بھائی صاحب نے ذرا غصے کا اظہار شروع کیا ہی تھا کہ احساس ہوگیا اور آپؒ سے معذرت خواہ ہوئے۔ آپ کا یہ احترام علم کی وجہ سے ہوتا تھا، کیونکہ اس وقت بھائیوں میں آپ ہی عالم تھے۔ بلکہ بعض اوقات تو علمی دبدبہ کی وجہ سے میں بات کرنے سے ہچکچاتا اور جھجک محسوس کرتا تھا۔

جب کراچی تشریف لے گئے تو مصروفیات بہت بڑھ گئیں، ہم آپ کی مصروفیات کے پیش نظر زیادہ تر فون نہیں کیا کرتے تھے، لیکن آپ خود ہی فون کرتے اور سب کا حال احوال دریافت فرمالیا کرتے تھے، رمضان المبارک میں تراویح کے بعد اکثر بات ہوجایا کرتی تھی۔

پہلے تو آپ جب بھی خان پور تشریف لاتے تھے، بھائی عبداللہ صاحب کے ہاں قیام فرماتے تھے، لیکن آخری دوسال گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے ہمارے ہاں قیام فرماتے رہے۔ فرماتے تھے: ''بھائی عبداللہ صاحب کے گھر سے مسجد دُور ہے، آنے جانے میں دِقت ہوتی ہے، آپ کے گھر سے متصل مسجد ہے، آسانی سے باجماعت نماز مل جاتی ہے۔ دوسرا اُن کا گھر دوسری منزل پر ہے، ہر نماز کے وقت سیڑھیاں اُترنا چڑھنا مشکل ہے، اس لیے آپ کے ہاں زیادہ راحت اور آرام ہے۔'' نمازِ باجماعت کی بطورِ خاص پابندی فرمایا کرتے تھے۔

اعتکاف لازمی بیٹھتے تھے، کوئی ناغہ نہیں ہوتا تھا، دورانِ اعتکاف ہی آپ نے قرآن حفظ کرلیا تھا، والد صاحب نے بھی بڑی عمر میں حفظ کیا تھا۔ قاری ضیاء الحق صاحب مسجد الفلاح والوں سے آپؒ نے اس عمر میں بھی درخواست کر رکھی تھی کہ ''مجھے ٹائم دیا کریں تاکہ میرا تلفظ، لہجہ اور تلاوت مزید بہتر ہوجائے۔'' حالانکہ گرفت ایسی تھی کہ عموماً حفاظ کی گرفت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو حفظ کا شوق کیسے ہوا؟ فرماتے تھے کہ ''میرے ذہن میں خیال آیا کہ: قیامت کے دن

حافظ کے والدین کو تاج پہنائے جائیں گے۔ بڑے بھائی صاحب تو والد صاحب کو تاج پہنادیں گے۔ دوسرے (سوتیلے) بھائی اپنی والدہ کو پہنائیں گے، تو میری والدہ؟ لہٰذا مجھے اپنی والدہ کو روزِ قیامت تاج پہنانے کی غرض سے حفظ کا شوق ہوا۔'' جب تک علمی مصروفیات زیادہ نہ تھیں، اعتکاف کا تسلسل جاری رہا، جب علمی وفقہی خدمات میں مصروفیات بہت بڑھ گئیں تو یہ تسلسل بھی برقرار نہ رہ سکا۔

آپ کی 'سعادت مندی' کی تکمیل آپ کی شہادت جیسی عظیم موت کی صورت میں ہوئی۔ ہمارے والد ماجد رحمہ اللہ نے تین دعائیں مانگی تھیں۔ [۱] نیک بیوی نصیب ہو۔ [۲] صالح اولاد ہو۔ [۳] خاتمہ ایمان پر اور موت دیارِ حبیب میں نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تینوں دعائیں قبول فرمائیں۔ نیک اہلیہ ملیں، حضرت مفتی صاحبؒ جیسی نیک بخت وسعادت منداولاد نصیب ہوئی اور آج جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مولانا قاری عبدالحئی☆

میری عقیدتوں کا محور

یوں تو اس دارفانی میں لاکھوں کروڑوں، اربوں کھربوں انسان آئے اور چلے گئے، اس لیے کہ ہرایک ذی روح یہاں جانے کے لیے ہی آتا ہے، مگر جانے جانے والوں میں فرق ہوتا ہے، کوئی جب اس دنیا سے جاتا ہے تو اس پرغم کرنے والے صرف اس کے گھر کے افراد ہوتے ہیں، کسی کے جانے پرغم کرنے والے محلے اور شہر کے لوگ ہوتے ہیں، کسی کے رخصت ہونے پراس ملک کے باشندے غمگین ہوتے ہیں، مگراللہ کے برگزیدہ بندے جب اس جہاں فانی سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کے نوحہ کناں صرف ایک دونہیں محلے اور شہر کی حدتک نہیں، بلکہ پوری دنیامیں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اورسچ ہے کہ''موت العالم موت العالم''

اس لیے حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے جہاں ہمارا مادر علمی سوگوار ہوا ہے، وہاں مختلف ممالک کے لوگ جواِن سے مستفید ہوتے تھے، وہ بھی سوگوار ہوئے اورغم کے بادل ان پرسایاکیے ہوئے ہیں۔

میرا حضرت سے چونکہ بھائیوں والاتعلق تھا، ہمارے والدگرامی ایک ہی تھے، نیز ہمارے والدصاحب جب حج کا فریضہ ادا کرنے جارہے تھے تو میری پرورش اور تربیت کی ذمہ داری حضرت برادرمکرم شہید رحمہ اللہ کے سپرد کرگئے تھے، اس لیے آپ نے حضرت والدصاحب کی وفات کے بعد مجھ ناچیز کو اپنی پرورش وتربیت میں لیااور میری تربیت اپنے بچوں کی طرح ہی نہیں بلکہ اپنے بچوں سے بڑھ کر مجھے پیار دیااور میری تربیت کی اور والد کی کمی بالکل محسوس نہیں ہونے دی اور جہاں خود تشریف لے جاتے تھے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے، درجہ سادسہ تک اہم کتب حضرت نے خود پڑھائیں، خصوصی شفقت اور توجہ فرماتے اور گھرآکر دوبارہ اسباق یاد کرواتے، آپ کا انداز مشفقانہ، برادرانہ، دوستانہ اور پدرانہ ہوا کرتا تھا، جن حضرات نے آپ

☆برادرِصغیرحضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

سے کسبِ فیض کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ آپ کا درسگاہ میں اندازِ تدریس کیسا ہوا کرتا تھا، معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ ہمارے استاذ ہیں، بلکہ وہ ایسا پڑھاتے اور اُٹھتے بیٹھتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمارے گھر ہی کے ایک فرد ہیں، میں بچپن ہی سے حفظ مکمل کرنے کے بعد برادرِ مکرم حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ کے ساتھ رہا ہوں، جامعہ اشرفیہ سکھر میں جب حضرت پڑھایا کرتے تو اس وقت بھی مجھے درسِ نظامی کی اہم کتابوں کو ازخود پڑھانے کا اہتمام فرمایا کرتے۔اور جب سکھر سے تشریف لے جاتے تو میں بھی سفر میں بطورِ خادم ساتھ ہی ہوتا اور اس بزرگ ہستی کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتا، حضرت سفر و حضر میں بھی تہجد، نوافل اور ذکر اذکار کا اہتمام فرماتے، میں نے آپ کی خلوت کو بھی دیکھا اور جلوت کو بھی، جس طرح آپ کی جلوت صاف، شفاف تھی، اسی طرح آپ کی خلوت بھی اپنی مثال آپ تھی اور مثل صاف شفاف آئینہ کے تھی جیسا کہ ایک مشہور مقولہ ہے:

''جو جلوت میں اپنی زبان اور جذبات کنٹرول کرے اور خلوت میں اپنی خواہشات اور نفس پر کنٹرول کرے وہ کامیاب ترین انسان ہے۔''

اور جو شخص تقویٰ، طہارت، عاجزی، انکساری، علوم حدیث، علوم فقہ میں کامل مہارت رکھتا ہو تو کامیابی اس کے قدم کیوں نہ چومے۔

برادرِ مکرم حضرت مفتی صاحبؒ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، بہت ہی زیادہ ملنسار، خوش اطوار، خوشگوار مزاج کے مالک تھے، انہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھا، ہمیشہ تواضع اختیار فرمائی اور تواضع کو پسند فرماتے، جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے ''من تواضع للہ رفعه اللّٰه'' ترجمہ: ''جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے،

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں، ہمیشہ جھک کر چلتے ہیں
صراحی سرنگوں ہوکر بھرا کرتی ہے پیمانہ

یہی وجہ ہے کہ برادرِ مکرم حضرت مفتی صاحبؒ کو جیّد، مستند مفتیان کرام اور علمائے عظام میں جو مقام اور مرتبہ حاصل تھا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔یہی تواضع تھی کہ حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہم کے بعد دارالافتاء کے ذمہ دار مقرر ہونے کے باوجود اپنے نام کی مہر نہیں بنوائی، بلکہ

اگر کوئی اصرار کرتا تو کہتے: ٹھیک تو ہے، مگر میں فقیر آدمی ہوں ۔

تُوغنی از ہر دو عالم من فقیر — روزمحشر عذرہائے من پذیر

درحسابم را تو بینی ناگزیر — ازنگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

ان کی عاجزی، انکساری، فقیری ان کے قول وعمل سے عیاں تھی۔ برادر مکرم حضرت مفتی صاحب کی کس کس ادا کا تذکرہ کروں؟ الفاظ نہیں ہیں کہ میں ان کو کوئی خراج تحسین پیش کرسکوں، وہ اپنی مثال آپ تھے، فردِ واحد میں ایک انجمن تھے، مثل آفتاب یگانہ روزگار تھے، زبردست مدرس فقیہ اور ادیب اور خطیب تھے۔

لو كانت الدنيا تدوم لواحد

لكان رسول الله فيها مخلدا

سبيل الموت غاية كل حي

فداعيه لأهل الارض داعيه

زندگی کی اداس راتوں میں اک دیا سا ٹمٹماتا ہے

اے ہوا اسے بھی گل کردے گزر چکی رات اب کون آتا ہے

اب ذکر نہ چھیڑ مستی کا اب نام نہ لے پیمانے کا

جب ساقی ہی نہ رہا پھر لطف کیا میخانے کا

مولانا عبدالوحید (بھتیجا حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ)

واہ! چچا جی!

عم محترم مفتی عبدالمجید دین پوری شہید ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ فاضل دیوبند کے گھر پیدا ہوئے، نو(۹) بھائیوں میں واقعی عظیم بن عظیم ثابت ہوئے، مسمیٰ مجیداً، عاش سعیداً، مات شہیداً۔ نام میں بزرگی، زندگی میں سعادت اور دمِ واپسی شہادت کی خلعت فاخرہ، سبحان اللہ، زہے نصیب۔

حضرت شہیدؒ کی علمی، عملی، تدریسی اور فقہی خدمات پر تو اہل قلم ہی قلم اٹھائیں گے اور حق ادا کریں گے، میں تو خاندان کا ایک فرد ہونے کے ناطے بس اتنا جانتا ہوں کہ ہمیں شاہراہِ زندگی پر انگلی پکڑ کر چلنا حضرت شہید رحمہ اللہ نے سکھایا، حضرت کی تعلیم وتربیت کا ثمر ہے کہ آج ہم صحابہ کرام کی نوکری کو باعث فخر اور ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کی طبیعت میں سادگی اور نمود ونمائش سے پرہیز آپ کی عظمتوں کی سب سے بڑی دلیل بن گئی۔ ایک مرتبہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ دوکان پر بیٹھا تھا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، شرف زیارت بخشا اور واپس چل دیئے، میں نے دوستوں کو بتایا کہ آپ جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء ہیں، حضرت شہیدؒ کی سادگی، عجز وانکساری کی وجہ سے کوئی بھی ماننے کو تیار نہ تھا۔ اور کبھی کہیں علماء کرام کی محفل میں حضرت شہیدؒ سے نسبت کا تذکرہ ہوتا تو اپنے لیے علماء کرام کی طرف سے احترام کا معاملہ دیکھ کر حضرت کی عظمتوں اور بلندیوں کا اندازہ ہوتا۔ بلاشبہ آپ ہمارے خاندان کا فخر تھے اور بجا طور پر جاتے جاتے ہمارے سر فخر سے مزید بلند کر گئے۔ حق مغفرت کرے۔

۲۴ دسمبر ۲۰۱۲ء کو حضرت شہیدؒ بندہ کی والدہ ماجدہ کی تعزیت کے لیے کراچی سے خان پور تشریف لائے، میرے غریب خانہ پر تشریف فرما تھے کہ ایک مسئلہ پوچھتے ہوئے میں نے کہا کہ: مفتی صاحب! اس کا کیا کروں؟ ہلکا سا مسکرائے، میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور محبت سے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ''تیرا چاچا لگتا ہوں، تو ''چچا جی'' کہا کر، ''مفتی جی'' نہ کہا کر۔'' پھر مسئلے کا حل ارشاد فرمایا۔ آہ! یہ خلوص، للّٰہیت، عجز وانکساری، سادگی اور محبتیں اب کہاں تلاش کروں......؟

مولانا میاں سہیل احمد دین پور☆

عظیم شخصیت......ہمارا قیمتی سرمایہ

برادرم مولوی حمزہ صاحب کے ایماء پر کہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ لکھ دوں، تحریر میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو جوڑنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے تو دوسرے حضرات نے بھی حضرت شہید پر مکمل طور پر لکھ دیا ہوگا، جس کے بعد میرا لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کی مانند ہے، مگر چونکہ حضرت شہید رحمہ اللہ سے بندہ کا نسبی تعلق ہے، اس لیے اپنی کم علمی کے باوجود حضرت کی قرابت داری کی وجہ سے حضرت پر کچھ لکھنا اپنا فریضہ سمجھ کر ادا کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شہید رحمہ اللہ کو بہت خوبیوں سے نوازا تھا، آپ کے اندر اپنائیت حد درجہ زیادہ تھی کہ اجنبی بھی پہلی ملاقات میں حضرت کی شفقت اور محبت کو دیکھ کر اپنے آپ کو حضرت کے قریب تر سمجھتا تھا، وہ یہ نہ محسوس کر سکتا تھا کہ میری حضرت سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مسائل دریافت کرنے ہوتے تو جب بھی حضرت کو فون کرتے فوراً آپ سے رابطہ ہو جاتا، بلکہ جب چھٹیوں میں یہاں خان پور تشریف لاتے تب بھی آپ اکثر فون پر مسائل بتانے میں مصروف رہتے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت کتنے اخلاص کے ساتھ خدمت خلق میں مصروف تھے۔ اب حضرت کی شہادت کے بعد ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ واقعی ایک بہت ہی عظیم شخصیت ہم سے دور چلی گئی ہے، ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہ ہوگا، واقعی ''موت العالم موت العالم'' کے مصداق آپ بھی ہیں۔

دین دشمن طاقتوں نے آپ کو شہید کرنے کا قدم ایسے تو نہیں اٹھایا، آخر اُن ملعونوں کو حضرت کے اندر کوئی جوہر نظر آیا تو ان درندہ صفت انسانوں نے یہ ظالمانہ اقدام کیا۔ اللہ آپؒ

☆ حفید حضرت میاں مسعود دین پوری مدظلہم......ابن مولانا میاں محمد زبیر دین پوری

کے قاتلوں کو نشانِ عبرت بنائے کہ انہوں نے ہم سے بہت بڑا قیمتی سرمایہ چھین لیا ہے، جو علمی جواہر اُمت مسلمہ میں لٹا رہا تھا۔

شہادت تو بہت بڑے اعزاز اور شرف کی بات ہے، لیکن وہ علمی رونقیں، وہ بے لوث محبت اور اس جیسی بے شمار خصوصیات کی حامل شخصیت اس قحط الرجال کے دور میں اب ہم کہاں سے لائیں گے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو عالم باعمل اور نیک صالح بنائے اور اپنے والد محترم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اللہ رب العزت حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا عزیر محمود☆

ہمارے والد محترم رحمہ اللہ

بچپن میں آیۃ الکرسی:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں بہت چھوٹا تھا تو حضرت والد صاحب مجھے رات کو سوتے وقت آیۃ الکرسی یاد کرایا کرتے تھے، ایک ایک جملہ روز یاد کراتے، یوں کرتے کرتے مکمل آیۃ الکرسی یاد ہوگئی۔

بچپن میں نماز کے لیے ساتھ لے جانا:

جب والد صاحب سکھر میں مقیم تھے تو اس وقت میں چھوٹا تھا، آپؒ نماز کے لیے جاتے تو مجھے ساتھ لے جاتے تھے، مغرب کے بعد آپ نوافل پڑھتے تو میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ اٹھک بیٹھک کرتا رہتا۔ اسی دوران کئی سورتیں مجھے فرض نمازوں میں ان سے سن سن کر یاد ہوگئیں۔

دورانِ حفظ ''اچھی باتیں'' کی تعلیم:

جب میں حفظ کررہا تھا تو اس وقت بھی حضرت والد صاحب نے توجہ برقرار رکھی۔ ''اچھی باتیں'' نامی کتاب جو بعض مدارس میں ابتدائیہ اعدادیہ وغیرہ میں پڑھائی جاتی ہے، ہمیں پڑھاتے تھے۔

گردان کے دوران خوشخطی کی ترغیب:

پھر جب میں حفظ کر چکا اور گردان شروع کی تو والد صاحب نے خوشخطی کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا: ''لکھائی سیکھ لو، خط اچھا کرلو!'' آپ کی ترغیب پر ہی خط سیکھا، اب دل سے آپ

☆ابن حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔

دورانِ اعدادیہ فارسی میں معاونت:

جب میں نے اعدادیہ میں داخلہ لیا تو فارسی کا سبق یاد کرتے ہوئے راہ نمائی اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی تو مَیں بجائے کسی اور کے حضرت والدصاحب سے پوچھ لیا کرتا تھا۔آپ مغرب کے بعد مسجد الحمراء میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے ، میں اپنا سبق یاد کرتا رہتا، جب کوئی بات پوچھنی ہوتی تو پوچھ لیتا، آپ کے مطالعہ میں خلل پڑتا مگر بجائے محسوس کرنے کے خوش ہوا کرتے۔

دورانِ متوسطہ ریاضی پڑھانا:

جب متوسطہ میں داخل ہوا تو ریاضی کچھ مشکل لگتی تھی تو والدصاحب باقاعدہ مجھے ریاضی پڑھاتے اور خوب اچھی طرح سمجھا کر مطمئن کردیتے تھے۔

جامعۃ الرشید میں داخلہ:

متوسطہ کے بعد والد محترم نے فرمایا کہ: ''صَرف ونحو میں یکسوئی اور خوب محنت کی ضرورت ہے، یہاں گھر رہ کر مشکل ہوگی، اس لیے ''اولیٰ'' کے لیے ''جامعۃ الرشید'' چلے جاؤ۔'' چنانچہ مجھے خود لے کر جامعۃ الرشید گئے اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عام بس پر ہی سفر کیا، سارا دن ہم وہاں رہے، وہاں ایک استاذ صاحب نے والدصاحب کو مشورہ دیا کہ ہم نے یہاں بچوں کے لیے ''تمہیدی عربی کورس'' رکھا ہوا ہے، آپ اِسے اُس میں داخل کرائیں، ان شاء اللہ اِسے آگے سہولت ہوگی اور استعداد مضبوط ہوگی، چنانچہ آپ نے اُن کے مشورے پر غور کیا اور تھوڑی دیر مختصر سا ''استخارہ'' کرنے کے بعد منظوری دیدی، اور فرمایا: ''ٹھیک ہے، اِسے ''تمہیدی عربی'' میں داخل کرلیں۔'' انہوں نے فرمایا: ضابطے کی کارروائی تو پوری کرنا ہوگی، اس کا امتحان لیا جائے گا، والدصاحب نے پوچھا کہ: امتحان میں کیا پوچھتے ہیں؟ کس قسم کے سوالات پوچھتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ تھوڑی بہت عربی گنتی اور عربی سے متعلقہ ہلکے پھلکے چند اور سوالات، چنانچہ والد صاحب نے اسی وقت مجھے دس تک عربی گنتی یاد کرادی، اور کچھ ایک دو اور باتیں سمجھا دیں، پھر

امتحان ہوا، بحمداللہ اس میں کامیاب ہوگیا اور دو سال ''تمہیدی'' میں رہا۔

اُن استاذِ محترم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، اس تمہیدی کی وجہ سے مجھے فائدہ ہوا اور میں ثانیہ ہی سے اصل کتاب اور اس کے حواشی کے مطالعہ کی طرف راغب رہا، اردو شروحات کی زیادہ ضرورت نہیں پڑی، عبارت بھی بحمداللہ صاف اور رواں پڑھی جاتی اور عربی عبارات سمجھ لیتا اور حل کر لیتا۔ اسی کی برکت سے دورۂ والے سال بحمداللہ بخاری ثانی کی ''کتاب التفسیر'' سے آخر تک عبارت پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ الحمدلله حمدا كثيرا طيبامباركا فيه۔

رابعہ میں شرح وقایہ:

''تمہیدی'' کے بعد بھی میں جامعۃ الرشید میں ہی رہا، ثالثہ تک وہاں پڑھا، رابعہ سے پھر مرکز علم وعرفاں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں آگیا، اس سال حضرت والد صاحب باقاعدگی سے عشاء کے بعد ''شرح وقایہ'' پڑھاتے تھے۔

خطبہ میں عصا کی ترغیب:

والد صاحب جامع مسجد ''الحمراء'' میں امام وخطیب تھے، جب آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تو تمام نمازیں مَیں پڑھانے لگا، اور جمعہ کے دن والد صاحب مجھے ساتھ لے جاتے، بیان خود فرماتے تھے اور خطبہ ونماز کے لیے مجھے کہتے، مَیں ابتدا میں عصا ہاتھ میں پکڑتے ہوئے جھجکتا تھا، اس لیے بغیر عصا کے خطبہ دیتا تو والد صاحب نے فرمایا: ''یہ بھی سنت ہے، اس لیے عصا ہاتھ میں لیا کرو۔''

جمعہ کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ اور غاشیہ:

مَیں جمعہ کی نماز میں مختصر سورتیں پڑھتا تھا، تو مجھے فرمایا کہ: ''سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھا کرو!'' چنانچہ پھر وہی پڑھنے لگا۔

جمعہ کی فجر میں سجدہ اور دہر:

والد صاحب کا معمول تھا کہ اتباعِ سنت میں جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورۃ السجدہ اور سورۃ الدھر پڑھا کرتے تھے، جب مَیں نے نماز پڑھانی شروع کی تو مجھ سے پوچھتے تھے کہ

''کون سی سورتیں پڑھی ہیں؟'' خاص کر جمعہ کے دن پوچھتے اور مسنون عمل کی پابندی کی تاکید فرماتے۔

الغرض اپنی بے پناہ اور انتہائی شدید مصروفیات کے باجود ہماری تعلیم وتربیت میں معمولی سی غفلت، کوتاہی اور بے توجہی نہیں برتی، بلکہ پوری پوری توجہ عنایت فرمائی اور ہر موقع وہر موڑ پر مکمل راہ نمائی سے نوازا۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

اوابین میں باقاعدگی سے سورۃ الواقعہ:

حضرت والد صاحب شہید رحمہ اللہ کا یہ بھی معمول رہا کہ مغرب کے بعد اوّابین میں ہی ''سورۃ الواقعہ'' پڑھتے تھے۔

بعد عشاء نوافل میں سورۃ الملک:

اسی طرح عشاء کے بعد نوافل میں ''سورۃ الملک'' پڑھنے کا معمول تھا۔

تقویٰ واحتیاط:

والد صاحبؒ جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں بیٹھ کر جامعہ درویشیہ کے لیے بخاری کا مطالعہ کرتے تھے تو ہر ماہ پابندی سے تنخواہ کی وصولی کے وقت کچھ رقم جامعہ میں جمع کرادیتے۔کسی نے پوچھا کہ آپ یہ رقم کیوں جمع کراتے ہیں؟ تو فرمایا:''میں جامعہ کے دارالافتاء میں کچھ وقت غیر جامعہ کے کام میں صرف کرتا ہوں۔''

نہی عن المنکر:

خان پور کے ایک گھرانے کے ایک لڑکے کا اپنے خاندان میں نکاح ہوگیا،ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ وہ لڑکا فوت ہوگیا،اس کے والد نے اس لڑکی سے مرحوم کے چھوٹے بھائی کا رشتہ طے کرکے مرحوم کی وفات کے ایک ماہ میں ہی رخصتی طے کردی، اُن خاندان والوں کا ہمارے گھر والوں سے بھی تعلق اور جان پہچان تھی،اُن کے گھر والے آئے اور ہمارے گھر والوں کو دعوت دے کر چلے گئے،حضرت والد صاحب اس وقت گھر موجود نہیں تھے،جب آپؒ کو پتہ چلا تو فرمایا:''یہ کیسے نکاح کررہے ہیں؟ابھی تو اس لڑکی کی عدت ہی پوری نہیں ہوئی۔'' چنانچہ آپ

نے اُن کو روکا، لیکن وہ نہیں مانے اور کہا کہ: اب تو سب کچھ طے ہو چکا ہے، کل رخصتی ہے، اس لیے اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ آپؒ نے ہر ممکن کوشش کی کسی طرح مان جائیں، مگر وہ نہ مانے اور تو آپ خانقاہ دین پوری شریف کے گدی نشین مشہور جلالی بزرگ حضرت میاں مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سارا قصہ اُن کے گوش گزار کیا تو حضرت میاں صاحب نے اُن خاندان والوں کو سختی سے روک دیا، تب کہیں جا کر وہ مانے۔ لیکن والد محترم نے جب تک اس غیر شرعی کام کو رُکوا نہیں لیا، چین سے نہیں بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ والد صاحب کو جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام نصیب فرمائے اور ہم سب کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆

مولانا سہیل دین پوری ☆

مفتی صاحبؒ کی یادیں

۶/۷ سال کی عمر سے میں نے بنوری ٹاؤن کی روحانی ونورانی فضاؤں میں سانس لینا شروع کیا، اُس وقت میں ناظرہ پڑھتا تھا۔ ہمارے داداجان مولانا عبدالحنان صاحب بنوری ٹاؤن میں ''محاسب'' ہیں، انہوں نے گرمیوں کی چھٹیاں کراچی گزارنے کی دلکش آفر کی تو اُن کے ساتھ چلا گیا، وہاں انہوں نے بنوری ٹاؤن میں داخل کرادیا۔

اس زمانہ میں ہمارے داداجان اور مفتی صاحب جو کہ ہمارے ماموں تھے، دونوں کو بنوری ٹاؤن کی طرف سے ایک ہی فلیٹ ملا ہوا تھا، دو تو کمرے تھے، ایک میں مفتی صاحب رہائش پذیر تھے اور دوسرے میں داداجان۔

مفتی صاحب اس وقت دو سبق پڑھایا کرتے تھے، ایک بنات میں اور ایک بنین کے درجہ سابعہ میں ہدایہ ثالث کا۔ مدرسۃ البنات اساتذہ کی رہائش گاہوں سے قریب ہی تھا، وہاں جب پڑھاتے تو ہمارے فلیٹ میں آپؒ کی آواز آیا کرتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو مسجد الحمراء کی طرف سے مکان کی سہولت مل گئی، آپؒ وہاں منتقل ہوگئے۔ لیکن وہاں کے حالات نہایت سنگین تھے، سابقہ امام صاحب کو بھی اُن کے گھر میں داخل ہو کر دہشت گردوں نے فائرنگ کا نشانہ بناڈالا تھا، اس لیے آپؒ کے اہل خانہ وہاں رہنے پر راضی نہ تھے، اتنے میں مدرسہ والوں نے آپؒ کو الگ مکان دے دیا۔ آپ اُس مکان میں رہائش پذیر ہوئے اور الحمراء والا مکان خالی ہوگیا۔

بچوں پر آپؒ کی شفقت کا دَر وَا رہتا تھا، کبھی اسے بند نہیں پایا، محبت کا ایک دریا تھا جو موجزن رہتا، نرمی کا ایک انداز تھا جو بچوں کو آپ کی طرف کھینچ کھینچ کر لے آتا تھا۔ بچوں سے مزاح بھی چلتا رہتا، اکثر مزاح میں ہی بچوں سے تکلم فرماتے تھے، اور اُن کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر خود بھی خوش ہوجایا کرتے تھے۔

اعدادیہ میں مجھ ناچیز کو آپؒ کی سفارش سے داخلہ ملا، انگریزی کے ایک استاذ صاحب سبق

☆ بھانجا حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

میں اکثر الفاظ انگریزی کے بولتے تھے جو ہماری سمجھ سے باہر تھے، اس لیے سبق سمجھ نہیں آتا تھا۔ لہٰذا ہفتہ وار ٹیسٹ میں ہم نے ناکامی کا منہ دیکھا اور کلاس سے نکال دیئے گئے۔ ہم نے پہلے بھی مفتی صاحب کو صورتحال بتا رکھی تھی، اب جب یہ وقوعہ پیش آیا تو کہانی اُن کے گوش گزار کردی۔ سہ ماہی امتحان میں پھر اس نالائق نے ناکامی کو گلے لگایا تو آپؒ نے تنبیہ فرمائی، سمجھایا اور شوق دلایا۔ آپ کی برکت کہ اگلے امتحان میں ۶۰۰ میں سے ۵۱۸ نمبر لے کر شاندار کامیابی حاصل کی، اس پر آپؒ کی خوشی دیدنی تھی، مجھے انعام بھی دیا۔

۱۴۲۱ھ میں اس ناچیز کو ناظرہ کے بعد اعدادیہ میں بٹھادیا گیا، اس وقت تک مفتی صاحب الگ مکان میں شفٹ ہو چکے تھے۔ جمعرات کے دن مَیں مفتی صاحب کے گھر جا پہنچتا، اور وہیں رات گزارتا تھا۔ وہ تین بجے اٹھ جاتے تھے، لیکن ہم نمازِ فجر تک خوابِ خرگوش کے مزے لُوٹتے رہتے، بارہا میری آنکھ کھُلی تو کبھی اُن کو بارگاہِ خداوندی میں عجز وانکساری سے مصلے پر سجدہ ریز پایا تو کبھی دستِ دعا بلند کیے دیکھا۔ کبھی ذکر میں مشغول نظر آئے تو کبھی آنسو پروتے۔ جب تک صحت نے اجازت دی خود الحمراء مسجد میں نماز پڑھانے جایا کرتے تھے، جب گھٹنوں میں تکلیف بڑھی تو بنوری ٹاؤن کی مسجد میں ہی نماز پڑھنے لگے۔ نماز کے بعد خالق سے لَو لگائے مسجد میں بیٹھے رہتے، پھر شیخ بنوریؒ کے مزار پر حاضری دیتے، فاتحہ پڑھتے اور دارالافتاء سے ہوکر دارالحدیث میں جلوہ افروز ہوجاتے اور دوسرے استاذ کے آنے تک پڑھاتے رہتے۔ طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا کہ جیسے ہی دُور سے استاد آتے نظر آئیں اشارہ کردے، فوراً سبق بند ہوجاتا۔

امام المجاہدین حضرت شامزئی شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد آپؒ اور مولانا عطاء الرحمٰن صاحب شہید رحمہ اللہ کو دورۂ حدیث میں سبق ملا۔ آہ! کہ آج دونوں حضرات شہید ہو چکے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ، اطال اللہ عمرہ کے پاس بخاری، مولانا عبدالرؤف غزنوی کے پاس ترمذی اول، حضرت مفتی دین پوری شہیدؒ کے پاس ترمذی ثانی اور مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ کے پاس مسلم کا سبق تھا۔

سبق کے بعد بڑے دفتر میں اخبارات پڑھتے، پھر گھر سے ناشتہ کرکے دارالافتاء تشریف لے جاتے تھے۔ ایک بجے وضو کرکے مسجد، ظہر کے بعد گھر، کھانا کھا کر قیلولہ، پھر دو گھنٹے دارالافتاء۔ موسم گرما میں عصر سے قبل ہی گھر آجاتے، اور نماز کے لیے پھر جاتے۔ موسم سرما میں دارالافتاء سے

اٹھتے تو عصر کی اذان ہونے لگتی، گھر کا سودا سلف خود لادیتے تھے۔ پہلے تو عصر تا مغرب مسجد میں ٹھہرتے، پھر بعد میں وہ وقت گھر والوں کو دینے لگے۔ مغرب کے بعد درس دیتے، مسجد میں ہی رہتے، عشاء کے بعد دارالافتاء پہنچ جاتے اور کبھی تو مغرب کے درس کے بعد بھی دارالافتاء چلے جاتے، دن بھر کے فتاویٰ کی تصحیح وتائید کرتے، تخصص والوں کا کام چیک کرتے اور اپنا کام نمٹا کر پھر گھر جاتے۔

جب میں نے درجہ اولیٰ عبور کر کے ثانیہ میں قدم رکھا تو اپنے ایک ہم کلاس ساتھی کے ہمراہ قدوری شریف پڑھنے آپؒ کی خدمت میں دارالافتاء حاضر ہوجاتا، پھر رابعہ میں پہنچا تو مفتی صاحب کے بیٹے اور اپنے ماموں زاد مولانا زبیر صاحب کے ہمراہ ''شرح وقایہ'' مفتی صاحب سے سمجھتا۔ تدریس میں آپ کو خاص الخاص ملکہ تھا، ایسی دلنشین اور مؤثر تقریر کرتے کہ ذہن میں نقش ہوجاتی، پہلے تفصیلا مسئلہ سمجھاتے، پھر خلاصہ بتاتے، پھر عبارت پڑھتے اور ترجمہ کردیتے۔ سبق سمجھ بھی آجاتا اور یاد بھی ہوجاتا تھا۔

مجھے اور میرے خالہ زاد بھائی کو چپکے چپکے خرچی دیتے رہتے تھے، ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ مجھے اوزان شرعیہ یاد نہیں ہوتے تھے، میں نے اپنی پریشانی آپ کے سامنے رکھی تو فوراً اچھی طرح سمجھایا اور پھر اپنے ڈیسک سے ایک ڈائری نکال کر دکھائی، جس پر تمام اوزان درج تھے۔ اس ڈائری کے علاوہ آپؒ کی ایک اور بھی ڈائری تھی جس میں روزمرہ کی باتیں، معمولات، آنے جانے والے مہمانوں کی تفصیل، اخراجات، لین دین، اسفار واسباق وغیرہ سب کچھ لکھتے تھے۔ اُن کو پیش نظر رکھ کر کوئی مضمون لکھے تو اچھی طرح ایک نقشہ سامنے آجائے گا۔

طلباء پر بھی بے انتہاء شفیق تھے، دورۂ حدیث کی کلاس کے دو مربی تھے جن میں سے ایک مفتی صاحبؒ تھے۔ اکثر طلباء آپ سے چھٹی منظور کراتے تھے کیونکہ آپ زیادہ پوچھ گچھ نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ دوران سبق ہی درخواستیں جمع ہوتی رہتیں، سبق ختم ہوتے ہی آپ اُن پر دستخط فرمادیتے اور طلباء کی موجیں ہوجاتیں۔

جب کبھی شہداء کا تذکرہ چھڑ جاتا تو آبدیدہ ہوجاتے تھے۔ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے

ہمارا خوں بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

بندہ نے اُن سے بے شمار مسائل میں استفادے کے علاوہ ''قدوری''، ''شرح وقایہ'' اور

گذشتہ سال ''ترمذی شریف، جلد ثانی'' پڑھی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرے، ہمیں صبرِ جمیل سے نوازے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆

محمد افضل شاکر☆

وہ ایک عظیم ہستی ایک شفیق باپ

آج جب میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں تو مفتی عبد المجید دین پوری شہید کی شہادت کو چھ ماہ سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے، ان چھ ماہ میں ہم نے اپنے دل کو بہت تسلی بہت دلاسہ دیا، لیکن دل اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا، ہر چیز کے ساتھ ہر وقت کے ساتھ ہر لمحے کے ساتھ مفتی صاحب کی یادیں وابستہ ہیں، جہاں جاتے ہیں، جو کام کرتے ہیں مفتی صاحب کی یادیں ہمارے سائے کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ رہتی ہیں، ہم لاکھ اپنے دل کو تسلی دیں، لیکن ابھی تک ہم سب اس ناکام کوشش کو کامیاب نہیں بنا سکے، ہر دن کے ساتھ ان کی یاد وابستہ ہے، خصوصاً جمعہ کا دن جس دن مفتی صاحب کے گھر بڑے ہی اہتمام کے ساتھ دستر خوان لگتا تھا، حالانکہ جمعہ کو میری چھٹی نہیں ہوتی تھی، پھر بھی اکثر مفتی صاحب کے ساتھ دستر خوان پر اکھٹے کھانا کھانے کا شرف حاصل ہو جاتا، فیملی کے تقریباً تمام ممبر دستر خوان پر موجود ہوتے، شہادت سے لیکر اب تک جتنے بھی جمعے گزرے ہیں ہر جمعہ کو مفتی صاحب کی کمی بڑی ہی شدت کے ساتھ گھر کا ہر فرد محسوس کرتا ہے، کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا جس میں کوئی آنکھ اشکبار نہ ہوئی ہو، بس فرق اتنا ہے کہ ہر آدمی ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر اپنی اس کمی کو اپنے آنسوں کے ساتھ چھپا لیتا ہے۔

۳۱/ جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات حسب معمول جمشید روڈ سے جب میں مفتی صاحب کے گھر بنوری ٹاؤن آیا تو تھوڑی دیر بعد مفتی صاحب بھی گھر میں داخل ہوئے اور آتے ہی گھر والوں سے سوال کیا کہ ''میرا بیگ تیار ہو گیا؟'' میں نے مذاق کیا کہ: ''حضرت! ہر وقت کسی نہ کسی دورے اور سفر پر رہتے ہیں، کچھ ٹائم گھر والوں کیلئے بھی نکال لیا کریں۔'' مفتی صاحب نے ہنس کے جواب دیا کہ: ''یہ سفر بہت ضروری ہے، مجھے ہر حال میں جانا ہے۔'' (آج مفتی صاحب نے

☆ فرزند نسبتی حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

درویشیہ مدرسے سے واپسی پر کسی کی تعزیت کے لیے محراب پور جانا تھا) لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا کہ سفر کی تیاری تو آپ نے ٹھیک کی ہے، لیکن آپ کی ٹکٹ محراب پور کی نہیں بلکہ جنت کی کٹ چکی ہے۔

موت کا ایک دن مقرر ہے، ہر انسان نے اس جہان فانی سے رخصت ہونا ہے، لیکن شہادت کی موت اور شہادت بھی ایسی کہ باوضوایک جگہ سے حدیث کا سبق پڑھا کر دوسری جگہ حدیث کا سبق پڑھانے جارہے تھے کہ جام شہادت نوش فرما گئے، ایسی شہادت تو اللہ کے خاص بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ کیا ملا ان ظالموں کو جنہوں نے یہ ظالمانہ کاروائی کی، یہی کہ آخرت کے لیے اپنا ایندھن جمع کرلیا، مفتی صاحب کو تو شہادت کا عظیم رتبہ مل گیا۔

مفتی صاحب کا جسد خاکی جامعہ میں لایا گیا، سب لوگوں کو دیدار کرایا گیا، جب میں نے دیدار کیا تو یقین کریں ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت ہی گہری نیند میں ہوں اور چہرے پر اتنا اطمینان اور سکون تھا کہ جیسے ہمیں یہ پیغام دے رہے ہوں کہ میں تو بہت خوش ہوں اور آپ سب کو بھی خوش ہونا چاہئے، واقعی مفتی صاحب کی شہادت نے تو پورے خاندان والوں کے سرفخر سے بلند کردیئے ہیں، سچ پوچھیں تو اتنی بڑی ہستی ہمارے درمیان رہی اور ہم نے ان کی قدرومنزلت کو نہیں پہچانا، کہتے ہیں کہ اگر کوئی ولی اللہ دیکھنا ہو تو اس کا جنازہ دیکھ لو! مفتی صاحب کا جنازہ بھی ایسا ہی تھا، نماز جنازہ کا اعلان نماز عصر کے بعد کا کیا گیا، اتنے کم وقت میں اتنا بڑا اجتماع جمع ہوگیا تھا کہ حدِ نگاہ تک لوگ ہی لوگ تھے۔

یہ وہ ہستی ہے جس نے اپنی پوری زندگی اللہ اور اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے لئے وقف کررکھی تھی، جس نے کراچی جیسے خونی شہر جہاں ہر روز خون کی ندیاں بہتی ہوں، وہاں اس مردمجاہد نے دشمنان اسلام کے پرواہ کئے بغیر دین اسلام کی اشاعت وفروغ میں ایک ایسا کردار ادا کیا جو کہ ناقابل فراموش ہے، مفتی صاحب اپنے اسی دینی کام میں اپنے آپ کو اتنا مصروف کررکھا تھا کہ نہ دن دیکھا نہ رات، جو کام ایک ہفتے میں کرنے والا ہوتا تھا اسے ایک دو دن میں نمٹا دیتے تھے۔

مفتی صاحب کی جدائی کا دکھ جہاں ان کے گھر والوں کو اور بہن بھائیوں کو تھا اس کے ساتھ ساتھ میں اگر اپنی کیفیت بیان کروں تو میری حالت ایسی تھی کہ بات بات پر آنکھوں سے آنسوں ٹپک پڑتے تھے، مجھے ایسے لگتا تھا جیسے میں نے تمام آنسو اس عظیم ہستی کے لئے چھپا کے رکھے تھے، ویسے تو مفتی صاحب میری بڑی خالہ کے بیٹے اور میرے کزن تھے، سسر داماد کا رشتہ تو ہمارا بہت بعد میں بنا، لیکن مفتی صاحب نے مجھے بچپن سے ہی بہت پیار دیا، مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں بیمار ہونے کے بعد فیصل آباد سے پڑھائی چھوڑ کر واپس آ گیا تھا تو مفتی صاحب نے مجھے بہت سمجھایا، رمضان شریف میں اپنے ساتھ مجھے اعتکاف بٹھایا، پھر ہر سال جیسے ہی رمضان شروع ہوتا تھا مجھے کہنا شروع کر دیتے تھے، چار سال مفتی صاحب کے ساتھ اکٹھے اعتکاف میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہے، مفتی صاحب اعتکاف میں ایک دن میں پورا قرآن پاک ختم کرتے تھے اور ہمیں کہتے تھے ''آپ روزانہ کم از کم پانچ پارے ضرور پڑھا کرو۔''

ایک بات میں کبھی نہیں بھول سکتا، جب میں بالکل فارغ اور نکما تھا، ہر آدمی مجھے یہ طعنے دیتا تھا کہ: شاکر آوارہ ہے، نہ پڑھتا ہے اور نہ کوئی کام کرتا ہے، انہی دنوں میں سکھر روانہ ہوا، اس وقت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ والس روڈ سکھر میں پڑھاتے تھے، رات کے دو بجے میں نے مفتی صاحب کے دروازے پر دستک دی، دروازہ مفتی صاحب نے خود کھولا، میں کافی ڈرا ہوا تھا، ایک تو گھر سے بھاگ کر آیا تھا، پھر رات کے اس ٹائم، خیر مفتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ہنس کے میرے سلام کا نہ صرف جواب دیا بلکہ خود کچن سے کھانا لا کر دیا اور مجھے کہا کہ: ''کھانا کھا کر سو جاؤ صبح بات کریں گے۔''

آپ یقین کریں مجھے ساری رات نیند نہیں آئی، میں پوری رات سوچتا رہا کہ ہر آدمی مجھے آوارہ سمجھتا ہے، کوئی مجھ سے سیدھے منہ بات تک کرنا گوارہ نہیں کرتا اور مفتی صاحب جن کا اتنا بڑا مقام ہے، اتنی بڑی ہستی، مجھ جیسے نالائق انسان کو اتنی عزت دی، میرا اتنا خیال کیا کہ میں حیران رہ گیا، مفتی صاحب کے پیار و خلوص نے مجھے بڑا متاثر کیا، بوجہ بیماری یا پھر میری نا اہلی سمجھ لیں کہ میں اپنی تعلیم درجہ رابعہ کے بعد جاری نہ رکھ سکا، جن دنوں میرے والدین نے مفتی صاحب

کے گھر میرا رشتہ مانگا، مجھے لگتا تھا کہ مفتی صاحب انکار کر دیں گے، کیونکہ کوئی بھی اپنے جگر کا ٹکڑا ایسے آدمی کے حوالے نہیں کرے گا جو کہ کوئی کام نہ کرتا ہو، لیکن میں خود اتنا حیران ہوا کہ مفتی صاحب نے تو فوراً ہاں کر دی، مجھے مفتی صاحب کے اس فیصلے نے بھی کافی متاثر کیا۔

جس سال مفتی صاحب کراچی آئے تھے اس کے ایک سال بعد میں بھی کراچی ملازمت کے سلسلے میں آ گیا تھا اور تا حال کراچی میں مقیم ہوں، اسی اثناء میں مجھے جب بھی کوئی مشکل ہوتی میں مفتی صاحب سے ضرور مشورہ کرتا، مفتی صاحب جو بھی مشورہ دیتے ہمیشہ میرے فائدے میں ہوتا، جب میں نے کاروبار شروع کیا تو کاروبار میں جب بھی کوئی مشکل پیش آتی، میں مفتی صاحب سے ضرور مشورہ کرتا۔

مفتی صاحب نے ہی مجھے قائل کیا کہ آپ چونکہ جس فیلڈ میں ہو میٹرک تو آپ نے کیا ہوا ہے، اب آپ ایف۔اے۔ بھی کرلو، پھر میں نے ایف۔اے کا امتحان کراچی سے پاس کیا، پھر اس کے بعد بزنس میں ایک سال کا ڈپلومہ کیا اور بی۔اے کا امتحان بھی پاس کیا، ان ڈگریوں کی بدولت جس کمپنی میں کام کرتا تھا مجھے اس کا منیجر بنا دیا گیا، سب باتیں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب کچھ شاید میں کبھی نہ کرتا، ایک مفتی صاحب کی اتنی محنت اور ان کی اتنی شفقت نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا، میری بھی عادت بن گئی تھی، بزنس میں جو بھی کام کرتا تھا مفتی صاحب سے ضرور مشاورت کرتا تھا اور انہوں نے جو بھی مشہورہ دیا اس میں ہمیشہ ہی خیر رہی۔ ہمارے درمیان کزن کے رشتے کے ساتھ ساتھ سسر داماد کا رشتہ بھی تھا، میرے رشتہ کے بعد تو ہمیشہ بیٹے کی طرح سمجھا، بیٹے کی طرح پیار دیا۔

مفتی صاحب اپنے اکثر کام خود ہی کرتے تھے، میں ان کو دیکھ کر بہت حیران ہوتا تھا کہ اس عمر میں اتنی محنت صبح سے لیکر رات تک سارے کام خود سرانجام دیتے تھے، گھر کا سودا سلف لانا یہاں تک کہ گھر کیلئے دودھ لینے بھی خود جاتے تھے، شاگردوں نے کافی کوشش کی کہ حضرت آپ ہمیں یہ سعادت کا موقعہ دیں لیکن مفتی صاحب فرماتے تھے کہ: ''آپ یہاں پڑھنے کیلئے آئے ہو، ہماری خدمت کیلئے نہیں۔''

مفتی صاحب کے ساتھ شہید ہونے والے مفتی صالح محمد شہید کی تعزیت کیلئے ان کے بھائی اور ان کے والد صاحب سے ملنے ان کے گھر پہنچے تو وہ لوگ پہلے سے ہمارے استقبال میں دروازے پر کھڑے تھے، انہوں نے ہنستے مسکراتے چہروں کے ساتھ ہمارا استقبال کیا، پھر گھر لے کر گئے، گھر میں کھانے کا ایسا انتظام کیا ہوا تھا کہ ایسے لگتا تھا کہ جیسے ہم کسی شادی میں آئے ہوں، کھانے کے بعد مفتی صالح محمد شہید کے بھائی نے سب حضرات کا مٹھائی کے ساتھ منہ میٹھا کرایا، میں یہ سب حیران ہوکر دیکھتا رہا، یہ سب کچھ دیکھ کر مفتی صاحب کے بھائی برادرم حکیم محمد عبداللہ سے رہا نہ گیا اور وہ رو پڑے، لیکن اللہ نے ان لوگوں کو کمال کا صبر دیا کہ مفتی صالح محمد شہید کے بھائی نے فرمایا کہ: ''آپ روتے کیوں ہیں؟ آپ ہمیں مبارک دیں کہ ہمارا بھائی اللہ کی راہ میں شہید ہوا ہے۔'' مفتی صالح محمد شہید کے بھائی نے بتایا کہ ''ہمارے خاندان میں یہ پہلا عالم ہے اور پہلا ہی شہید ہے، ہمارے بھائی کی شہادت نے ہمارے پورے خاندان میں ہمارا مقام اتنا بلند کر دیا ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔'' ان کے یہ جذبات دیکھ کر وہاں موجود ہر آدمی کی آنکھ آشکبار ہوگئی، شدت جذبات سے میں بھی اپنے پر قابو نہ رکھ سکا، مفتی صالح محمد شہیدؒ کے بھائی نے کہا کہ: ''اللہ نے ہمیں جو شہادت والا اعزاز عطاء کیا ہے یہ اعزاز ہمیں بار بار نصیب ہو۔'' اسی طرح کا جذبہ حافظ حسان علی شاہ شہید کے گھر والوں کا تھا۔

آج جب میں مضمون مکمل کرنے لگا ہوں تو آج ماہ رمضان کا چھٹا روزہ ہے، پہلے مفتی صاحب پورا رمضان ہمارے ساتھ افطار کرتے تھے، آج وہ ہم میں نہیں ہیں، پہلے روزہ کے دن افطاری کے ٹائم گھر کے ہر فرد کی آنکھ اشکبار تھی، آج مفتی صاحب کی کمی بڑی شدت سے گھر کا ہر فرد محسوس کر رہا تھا، محمد خبیب (نواسہ) جس کی اب عمر تین سال ہوئی ہے، جمعہ کے دن مفتی صاحب نماز عصر کے بعد مغرب تک اذکار میں مشغول رہتے تھے، محمد خبیب مسجد میں چلا جاتا تھا، میں خبیب کو لینے جاتا تو مفتی صاحب مجھے منع کر دیتے تھے کہ رہنے دو، پھر خبیب، مفتی صاحب کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا، مفتی صاحب بھی خبیب کے ساتھ بہت پیار کرتے تھے، آج خبیب ہمیں کہتا ہے کہ: ابو جی کہیں نہیں گئے، وہ آجائیں گے، خبیب مفتی صاحب کو ابو جی کہتا تھا، اب ہم اس معصوم سے بچے کو

کیا جواب دیں کہ بیٹا جانے والے کہاں لوٹ کر آتے ہیں، موت کا پیالا تو سب کو پینا پڑے گا، یہ تو وہ پیالا ہے جو ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی پیا، پھر ہم اور آپ کیا چیز ہیں۔

دو دن پہلے میں نے خواب دیکھا کہ مفتی صاحب ایک چار پائی پر سوئے ہوئے ہیں، میں ان کے قریب جاتا ہوں، میرے ساتھ میری اہلیہ (مفتی صاحب کی بڑی بیٹی) بھی ہوتی ہے، میری اہلیہ مجھے کہتی ہے کہ دیکھو ابو کے ہاتھ اور پیٹ حرکت کر رہے ہیں، میرے ابو زندہ ہیں، اتنے میں مفتی صاحب میرا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور سب سے پہلے مجھے اپنے چہرے پر تین زخم کے نشان دکھاتے ہیں، جب میں مفتی صاحب کے زخم دیکھتا ہوں تو چہرے پر معمولی سے تین نشان ہوتے ہیں، اس کے علاوہ پورے چہرے پر اتنا نور ہوتا ہے کہ میں کیا بیان کروں، پورا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہوتا ہے اور مجھے کہتے ہیں کہ ''میں آجاؤں گا، آپ پریشان نہ ہوں'' اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ: ''کل فجر کی نماز 4.35 پر میں خود پڑھاؤں گا۔'' میں نے کہا مسجد الحمراء میں نماز تو آج کل 4.45 پر ہوتی ہے، بس اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے آج تک جو بھی خواب دیکھے ہیں وہ مجھے صبح تک یا بھول جاتے ہیں یا پھر خواب کا کچھ حصہ یاد رہتا ہے، لیکن یہ خواب دو دن گزرنے کے بعد بھی مجھے لفظ بہ لفظ یاد ہے۔ روز سوچتا ہوں کہ کسی مفتی صاحب سے اس کی تعبیر پوچھوں گا۔

آخر میں صرف اتنا کہوں گا کہ جہاں وہ اپنے لاکھوں چاہنے والوں کو جدائی کا یہ صدمہ دے گئے ہیں، وہاں مجھے بھی ان کی جدائی کا اتنا صدمہ ہے، مجھے ایسے لگتا ہے کہ میرا باپ مجھ سے جدا ہو گیا ہو، میری شادی کو سولہ سال ہو گئے ہیں، ان سالوں میں مجھے کسی دن یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں ان کا داماد ہوں، ہمیشہ مجھے اپنے بیٹوں کی طرح پیار دیا، مجھے نہیں یاد کہ میری زندگی میں کوئی ایسا موڑ آیا ہو جس پر مجھے اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہو اور یہ سچ بھی ہے کیونکہ میرے دل کا درد اور میرے اندر کی بے چینی مجھے یہ احساس دلاتی ہے کہ مجھ سے ایک عظیم ہستی، ایک شفیق باپ جدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین۔

☆......☆......☆......☆

صاحبزادہ محمد شعیب دین پوری☆

دین پور شریف کا نامور سپوت

ہم دشت کے باسی ہیں اے شہر کے لوگو!
یہ روح پیاسی ہمیں ورثے میں ملی ہے
دکھ درد سے صدیوں سے تعلق ہے ہمارا
یہ آنکھوں کی اداسی ہمیں ورثے میں ملی ہے
جاں دینا روایت ہے قبیلے کی ہماری
یہ سرخ لباسی ہمیں ورثے میں ملی ہے

حق و باطل کا معرکہ روزِ اول سے برپا ہے، کبھی شیطانی قوتیں غالب آتی ہیں اور کبھی روحانی قوتیں، شیطانی قوت بظاہر دیکھنے میں غالب نظر آتی ہیں، لیکن حقیقتاً وہ غالب ہو کر ناکام ہوتی ہیں اور رحمانی قوت بظاہر مغلوب ہو کر کامیاب و کامران ہو جاتی ہیں۔ حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں برپا ہوتا ہے، وہاں بھی شیطانی قوت کامیاب نظر آتی ہے اور رحمانی قوت ناکام۔ اگر ایمان کی حقیقی روشنی سے دیکھا جائے تو رحمانی قوت مغلوب ہو کر شہادت کا حسین تمغہ اپنے سر لیے خالق دو جہان کے پاس سرخرو ہو کر فاتح بن جاتی ہے، اور شیطانی قوت غالب ہو کر اپنے ماتھے پر ذلت و پھٹکار کا داغ لیے ہوئے ذلیل و خاکستر ہو جاتی ہے۔ اور فرمان ربانی ''جاء الحق وزھق الباطل، ان الباطل کان زھوقا'' کا اعلان چمکتے ہوئے سورج کی طرح دنیا پر اتمام حجت کر جاتا ہے۔

اسی معرکہ کی کڑی کا نمونہ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات تقریباً ساڑھے بارہ بجے دن شارع فیصل کراچی پر میرے استاذِ محترم اور نہایت ہی شفیق و مہربان والد

☆ابن حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

محترم اور ہزاروں طالبان حق کے استاذ ومربی، جامع المعقول والمنقول، جامعہ اسلامیہ درویشیہ کے شیخ الحدیث، جامعہ معہد الخلیل کے نائب صدر مفتی، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء حضرت اقدس مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے شہید کر دیا جاتا ہے، موت العالم موت العالم کا مصداق بن کر خلد بریں فردوس ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ فی الجنۃ۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

آہ! کسے معلوم تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہم سے اس طرح اچانک بچھڑ جائیں گے۔ شہادت ایک عظیم رتبہ ہے کہ جسے پانے کیلئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم خالق کائنات سے دست بدعا ہوتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار وفادار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہادت پانے کیلئے تڑپتے رہتے۔ دشمن اگر یہ سمجھتا ہے کہ انہیں راستے سے ہٹا کر ہمارا راستہ صاف ہو گیا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔شہادت سے جذبات ختم نہیں ہوتے بلکہ مزید بھڑک جاتے ہیں۔ ہمارے حوصلے مزید بلند ہو گئے ہیں، جذبہ دریا کی طرح موجیں اور سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہے ۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
جگر کی آگ بجھی ہے مگر دبی تو نہیں
جفا کی تیغ سے وفا شعاروں کی گردن
بر سر میدان کٹی ہے جھکی تو نہیں

شہادت ایک عظیم نعمت ہے اور اللہ رب العزت یہ نعمت اپنے خوش بخت بندوں کو عنایت فرماتے ہیں اور شہادت سے زندوں کو ایک جلا ملتی ہے اور شہادت کے مقام کے بارے میں کیا پوچھنا، خود خالق کائنات نے بیان فرمایا:'' ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا،بل احیاء عند ربھم یرزقون، فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ و یستبشرون

باالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الاخوف علیھم ولاھم یحزنون"۔

شہدوں کے لہو سے جو زمیں سیراب ہوتی ہے
بڑی زرخیز ہوتی ہے، بہت شاداب ہوتی ہے

شہادت ہے مقصود ومطلوب مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

آپؒ کے اوصاف لکھنے سے قلم قاصر ہے، دل ودماغ پر اک دھند چھائی ہوئی ہے، میں آپؒ کی کونسی کونسی صفات کو سپردِ قرطاس کروں

چند بے جان الفاظ میں افسوس جلیل! کہیں مضمون محبت کا ادا ہوتا ہے؟

آپؒ علم وعمل کے پیکر، عمدہ اخلاق کا نمونہ، فرائض ونوافل کا اہتمام کرنے والے، تہجد گزار، عابد، زاہد، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا، قرآن واحادیث مقدسہ سے دلی لگاؤ رکھنے والے، فقہ اور فتوی میں کمال درجہ کے ماہر، عجز وانکساری، تواضع وعاجزی، انتہا درجہ کی سادگی اور حلم وبردباری جیسی صفات جلیلہ کے حامل تھے۔

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

یہ چند الفاظ عقیدت کے آنسوؤں میں پروکر اور خونِ جگر سے آراستہ وپیراستہ ہوکر لکھے گئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ: ؏ تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں

ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے، لیکن خالق حقیقی کے فیصلے پہ راضی برضا رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، آخر میں حق تعالیٰ سے بدست دعا ہوں کہ رب العالمین ہمیں صبر کی دولت سے مالا مال کرے اور ہم سب بہن، بھائیوں کو اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین ثم آمین!

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

حافظ محمد حق نواز دین پوری☆

حضرت مفتی صاحبؒ

خوش شکل، متوسط قد، معتدل جسم، متناسب اعضاء، گندمی رنگ، کتابی چہرہ، موٹی آنکھیں، آنکھوں میں حیا کی لہر، دل میں مروّت کے آثار، کھلا سینہ، چہرہ پر دلکش ڈاڑھی، سر پر سفید عمامہ یا ٹوپی، سادہ لباس، شائستہ کلام، نرم زبان، خوشگوار لہجہ، میٹھا بول اور لبوں پر تبسم کا غلبہ، جاذبِ نظر، دل آویز اور سحر انگیز شخصیت کے مالک، یہ تھے ہمارے چچاجان حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، جنہیں ہم سب ''مفتی صاحب'' کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار گوناگوں صفات سے نوازا تھا، زہد وتقویٰ، خوف وخشیت، اخلاص وللّٰہیت، اِنابت الی اللہ، استقامت علی الدین، تفقہ فی الدین، رسوخ فی العلم، کمال فی العمل، عزم وہمت، شجاعت وسخاوت، استغناء وبے نیازی، ایثار وہمدردی، تواضع ومسکنت، صبر وشکر، تسلیم ورضا، اور ان جیسی ڈھیروں خوبیاں آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

آپ کا شمار وقت کے انتہائی معروف اور اُونچے درجہ کے مفتیان کرام میں ہوتا تھا، آپ کی شخصیت میں بَلا کی کشش تھی، جو ایک دفعہ آپ سے ملتا تھا آپ کا ہو کے رہ جاتا تھا، آپ کی ذات ایک سایہ دار درخت کی مانند تھی، جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہر ایک راحت وآرام پاتا تھا، آپ کی محفل ومجلس میں ہر طبقے اور ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد نظر آتے تھے، آپ کی مجلس جہاں آنے والے حضرات سے میل ملاقات کا ذریعہ تھی، وہیں یہ مجلس علم وفن، ذکر وفکر، تاریخ وتذکرہ، فقہ ودرایت، علمی لطائف اور اصلاح وتربیت کی مجلس تھی، آپ کی پُر وقار وبارونق مجلس میں جہاں موقع بہ موقع ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں، وہیں اَکابر واَسلاف کا تذکرہ بکثرت سننے کو ملتا تھا، اکابر کے تذکرے کے وقت آپؒ پُرنم ہوجایا کرتے تھے اور آنکھیں ڈُبڈُبا جاتیں جس

☆ بھتیجا حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ......ابن حکیم عبداللہ صاحب

سے سننے والا اثر لیے بغیر نہ رہتا تھا۔ بنوری ٹاؤن میں ہر روز بلا ناغہ حضرت بنوریؒ ودیگر اکابر کے مزارات پر حاضری بھی آپ کی اکابر سے والہانہ وابستگی وگہری عقیدت کا کھلا ثبوت ہے۔ اکابرِ اہل سنت کی سوانح کا شوق وذوق سے مطالعہ بھی اکابر سے آپ کی محبت والفت کو ظاہر کرتا تھا۔

ناچیز کا آپؒ سے تعلق بچپن ہی سے رہا، کیونکہ ہمارے والد مکرم ہم سب بھائیوں کے تعلیمی سلسلہ میں ہر مشورہ حضرت مفتی صاحبؒ سے ہی کیا کرتے تھے۔ ویسے بھی خاندانی، خانگی اور گھریلو معاملات میں تمام خاندان کا مرجع وماویٰ حضرت مفتی صاحبؒ ہی تھے۔ بالکل شروع میں جبکہ احقر کے لاشعور کا وقت تھا، اس وقت آپ کا نام بطورِ ''چاچو'' کے سنا کرتے تھے۔ اور آپ کا تذکرہ بھی ''چاچو'' کے طور پر ہی کیا کرتے تھے۔ اس سے زیادہ نہیں جانتا تھا کہ آپؒ بڑے عالم اور مضبوط مفتی بھی ہیں۔

راقم آثم کا آپؒ سے پہلا باقاعدہ اور مستقل واسطہ اس وقت پڑا، جب ۳۔۲۰۰۲ء آپؒ ہی کے مشورے سے بندہ کے والد گرامی نے مجھے کراچی آپؒ کے ہاں تعلیم کے لیے بھیج دیا، آپؒ نے مجھے کراچی کے ایک تحفیظ کے مدرسہ میں داخل کرایا، پیر یا منگل کو اُس مدرسہ میں داخل کرایا گیا، جمعرات کو حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے بیٹے اور ہمارے چچازاد عمیر بھائی کو بھیج دیا کہ حق نواز کو لے آؤ۔ اُن کے ساتھ مفتی صاحبؒ کے گھر آ گیا اور دوبارہ اس مدرسہ میں جانے سے انکار کر دیا، کیونکہ وہاں سختی بہت زیادہ تھی، جس کا میں تحمل نہیں کر سکتا تھا۔ آپؒ نے مجھے کافی دیر سمجھایا، اور بہت دیر ترغیب دیتے رہے، لیکن میں اپنے انکار پر قائم رہا۔ آپؒ نے سختی بالکل نہیں فرمائی، بلکہ پیار، محبت اور شفقت سے ہر ممکن کوشش کی، جب کوئی کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو مجھے وہیں بنوری ٹاؤن میں استاذِ محترم قاری حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ کے پاس داخل کرادیا۔ پانچ پارے میں نے پہلے سے پڑھ رکھے تھے، پانچ، چھ پارے ۲۵ تا ۱۹/اُن کے پاس پڑھے۔

اس دوران اپنے نانا جان عبدالحنان صاحب [محاسب دفتر بنوری ٹاؤن] کے گھر قیام پذیر رہا۔ کبھی کبھار مفتی صاحبؒ کے گھر چلا جاتا، لیکن اکثر قیام وہیں نانا جی کے گھر رہا۔ البتہ مدرسہ سے مفتی صاحبؒ کا کھانا لے کر گھر پہنچانا میرے ذمہ تھا، اس ڈیوٹی کو پابندی سے انجام دیتا

رہا۔بعض اوقات گھر کے دوسرے کام کاج بھی کر دیتا تھا۔جب بھی ناغہ کرتا یا پڑھائی میں سستی کرتا اور مفتی صاحبؒ کو خبر ہو جاتی تو بڑی محبت وشفقت سے سمجھایا کرتے تھے۔فرماتے تھے: ''مستقبل بناؤ! اپنی عادات صحیح کرو، بچپن کی عادات ہمیشہ رہ جاتی ہیں، بعد میں ان عادات کو ترک کرنا بہت مشکل ہو گا۔ابھی سے اپنے آپ کو سنبھالو۔''

سال بھر بنوری ٹاؤن پڑھتا رہا، پھر خان پور چلا آیا، اور پنجاب کے مختلف مدارس میں رہ کر قرآن پاک مکمل کر لیا۔۶۔۲۰۰۵ء میں مفتی صاحبؒ کے مشورے سے مجھے ''جامعۃ الرشید'' میں گردان کے لیے داخل کرایا گیا، استاذِ محترم قاری احمد صاحب مدظلہ کی کلاس میں داخلہ ہوا۔ ڈیڑھ سال وہاں رہ کر گردان کی۔اس دوران ہر جمعرات بنوری ٹاؤن حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کے گھر چلا جاتا اور رات وہیں رہتا۔جمعہ کے دن جمعہ کے بعد آپؒ کے گھر میں وسیع دسترخوان لگتا، جس میں سب قریبی رشتہ دار شریک ہوتے۔جمعہ کے بعد مفتی صاحبؒ خود فروٹ لے کر آتے، اور جب تک کھانا لگتا آپ کسی نہ کسی عبادت (تلاوت وذکر) میں مصروف رہتے تھے۔ میرے بڑے بھائی محمد صدیق صاحب اس وقت بھی جامعۃ الرشید میں پڑھتے تھے، وہ بھی ہمراہ ہوتے، ہم سے مفتی صاحبؒ تعلیمی رپورٹ لیا کرتے اور سستی یا کوتاہی کی صورت میں سمجھایا کرتے تھے۔فرماتے: ''گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا، ابھی اس کی قدر کرو، اسے ضائع مت ہونے دو، خوب محنت سے پڑھو۔'' مجھ سے یہ پوچھتے رہتے کہ: ''دِل لگ گیا ہے یا نہیں؟'' جمعہ کے دن صبح فجر کی نماز کے لیے ہمیں خود اٹھاتے۔

جامعۃ الرشید سے فراغت کے بعد میں ترنڈہ چلا گیا اور دوبارہ تجوید کے ساتھ گردان کی، پھر فارسی، اولیٰ اور ثانیہ دار العلوم مدنیہ بہاول پور میں پڑھی۔اس دوران مجھے عربی کا جنون ہو گیا، اور یہ ذہن بن گیا کہ جب تک عربی نہیں آئے گی صحیح معنوں میں کتابوں کی سمجھ نہیں آئے گی۔اس لیے میں نے والد صاحب سے مطالبہ کیا مجھے پہلے عربی پڑھائیں۔انہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے مشورہ سے گزشتہ سال (۲۰۱۲ء میں) مجھے جامعۃ الرشید کے شعبہ عربی کے درجہ تمہیدی میں بھیج دیا، وہاں بھی حضرت مفتی صاحبؒ کی سفارش اور کوشش سے داخلہ ہوا۔اب چونکہ

کراچی کے حالات خراب ہیں، اس لیے پہلے کی طرح ہر جمعرات تو ہم مفتی صاحبؒ کے گھر نہیں جاسکتے تھے، البتہ کبھی کبھی چلے جایا کرتے تو مفتی صاحب بہت شفقت فرماتے۔ابھی سال شروع ہوئے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی شہادت ہوگئی اور ہم واقعۃً بے سہارا ویتیم ہوکے رہ گئے۔اللھم لاتحرمنا اجرہ و لاتفتناہ بعدہ۔

آپ کی شہادت کے بعد بنوری ٹاؤن اور پھر اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ خان پور جانا ہوا۔جنازہ وتدفین میں شرکت کی سعادت مل گئی۔شہادت کو چند دن ہی گزرے تھے کہ حمزہ بھائی [مدیر مجلّہ صفدر] نے کہنا شروع کیا کہ تم اپنے چاچوجی مفتی صاحبؒ پر کچھ لکھو، میں اپنی سستی کی وجہ سے ہمت نہ کرسکا۔لیکن حمزہ بھائی نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل تقاضا کرتے رہے،اب دوچار دن پہلے فون پر کہنے لگے کہ: ''آپ تو مفتی صاحبؒ پر عربی میں مضمون لکھیں۔''میں نے معذرت کی۔آج اچانک حمزہ بھائی یہاں جامعۃ الرشید کراچی میں آئے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے مجھ تک آپہنچے اور پکڑلیا۔اور کہنے لگے کہ: ''جب تک مضمون نہیں لکھیں گے، جان نہیں چھوٹے گی۔'' اب اُن کے اصرار پر حافظہ پر زور دے کر چند یادیں لکھ رہا ہوں۔فی الحال تو ذہن میں دوتین ہی باتیں آئی ہیں، اس لیے فی الوقت انہی پر اکتفا کرتا ہوں، باقی ان شاءاللہ پھر کبھی۔

سادگی اور تواضع:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، بالخصوص تواضع، عاجزی اور انکساری آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، باوجودیکہ آپ عظیم الشان عالمی ادارہ میں ایک بلند منصب پر فائز تھے، اور اپنے فن میں امامت کے درجہ پر تھے، ایک مدرسہ کے شیخ الحدیث تھے اور بڑے بڑے علماء ومفتیان آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے تھے اور اپنے ادارہ کے جملہ مفتیان کے فتاویٰ کی جانچ پڑتال کرتے تھے، لیکن بایں ہمہ آپ کی ہر ہر ادا میں تواضع اور مسکنت رچی بسی ہوئی تھی، کسی بات سے بھی اپنی امتیازی شان اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔جب کسی کا فون آتا اُٹھالیتے، جب کوئی ملنے آتا تو بے دریغ ملاقات فرمالیتے تھے۔

اِسی سال آپؒ موٹرسائیکل کے ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہوگئے، میں آپؒ کے گھر گیا

ہوا تھا، دو طالب علم جو یقیناً آپ کے شاگرد ہوں گے، عیادت کے لیے آئے، آپ نے سلام دعا کے بعد پہلے اُن سے معذرت کی کہ ''میں مجبور ہوں، نیچے نہیں بیٹھ سکتا، ورنہ آپ کے ساتھ بیٹھتا۔'' پھر اُن سے حال احوال پوچھا، اور کھانے کے لیے اصرار کرنے لگے، انہوں نے معذرت کی۔ پھر ایک ساتھی نے پوچھا کہ آپ کون سے ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہیں؟ آپؒ نے نام بتایا۔ انہوں نے ایک دوسرے ڈاکٹر صاحب کا مشورہ دیا اور کہا کہ: کل ان شاء اللہ بارہ بجے مدرسہ سے چھٹی ہوتے ہی آپ کو لے چلوں گا، پھر وہ چلے گئے۔ دوسرے دن وہ آئے اور آپؒ کو ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ غرض طلباء کے ساتھ شفقت اور عاجزی و مسکنت ایسی تھی کہ ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ ملے۔

جب ۲۰۰۵-۶ء میں مَیں جامعۃ الرشید میں تھا، ہم دونوں بھائی جمعرات کو مفتی صاحبؒ کے گھر جاتے تھے اور جمعہ کے دن صبح وہیں قریب دوکان پر حلوہ پوری کا ناشتہ کرتے۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن ہم جا رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ مفتی صاحبؒ، آپؒ کے دو بیٹے، مولانا مفتی شعیب عالم اور دیگر علماء و مفتیان مدرسہ کے باہر کھڑے ہیں، آپ نے ہمیں دیکھا تو بلا لیا اور فرمایا کہ: ''چلو ہمارے ساتھ چلو! ساحلِ سمندر پر جا رہے ہیں۔'' یوں ہمیں شرفِ صحبت بخشا، گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے مشورہ ہوا کہ امیرِ قافلہ کون ہو؟ مفتی شعیب عالم صاحب سمیت سب نے کہا کہ امیر آپؒ ہیں، لیکن آپؒ نے انکار کر دیا اور فرمایا: ''کسی دوسرے کو امیر بنا دیں۔'' وہ سب اصرار کرتے رہے اور آپ انکار کرتے رہے، بالآخر بعض حضرات نے آخری حربہ آزمایا جو کامیاب رہا، انہوں نے آپؒ سے کہا کہ: اگر آپ امیر نہیں بنتے تو ہم جاتے ہی نہیں، مجبوراً آپ امارت کے لیے تیار ہوئے اور ہم سب ساحل کی طرف روانہ ہوئے۔ غالباً مفتی شعیب صاحب نے گھر سے ناشتہ اُٹھایا اور ساحل پر پہنچ گئے۔ کافی دیر گھومے پھرے، پھر دستر خوان لگا، اور سب نے ناشتہ کیا۔ آپ کی عاجزی و تواضع کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے ہم سفر تمام احباب آپ کے تلامذہ اور شاگرد تھے جو یقیناً علم، عمل، عمر اور ہر چیز میں آپ سے چھوٹے تھے، اس کے باوجود آپ ''امیر'' بننے کے لیے تیار نہیں تھے، بلکہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ کوئی اور امیر بن جائے۔

آپ کی عاجزی اور تواضع ہی تھی جس نے ایک عرصہ تک ہمیں دھوکہ میں رکھا اور ہم آپ کو ایک عام اور معمولی درجہ کا عالم ومفتی سمجھتے رہے، آپ کے حقیقی اور صحیح مقام سے تو اب بھی واقفیت نہیں، لیکن ایک عرصہ بعد کچھ اندازہ ہوگیا تھا کہ آپ عام مولوی اور عمومی مفتی نہیں، بلکہ نہایت مضبوط اور بڑے عالم ہیں، اور نہایت ہی بلند پایہ مفتی ہیں۔ایک واقعہ کا خاکہ سا ذہن میں آرہا ہے، وہ بھی لکھتا چلوں کہ آپؒ کی عادت تھی کہ تین بجے سہ پہر آپ گھر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرماتے تھے۔کبھی تاخیر بھی ہوجاتی، ایک روز کافی دیر ہوگئی اور آپ نہ آئے تو چچی محترمہ نے مجھے بھیجا کہ جاؤ، چاچو کو بُلا لاؤ، میں دارالافتاء گیا تو دیکھا کہ کسی کو مسئلہ سمجھا رہے ہیں، میں نے جا کر عرض کیا کہ گھر والے بلا رہے ہیں، فرمایا: ''اچھا ابھی چلتے ہیں۔'' پھر مجھے ایک طرف بیٹھنے کا فرمایا، میں بیٹھ گیا، دس پندرہ منٹ بعد فارغ ہوئے، ہم دارالافتاء سے نکل رہے تھے کہ دنیاوی وضع قطع کے ایک صاحب ملے اور مفتی صاحبؒ سے پوچھنے لگے کہ: مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب کون سے ہیں؟ اُن سے ملنا ہے، آپؒ نے پوچھا: ''کیا کام ہے؟'' کہنے لگے: مسئلہ پوچھنا ہے۔آپؒ نے فرمایا: ''دارالافتاء میں بہت سے مفتیان بیٹھے ہیں، کسی سے بھی پوچھ لیں۔'' وہ کہنے لگے کہ: نہیں! مسئلہ اُنہی سے پوچھنا ہے، آپ نے دوبارہ فرمایا کہ: ''مسئلہ ہی تو پوچھنا ہے، کسی اور سے پوچھ لیں۔'' لیکن انہوں نے کہا کہ: میں اسلام آباد سے یہاں آیا ہوں، کسی کام سے آیا ہوا تھا، ابھی پانچ بجے ائیر پورٹ پہنچنا ہے، اگر وہ ہیں تو بتادیں ورنہ میں بعد میں پوچھ لوں گا۔آپ نے جب یہ بات سنی تو فوراً اُن کو ساتھ لیا اور واپس اپنی نشست پر جابیٹھے اور اطمینان سے اُن کا مسئلہ سنا، تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا، اس میں پندرہ بیس منٹ مزید لگ گئے، میں اتنی دیر بیٹھا رہا، پھر گھر گئے اور کھانا تناول فرمایا۔اس سے جہاں آپ کی عاجزی، تواضع اور انکساری کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں عوام الناس کے آپ پر اعتماد کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپؒ کے درجات بلند فرمائے، ہمارے خاندان کو آپؒ کے نقش قدم پر چلائے اور آپؒ کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

☆......☆......☆......☆

محمد اسامہ مجاہد دین پوری☆

صدیوں تجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

حضرت چچا جان رحمہ اللہ کی شہادت کو دو ہفتے ہونے کو ہیں، دل اُداس ہے، قلب وجگر شکستہ، ارادے مضمحل، مسکراہٹیں بے رونق اور ہنسی بے جان ہے، بظاہر سب کچھ ٹھیک ہے، لوگ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، جی رہے ہیں، مگر پھر بھی ہر چیز افسردہ لگ رہی ہے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ سب لوگ اپنا غم چھپانا چاہتے ہیں، مگر بے جان مسکراہٹوں سے دل کا کرب کب چھپ سکتا ہے؟ دل اُداس ہے مگر شفقت سے حال پوچھنے والے کو ہم سے چھین لیا گیا، کلیجہ زخموں سے چور چور ہے مگر مرہم رکھنے والے کو ہم سے دُور کر دیا گیا۔ چار سُو اندھیرے ہی اندھیرے ہیں مگر ایک دنیا کو معطر کرنے والا پھول مسل دیا گیا۔ آہ! بادہ خوار، شکستہ دل بیٹھے ہیں، مگر......ساقی کو اُن سے جدا کر دیا گیا، دل کا موسم اُداس ہے، تو ہر چیز اُداس نظر آتی ہے ؎

کلیاں اُداس اُداس ہیں غنچے بجھے بجھے
یہ ہے اگر بہار تو کس کو خزاں کہیں

باغِ دل پہ خزاں کا راج ہے، ہر طرف سناٹوں کا بسیرا ہے اور میں ''ماضی'' کی حسین یادوں کی کرچیاں ''حال'' کے صفحات پر سجانے کی کوشش کر رہا ہوں، اس کام کی بلندی اور اپنی پستی کو دیکھ کر بھی منفعل ہوں، صاحبِ مضمون اتنی عظیم شخصیت ہے کہ ہمالیہ کی بلندی جس کی عظمت کے سامنے شرمندہ ہے اور لکھنے والا ایک طالب علم جسے علم وعمل سے کچھ مناسبت ہی نہیں......افتاء وتدریس کے بادشاہ کا تذکرہ وہ لکھنے بیٹھا ہے، جو صرف علم وفن سے ناواقف ہی نہیں، شاہراہِ تحریر کے نشیب وفراز سے انجان اور آدابِ تحریر سے نابلد بھی ہے۔ چچا جان شہید رحمہ اللہ کے تذکرہ نگاروں میں نام لکھوانے کی خاطر اسی ٹوٹی پھوٹی اور بے ربط تحریر کو پیشِ خدمت

☆ بھتیجا حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ......ابن مولانا عبدالکریم صاحب

کررہاہوں۔

حضرت چچاجان شہیدنوراللہ مرقدہ کی شخصیت مجموعہ محاسن بلکہ ایک ''حسین گلدستہ'' تھی، جس میں رنگہا رنگ کے خوبصورت پھول جمع کردیے گئے تھے، اُن کے پاس سب کچھ تھا۔ علم، عمل، اخلاص، نسبت، مردانگی، حق گوئی، فقاہت، نجابت، ذوق اور دلیری اوران تمام اوصاف میں آپ کا نمایاں اور بے مثال وصف ''علم'' تھا۔ جس کی جھلک آپ کے فتاویٰ، مجالس، بیانات، گفتگواورآپ کی تدریس غرضیکہ ہرجگہ نظرآتی تھی۔ آپ بیک وقت محدث، مفتی، مدرس، مصلح اور اپنے اکابر کے صحیح جانشین تھے۔ ایک عالَم آپ کی علمی وروحانی سخاوتوں سے بہرہ ورتھا۔ لیکن میری بدقسمتی کہ سوائے اُس ٹوٹی پھوٹی خدمت کے جواَب میری ''زندگی کا سہارا'' ہے، اور کچھ بھی اُن سے حاصل نہ کرسکا۔ اُن کے علوم وفیوض سے ایک عالم فیض یاب ہوالیکن میں اپنی نااہلی کی وجہ سے محروم رہا۔ ذیل میں حضرت چچاجان شہید رحمہ اللہ کے ''بعض اوصاف حسنہ'' کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ بندہ ابھی ابتدائی درجات کا طالب علم ہے، قلم کی جولانیوں سے ناواقف ہے، لہٰذا قارئین کرام تحریرکو ''فن تحریر'' کی روشنی میں دیکھنے کی بجائے ''محبت وعقیدت'' کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ اوراس میں تحریری چاشنی تلاش کرنے کی بجائے حضرت چچاجان شہید کے قابل تقلید اوصاف کوعمل میں لانے کی سعی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کوتوفیق رفیق فرمائے۔

ذوقِ عبادت:

اس بات سے ہر ذی فہم واقف ہے کہ انسان کی انسانیت کا سارا دارومدار عبادت وبندگی پر ہے، جوشخص جذبۂ عبادت سے خالی ہے وہ انسانیت سے عاری ہے اور جوشخص جذبہ عبادت سے جس قدر بھرپور ہے اس قدرانسانیت سے معمور ہے اور کمالات انسانی سے آراستہ ہے۔ اوریہی عبادت وبندگی انسان کی خلقت کا اصل مقصود ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " [الآیۃ] (اورنہیں پیدا کیا میں نے جنات اورانسانوں کو مگراس لیے کہ بندگی کریں) اصل عبادت وبندگی رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان تھی، اس لیے

انہیں (عبدہ ورسولہ) کے ممتاز خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔

جیسا کہ اللہ رب العزت اپنی شان ربوبیت اور معبودیت میں یکتا اور بے مثل ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ اپنی شان عبدیت وبندگی میں کامل اور بے مثال تھے، اسی کمال عبدیت نے کمال رسالت اور رسولوں کی سیادت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ پھر جو شخص بارگاہِ نبوی ﷺ سے جس قدر وابستہ ہوا اُسی قدر ذوقِ عبادت سے آراستہ ہوا، حضرت چچا جان شہید کے ذوقِ عبادت کو وہ لوگ خوب جانتے ہیں جو اُن کی خدمت میں صبح وشام رہتے تھے۔ آخر میں ایک ٹریفک حادثہ میں زخمی اور علیل ہوگئے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی شوق عبادت کی چنگاری ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ یہ اللہ والوں کی علامت ہے کہ مرتے دم تک فکر عبادت رہتی ہے۔ اور یہی عبادت کی حقیقت ہے کہ انسان کا دل ہر وقت یادِ الٰہی سے معمور رہے اور ہر وقت اوامر خداوندی کے امتثال اور بجا آوری کے لیے تیار رہے ؎

یک لحہ غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہی کند و آگاہ نباشی

آپ کے ہاں معمول تھا کہ جمعہ کے دن، جمعہ کی نماز کے بعد وسیع وعریض دسترخوان لگا کرتا تھا، جملہ احباب واعزہ آپ کی اس دعوت میں شرکت کرتے تھے، دسترخوان کے انتظار میں بیٹھے بھی آپ وقت ضائع نہیں فرماتے تھے، بلکہ قرآن پاک اٹھا کر تلاوت شروع فرمادیا کرتے تھے۔ کاؤنٹنگ تسبیح اکثر اوقات آپ کے ہاتھ سے بندھی رہتی، کام کے ساتھ ساتھ ذکر واذکار کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

تہجد کے لیے بیدار ہوتے، تہجد کے بعد قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اور جلد ہی مسجد تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تہجد کے وقت گھر والے دودھ گرم کرکے پیش کرتے، کبھی تاخیر ہو جاتی تو فرمایا کرتے تھے کہ: ''مجھے ٹھنڈا دودھ ہی دے دیا کرو!''

تواضع وانکساری:

انسان کی انسانیت اور برتری وسربلندی کا اصل راز تواضع وانکساری میں مضمر ہے،

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رفعت و سربلندی عطا فرماتے ہیں، یہی تواضع وانکساری اصلی شانِ عبدیت ہے، جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا وہ مجسمہ تواضع ہوگا اور کبر اور بڑائی سے بالکل مبرا ہوگا، جو عبدیت کے بالکل منافی اور متضاد ہے۔

حضرت چچا جان شہید بھی تواضع اور انکساری کا مجسمہ تھے، آپ کا در ہر عام وخاص کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا، جب بھی کسی نے فون کیا، شدید ترین مصروفیت کے باوجود فوراً سنتے اور نہایت خوش دلی سے جواب مرحمت فرمایا کرتے تھے۔

آپ کو قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ اس پاک شخصیت کا خمیر ''ادب'' اور ''تواضع'' سے گوندھا گیا ہے۔ آپ کمالات ومحاسن کے ایسے جامع تھے کہ آپ کی تواضع، سادگی، بذلہ سنجی اور ہنس مکھ طبیعت کے پردے ہٹا کر آپ تک کوئی پہنچ جاتا تو وہ اپنے سامنے ایک ''گہرا سمندر'' پاتا، سکون اور گہرائی کا عجیب مرقع۔ ہزاروں افراد کو 'عالم' بنانے کے باوجود اپنے آپ کو ان سب سے کمتر وحقیر سمجھنے والی اس ہستی کی کون کون سی صفات کا ذکر کروں؟

چند بے جان الفاظ میں افسوس جلیل
کہیں مضمون محبت کا ادا ہوتا ہے؟

آدابِ مسجد:

چچا جان شہید رحمہ اللہ آدابِ مسجد کا بھی خوب خوب خیال رکھتے تھے۔ بارہا آپ کے اس قابلِ تقلید ولائقِ رشک معمول کا مشاہدہ کیا گیا کہ جب بھی مسجد میں تشریف لے جاتے تو موبائل گھر ہی چھوڑ جایا کرتے تھے۔ حالانکہ اس قدر کثرت سے فون آتے کہ شاید ہی کوئی وقت ایسا ہو جس میں فون نہ آئے۔ لیکن آپ خالق سے لو لگانے کے دوران مخلوق سے تعلق وربط کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ روایات میں آتا ہے: ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے محوِ گفتگو ہوتے تھے، جیسے ہی اذان کی آواز کانوں میں پڑتی تو آپ یوں ہو جاتے جیسا کہ مجھے جانتے ہی نہیں ہیں۔'' گویا مخلوق سے ہٹ کر کامل توجہ خالق کی طرف ہو جاتی تھی۔ اسی سنت

پرعمل پیرا ہوتے ہوئے چچاجان شہید رحمہ اللہ کی کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ مسجد میں خالص خدائے وحدہ لاشریک کی طرف متوجہ رہیں ۔

ذکرِ باری سے تروتازہ رہی تیری زباں سنت نبوی کا مظہر تھی تری ہر اک ادا

اسی طرح جب گھٹنوں میں تکلیف ہوئی تو عصا کے سہارے چلتے تھے، لیکن جب بھی مسجد میں داخل ہوتے تو احترامِ مسجد میں اول تو عصا کو گھر ہی چھوڑ جاتے تھے، اگر مجبوراً لے جانا پڑتا تو مسجد کی حدود سے باہر تک استعمال فرماتے تھے، مسجد میں بالکل استعمال نہیں فرماتے تھے۔

سادگی:

بعض لوگ جو آپ سے غائبانہ تعارف رکھتے تھے، اُن کے ذہن میں یہ ہوتا تھا کہ حضرت بنوری ٹاؤن کے ''استاذ الحدیث'' اور ''صدر مفتی'' ہیں، بڑے اعلیٰ اور عمدہ لباس اور شاہانہ انداز میں رہتے ہوں گے، لیکن جب وہ دیکھتے کہ یہی شخصیت ایک سادہ سے لباس میں...... معصومانہ اور باوقار صورت میں...... شریفانہ لہجے میں...... پھول جیسا چہرہ لیے...... سیدھے سادے طرز میں آنے والے لوگوں سے محوِ گفتگو ہے تو حیران ہوئے بغیر نہ رہتے۔ آپؒ سفر کے لیے خصوصی سواری کے انتظام کا تکلف بھی نہ فرماتے، آسانی سے جو سواری بروقت میسر ہوتی اسی پر سفر فرمالیتے تھے۔ غرض ہر قسم کے تصنع، بناوٹ اور تکلفات سے کوسوں دور تھے ۔

تھے سراپا دلکشی اور پیکرِ اخلاق تھے
دھیمی دھیمی گفتگو تھی اور لہجہ رس بھرا

اکابر کا احترام:

''الدین کلہ ادب'' کا قاعدہ مسلم ہے، ہر سمجھدار جانتا ہے کہ دنیا وآخرت کی تمام کامیابیوں کا دارومدار ''ادب'' و ''احترام'' پر ہے، تاریخ عالم پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انہی شخصیات کو مقام ومرتبہ نصیب ہوا جنہوں نے اپنے والدین، اساتذہ، مشائخ اور اکابر کے احترام کو ہر مقام پر ملحوظ رکھا۔ حضرت چچاجان شہید رحمہ اللہ میں بھی اکابر کا ادب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جب کبھی اپنے مرشد کی خدمت میں ''دین پور شریف'' حاضری دینے جاتے تو احتراماً

عصا ساتھ نہ لے جاتے، چاہے جتنی ہی تکلیف ہو۔

حضرت اقدس میاں سراج احمد دین پوری مدظلہم العالی کی خدمت میں آپ حاضری دیتے تو وہ ضعف اور علالت کے باوجود آپ کو ملنے کے لیے اٹھنے یا سیدھے ہوکر بیٹھنے کی کوشش فرماتے، جب آپ نے یہ دیکھا تو حضرت میاں صاحب کی اس تکلیف کے خیال سے سامنے جانے سے گریز فرمانے لگے، تاکہ وہ سامنے سے آپ کو آتا دیکھ کر اٹھنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

اس بات سے اہل علم و تحقیق خوب واقف ہیں کہ علم و تحقیق کے سفر میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں جہاں ایک طالب علم کو دوسرے عالم سے، یا ایک عالم کو دوسرے عالم سے اختلاف کرنا پڑتا ہے، اور بعض اوقات اپنے بڑوں سے بھی اختلاف کرنا پڑتا ہے، اس سلسلے میں حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ نہ تو کسی کا ادب واحترام اُس سے اختلاف رائے کے اظہار میں مانع ہوا اور نہ کبھی اختلاف رائے نے ادب واحترام میں ادنیٰ رخنہ اندازی کی۔ بڑوں کے علاوہ جب کسی معاصر عالم سے مجتہد فیہ مسئلے میں کوئی اختلاف ہوتا تو آپ ادب واحترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے اور کوئی ایسا اقدام نہ فرماتے، جس سے اُس کے علمی مقام کو ٹھیس پہنچے یا عوام میں اس پر اعتماد مجروح ہو۔

شوق علم و ذوق مطالعہ:

علمی شوق اور عبادت کا ذوق آپ کے رگ و جاں میں پیوست تھا، زمانہ طالب علمی کی خوب محنت، جہد مسلسل اور بے پناہ علمی شوق نے ہی آپ کو اپنے ہی مادرِ علمی کی افتاء وحدیث کی بلندترین مسند پر لا بٹھایا تھا، زمانہ طالب علمی کے بعد بھی آپ کا علمی شوق برقرار رہا، بلکہ اُس میں اضافہ ہی ہوتا رہا، کتب بینی بھی مستقل فرماتے رہتے تھے، ابھی چند ماہ قبل جب آخری بار ہمارے گھر ''خان پور'' تشریف لائے تو اپنے مطالعہ کے ذوق کی تسکین کے لیے بندہ کے والد ماجد کی کتب پر نظر دوڑائی، اوپر اوپر مجلّہ ''صفدر'' کا ''شیخ الحدیث نمبر'' پڑا ہوا تھا، جو حال ہی میں حمزہ بھائی نے استاذ محترم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ [شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور] کی یاد میں شائع کیا ہے۔ چچا جان شہید رحمہ اللہ نے اٹھایا اور پڑھنا شروع کردیا۔ حتی

کہ آپ کی روانگی کا وقت آ گیا، سفر کی تیاری، مہمانوں کی آمد، ملاقات سب کے باوجود مطالعہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ تین سو (۳۰۰) صفحات کا ''خاص نمبر'' مکمل ہوا، اُدھر آپ روانہ ہو گئے۔ اس سے جہاں آپ کے شوقِ مطالعہ کا علم ہوتا ہے وہیں اکابر اہل السنۃ والجماعۃ سے آپ کی بے پناہ محبت وعقیدت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

رسوخ واستحضارِ علم......اور......ذہانت وفطانت:

علم تو آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ فطری ذکاوت بھی غضب کی تھی۔ علوم متداولہ میں جس علم سے حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کو سب سے زیادہ شغف رہا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے دین کی عظیم الشان خدمت لی، وہ ''علم فقہ'' ہے۔ چنانچہ آپ کی یہی حیثیت دنیا میں زیادہ مشہور ہوئی اور ''مفتی'' آپ کے نام کا حصہ بن کر زبانِ زدِ عام ہو گیا۔ ویسے تو آپ کو تمام علوم وفنون اسلامی میں وسعت نظر حاصل تھی لیکن ممتاز ذکاوت اور ذہانت نے آپ کو فقہ کا شیدائی بنا دیا تھا، جزئیات کے ساتھ کلیات پر پوری دسترس تھی اور اصول فقہ آپ کا مزاج علمی بن چکے تھے، سوال نامہ پر نظر پڑتے ہی مسئلہ سمجھ جاتے، جواب پڑھتے اور فوری اصلاح دیتے جاتے۔ فقہی جزئیات کا استحضار بھی کمال کا تھا، ایک ہی مسئلہ کے کئی کئی نظائر وشواہد بیان فرما دیتے تھے۔ ہر قسم کے مسائل حتیٰ کی میراث تک کے مسائل چٹکی بجانے میں حل فرما دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد بتاتے ہیں کہ کبھی ہم نے آپؒ کو کسی مسئلہ میں تردد کا شکار ہوتا نہیں دیکھا اور نہ ہی ایسا ہوا کہ بعد میں غور وفکر کے بعد سابقہ رائے سے رجوع کی نوبت آئی ہو۔

جس کے گفتارِ فقاہت کا عجب اعجاز تھا
جس کے پاکیزہ عمل پر دین کو خود ناز تھا

یہی وجہ ہے کہ ملک عزیز پاکستان کے مدارس کے سرخیل ''جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی'' جیسے عالمی اور عظیم الشان ادارہ کے حضرات آپؒ کو باصرار لے گئے، اور پھر آپ وہاں کے ''صدر مفتی''، ''نائب رئیس دار الافتاء'' قرار پائے۔ ہدایہ اور ترمذی شریف جیسے اہم اور دقیق اسباق آپ کے زیر تدریس رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ''جامعہ درویشیہ'' کے شیخ الحدیث

کے منصب پر بھی فائز رہے۔

تقویٰ:

گزشتہ سطور سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کی شخصیت بنیادی طور پر ایک ''علمی شخصیت'' تھی، آپ کی ساری عمر درس وتدریس اور افتاء جیسے کاموں میں بسر ہوئی...... کتب بینی کے شوق اور ذوقِ مطالعہ کا بھی پیچھے مختصر تذکرہ آچکا ہے، استقامت اور پابندی کے ساتھ مطالعہ کرنے کی نظیریں اس دور میں بہت کم ملیں گی۔ لیکن اس زبردست علمی انہماک کے باوجود یہ حقیقت ہر آن آپ کے ذہن میں مستحضر رہتی تھی کہ یہ کتابی علم، اس میں پختگی، رُسوخ، استحضار اور وسعت مطالعہ محض خول ہی خول ہے، اور جب تک اس میں عمل اور خشیت اللہ کی روح پیدا نہ ہو اس وقت تک انسان خواہ کتنا ہی بڑا عالم، مفتی اور محقق بن جائے، اس کی ساری علمی تحقیقات بے وزن اور بے جان رہتی ہیں۔ اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بے کار ہے۔

کہنے کو تو یہ بات سبھی کہتے ہیں کہ: ''عمل کے بغیر علم بے کار ہے'' لیکن ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جن کی زندگی میں یہ بات پیوست ہو چکی ہو۔ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کی ادا ادا میں یہ حقیقت جلوہ گر نظر آتی تھی، علم وتحقیق کے کام سے اس درجہ وابستگی کے باوجود آپ کو اس علم وتحقیق سے نفرت تھی جو انانیت اور خود بینی پیدا کرے۔

سنن کی پابندی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ''[الآیۃ] (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت سے) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا۔)

گویا اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ''اتباع سنت'' ہے۔ جو جس قدر اتباع سنت کا اہتمام کرے گا وہ اسی قدر اللہ کے ہاں محبوب ومقرب ہو جائے گا۔ حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ کی زندگی بھی ''اتباع سنت'' سے بھرپور تھی۔ کھانے، پینے، سونے اور مسجد میں داخل ہونے سے

لیکر نماز پڑھنے حتی کہ معاملات تک میں آپ ''اتباعِ سنت'' کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

بندہ کے والد ماجد فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت چچاجان شہید رحمہ اللہ ہمارے گھر تشریف لائے، آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح غسل فرما کر کپڑے تبدیل کرتے تھے، اُس روز غسل کے لیے جانے سے قبل قضائے حاجت کے لیے گئے تو بیت الخلاء کے دروازے کے پاس پہنچتے ہی الٹے پاؤں واپس لوٹے...... اور فرمایا: ''اوہو!'' والد صاحب نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو فرمایا: ''بے خیالی میں ننگے سرہی جارہا تھا۔'' پھر سر پر تولیہ رکھ کر گئے۔

حضرت چچاجان شہید رحمہ اللہ اس سال حرمین کے سفر سے واپسی پر جب ہمارے گھر ''خان پور'' تشریف لائے تو رات کو عشاء سے قبل فرمایا: ''تھکاوٹ بہت ہے، میں فقط فرض وسنن کے بعد کچھ دیر آرام کروں گا، بستر لگادو!'' مَیں نے اُن کی تھکاوٹ کے خیال سے عشاء کے فرائض میں تلاوت مختصر کی، یعنی قصار مفصل میں سے پڑھا، تو بعد میں مجھے فرمایا کہ: ''بھئی! پڑھنے کی رفتار کچھ بڑھالیا کرو، لیکن وہی سورتیں پڑھا کرو جو مسنون ہیں۔''

اُس رات آپ نے بستر تیار کروالیا تھا، لیکن فرائض وسنن کے بعد گھر تشریف نہیں لے گئے بلکہ وہیں رُک گئے اور مکمل تراویح پڑھ کر پھر گھر تشریف لے گئے۔ دورانِ تراویح مجھ سے ایک جگہ حرکت کی غلطی ہوگئی، آپ حالانکہ حافظ نہیں تھے لیکن آپ نے شدید تھکاوٹ کے باجود کمال توجہ سے اسے نوٹ فرمالیا۔ رات کو جب ہم آپ کا بدن دابنے لگے تو مجھے فرمایا: ''لگتا ہے کہ فلاں مقام پر تم نے حرکت کی غلطی کی ہے، کیا ایسا ہوا ہے؟'' میں نے کچھ سوچنے کے بعد عرض کیا: جی! پھر پوچھا کہ: ''اب اس کا کیا کروگے؟'' میں نے عرض کیا: کل ان شاء اللہ اس مقام کو دوبارہ پڑھوں گا، فرمایا: ''ہاں ٹھیک ہے، کل اسے دوہرالینا۔''

اسی مجلس میں یہ بھی فرمایا: ''آج میرا ارادہ تھا کہ ابھی لیٹ جاؤں، ذرا تھکاوٹ اتر جائے تو پھر اطمینان سے تراویح پڑھوں، اسی لیے بستر لگانے کا بھی کہہ دیا، لیکن تم نے جب شیخ محمد علی مدنی صاحب کے لہجے میں قرآن پاک پڑھا، تو میرا جی نہ چاہا کہ میں جا کر سوجاؤں۔ لہٰذا تمہارے پیچھے تراویح پڑھی۔''

اسی طرح ہماری مسجد کے امام صاحب کو آپ نے دیکھا کہ وہ درمیان درمیان سے پڑھتے تھے اور رفتار بہت ہی کم رکھتے تھے، یعنی مشق کے انداز میں پڑھتے تھے، تو والد ماجد سے فرمایا: ''امام صاحب سے عرض کریں کہ مسنون سورتیں پڑھا کریں، اُن کا ثواب زیادہ ہے، اور رفتار کچھ بڑھالیں، یعنی حدر میں پڑھا کریں''۔

پیشِ نظر وہ رکھتا تھا سیرت رسول کی
ہر ہر عمل میں اس کے تھی سنت رسول کی

غلطیوں پر ٹوکنے کا انداز:

''امر بالمعروف'' کی طرح ''نہی عن المنکر'' بھی اہم شرعی فریضہ ہے، لیکن اس فریضے کی ادائیگی بڑی حکمت اور للّٰہیت چاہتی ہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو، اس نازک فریضے کی ادائیگی میں اعتدال وتوازن کی حدود پر قائم رہنا شکل ہو جاتا ہے۔

حضرت چچا جان شہید رحمہ اللہ موقع محل کی مناسبت سے مخاطب کا لحاظ رکھتے ہوئے تنبیہ فرماتے تھے۔ جس کے بارے میں سمجھتے کہ یہ نرمی، شفقت اور پیار سے سمجھے گا تو اسے بے حد مشفقانہ لہجے میں اس کی غلطی سے آگاہ فرمادیتے۔ اور درستگی کی تلقین کرتے۔ اور اگر کبر ونخوت اور مال ودولت کے نشہ میں چور کوئی دنیادار اپنی بڑائی جتانے لگتا تو اس کے وہ لتے لیتے کہ آئندہ کے لیے وہ ایسی حرکت بالخصوص علماء کے سامنے بدتمیزی وبدتہذیبی سے باز آجاتا تھا۔ اس سے آپ کی ''خودداری'' اور ''استغناء'' کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

امیروں سے یہ بے پرواہ شہنشاہوں سے مستغنی
فقیروں سے مروّتِ انکساری دیکھتے جاؤ

آپ کے ایک شاگرد نے بتایا کہ ایک مرتبہ بنوری ٹاؤن کے ایک بڑے استاذ الحدیث کے پاس نامعلوم خط آیا، جس میں دھمکی دی گئی تھی کہ: ''ہم تمہارے بڑے مفتی کو قتل کریں گے۔'' اُن استاذ صاحب نے مسکراتے ہوئے وہ خط حضرت شہیدؒ کو دیا اور مزاحا فرمایا: ''لو جی! آپ کا بُلاوا تو آگیا ہے۔'' لیکن اس سب کے باوجود

ڈرایا دار سے تو وہ ہنسا خوب
تھی اس کے دل میں ایسی جاں نثاری
وہ دشمن سے بھی ملتا مسکرا کر
ملی حق سے اُسے وہ بُردباری

پھر جب پرودگار کی طرف سے بُلاوا آگیا تو ہنسی خوشی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر ثابت قدم رکھے، اور ہم سب کو باہمی اتفاق واتحاد سے چچا جان کے مشن کو زندہ وتابندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سکونِ زیست کی دولت لُٹا کے بیٹھ گئے
ہم ایک گوہرِ یکتا گنوا کے بیٹھ گئے
قریب کر کے محبت سے ایک دُنیا کو
عجیب بات ہے خود دُور جا کے بیٹھ گئے
ہمارا جی نہیں لگتا یہاں آپ کے بغیر
اور آپ ہو کہ کہیں دل لگا کے بیٹھ گئے
رواں رہے گا یونہی قافلۂ دین پوری
عدُو نہ سمجھیں کہ ہم چوٹ کھا کے بیٹھ گئے

(شائع شدہ: ماہنامہ بینات)

شعیب احمد دین پوری☆

ہمارے ماموں جی!

ماموں جی مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں ہم نے بڑوں سے سنا ہے کہ وہ جب دورہ حدیث کر چکے تو ان کو فوج میں بڑی اعلیٰ اور شاندار ملازمت مل گئی تھی، انٹرویو بھی ہوگیا تھا، تاریخ بھی آگئی تھی اور مکمل منظوری کے بعد آرڈر بھی جاری ہو چکے تھے، لیکن نانا جی نے اُن کو روکا اور دین کا کام کرنے کا فرمایا تو ماموں جی نے بلاتأمل سب کچھ چھوڑ دیا، یہی اخلاص کی نشانی ہے، اسی تابعداری نے آپ کو اوج ثریا تک پہنچادیا۔

ماموں جی رحمہ اللہ کا ایک خاص وصف اصاغر نوازی اور چھوٹوں پر شفقت ومحبت تھا۔ بالخصوص تعلیمی سرگرمیوں پر بہت خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی کی خاطر انعام بھی دیا کرتے تھے۔ ہوا یوں کہ پچھلے سال بڑی عید کے قریب ماموں جی حسب معمول خان پور تشریف لائے اور ہمارے گھر بھی آئے، ہم سب بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے سب بچوں کو باری باری بلایا اور خرچی دی، مَیں دیکھتا رہا، سب کو دے چکے، مَیں رہ گیا، میں نے حیرت سے اپنی امی کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے خاموش بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا، پھر ماموں نے مجھے بلایا تعلیم کا پوچھا، متوسطہ کے وفاق کے سالانہ امتحان کا نتیجہ پوچھا، میں نے بتایا کہ الحمدللہ ممتاز آیا ہوں۔ تو اس پر آپؒ نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا اور مجھے ایک ہزار (۱۰۰۰) روپیہ دیتے ہوئے فرمایا: ''یہ تمہاری خرچی بھی ہے اور انعام بھی۔'' پھر فرمایا: ''تم میرے ساتھ کراچی چلو، تمہیں وہاں داخل کراتا ہوں، وہیں پڑھو!'' میں نے عرض کیا: میں تو دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور میں ہی پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔''

ماموں جی میں سادگی بھی کمال کی تھی، ایک مرتبہ ہمارے گھر اچانک تشریف لائے تو

☆ بھانجا حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

چارپائی پڑی ہوئی تھی، جس پر کچھ بھی نہیں بچھا ہوا تھا، اسی پر بیٹھ گئے۔ پھر ہم جائے نماز لائے اور اصرار کیا تو جائے نماز بچھانے دی۔

ماموں کے ہاں جمعہ کو سب کی دعوت ہوتی تھی، دسترخوان لگتا تھا، جس پر جملہ اہل خاندان شریک ہوتے تھے۔ آپؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب تک آخری آدمی بھی نہ آجاتا، آپ کھانا شروع نہیں فرماتے تھے، بلکہ اتنی دیر انتظار کرتے اور تسبیح کرتے رہتے تھے۔

ہمارے ایک عزیز رشتہ دار مدرسہ میں پڑھتے ہیں، ماموں جی اُن کے پاس بھی پابندی سے خرچی بھیجتے تھے، کسی کو پتہ تک نہیں چلا، اُن بھائی کے والد صاحب جب بھی اُن سے خرچے کے بارے میں پوچھتے تو وہ فرماتے کہ: خرچہ موجود ہے۔ یہ راز انہوں نے ماموں کی وفات کے بعد کھولا کہ ماموں بھیجتے تھے۔

کافی عرصہ قبل ہماری ہمشیرہ محترمہ بیمار ہوئیں، اُس وقت ہمارے والد صاحب سعودی عرب میں تھے اور ماموں جی سکھر میں پڑھاتے تھے، ماموں جی کو علم ہوا تو ہماری والدہ کو وہیں سکھر میں اپنے ہاں لے گئے، ہمشیرہ صاحبہ کا علاج کرایا، خود ڈاکٹر کے پاس لے جاتے تھے اور یہ شفقت صرف ہم پر نہیں بلکہ تمام اہل خاندان کا اسی طرح خیال رکھتے تھے۔

سنا ہے کہ بعض اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ خبر دے دیتے ہیں کہ اب آپ کا آخری وقت قریب ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سورہ نصر میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا گیا تھا۔ ماموں جی کو غالباً خبر ہو چکی تھی، چنانچہ آپ جب آخری مرتبہ خان پور تشریف لائے تو آپ کی گفتگو، تأثرات اور الوداعی ملاقات کے انداز نے اکثر لوگوں کو حیران کر دیا تھا، یہ حقیقت بعد میں کھلی کہ آپ سب سے الوداعی ملاقات کر رہے تھے۔ چنانچہ جب ہمارے گھر سے نکلنے لگے تو ہماری والدہ محترمہ کو سرائیکی میں فرمایا، جس کا مفہوم یہ کہ: ''اچھا! اب میں چلتا ہوں۔'' حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہیں فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ماموں جی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆......☆......☆......☆

مجلّہ صفدر میں شائع شدہ اہم مضامین اور خصوصی اشاعتیں

''گوشۂ خاص'' بیاد: ترجمان اہل سنت مولانا قاری خبیب احمد عمرؒ......

مجلّہ صفدر ۱۸/۱۷...... قیمت:30

''گوشۂ خاص'' بیاد: شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ...... مجلّہ صفدر ۱۳/۱۲...... قیمت:30

''گوشۂ خاص'' بیاد: مولانا سید صفی اللہ شاہؒ، (المعروف سید عبدالکریم شاہؒ) نہڑ والی بہاولپور......

مجلّہ صفدر ۱۹...... قیمت:20

اشاعت خاص: نظریہ پاکستان اور ایاز امیر......مولانا عبدالحق خان بشیر......

مجلّہ صفدر ۴...... قیمت:20

توہین رسالت اور عمار خان ناصر......مولانا مفتی عبدالواحد......مجلّہ صفدر ۶...... قیمت:20

مسجد اقصیٰ اور عمار خان کی یہود نوازی......مولانا مفتی عبدالواحد......

مجلّہ صفدر ۲۷/۲۶...... قیمت:40

امام اہل سنت کا مسلک اعتدال اور عمار خان ناصر......مولانا عبدالحق خان بشیر......

مجلّہ صفدر ۴...... قیمت 20

دیوبندی بریلوی اختلاف اور حضرت امام اہل سنتؒ......حمزہ احسانی......

مجلّہ صفدر ۳۱/۳۰...... قیمت 40

امام اہل سنتؒ......اور......فتنہ علوی مالکی (معہ اعتراضات کے جوابات)......

مجلّہ صفدر ۴...... قیمت 20

مولانا مفتی زاہد کے مؤقف پر ایک نظر معہ اک تجاہل زاہدانہ (مسئلہ تکفیر شیعہ)......

مجلّہ صفدر ۳۳/۳۰...... قیمت:50

مسئلہ وحدۃ الوجود اور آل غیر مقلدیت، مولانا مفتی رب نواز......

مجلّہ صفدر ۶ تا ۱۵ (آٹھ شمارے)...... قیمت:160

کیا دیوبند کی اراضی انگریز کی عطا کردہ تھی؟ معہ غلط فہمی کا ازالہ یا (مفتی سعید خان کی تحریرات کا جائزہ) مجلّہ صفدر ۲۱/۱۴

رابطہ: مولانا احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

0333-8765602

......باب نمبر ۵......

مضامین ومقالات

حضرت مفتی صاحب کی کسر نفسی اور عاجزی ایسی تھی کہ جس سے قلب وذہن خود صاف ہوتے تھے اور دل دماغ دھلتے تھے۔ حضرت اپنے آپ کو عاجز کہتے نہیں تھے مگر سمجھتے ضرور تھے، وہ صرف ظاہر کے سادہ اور عاجز نہیں تھے بلکہ سادگی اور عاجزی ان کے دل ودماغ میں رچی بسی تھی۔ یہ دوایسی نمایاں صفات تھیں جن کا ظہور آپ کے اقوال وافعال، نشست وبرخاست اور رہن سہن سمیت زندگی کے ہر گوشے میں ہوتا تھا اور جو بھی تھوڑی دیر کے لیے آپ کی ہم نشینی اختیار کر لیتا یا دوچار جملوں کی حد تک آپ سے ہم کلام ہوجاتا، اس پر آپ کی یہ صفات منکشف ہوجایا کرتی تھیں۔ اکابر کے عام مزاج کے مطابق طلباء پر تو شفقت غایت درجے کی تھی اور فرماتے تھے کہ: ''ہمارے پاس مہمان آئے ہیں۔''

اپنے خادموں کے ساتھ مخدوموں جیسا سلوک، تلامذہ کے ساتھ اپنے ہم رتبہ وہم مقام جیسا رویہ، اپنی کوئی امتیازی شان قائم نہ کرنا، سب کچھ ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور برملا اپنی عاجزی کا اعتراف، کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا تو جواب دے دیا، ورنہ غور وفکر کے لیے وقت لے لیا، بعض اوقات کہہ دیا کہ ''مراجعت کرنی ہوگی''، کبھی کہہ دیا کہ: ''اس پہلو سے تو سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔'' حد تو یہ تھی کہ بھری مجلس میں عقیدت مندوں کی موجودگی میں اصاغر سے پوچھنا کہ: ''ہاں بھائی! کیا رائے ہے؟'' یا کم از کم ان کی طرف استصواب کی نظروں سے دیکھنا، یہ سب امور ایسے تھے کہ دوسروں کے لیے خاموش مگر مؤثر پیغام رکھتے تھے اور خود ان کے حق میں یہ باتیں جان بوجھ کر اپنے آپ کو گرانے کے مترادف تھیں، مگر اس لائن کے اصول ہی نرالے ہیں جو جھکتا ہے وہی اُبھرتا ہے اور جو مٹتا ہے وہی چمکتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی مدظلہم ☆

فتویٰ کی اہمیت......اور......مفتی صاحب کا مقام

اسلام میں فتویٰ کی اہمیت:

فتویٰ بڑے شرف کی بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں سب سے پہلے مفتی تھے، قرآن میں یہ منصب ومقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، چنانچہ قرآن میں آیت شریفہ میں ارشاد ہے: ''یستفتونک''، یہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں فتویٰ اور مفتی کا سب سے بلند مقام ہے، قرآن عربی زبان میں اترا ہے اور اس کے اولین مخاطب صحابہؓ ہیں، ان میں سے ہر صحابی اس کا مخاطب ہے وہ اسے سمجھتا ہے، لیکن ہر صحابی مفتی نہیں، اگر وہ مفتی ہوتا تو قرآن اس کی نسبت ''یستفتونک'' کیوں کہتا؟ وہ ہر مسئلہ کو نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہر صحابی اپنے آپ کو فتویٰ کا اہل سمجھتا تھا، ورنہ وہ کیونکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے۔

دورِ نبوی میں فتویٰ کے لئے ایک مخصوص جماعت مامور تھی، یہ ''أولی النھٰی'' کہلاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی لوگوں کو اپنے سے قریب تر رکھا کرتے تھے، یہی حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے، جن میں خلفاء اربعہ سب سے ممتاز تھے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ مسائل وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت مسجد میں قیام فرما نہیں رہتے تھے، خلوت میں جاتے، کام کے لئے بازار میں جاتے، عیادت وملاقات کے لئے بھی نکلتے تھے اور ان میں سے زیادہ تر دو (حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ) ان کے ساتھ رہتے تھے، صحابہؓ کو جب کوئی مسئلہ پیش آتا، آکر پوچھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی فقہی تربیت کی تھی،

☆ فاضل دیوبند، تلمیذ شیخ مدنیؒ......مشرف: شعبہ تخصص فی الحدیث، جامعہ بنوری ٹاؤن

وہ فتویٰ دیتے تھے، یہ فقہاء ومفتی تھے جو ان کی غَیبَت میں یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کو یہ اختیار دیا تھا، ان کی تعداد زیادہ نہ تھی، ان کی نشاندہی ابواسحاق شیرازیؒ (متوفی ۴۷۶ھ) نے ''طبقات الفقہاء'' میں نام بہ نام کی ہے، ان کی تعداد بھی زیادہ نہیں، اس میں فقہاء صحابہؓ کا بھی تذکرہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نصوص، محدود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کی تعداد بھی محدود ہے، اس لئے ۲۳ سالہ رسالت کی زندگی میں دین کی تکمیل ہوئی، نوازل وحوادث ہمیشہ رونما ہوتے رہتے ہیں انہیں کیونکر حل کیا جاسکتا ہے؟ یہ کام امت کے مجتہد آج تک سرانجام دیتے رہے، قیامت تک انجام دیتے اور مسائل حل کرتے رہیں گے، لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں کہ ہر ایک اسے انجام دے سکے، ہر کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ علاّمہ جاحظ (ولادت حدود سنہ ۱۶۰۔ متوفی ۲۵۵ھ) فرماتے ہیں:

"قد تجد الرجل يطلب الآثار وتاويل القرآن ويجالس الفقهاء خمسين عاما ، وهو لايعد فقيها ،ولايجعل قاضيا ،فما هو الا ان ينظر في كتب ابي حنيفة ،وأشباه ابي حنيفة ،يحفظ كتاب الشروط في مقدار سنة أو سنتين، حتي تمر ببابه فتظن انه في بعض العمال ،وبالحرمن الا يمر عليه في الايام الا اليسر ،حتي يصير حاكما علي مصر من الأمصار أو بلد من البلدان".

" کبھی آپ ایسا شخص بھی دیکھیں گے جو احادیث اور قرآن کی تفاسیر کی جستجو کرتا رہتا ہے، اور پچاس سال سے فقہاء کے ساتھ بیٹھ کر مستفید ہوتا رہا، لیکن اسے پھر بھی فقیہ شمار نہیں کیا جاتا اور نہ ہی قاضی بنایا جاتا ہے، (کتب کی افادیت واہمیت یہ ہے کہ) طالب علم امام ابوحنیفہ یا ان کی طرح بڑے بڑے فقہاء کی کتابیں دیکھے، کتاب الشروط ایک دو سال میں یاد کرے، یہانتک کہ جب اس کے پاس جائیں تو آپ اسے گورنر یا سرکاری عہدہ دار خیال کریں، تو کچھ عرصہ میں یہ اس قابل ہوجائے گا کہ کسی شہر کا حاکم وامیر بنے۔"

(حیات الحیوان: ۱/۸۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اتنی محنتوں کے بعد تیار ہونے والے ان مفتیان کرام اور برگزیدہ شخصیات کو اس

خدمت سے روکنا اور انہیں قتل کرنا، اس قلمرو میں جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، یہ پاکستان اور اسلامی معاشرہ کو بدنام کرنا ہے، یہ زندگی چند روزہ ہے، اللہ تعالیٰ کو بھی منہ دکھانا ہے، یہ اللہ کا دین ہے، آج تک اللہ تعالیٰ اس خدمت کے لئے اپنے بندے تیار کرتا رہا ہے اور تا قیامت کرتا رہے گا۔ انہی میں سے ایک دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سربراہ، علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے نامور شاگرد اور مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ بھی تھے۔

مفتی عبدالمجید رحمہ اللہ کا مقام:

مفتی عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ ۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو خان پور میں پیدا ہوئے، مختلف جگہ تعلیم حاصل کرنے اور پڑھانے کے بعد جامعہ میں آئے، ان سے میرے تعلقات اتنے ہی رہے کہ وہ فتویٰ کے سربراہ رہے اور میں شعبہ تخصص علم الحدیث پر مامور رہا، وہ بھی تعلیمی کمیٹی اور مجلس شوریٰ کے رکن تھے، میں بھی تھا، وہاں ان کے جوہر کھلتے تھے، وہ خوب بولتے تھے اور مسائل کا حل بھی پیش کرتے تھے، بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ذاکر وشاکر تھے، اپنے اسلاف کا نمونہ تھے، ہمہ وقت اپنے آپ کو تعلیمی خدمات اور پڑھنے پڑھانے میں لگائے رکھتے تھے، ہنس مکھ، ملنسار تھے، بی اے کیا تھا، حساب میں طاق تھے، سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اخلاص کی دولت سے آراستہ تھے، ان کے شاگردوں نے ان کے جملہ پہلوؤں پر خوب لکھا ہے، ان کے ہر گوشہ زندگی پر اچھی طرح روشنی ڈالی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء وطلبہ میں بہت زیادہ عزیز تھے، سچ ہے: ''**شهرة العالم بمصنفاته وتلامذته**'' (عالم کی شہرت اس کی تصنیفات اور اس کے شاگردوں سے ہوتی ہے)۔ بقول ان کے شاگرد مفتی شعیب عالم کے ان کے تصحیح شدہ فتاویٰ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہے، اسی طرح شاگردوں کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں میں ہے، جو ان کے لئے دعا گو ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے فیض علمی کی وجہ سے زندہ ہیں، یہ ان کی علمی حیات جاودانی کا شاہدِ عدل ہے، ان کا فیض علمی پاکستان ہی میں محدود نہیں، بلکہ بنگلہ دیش، ایشیا، افریقہ، یورپ وامریکہ سب ہی جگہ جاری وساری ہے، یہ خدمات ایسی ہیں جن کا سلسلہ

تا قیامت جاری وساری رہے گا۔

ان کا پورا خانوادہ دیندار، علماء وصوفیہ کا خانوادہ ہے، قرآن وحدیث وفقہ کا سبق اور مفتیان کرام کی تربیت ان کا طرۂ امتیاز ہے، مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے خاندان کے پہلے اور مقبرۂ دین پور کے دوسرے شہید ہیں جو کراچی میں ۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ کو جام شہادت نوش کر گئے، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو ان کا سچا جانشین بنائے۔ آمین

جامعۃ العلوم الاسلامیہ ہمیشہ سے شہادتیں پیش کرتا رہا ہے، پاکستان کے دار العلوموں میں یہ سعادت اسے سب سے زیادہ حاصل رہی ہے، اب تو یہ ہے کہ ؎

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہید ناز کی تربت کہاں ہے؟!

مفتی صاحب تنہا شہید نہیں ہوئے، بلکہ اپنے شاگرد رشید مفتی صالح محمد کو بھی ساتھ لے گئے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رحمت کی بارش ان دونوں بزرگوں پر برساتا رہے، ان حضرات کا کوئی جرم نہیں تھا بجز دین کی خدمت اور لوگوں کے مسائل کا حل کرنے اور بے گناہ ہونے کے، بقول مرزا مظہر جان جاناں: ؎

بلوح تربت ما یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

شیخ الحدیث مولانا انوار الحق مدظلہم ☆

ایک جامع علمی شخصیت کی شہادت

اِنَاللّٰہِ وَاِنَا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ .ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شئی عندہ باجل مسمی.

علماء کرام نبی کریم ﷺ کے وارث ہیں اور نبی کریم ﷺ نے اپنی وراثت میں دین کی ترجمانی، دین پاک کی نشر واشاعت اور دین متین کی سربلندی کیلئے انتھک قربانی کرنے والوں کو چھوڑا ہے اور بحمد اللہ حضرات علماء کرام نے اس وراثت نبوی ﷺ کی روز اول سے آج تک احسن طریقے سے پاس داری کی ہے اور دین متین کی سربلندی اس کی بقاء، صحیح اور حقیقی ترجمانی کیلئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا، یہاں تک کہ اس پر اپنی جانیں تک قربان کردیں۔ دین اسلام کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والے قابل رشک کارواں میں اخلاص، للّٰہیت، تواضع، عجز وانکساری کے پیکر، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث اور مفتی حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ بھی شامل ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ دنیا دار العمل اور فانی ہے، ہر کسی کو یہاں سے رخصت ہونا ہے، اگر کوئی ہمیشہ زندہ رہتا تو اس کا سب سے زیادہ مستحق حضور اکرم ﷺ ہوتے، جبکہ وہ بھی اس دنیا سے پردہ فرما گئے، بقول شاعر:

لو کانت الدنیا تدوم لواحد　　　　لکان رسول اللہ فیھا مخلداً

گزشتہ کئی سالوں سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن پر کئی بار مجرمانہ اور وحشیانہ حملے ہوچکے ہیں، جن میں جامعہ کے تقریباً پندرہ اساتذہ کرام اسلام کی سربلندی اور دین حق کی صحیح ترجمانی کیلئے جام شہادت نوش کرچکے ہیں۔ جن میں جامعہ کے مہتمم اور محدث العصر علامہ بنوریؒ کے جانشین مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، جامعہ کے استاذ مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، پیر طریقت، عارف باللہ، استاذ الحدیث، ماہنامہ بینات کے مدیر اعلیٰ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، مجاہد اعظم، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، اسی طرح مولانا مفتی محمد

☆ نائب صدر: وفاق المدارس، نائب مدیر: دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

جمیل خان شہید، مولانا مفتی سعید احمد جلال پوریؒ وغیرہ شامل ہیں اور ابھی جامعہ کے مایہ ناز مفتی و استاذ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید دین پوری اور ان کے نائب مفتی و رفیق دارالافتاء حضرت مولانا مفتی صالح محمدؒ دہشت گردی کا شکار ہو کر جامعہ کے شہداء کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوریہ ٹاؤن کا شمار اسلامی دنیا کے چند بڑے علمی مراکز میں ہوتا ہے، اس ادارے کی بنیاد اخلاص اور للّٰہیت پر رکھی گئی ہے۔ حضرت العلامہ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری اور ان کے یار غار و رفیق خاص حضرت العلامہ مولانا لطف اللہ پشاوری (جہانگیروی جو قاضی حسین احمد صاحب سابق امیر جماعت اسلامی کے ماموں ہیں) نے انتہائی اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ رکھی، دنیا کا یہ انوکھا ادارہ ہے، جس کی بنیاد درجات علیاء سے رکھی گئی تھی۔

عام طور پر مدارس ابتدائی کتابوں کی تعلیم سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ مگر شاید یہ دنیا کا واحد علمی ادارہ ہے، جس کا آغاز تخصص سے ہوا اور آغاز میں دو اساتذہ تھے اور یہ دونوں اساتذہ بلند دینی وجاہت اور غیر معمولی علمی مقام کے باوجود طلباء کے ساتھ رہتے تھے اور اسی سے ترقی کرتا ہوا یہ ادارہ آج پاکستان کے قابل اعتماد دینی مراکز میں شمار ہوتا ہے، گویا بنیاد ہی سے اس ادارے نے دین اسلام کی سربلندی کیلئے قربانیاں دی ہیں، حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی شہادت بھی اس ادارے کی قربانیوں کی ایک کڑی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ملاقات، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت امتحانی پرچوں کی مارکنگ کے عمل میں ہوتی تھی۔ وہ انتہائی متواضع، منکسر المزاج، درویشانہ عاجز طبع انسان تھے۔ اکابر علماء کرام کا انتہائی ادب اور احترام کرتے تھے، اجلاس میں کبھی جارحانہ انداز گفتگو استعمال نہیں کیا اور کبھی اختلاف رائے رکھتے تو اپنی رائے کو انتہائی مؤدبانہ انداز میں پیش فرماتے اور کبھی اپنی رائے کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ عموماً امتحانی کمیٹی اور ممتحنین اعلیٰ کے مشترکہ اجلاسوں میں آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کرام کی تربیت کیلئے شب و روز کوشاں رہتے، بلاشبہ آپ کی شہادت نہ صرف جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کیلئے صدمہ ہے، بلکہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ منسلک تقریباً ۱۷ ہزار دینی مدارس، علماء اور طلباء کے لئے بھی ایک المناک حادثہ سے کم نہیں۔

حضرت مفتی صاحب نہ صرف ایک قابل مدرس اور کامیاب خطیب تھے، بلکہ فقہ و افتاء میں بھی ید طولیٰ رکھنے کی وجہ سے ایک کہنہ مشق مفتی بھی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب

ظاہری اور باطنی کمالات کے حامل تھے۔ اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ اور پرہیز گاری کا ایک عظیم الشان مجسمہ تھے، تواضع وفروتنی ان کی اداؤں سے پھوٹتی تھی۔ تواضع اور ملنساری کی اعلیٰ مثال تھے۔ تواضع کی شان تو یہ تھی کہ جب طالب علموں کو سلام کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ شاگرد استاذ کو سلام کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کے ساتھ ساتھ فقہی بصیرت بھی عطاء فرمائی تھی، ہر مسئلے کا حل فوراً فرمادیتے تھے، فقہ اور فتویٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص مہارت عطاء کر رکھی تھی۔

آپ نے واضح اور بلاخوف وخطر جدید مسائل کے حل میں اپنی رائے بیان کی اور کسی مصلحت یا دباؤ کے شکار نہیں ہوئے۔ مثلاً اسلامی بینکاری، مروجہ تکافل، موبائل فون پر لون (قرضہ)، یک طرفہ عدالتی خلع اور پرائز بانڈ جیسے اہم موضوعات پر مفصل اور مدلل فتاویٰ تحریر کر چکے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ دوسرے اہل علم وافتاء کا آپ کے ساتھ اتفاق نہ ہو، مگر آپؒ اپنی وقیع رائے کو واضح اور کھلے الفاظ میں امت مسلمہ کی رہنمائی کیلئے بیان فرماتے تھے۔

اس وقت پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص علماء کرام، طلباء، دینی مدارس اور عوام الناس دہشت گردی کے نشانہ پر ہیں۔ جس کی وجہ سے ملک بھر کے دینی وعوامی حلقوں میں شدید رنج والم کا اظہار کیا جارہا ہے۔ دینی قوتوں کے خلاف اس کھلی دہشت گردی کو روکنے اور ان دہشت گردوں کو بے نقاب کرنے اور ان کو کیفر کردار تک پہنچانے میں حکومت پوری طرح ناکام ہو چکی ہے، مگر علماء کرام نے امن پسندی، حب الوطنی اور صبر وتحمل کا واضح ثبوت دیکر کبھی بھی اور کسی بھی جگہ کبھی کوئی دنگا فساد نہیں کیا، حالانکہ علماء کرام کے ساتھ عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اب اس بات کی ضرورت ہے کہ اغیار کے ان منصوبوں کو ناکام بنا کر علماء کرام، طلباء کرام اور عوام الناس کی قتل وغارت کے اس بازار کو بند کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ آئندہ حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی طرح کسی اور علم دین کے علم بردار زہد وتقویٰ کے پیکر کو شہید نہ کیا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی شہادت کو قبول فرمائیں اور اپنے جوار رحمت میں قرب کا مقام عطا فرمائیں اور حضرت کے پسماندگان کو اس عظیم اور المناک حادثہ پر صبر وتحمل کی توفیق عطاء فرمائیں اور ہمارے اس وطن عزیز کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنائیں۔ آمین

اللھم اغفر لہ وارحمہ واکرم نزلہ ونور قبرہ ووسع مدخلہ ولا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ وادخلہ الجنۃ مع الابرار.

مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی ☆

ایک درویش مفتی

ایک فقیر منش، درویش صفت، مجسم سادگی، ہنس مکھ، فرشتہ خصلت، ظریفانہ مزاج اور بس خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ذات، جنہیں دنیا حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتی تھی' کودن دیہاڑے بدبختوں نے اپنی دہشت گردی کی بھینٹ چڑھادیا، گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ نامعلوم قاتل خدامعلوم کس کے اشارے پر ناچے، اِن کرائے کے آدم خوروں کوکیامعلوم کہ ملت اسلامیہ کا کتنا بڑا سرمایہ خاک وخون کیا، ان درندوں کو کیا پتہ کہ علم کا کتنا بڑا نقصان ہوا، یہ بھیڑیئے کیا جانیں کہ اسلام میں کتنا بڑا شگاف پیدا ہوا، اِن خونخواروں کوکیا ہوش کہ علم کی کتنی بڑی بستی اجڑ گئی، ان ظالموں کوکیا احساس کہ شرافت، اخلاق، ہمدردی، اخوت اور مروت کا کتنا بڑا سائبان جل اٹھا، اِن بھیڑیوں کوکیا خبر کہ اِن کی گولیوں نے صرف ایک انسان کا خون بہایا یا بحرِ علم کورائیگاں کیا، ان بدبختوں کوکیاشعور کہ انہوں نے توبہ، ہدایت اورراست گامی نہ ہونے کی صورت میں کتنی بڑی جہنم خرید لی! یااسفا علےٰ اسف!

یہ سفاک کیا یہ شعوروآ گہی رکھتے ہیں کہ اس خونی اور بھیانک کردار میں کون رویااورکون خوش ہوا؟ ہروہ شخص جواللہ والا ہے، شریف ہے، متین ہے، سنجیدہ ہے، ذی ہوش ہے، باشعور ہے اور ہروہ انسان جواپنے اندرقدرے انسانیت کی رمق ہی رکھتا ہے، اس غارتگری پرضروررویا ہوگا اور ہاں آسمان رویا ہوگا، زمین روئی ہوگی اور وہ جو شیطان صفت ہے، طاغوت ہے، لادین ہے، ملحد ہے، اسلام دشمن ہے، ملک وملت اورقوم کابدخواہ ہے، وطن دشمن ہے اور جوخود شیطان ہے، خوش ہوا ہوگا، یہ درندہ اطوارکس قدر بدمست ہیں کہ انہیں کوئی سروکارنہیں کہ ان کے اس ناعاقبت اندیشانہ اورخوفناک کارروائی میں متاعِ دین ودانش اورآبروئے علم وحلم کا کتنا اجاڑ ہوا۔ ثم اسفا علی اسفِ!

☆ صدر مدرس: جامعہ سراج العلوم، لودھراں

حضرت دین پوری رحمہ اللہ تعالےٰ ایک متوسط طبقہ ہی نہیں، بلکہ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے، طبیعت اور مزاج میں سادگی تو تھی ہی، خدمت کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اپنے ہم مکتب ساتھیوں تک کی خدمت کو ہزار غنیمت اور سعادت جانتے تھے۔دین پور ضلع رحیم یارخان کا قصبائی جو آج افقِ علم کا تابندہ ستارہ ہی نہیں بلکہ بدرِ منیر تھا، ان کو پر اعزاز، بلندی اور عروج بس بفیض خدمت ہی تھا۔ ''ہر کہ او خدمت کند مخدوم شد'' ضرب المثل کی جیتی جاگتی دلیل تھے۔ ہاں ہم جیسوں کو وہ اعزاز دیتے اور عزت افزائی کا معاملہ فرماتے، جو بہر اعتبار ان کے مقامِ رفیع و بالا سے کوئی علاقہ و نسبت نہیں رکھتے ہیں اور جو بہر نوع کسی بڑے کا ایک امتیازی وصف ہوتا ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی وطن عزیز پاکستان کا بہرحال ایک ممتاز دارالافتاء ہے، جس کی ایک حیثیت ہے، ایک امتیازی شان ہے، حوادث، نوازل اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حوالے سے صرف عوام ہی نہیں، بلکہ علماء اور مفتیان کرام بھی اس دارالافتاء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اس دارالافتاء کا فیض عام ہے، تقریباً پوری دنیا میں اس کے متخصصین اہل اسلام کو فیض یاب کررہے ہیں۔حضرت دین پوری رحمہ اللہ تعالےٰ اس عظیم ترین دارالافتاء کے رئیس تھے، ایک عرصہ سے اس اہم ترین منصب کی نازک ترین ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھا رہے تھے، بلکہ اس دارالافتاء کو بلحاظ بعض وجوہ مرجعِ خلائق بنایا۔اور حضرت دین پوری رحمہ اللہ ملک کے کئی مدارس اور جامعات کے سرپرست تھے اور کچھ اداروں کے بعض اہم شعبے حضرت موصوف کے زیرِ نگرانی چل رہے تھے، ان اوصاف جمیلہ کے باوصف نمود ونام آوری، شہرت کو آپؒ کے ہاں راہ تک نہ تھی، مٹے ہوئے عالم دین تھے، سراپا تواضع، عاجزی اور انکساری تھے اور عجب یہ کہ آپ تک ایک عام سے شخص کو بھی رسائی حاصل تھی۔عظمتوں کے چار چاند لگ جانے کے باوجود آپ کی سادہ زندگی کیا، سادہ دلی کے کچھ بھی تو نقوش، تیور اور طور واطوار نہیں بدلے۔

حضرت دین پوریؒ ایک خوش مزاج انسان تھے، پہلی ملاقات اور گفتگو ہی میں دل موہ لیتے تھے، آپ کی اس خوش مزاجی میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہ ہوتی تھی، آپ حدیث مبارکہ ''اِنَّ من المعروف ان تلقیٰ اخاک بوجہ طلق'' (کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ

پیش آنا ایک نیکی ہے) کا مصداق تھے، آپ سے ملنے والا آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا، آپ کے زمانۂ طالب علمی کے احباب اور بعد کے زمانِ تدریس کے اربابِ علم وفضل جن سے یہ راقم واقفیت اور کسی قدر آگاہی رکھتا ہے، آپ سے شرف ملاقات پانے اور دید شنید کا اشتیاق رکھتے تھے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

غریبوں کے کام آنا اور محتاجوں کی دستگیری ہر ایک کے بس کی بات نہیں، پریشان کن حالات اور آڑے وقت میں بروقت کام آنا کسی کسی کا نصیبہ اور یارا ہوتا ہے، ہمارے حضرت دین پوری رحمہ اللہ ایسوں کی صف میں سرِ فہرست تھے۔ اور ایسے ہی مدارس دینیہ کے تعاون کے سلسلہ میں سخنے اور قدمے ہر دو حوالے سے پیش پیش تھے۔ ماہ مقدس میں ان کا موبائل تو اس معاملے میں بہت استعمال ہوتا تھا۔ اس حوالہ سے پوری بشاشت کے ساتھ فراخدلی کا معاملہ فرماتے، کوئی ناگواری اور کوئی تکدر نہ ہوتا ع ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند۔

اہل علم کا احترام تو رگ وپے میں پیوست تھا، جس سے علم کی قدر افزائی خوب خوب آشکارا ہوتی۔ علم صفتِ الٰہی ہے اور صفات باری تعالیٰ جیسے واجب التعظیم ہیں، ان ہی کی طرح صفت علم بھی واجب التعظیم ہے، حضرات علماء کرام اس صفت سے نسبت جڑ جانے کے باعث لائق احترام ہیں۔ اگر کسی کی عالم ہونے کے ناطے توہین کی گئی، اُس سے حقارت کا برتاؤ کیا گیا اور ذلت آمیز رویہ روا رکھا گیا تو یہ براہِ راست علم کی توہین ہوگی، جو بڑی ہلاکت، تباہی اور بربادی کا باعث ہے۔ اس لیے حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ اصاغر علماء کو بھی وہ تعظیم دیتے کہ انہیں اپنے آسمان علم کا نیر اعظم ہونے کا شبہ ہونے لگتا۔ اور رہے ہم عصر اور بڑے حضرات تو واقعی ان کے آگے حضرتؒ اپنے آپ کو خاک کر دیتے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ دین پور شریف کے اولین مسند نشین حضرت قطب الاقطاب خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری قدس سرہ ہیں۔ تحریک ریشمی رومال کا دوسرا بڑا مرکز دین پور ہی تھا، حضرت دین پوریؒ کے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے خوب راہ ورسم اور تعلق خاطر تھا۔ اس خانقاہ عالیہ کے اب چوتھے مسند نشین حضرت میاں مسعود احمد دین پوری دامت برکاتہم

ہیں، طریقت وتصوف کے حوالے سے بحمداللہ حضرت کی خاص برکات ہیں اوران کا وجود بسا غنیمت ہے۔اللہ تادیر موصوف کو سلامت باکرامت رکھے، یہ سب دین پوری سلسلہ ہے اور سلسلۃ الذہب ہے، حضرت مفتی عبدالمجید صاحب کی نسبت وشہرت دین پوری ہونے کے حوالے سے تھی۔آپ نے علمی اعتبار سے اور تقویٰ، تدین اور سادگی وفنائیت کے حوالے سے اس نسبت کی پوری لاج رکھی اوراس کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کی پہچان قرار پائے، حضرت دین پوری رحمہ اللہ شش جہت انسان تھے، اب جبکہ ان کا فیض اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چہار اطراف میں جاری وساری تھا، اغیار نے ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔یا اسفا علی اسفٌ. ☆☆

مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن ☆

حضرت دین پوری رحمہ اللہ سے بندہ کی رفاقت

اللہ جل شانہٗ نے انسانیت کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، ان کے بعد ان کے نائبین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو چنا، ان کے بعد تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کی یہ ذمہ داری لگائی، اور ان کے بعد تا قیامت آنے والے تمام علماء حق کی ذمہ داری لگائی کہ وہ تمام میدانوں میں امتِ محمدیہ ﷺ کی رہنمائی کرتے ہیں، ان میں سے ہمارے بہترین دوست مفتی محمد عبدالمجید دین پوری تھے، جن کو ۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات ظالموں نے شہید کر دیا۔ حضرت مفتی محمد عبدالمجید شہیدؒ اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں سے تھے، جنہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے وقف کیا ہوتا ہے، آپ انتہائی متواضع اور مجسمہ کمالات تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ سے بندہ کی رفاقت:

تخصص فی الافتاء سے فراغت کے بعد بندہ کا جامعہ اشرفیہ سکھر میں بحیثیت ''مفتی'' تقرر استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی صاحب کے حکم سے ہوا تھا، بندہ کی تدریس کا پانچواں یا چھٹا سال تھا کہ جامعہ اشرفیہ کو ایک اچھے اور تجربہ کار استاذ کی ضرورت پیش آئی، مدرسہ کے ناظم صاحب نے بندہ سے کہا کہ اچھا استاذ تلاش کریں، مدرسہ سے بندہ چھٹی کر کے اپنے پروگرام کے تحت اپنے والدین سے ملنے کے لئے اپنے آبائی گاؤں کہروڑپکا آیا، بندہ کا معمول یہ تھا کہ وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے اساتذہ کی زیارت اور ملاقات کر لیتا، حسب معمول والدین کی زیارت کے بعد استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی اللہ بخش ایاز صاحب دامت برکاتہم کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں جامعہ سراج العلوم لودھراں پہنچا (استاذ محترم سراج العلوم میں صدر

☆صدر مفتی واستاذ الحدیث: جامعۃ الصابر، بہاول پور

مدرس تھے اوراب بھی ہیں) ملاقات کے دوران فرمایا کہ جس ادارہ میں آپ ہیں اس کو یا کسی اور ادارہ کو اچھے مدرس کی ضرورت ہو تو میرے ایک بہت اچھے دوست ہیں، جو فی الوقت فارغ ہیں اور بہت تاکید فرمائی، بندہ نے عرض کیا کہ جامعہ اشرفیہ سکھر والوں کو ایک اچھے مدرس کی ضرورت ہے، وہاں کے ناظم صاحب نے بندہ کو کہا ہوا ہے، استاذ محترم نے حکم دیا کہ آپ سکھر جاتے ہوئے ان سے ملتے جائیں، چنانچہ بندہ استاذ محترم سے رخصت ہو کر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خان پور پہنچا، اس وقت مفتی صاحب شربت کی دکان پر شربت بیچ رہے تھے، بندہ کی ان سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ ادھر استاذ محترم مفتی اللہ بخش صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو بندہ کی آمد کی وجہ بھی بیان فرمادی تھی، بندہ نے بھی ان سے ذکر کیا کہ میرے آنے کا مقصد آنجناب کو جامعہ اشرفیہ میں تدریس کی دعوت دینا ہے، حضرت مفتی صاحب نے اپنے ماموں کو (مولانا محمد قاسم صاحب) جو حضرت کے سسر بھی ہیں اور وہ بندہ کے انتہائی مشفق بزرگ بھی ہیں، بلوایا، مشورہ طے پایا کہ تین دن بعد ہم لوگ سکھر آپ کے پاس آئیں گے، اس وقت حضرت مفتی صاحب کے بھائی اوران کے کچھ بے تکلف دوست بھی جمع ہو گئے تھے، بے تکلفی میں باتیں ہوتی رہیں، اس دوران حضرت مفتی صاحب نے ایک لطیفہ سنایا۔

لطیفہ:

کچھ دن پہلے چند بے تکلف ساتھی آئے اور کہنے لگے کہ شربت بے دام پلائیں، وہ کافی ساتھی تھے۔ انہوں نے شربت پیا اور جانے لگے تو ہم نے ان سے کہا کہ شربت کے پیسے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے تو آپ سے شربت بےدام مانگا تھا نہ کہ بادام۔

ساری مجلس نے قہقہہ لگایا، محفل معطر ہوگئی، خیر حسب وعدہ حضرت مفتی صاحب اپنے ماموں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ جامعہ اشرفیہ سکھر تشریف لے آئے، جامعہ کے ناظم صاحب کے ساتھ ملاقات ہوئی اور حضرت مفتی صاحب کا تقرر جامعہ اشرفیہ میں ہوگیا۔ تدریس شروع ہوگئی، مفتی صاحب چونکہ بہت اچھے مدرس تھے، اس لئے طلباء آپ سے سبق میں خوب مطمئن ہوتے تھے اور خوش رہتے تھے، اور بے تکلف ہونے کی وجہ سے جامعہ کے تمام

اساتذہ سے ملے جلے رہتے تھے، خاص طور پر میرے ساتھ بڑی شفقت فرماتے، ہم دونوں کا تعلق گہرا ہوتا گیا، کچھ دنوں کے بعد مفتی صاحب کے ماموں اور سسر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور سالے حضرت مولانا عبدالحی صاحب جو اس وقت جامعہ بنوری ٹاؤن کی شاخ ملیر میں مدرس ہیں، ان کا تقرر مدرسہ مدینۃ العلوم، پنوعاقل شہر ہوا (یہ مدرسہ حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ ہے) یہ حضرات جمعرات کو اول وقت میں اسباق پڑھا کر جامعہ اشرفیہ میں تشریف لے آتے تھے اور حضرت مفتی صاحب کے دوسرے بھائی خان پور سے جمعرات کو تشریف لے آتے تو ہماری محفل زعفرانی بن جاتی۔

انہی دنوں اللہ والی مسجد بندر روڈ سکھر کے متولی میرے پاس تشریف لائے، مسجد میں امامت کے لئے اچھے امام اور عالم کا تقاضہ کیا تو بندہ نے حضرت مفتی صاحب کے متعلق عرض کیا، الحمدللہ مسجد میں امام اور خطابت کے لئے تقرر ہوگیا، چند سال اس مسجد میں امامت اور خطابت کے فرائض احسن طریقہ سے انجام دیتے رہے، حضرت مفتی صاحب چونکہ بہت اچھے خطیب تھے، اس لئے مسجد والے اور تمام نمازی حضرت مفتی صاحب سے بہت خوش تھے۔

اس دوران جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤں کی طرف سے انہیں دعوت نامہ بھی آگیا، مجھ سے فرمایا کہ آپ کا کیا مشورہ ہے؟ بندہ نے کہا کہ جب آپ نے وہاں جانے کا فیصلہ فرمالیا ہے تو ضرور تشریف لے جائیں۔

حضرت کے اخلاق کریمانہ:

حضرت مفتی عبدالمجید صاحبؒ کریمانہ اخلاق کے مالک تھے، حضرت کے بندہ پر شفقت کے چند واقعات پیش خدمت ہیں:

۱...... بندہ کے دارالعلوم کراچی جانے کے بعد حضرت مفتی صاحب حسن اخلاق اور بندہ پر شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بندہ کے پاس اپنے احباب کے ساتھ گاڑی بھر کر تشریف لائے اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم دونوں دوست اکٹھے ہو جاتے اور اندرونی طور پر کوشش فرماتے رہے کہ ہم دونوں اکٹھے ہو جائیں، اور مجھ سے اظہار بھی

فرماتے رہے اور بندہ بھی اس کا خواہش مند رہا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا، اس لئے ہم دونوں ایک ادارہ میں جمع نہ ہو سکے، بہر حال سال میں کم از کم تین مرتبہ وہ بچوں سمیت بندہ کے پاس دار العلوم کراچی تشریف لاتے، اور بندہ بھی بچوں سمیت ان کے پاس اتنی مرتبہ ضرور جاتا، دار العلوم میں بندہ کا مکان چونکہ کافی کشادہ تھا، اس لئے ان کے بچے بندہ کے گھر پر آکر بہت خوش ہوتے تھے، اور شام کو مفتی صاحب اپنے بچوں کو واپس لے جاتے۔

۲...... میری والدہ کا انتقال ہوا، بندہ سے تعزیت کرنے کے لئے حضرت مفتی صاحب، اپنے سسر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور اپنے دیگر دار الافتاء کے رفقاء کے ساتھ ویگن بھر کر دار العلوم کے دار الافتاء میں سیدھے بندہ کے پاس تشریف لائے، اس پر دار الافتاء کے ساتھی حیران ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔؟

۳...... اسی طرح بندہ کے سسر کا انتقال ہوا تو اس وقت بھی حضرت مفتی صاحب تعزیت کے لئے اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ تشریف لائے، اسی طرح وقتاً فوقتاً حضرت مفتی صاحب بندہ کے پاس تشریف لاتے رہتے اور بندہ بھی ان کی خدمت میں گاہے گاہے حاضر ہوتا رہتا۔ حضرت مفتی صاحب بندہ پر شفقت فرماتے ہوئے اپنی نشست چھوڑ دیتے۔ کافی دیر تک مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی۔ فراغت کے بعد بندہ کو اپنی اسکوٹر پر بس اسٹاپ چھوڑ دیتے۔

جامعہ اشرفیہ سکھر میں امامت کے وقت ہم دونوں وفاق المدارس کی طرف سے جامعہ رحمانیہ بفرزون کراچی میں میں بحیثیت نگران گئے تھے، (اس وقت جامعہ رحمانیہ پہلی مرتبہ سینٹر بنایا گیا تھا) اس وقت ایک عجیب واقعہ پیش آیا تھا کہ نگرانی سے فراغت کے بعد کھانے کا انتظام مدرسہ کی طرف سے ہوتا، عام طور پر خدام دسترخوان پر بیٹھے، کراچی کے ایک مدرسہ کے نگران صاحب نے جلدی سے ڈونگے سے سالن نکالا اور الٹی پلیٹ پر رکھ دیا پس سالن فوراً دسترخوان پر بہہ گیا، وہ صاحب کہنے لگے کہ مدرسہ والے کیسے کم بخت ہیں، ایسی پلیٹیں رکھ دیں کہ سالن ان میں نہیں ٹھہرتا، بس محفل میں ایک قہقہہ لگا، مجلس زعفرانی بن گئی، اس بات کی وجہ سے سب ہی ساتھی صاحب معاملہ کو تنگ کرتے رہے۔

ذہانت وامانت داری:

حضرت مفتی صاحب بہت ذہین اور امین تھے، ان کی ذہانت اور امانت داری کی وجہ سے وفاق المدارس نے انہیں پرچے چیک کرنے والوں کا بھی نگران مقرر کیا تھا، چنانچہ بہت مرتبہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ بندہ بھی وفاق المدارس کی طرف سے پرچوں کی چیکنگ کے لئے کراچی سے ملتان حاضر ہوا، پھر دار العلوم کراچی میں بھی چند سال پرچوں کی چیکنگ ہوتی رہی، حضرت مفتی صاحب بحیثیت ممتحن اعلیٰ شریک ہوتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب تمام اچھی صفات کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کے اعلیٰ منصب پر فائز فرمایا اور ہمیں سبق دے گئے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور سربلندی میں سر کٹوا دیا ہے، اب تم بھی آخرت کی تیاری کرلو۔

معذرت: بندہ مضمون نگار نہیں کبھی بھی مضمون نہیں لکھا، بعض احباب کے اصرار پر یہ چند واقعات لکھ دیئے ہیں جو ادبی الفاظ سے خالی ہیں، بندہ صرف فتاویٰ لکھتا اور لکھوا تا رہا ہے۔ اس لئے کمی زیادتی کی معذرت۔ واقعات تو بہت ہیں مگر طوالت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں۔

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم ☆

حضرت مولانا عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک جید عالم اور فاضل شخص تھے، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی جیسے بین الاقوامی سطح کے ادارہ میں فتویٰ کی اہم ذمہ داری نبھانا اور اس عظیم منصب پر فائز ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے ۔جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان ماہنامہ ''بینات'' میں آپ کے مصدقہ اہم فتاویٰ اکثر شائع ہوتے رہے، جو احقر کی نظر سے بھی گزرتے رہے، یوں حضرت موصوف سے غائبانہ تعارف ایک عرصہ سے حاصل تھا۔

لیکن صحیح معنیٰ میں بالمشافہ ملاقات کا موقع اس وقت ملا جب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ''منیٰ، مزدلفہ کا مکہ معظمہ سے الحاق ہے یا نہیں؟'' اس مسئلہ پر وہاں ایک فقہی اجتماع رکھا گیا، حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا امداداللہ صاحب مدظلہم اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے اکابر کے اشارہ پر احقر ناکارہ کو بھی اس میں مدعو کیا اور متعلقہ موضوع پر پہلے سے مقالہ لکھ کر بھیجنے یا ہمراہ لانے کا حکم بھی صادر فرمایا۔احقر ناکارہ نے اس بابرکت اجتماع میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور مسائل مبحوث عنہا پر اپنا موقف بھی پیش کیا، ان مسائل پر احقر نے جو تجویز مرتب کی تھی اسے ڈاک سے بھیجنے کی بجائے احقر ہمراہ لے گیا تھا، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ تمام مقالات اور تحریرات کی ترتیب اور نگرانی حضرت مولانا دین پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور وہ اس کے ذمہ دار ہیں، چنانچہ احقر کی رہائش گاہ پر آ کر انہوں نے از خود احقر سے ملاقات بھی فرمائی اور احقر کی تجویز وصول فرما کر انہیں دیگر مقالات میں شامل فرمایا۔

احقر نے بنوری ٹاؤن میں منعقدہ جس فقہی اجتماع کا ذکر کیا ہے، یاد پڑتا ہے کہ حضرت

☆ مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا......ابن محقق العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

مولانا دین پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس میں اپنا وقیع مقالہ پیش فرمایا تھا۔منیٰ مزدلفہ کے مکہ معظّمہ سے الحاق کے مسئلہ سے متعلق ان کی تحقیق وہی تھی جو فقہاء متقدمین کی پہلے سے کتب فقہ وفتاوئ میں چلی آرہی ہے، اسی کے دلائل انہوں نے اپنے مقالہ میں ذکر فرمائے تھے اور مزید دو مسئلے رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب اور وتر میں مذہب غیر کی اقتداء پر بھی ان کی تحریر خاصی مدلل اور جاندار تھی، عجیب بات یہ ہے کہ ان مسائل ثلاثہ میں حضرات علماء کرام نے جب اپنے اپنے موقف پر دلائل مکمل فرمالیے اور مولانا دین پوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا کہ وہ یہ بتائیں کہ الحاق، عدم الحاق ان دونوں موقف پر مقالہ پیش کرنے والے حضرات کی اکثریت کس طرف ہے؟اس وقت مولانا دین پوری نے فرمایا کہ دونوں طرف کے حضرات کی تعداد بالکل برابر ہے۔ سب کو اس پر حیرات ہوئی اور پھر حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی سربراہی میں ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی جو دونوں طرح کے موقف پر غور کے بعد کسی ایک جانب کو راجح قرار دے،اس کمیٹی میں بھی مولانا مرحوم کو شامل کیا گیا تھا،اس سے ان کے علمی مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی خوبیوں سے اور نسبتوں سے نوازا تھا،وہ اصالۃً علمی میدان کے آدمی تھے،لیکن افسوس کہ ظالموں نے انہیں بھی اپنی سفاکی اور ظلم کا نشانہ بنالیا۔احقر حسب معمول اپنے پڑھنے لکھنے میں مصروف تھا کہ جامعہ کے ایک طالب علم نے ان کی شہادت کی اطلاع دی، اس ناگہانی خبر سے بہت دکھ ہوا۔حق تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں اور جن ظالموں نے حضرت دین پوری اور ان کے رفقاء کو شہید کیا انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں،آمین۔ ☆☆

مولانا مفتی محمد عبداللہ ☆

جامع شخصیت

باسمہ تعالیٰ، نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم۔ امابعد!

شہداء بنوری ٹاؤن کے قافلہ کے ایک شہید کا تذکرہ جو دین پور کی خاک سے اٹھ کر عالمِ اسلام کی عظیم دینی درس گاہ ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن'' کی مسندِ حدیث و مسندِ افتاء پر جلوہ افروز ہوئے۔ وہ شہیدِ اسلام حضرتِ اقدس مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ ہیں۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت بڑی جامع تھی، اللہ رب العزت نے آپ کو نمایاں صفات سے نوازا تھا، آپ ایک ممتاز عالمِ دین، بہترین مدرّس، مستند مفتی اور مشفق و مربی معلّم تھے، اسی وجہ سے آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ بنوری ٹاؤن کی مجلسِ تعلیمی اور مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے، افتا کے حوالے سے دارالافتاء بنوری ٹاؤن کا جو ملک میں ایک نمایاں مقام ہے، اس کی بنیادی وجہ اس کی مسندِ افتاء پر جلوہ افروز ہونے والے افراد میں مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مفتی عبد السلام چاٹگامی مدظلہ اور ان کے بعد حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی ذات تھی، حضرت مفتی صاحبؒ کراچی شہر کے دیگر دارالافتاؤں کی بھی سرپرستی فرماتے تھے۔ مثلاً بہادر آباد میں معہد الخلیل الاسلامی جو حضرتِ اقدس مولانا مکی مدنیؒ کی یادگار ہے، حضرت مفتی صاحبؒ وہاں تشریف لے جاتے اور دارالافتاء کی نگرانی کرتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ میں کچھ خصوصی اوصاف حق تعالیٰ جل شانہ نے ایسے ودیعت رکھے تھے کہ بہت کم اہلِ علم کو ان سے حصہ ملتا ہے، ان میں سے ایک تواضع اور مسکنت ہے، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں چند بار حاضری ہوئی، حضرت مفتی صاحبؒ اپنی مسند پر تشریف فرما ہوتے تھے، سادگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی دیکھنے والا مفتی صاحبان کی جماعت میں ظاہری

☆صدر مفتی: جامعہ خیر المدارس، ملتان

ہیئت سے یہ اندازہ ہرگز نہیں کرسکتا تھا کہ یہ صاحب رئیس دارالافتاء ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ بڑائی، نخوت سے کوسوں دور تھے، اپنے ہمعصر حضرات بلکہ اپنے شاگردوں کے درجہ میں جو حضرات تھے، ان کی بات کو بھی سننا اور اس کا مناسب جواب دینا، حضرت مفتی صاحبؒ کا خاص وطیرہ تھا، مجلس میں گھل مل جانا حضرت کا وصفِ خاص تھا، تاہم فرمانِ نبویؐ ''انزلوا منازلھم'' کی پوری رعایت فرماتے۔

حق گوئی:

حضرت مفتی صاحبؒ، مفتی صاحبان کی ایک مجلس میں جامعۃ الرشید کراچی میں موجود تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے خطاب میں دوسرے مفتی صاحبان کو بالعموم اور جامعۃ الرشید کے اربابِ حل وعقد کو بالخصوص مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

''جدید ٹیکنالوجی سے ہمیں ضرور مستفید ہونا چاہئے، تاہم ہمیں دین میں جدت پسند نہیں بننا چاہئے۔ اصل احکامات و مسائل وہی ہیں جو حضرات ائمہ کرام، مشائخ عظام متقدمین ومتاخرین سے منقول ہیں۔ ان حضرات کے ارشادات کو چھوڑ کر جدید تحقیق کی ضرورت نہیں۔ تحقیق کے نام سے ائمہ کرام اور مشائخ عظام کے بیان کردہ مسائل میں تشکیک پیدا کرنا اس دور کا ایک مرض ہے۔ چنانچہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ کا ٹوٹ جانا قدوری شریف سے لے کر درمختار تک تمام کتب میں موجود ہے اور یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے باوجود بعض حضرات نے اس کے خلاف تحقیق پیش کی کہ چونکہ کان سے دماغ کی طرف کوئی منفذ موجود نہیں ہے، اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ حالانکہ حضرات فقہاء نے کہیں بھی منفذ کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اس کی تعلیل بیان فرمائی۔ اسی طرح حضرات فقہاء نے اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ میں جو خط فاصل کھینچا تھا، اسے بھی اپنے اجتہاد سے تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔''

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اربابِ فتاویٰ جن میں ایک نام گرامی حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کا ہے، وہ اس تشکیک میں بڑی رکاوٹ تھے، اللہ پاک اسی صراطِ مستقیم پر تمام اربابِ فتاویٰ کو چلنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین ☆☆

آپ کے ان عظیم کارناموں میں سے ایک سفرِ حرمین میں منیٰ وغیرہ میں قصرواتمام کے مسئلے میں ایک فقہی کانفرنس کا انعقاد تھا، جس میں ملک کے جیّد مفتیانِ عظام نے اپنے مقالے پیش کئے، موقع اور محل دیکھنے کے لئے چند جیّد مفتی صاحبان کا ایک وفد حرمین شریفین گیا، یہ ایک بڑی علمی پیش رفت تھی جس کا سہرا حضرت مفتی صاحبؒ کے سر جاتا ہے۔

حضرت کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ ایک دفعہ دارالافتاء میں بیٹھے ہوئے تھے، عاجز بھی ساتھ تھا، روزنامہ اسلام کا مطالعہ فرمارہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر روزنامہ اسلام میں اوقاتِ سحر وافطار پر پڑی، جس میں اوقاتِ سحر کراچی شہر کے حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق درج تھے، جو مشہور اوقاتِ سحر تھے، ان سے دس (۱۰) منٹ کا فرق تھا اور یہ حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کا تفرد اور ان کی ذاتی رائے تھی، لیکن دوسری طرف شہر میں عموماً اوقاتِ سحر حضرت اقدس بنوریؒ، حضرتِ اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے فتویٰ کے مطابق رائج تھے، جو ۱۰ منٹ پہلے اوقاتِ سحر ختم ہونے کا تھا، یعنی اوقات میں دس منٹ کا فرق تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا چہرہ متغیر ہوگیا، فوراً کہا کہ "جامعۃ الرشید کے اربابِ فتاویٰ سے رابطہ کریں کہ ان اوقات کے لکھنے سے سخت اضطراب پھیلے گا۔"

حضرتؒ کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ عاجز استاذِ محترم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان پھرتیلے بدن والا حضرت کے سامنے حاضر ہوا، آپ نے پوچھا کہ کیا مسئلہ درپیش ہے؟ نوجوان کہنے لگا کہ مفتی صاحب! اللہ نے مجھے بیٹا دیا ہے، میں اس کا نام رکھنا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ میرے بیٹے کا نام ایسا ہو کہ جو نیا نام ہو اور قرآن سے بھی ہو، حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: "آپ کو ایسا نام بتاؤنگا جو قرآن سے بھی ہوگا اور کسی کا بھی نہیں ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کو رکھنا ہوگا؟" نوجوان نے قبول کرلیا۔ آپ نے فرمایا: "تم "فرعون" نام رکھ لو، اس لئے کہ یہ قرآن سے بھی ہے اور یہ نام کسی کا بھی نہیں ہے۔" نوجوان آپ کے جواب سے مبہوت ہوکر رہ گیا اور ہم ہنس پڑے۔ جہاں اس جواب میں مزاح کا پہلو تھا وہاں جواب میں جدّت پسندی کا علاج بھی ہے۔

جانا تو ہر ایک نے ہے کل نفس ذائقة الموت۔ دین کی محنت کرتا ہوا جائے اور اس

لباس میں جائے جس کی تمنا وجہ کائنات سرکارِ دو عالم جناب نبی کریمؐ نے ان الفاظ میں فرمائی:
والذی نفسی بیده، لوددت ان اقتل فی سبیل الله، ثم احیٰ ثم اقتل، ثم احیٰ ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل ۔[بخاری ومسلم، مشکوٰۃ ج ۲/ص ۹۲۳] کہ بار بار مجھے زندگی ملے اور بار بار گردن کٹوا کر تیرے دربار میں حاضر ہوں۔

عام شہید بھی دس مرتبہ شہادت کا متمنی ہوگا۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ما من احد یدخل الجنة یحب ان یرجع الی الدنیا و له ما فی الارض من شیء الا الشهید، یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشرة مرات لما یریٰ من الکرامة۔ [بخاری ومسلم، مشکوٰۃ ج ۲/ ص ۹۲۳] جانا تو ہر ایک نے ہے۔ یوں دولہا بن کر جائے، دین کی خاطر گردن کٹا کر خون میں نہا کر جائے یہ جانا جانا ہے۔

ہم بھی حضور علیہ السلام کی سنت کو اپناتے ہوئے وہی کہیں گے جو حضور علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سیدنا حضرت ابراہیم کی جدائی اور فراق پر کہا تھا۔ ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضیٰ ربنا و انا بفراقك یا عبد المجید لمحزونون۔ ☆☆

مولانا فضل حق یوسفی، ناظم ماہنامہ بینات

مشاہدات وتاثرات

حضرت مولانا فضل حق یوسفی سے جامعہ کے قدیم فضلاء اور ماہنامہ بینات کے قارئین اچھی طرح واقف اور متعارف ہیں۔ ماہنامہ بینات کے ساتھ آپ کا تعلق بینات کے عہد طفولیت اور آغاز اشاعت میں ہی قائم ہوگیا تھا اور از آں دم تا این دم لگ بھگ پچاس سال سے آپ ہی کی نظامت میں بینات شائع ہورہا ہے۔ جامعہ اور بیرون جامعہ کے جن جبال العلم اور اساطین وقت کا ہم نام پڑھتے اور سنتے ہیں، آپ نے انہیں دیکھا اور سمجھا ہے، ان کی صحبت سے فیضیاب اور انفاس سے مستفید ہوئے ہیں، مگر اس سب کے باوجود عزلت نشینی، اخفا کا غلبہ اور فنا سے اتصاف ایسے امور ہیں جن کی بنا پر آپ کی شخصیت گمنامی کے پردوں میں مستور رہی۔ آپ کی مجلس ایک شیخ وقت اور مرشد کامل کا اثر رکھتی ہے، دوران مجلس جب سلف صالحین کا تذکرہ آتا ہے تو طبیعت جوش مارنے لگتی ہے اور جب اندر انگیٹھی سلگنے لگتی ہے تو چنگاریاں اڑ کر ہم نشینوں کی ارواح کو بھی گرما دیتی ہیں اور وہ بھی اپنے قلوب میں تمازت اور روح میں حرارت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ جامعہ کے مشائخ سے خصوصا حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے تو آپ کو والہانہ اور عاشقانہ عقیدت ومحبت ہے۔ ان سے نسبت کو اپنے لیے سرمایہ حیات، باعث نجات اور ذخیرہ آخرت سمجھتے ہیں۔ اسی محبت اور عقیدت کا سبب ہے کہ جزوی تفصیلات کے ساتھ حضرت بنوریؒ کے واقعات بیان کرتے ہیں۔

استاذ جی مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے ساتھ آپ کا تعلق کئی عشروں پر محیط رہا ہے۔ دونوں بزرگوں کی بے تکلف مجالس اور گہرے تعلق کا مشاہدہ مفتی صاحبؒ کی حیات میں ہوتا رہتا تھا۔ ایک مجلس میں آپ نے حضرت مرحومؒ کے متعلق اپنے چند واقعات کا تذکرہ فرمایا۔ ہماری خواہش ہوئی کہ آپ حضرت شہیدؒ کے متعلق بغرض اشاعت اپنے تاثرات قلم بند کریں، مگر آپ نے کسر نفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ کر معذرت فرمادی

کہ میری طبیعت لکھنے لکھانے سے انکاری رہتی ہے۔آخراس تجویز پر رضامندی ظاہر کردی کہ جوگفتگوآپ نے مفتی صاحب شہیدؒ کے متعلق مذکورہ مجلس میں فرمائی ہے، ہم اسی کوتحریری صورت میں مرتب کردیتے ہیں۔اب آپ کی نظرثانی کے بعد حضرت شہیدؒ کے متعلق آپ کے تاثرات پیش خدمت ہیں۔شعیب عالم

۱......جامعہ سے میراتعلق اوروابستگی ۱۹۶۴ء سے ہے۔اس زمانے میں مولانا حامد عالمؒ جومولانا بدرعالم میرٹھیؒ کے بڑے بھائی تھے، وہ جامعہ کے ناظم تعلیمات ہوا کرتے تھے، انہوں نے میرا امتحان لیا تھا۔امتحان جس کمرے میں ہوا تھا وہ زمانہ حال میں مطعم ہے، مگراس زمانے میں کتب خانہ ہوا کرتا تھا۔درجہ ثانیہ میں داخلہ منظور ہوا۔میرے داخلے کی بڑی دلچسپ روداد ہے جوکسی اورمناسب موقع پر میں گوش گذار کروں گا، فی الحال مجھے اپنے موضوع تک محدود رہنا ہے۔

۲......مفتی عبدالمجید دین پوری مرحومؒ مجھ سے بعد میں تشریف لائے تھے، میرا یہاں بینات میں تقرر ہو چکا تھا، مفتی صاحب شہیدؒ نے درجہ سادسہ سے یہاں اسباق شروع کیے اوردرس نظامی مکمل کرنے کے بعد تخصص کی تکمیل کی اور پھر والد کی وفات پر اپنے آبائی گاؤں تشریف لے گئے، وہ میرے ہم درس اور ہم سبق تو نہیں تھے، لیکن ان کے ساتھ تعلق اورمحبت ہم درس ساتھیوں سے زیادہ تھا، جس زمانے میں ان کی آمد ہوئی تھی اسی وقت سے ان کے ساتھ تعارف اورتعلق شروع ہوگیا تھا، دارالاقامہ ہمارا ایک ہوا کرتا تھا اورخود طلباء بھی محدود تعداد میں ہوتے تھے، مدرسے کے باہر ہمارا کوئی مشغلہ نہ تھا اورغیر تعلیمی سرگرمیوں میں شمولیت کی ہمیں دلچسپی نہ تھی، اس وجہ سے جودوستی قائم ہوئی تو دن بدن اس میں اضافہ اوروقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں گہرائی اور مضبوطی آتی چلی گئی، اس وقت سے لے کر ۲۰۱۳ء تک اگرآپ حساب لگائیں تو یہ تعلق آپ کو کئی عشروں پر محیط نظر آئے گا۔درمیان میں مفتی صاحب کے چلے جانے کی وجہ سے اس تعلق میں کچھ انقطاع آیا، مگر مفتی صاحب نے اس وطنی مسافت اورجسمانی دوری کو قلبی دوری اورتعلق کی کمزوری کا ذریعہ نہیں بننے دیا، انہوں نے دوستی اورمحبت کو قائم رکھا اورتعلق کو نبھایا، جب کبھی ان کا کراچی کا سفر ہوتا تو میرے پاس ضرور تشریف لاتے اوردن دودن میرے

غریب خانے میں قیام کیا کرتے تھے، یہاں بھی جب دارالافتاء کی مصروفیت سے فراغت پا کر گھر جانے لگتے تو بے تکلف یہاں تشریف لایا کرتے، حالانکہ چھٹی کے اوقات میں نہ طبیعت میں فرحت اور بشاشت ہوتی ہے اور نہ روح میں نشاط اور تازگی، مختصر وقت میں حوائج نمٹا کر دوبارہ آنا ہوتا ہے، مگر مفتی صاحب کی محبت تھی کہ انہوں نے اپنے سخت شیڈول میں ہمارے لیے وقت رکھا ہوا تھا، وہ پورے انبساط اور خندہ پیشانی سے یہاں تشریف لاتے اور ان کی محفل سے چہروں پر مسکراہٹ اور روح میں بشاشت پیدا ہو جاتی تھی۔ اب ان کی شہادت کے بعد مجھ سے دارالافتاء میں قدم نہیں رکھے جاتے، اندر جانا تو دور کی بات، مجھ سے دارالافتاء کی کھڑکیوں کے پاس بھی نہیں گزرا جاتا، ایک مرتبہ اپنی قوت مجتمع کر کے بڑے ضبط اور ہمت کے ساتھ اور خود کو بڑا بہادر اور باہمت سمجھ کر میں کسی ضرورت سے دارالافتاء گیا تھا، مگر دل پر جو گزری وہ میں ہی جانتا ہوں۔

۳......شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ مجھے یہاں چالیس پچاس سال ہو چکے ہیں، نصف صدی کا عرصہ اگر سوچیں تو بڑی مدت ہوتی ہے، اس عرصے میں دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی، بچے جوان ہو گئے اور جوان بوڑھے اور بوڑھے ملک عدم کے راہی ہو گئے، جہاں اب آبادیاں ہیں وہاں کبھی دھول اڑا کرتی تھی اور جہاں جنگل اور بیابان تھے وہ اب آبادیاں ہیں اور ان میں آبادیوں کی رونق اور چکا چوندی ہے، جامعہ میں جہاں اب طلباء حدیث پڑھتے ہیں وہاں کبھی کھیلا کرتے تھے اور جہاں کھانا کھاتے ہیں وہاں کبھی پڑھا کرتے تھے، اس کے علاوہ مختلف حالات آئے اور کئی واقعات ہوئے، بڑی بڑی مشہور شخصیات کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، ہر شخصیت جداگانہ صفات اور مخصوص اوصاف کی مالک تھی اور ایک عالم ان سے فیضیاب ہو رہا تھا۔ مفتی صاحب مرحومؒ بھی منفرد خصوصیتوں کی حامل تھے، وہ جب آئے تھے تو جسم پر جوانی کی بہار تھی اور آخر عمر میں چلنے کے لیے عصا کا سہارا لینے لگے تھے، عمر کے تقاضے سے یہ ظاہری اور ناگزیر تبدیلی ان میں ضرور آئی تھی، مگر ان کی طبیعت جیسی تھی ویسی ہی رہی۔

پچاس سالوں میں وقت بدلا تو دنیا بدلی، لوگ بدلے اور نقشے کچھ اور ہو گئے، مگر مفتی صاحبؒ مرحوم کا دل ہر قسم کے تغیر اور تبدیلی سے محفوظ رہا، لوگوں نے مفتی صاحب کی یہ خصوصیت

لکھی اور سنی ہے، مگر میں اس کا چشم دید گواہ ہوں، منصب، مقام، شہرت اور علمیت ان کو بدل نہیں سکی تھی، وہی عاجزی اور انکساری جو شروع دن سے تھی وہ آخر تک برقرار تھی۔

۴......اس کی وجہ یہ تھی کہ مفتی صاحب دل کے نیک تھے اور فیصلے بھی دلوں کو سامنے رکھ کیے جائیں گے، ان کا قلب سلیم تھا اس لیے وہ سطحی چیزوں کے فریب سے دامن بچا کر نکل گئے، ورنہ قلب اگر سلیم نہ ہو بلکہ سقیم ہو اور ظرف چھوٹا ہو اور باطن بنا ہوا نہ ہو تو انسان بہت جلد دھوکے میں آجاتا ہے۔

۵......جو تعلق مادیت کی بنیاد پر قائم ہو، وہ دیرپا اور پائیدار نہیں ہوتا ہے، بلکہ مفادات کے کچے دھاگوں سے بندھا رہتا ہے اور جوں ہی مفاد پر ضرب پڑتی ہے یا وابستہ امید دم توڑتی ہے تو تعلق بھی کان لم یکن ہو جاتا ہے، دن رات، صبح شام اور قریب اور دور کے لوگوں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، مثالی دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں، مضبوط تعلقات کٹ جاتے ہیں، سگے بھائی بھی ایسے ہو جاتے ہیں کہ جیسے ایک دوسرے کو نہ جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں، بعض تو ایک دوسری کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند کرے، مفتی صاحبؒ نے تعلق رکھا، مگر یہ تعلق ظاہری اور مادی نہیں بلکہ روحانی اور حقیقی تھا، انسان کو ضرورت پیش آجائے تو وہ اپنے متعلقین سے کہتا ہے، اگر نہ کہے تو کم از کم امید رکھتا ہے اور جب امید ٹوٹتی ہے تو اس کا صدمہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور اس کا اثر تعلق پر بھی پڑتا ہے، مگر مفتی صاحب کا معاملہ اس کے برعکس تھا، ان کے ایک بھائی نے یہاں بینات کے دفتر میں کچھ عرصہ کام کیا اور ایک بھائی نے میرے مدرسے میں بھی کچھ عرصے خدمت انجام دی، میں نے کچھ عرصے بعد مفتی صاحب سے مشاورت کیے بغیر ان کے بھائیوں سے معذرت کر دی، مگر مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ مفتی صاحب کے دل پر اس کا کوئی اثر ہوا ہے، اگر دنیوی مفادات مدنظر ہوتے تو اور لوگوں کی طرح مفتی صاحب قطع تعلق کر جاتے یا کم از کم تعلقات میں وہ پہلی جیسی گرم جوشی باقی نہ رہتی، مگر ان کے چہرے اور رویے سے کبھی میں نے محسوس نہیں کیا۔

۶......اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ یاد آیا، مفتی صاحبؒ جس زمانے میں اپنا ذاتی

مکان تعمیر کر رہے تھے، اس زمانے میں آپ کو رقم کی ضرورت پیش آئی اور مجھ سے تذکرہ کیا، میں نے کہا کہ رقم تو رکھی ہے، لیکن دل میں عمرے کا خیال آرہا ہے، سنتے ہی کہنے لگے: ''بس بس، عمرہ مقدم ہے۔ میری ضرورت کا اللہ جل شانہ کہیں اور سے بندوبست فرمادیں گے۔''

۷......مفتی صاحبؒ ظریف الطبع اور شگفتہ مزاج کے مالک تھے، میں نے ایک ٹرسٹ کے سلسلے میں قانونی ضرورت کے تحت آپ کو بہ طور خزانچی مقرر کیا تھا، کبھی ازراہ مذاق فرماتے کہ: ''میں خزانچی ہوں اور پیسوں کی شکل دکھاتے نہیں۔''

۸......اگر کوئی دوا مجھے مفید معلوم ہوتی اور آپ کو استعمال کے لیے دیتا تو پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ: ''جرمانہ کیا ہے؟'' اس کے بعد ہی قبول فرماتے تھے۔

۹......ایک مرتبہ رات گئے میں نے فون کیا، آواز سے محسوس ہوا کہ آپ آرام کر رہے تھے، میں نے پوچھا کہ سو تو نہیں گئے تھے۔ کہنے لگے: ''اب تو جاگ گیا ہوں۔''

۱۰......آپ کی شخصیت کا ایک عجیب اثر میں نے یہ دیکھا کہ آپ کی صحبت میں ذہنی سکون اور قلبی اطمینان ملتا تھا، بعض انتظامی نوعیت کے مسائل جو دل ودماغ اور قلب وذہن کو پریشان رکھتے ہیں، جب میں آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کرتا تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، اس کے ساتھ بہ قدر امکان عملی تعاون بھی کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کسی پروگرام میں شرکت کی غرض سے گاڑی میں تشریف رکھ چکے تھے، میں نے کہا اگر پانچ دس منٹ آپ کے مل جائیں؟ آپ بغیر کسی توقف کے گاڑی سے اترے اور میرے ساتھ متعلقہ مقام پر تشریف لے گئے اور جو مطلوبہ ضرورت تھی اسے احسن طریقے سے مکمل کیا۔

۱۱......ایک شخص نے سکھر میں ایک وسیع رقبہ وقف کیا تھا اور میرے ایک تعلق والے کو متولی اور منتظم مقرر کیا تھا، مذکورہ متولی کو اپنی اولاد کے متعلق اندیشہ تھا کہ وہ وقف کے تقاضوں کی رعایت نہیں کرسکیں گے، اس لیے وہ کسی مطلوبہ اہلیت کے حامل شخص کی تلاش میں تھے۔ اسی مقصد کے لیے میرے پاس یہاں بینات کے دفتر تشریف لائے، ہم یہاں بیٹھے مسئلے کا حل سوچ رہے تھے کہ اسی اثنا میری نگاہ مفتی صاحب پر پڑی کہ باہر سے گزر رہے ہیں، میں نے یہاں بیٹھے بیٹھے

آپ کو اشارہ کیا اور آپ دیکھ کر تشریف لائے، مفتی صاحب چونکہ تدریس کے سلسلے میں سکھر میں مقیم رہے تھے، اس لیے ان سے کسی اہل منتظم کے متعلق مشاورت کی اور انہوں نے نہایت موزوں، قابل اور وقف کے تقاضوں سے باخبر شخصیت کی طرف رہنمائی کردی، وہ صاحب اپنی حاجت کی تکمیل پر خوش تھے اور دعائیں دے رہے تھے اور میں دل میں مفتی صاحب کی عظمت اور انکساری کو سوچ کر حیران ہوا جارہا تھا، میرا آپ کو اشارے سے بلانا، آپ کا آنا اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے وقت میرا آپ کو مصروف رکھنا اور آپ کا مسئلے کی تکمیل تک بیٹھے رہنا، کوئی اور ہوتا تو شاید میں یہ گستاخی نہ کرتا، مگر آپ کی وسعت ظرفی، عاجزی اور کریمانہ اخلاق تھے کہ اس طرح کی باتوں پر کبیدہ خاطر نہیں ہوتے تھے۔ ☆☆

مولانا مفتی محمد انعام الحق صاحب قاسمی ☆

شہیدِ علم وعمل

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۱۸ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء جمعرات کا دن غم واندوہ کا پیغام لے کر آیا، جس میں ہمارے مشفق ومحسن بزرگ، ہمارے دارالافتاء کے نائب رئیس اور گلشن بنوری کے استاذِ حدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید صاحب دین پوری نوراللہ مرقدہ اور ہمارے رفیق کار دوست، محنت وجفاکشی کے پیکر مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی نوراللہ مرقدہ کو اپنے رفیق وخادم حافظ حسان صاحب نوراللہ مرقدہ کے ساتھ دہشت گردوں نے فائرنگ کر کے شہید کردیا۔

انا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إنا للّٰہ ما أخذ ولہ ما أعطی و عندہ کل شئ بأجل مسمی.

؎ اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائیں گے یہ لوگ

؎ بلوح تربتِ من یافتند ازغیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گنا ہے نیست تقصیرے

ساتھیوں کے ساتھ برتاؤ:

جب حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ کا دارالافتاء میں تقرر ہوا تو راقم الحروف نے عرض کیا حضرت! یہاں دارالافتاء میں ہم سب دوستوں کی طرح رہتے ہیں، آپ کو بھی اسی طرح رہنا پڑے گا تو مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مجھے بھی ایسا ہی پائیں گے''، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ اخیر تک اسی طرح رہے، اہم مسائل میں رفقاء دارالافتاء سے مشاورت

☆ استاذ ومفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

کرتے، کسی علمی خدمت کے سرانجام دینے پر اپنے رفقاء کی بھرپور حوصلہ افزائی فرماتے اور مزید علمی خدمات سرانجام دینے کی ترغیب دیتے۔

علمی رسوخ:

تمام درسی کتابوں کے تقریباً حافظ تھے، کوئی بھی استاذ مشکل مسئلہ لیکر آتا فوراً حل کردیتے، اپنی تدریسی زندگی میں تقریباً درسِ نظامی کی اکثر وبیشتر کتابیں پڑھائیں، زندگی کے اخیر سالوں میں جامعۃ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں سنن الترمذی کا درس دیتے تھے اور مختلف مدارس میں بخاری شریف کا درس بھی دیتے تھے۔

فقاہت:

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو فقہ وفتاویٰ اور افتاء نویسی سے خصوصی شغف نصیب فرمایا تھا، اس سلسلے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی تربیت کا خصوصی دخل تھا، فقہ جیسے گہرے اور عمیق علم سے انسیت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف دن کا اکثر حصہ اسی مبارک علم میں صرف ہوتا، بلکہ رات کو بھی جامعہ کے دارالافتاء میں ساڑھے دس بجے تک فتاویٰ کی تصدیق اور مطالعہ میں مصروف رہتے۔

علمی مجالس ومحافل اور مسائل حاضرہ کی مجالس میں شرکت فرماتے، انتہائی سنجیدگی، متانت علمی وقار اور ادب واحترام سے مسائل کو پیش فرماتے تھے۔

جب تک کسی مسئلہ پر شرح صدر اور اطمینانِ قلب نہیں ہوتا تھا، اس وقت تک دستخط نہ فرماتے، بلکہ مسائل کی تحقیق کیلئے مزید محنت ومشقت برداشت کرتے، بینک کے مسائل کے لئے ماہرین معیشت سے تبادلۂ خیال کرتے، نام نہاد اسلامی بینک کی معلومات کے لئے مختلف بینکوں کے ایڈوائزروں اور اسٹیٹ بینک کے عہدہ داروں سے معلومات حاصل کرتے رہے۔

بسا اوقات مسئلے کی تحقیق کیلئے سفر بھی فرماتے، چنانچہ مقدس اوراق کی ری سائیکلنگ کے متعلق ایک استفتاء کے تناظر میں کوٹری میں واقع ایک کارخانہ کا مشاہدہ کیا، اوراق کی ری سائیکلنگ کا عمل بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔

جامعہ میں تدریس اور دارالافتاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مختلف مدارس کے دارالافتاء کی سرپرستی بھی فرماتے تھے، مختلف مدارس کے دارالافتاء کے مفتیان کرام اپنے تحریر شدہ فتاوی تائیدی اور تصدیقی دستخط کیلئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس لاتے تھے اور اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ان کی بھرپور معاونت فرماتے تھے۔

دین کی نشرواشاعت کا جذبہ:

دین کی نشرواشاعت کیلئے ہمہ تن متفکر رہتے تھے، اپنے تلامذہ کے ساتھ سندھ اور بلوچستان کے غریب اور پسماندہ علاقوں میں مدارس ومکاتب کے دورے کرتے اور مدارس و مکاتب بنانے والوں کی ہمت افزائی کرتے اور مکاتب میں زیرِ تعلیم بچوں سے قرآن کریم سنتے اور اربابِ مکاتب ومدارس کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے، نیز کراچی اور بیرون کراچی مختلف مساجد ومدارس میں وعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب دیتے اور دین کی اہمیت کا سبق ان کو پڑھاتے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں کی علمی خدمات پر بہت خوش ہوتے تھے، راقم الحروف کی جب کوئی تالیف حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو پیش کی گئی تو خوشی کا اظہار فرمایا اور اپنے قیمتی تأثرات بھی تحریر فرمائے اور مزید ترغیب دیتے رہے، ایک مرتبہ فرمایا: ''میری دو آرزوئیں ہیں:

> ''ایک آرزو تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مختلف اوقات سے متعلق اذکار وادعیہ کے اسرار ورموز کو قیدِ تحریر میں لایا جائے۔
>
> اور دوسری آرزو یہ ہے کہ جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت کی روشنی میں معاملات پر انسائیکلوپیڈیا منظرِ عام پر لایا جائے''۔

ذوق عبادت سفر وحضر میں:

سفر وحضر میں اپنے معمولات کی پابندی فرماتے، نماز باجماعت کا اہتمام، نوافل اور اذکار پر مداومت اور تہجد کی پابندی فرماتے اور دعاؤں کا خصوصی اہتمام فرماتے، اللہ تعالی کی

ذات پریقین وتوکل کا یہ عالم تھا کہ ہم مفتی صاحب رحمہ اللہ کومحتاط رہنے کیلئے کہتے تو فرماتے:

’’کیا مجھے مار کر گولی ضائع کرنی ہے؟‘‘

انتظامی مصروفیات:

بھر پور علمی مصروفیات کے ساتھ انتظامی مصروفیات نبھانا خاصا مشکل اور کٹھن ہوتا ہے، لیکن جن کیلئے اللہ تعالی آسانی پیدا فرمادیتے ہیں، وہ دونوں ذمہ داریاں بحسن وخوبی سرانجام دیتے رہتے ہیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی علمی مصروفیات بھی سرانجام دیتے تھے۔

جامعہ کی مجلس شوری کے رکن تھے اور جامعہ کا ایک اہم شعبہ جس کو امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ نے قائم فرمایا تھا ’’شعبۂ امور متفرقہ‘‘ کے بھی رکن تھے اور دورۂ حدیث اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلباء کی بھی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔

بالآخر علم وعمل کا یہ تھکاہارا مسافر ۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ کو خلعتِ شہادت زیبِ تن کر کے دنیا کو الوداع کہہ گیا، اپنے اکابرین کی آغوش میں مقبرۃ الأولیاء دین پور شریف میں آسودۂ خاک ہوگیا۔ رحمه الله رحمة واسعة.

؎ بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی ☆

حضرت مفتی دین پوری شہید...... اور ......دارالافتاء بنوری ٹاؤن

تقریباً ۱۹۵۱ء کو جام ابوبکر، خان پور، ضلع رحیم یار خان میں فاضل دیو بند حضرت مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ کے ہاں ایک نئے مہمان کی آمد ہوئی، عظیم والد نے اپنے نومولود مہمان کا نام تفاؤلاً ''عبدالمجید'' تجویز کیا، جسے خدائے بزرگ و برتر کی عبدیت کا مظہر بنانا مقصود تھا۔ اللہ تعالی نے اس تفاؤل پر حقیقت کی مہر ثبت فرمائی اور مقام عبدیت کے مدارج و منازل طے کرانے کے اسباب و دواعی اکٹھے ہوتے چلے آئے، چنانچہ ہوش سنبھالتے ہی تقریباً ۵۴ء میں عبدیت کی ابتدائی منازل اپنے والد بزرگوار کی انگلی پکڑ کر طے کرنا شروع کیں اور پھر قرب و جوار کے مختلف مدارس سے ہوتے ہوئے ۶۹ء کو مرکزِ علم و عرفان، محورِ غیرت و حمیت، منبع فکر و عمل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں محدثِ زمان، مقامِ عبدیت و فنائیت کی اعلی مثال حضرت بنوری رحمہ اللہ کے دامنِ علم سے وابستہ ہو گئے۔ درجۂ سابعہ، دورۂ حدیث اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کا مروجہ نصاب یہیں مکمل کیا اور ۱۹۷۱ء میں سندِ فراغت حاصل کی، ابتدائی تقرر بھی جامعہ میں ہو چکا تھا، مگر چند گھریلو مشاکل کی وجہ سے رخصت ہو گئے اور واپس آنے میں تاخیر ہو گئی، اس اثناء میں سکھر اور شہداد پور کے مختلف مدارس میں مختلف علوم و فنون کی مبتدی و منتہی کتب زیرِ تدریس رہیں اور کثیر تعداد میں خوشہ چین صدقۂ جاریہ کے طور پر چھوڑے، جن میں سے بعض کی آں حضور سے عقیدت و محبت کے بعض بے مثال مناظر کا میں خود بھی شاہد ہوں۔

۱۹۹۶ء میں ایک مرتبہ پھر اپنی علمی و روحانی پرورش گاہ، بنوری ٹاؤن میں واپس آئے، یہ استاذ مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ کا دورِ اہتمام تھا، ہم اس وقت دورۂ حدیث میں تھے، دورۂ حدیث کے برابر والی درس گاہ درجۂ خامسہ والوں کی تھی، جہاں سے کسی

☆ مشرف: تخصص فی الفقہ الاسلامی، جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی

ایک گھنٹہ میں مردانہ بھاری آواز، پراعتماد لگاتار گفتگو کی صورت میں سنائی دیتی، طالب علمانہ جستجو سے معلوم ہوا کہ یہ جامعہ کے نئے استاذ ہیں اور اور بڑے مفتی ہیں، جنہیں حضرت شیخ مختار شہید رحمہ اللہ کی دوراندیش عقابی نگاہوں نے اندرونِ سندھ کے گمنام گوشوں سے اچک کران کے سچے کے صحیح مقام پر لاکر دارالافتاء بنوری ٹاؤن کے محور ومرکز کے طور پر جڑ دیا ہے، یہ استاذ، حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری کہلاتے ہیں اور براہِ راست نائب رئیس دارالافتاء کے منصب کے لیے ان کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ جیسے فرض شناس ومردم شناس مہتمم کے فیصلوں کی حکمتیں تلاشنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوا کرتی، بایں ہمہ جب دورۂ حدیث سے فراغت کے اگلے سال شوال ۱۴۱۷ھ میں ہمارا تخصص فی الفقہ الاسلامی کے لیے داخلہ منظور ہوا اور حسبِ ترتیب تخصص کے پہلے سال کے ششماہی امتحان کے بعد تمرینِ افتاء کے سلسلے میں دارالافتاء میں آنا جانا شروع ہوا تو ہم دس طلباء تھے، جن میں ہمارے حالیہ شریک کار مولانا مفتی نیاز صاحب، مولانا رشید احمد اوکاڑوی صاحب، مولانا روح اللہ غزنوی صاحب اور مولانا عطاء الرحمٰن ہزاروی صاحب کے علاوہ چند اور ساتھی بھی تھے، اس وقت چار اساتذہ کرام تمرین فتاوی والے طلباء کی تصحیح ورہنمائی فرمایا کرتے تھے، جن میں حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید شہید رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد انعام الحق صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیق عارف صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم، اُس وقت کی ترتیب کے مطابق طالب علم حسبِ فرصت کسی بھی استاذ کے پاس تصحیح کے لیے جا سکتا تھا، مجھے حضرت مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی صاحب دامت برکاتہم کے بعد جو چہرہ زیادہ مانوس لگا، وہ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیق عارف صاحب مدظلہم کا چہرہ تھا، چنانچہ میں نے عرصہ تمرین کے پہلے فتوی کی تصحیح ان سے کروائی، اسی عرصہ میں گاہے بگاہے حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ سے بھی قرب وانس ہونے لگا اور رعب وحشمت کے پردوں میں چھپی ہوئی آپ کی ملنسار ومتواضع مقناطیسی شخصیت نے استفادہ کے وافر حصہ کے لیے اپنے قریب ہی رکھا، چنانچہ تخصص کے دوران تقریباً ۹۸ فیصد میرے فتاوی کی تصحیح آپ ہی کے دست اقدس سے ہوئی، جس کا ایک بڑا باعث آپ کا حسن ظن

اور حوصلہ افزائی کا بے پایاں انداز تھا، آپ کے حسنِ ظن اور حوصلہ افزائی کا یہ تعلق ایک ایسے ابتدائی مرحلے میں قائم ہوا، جس مرحلے میں خود لکھنے والا طالب علم بے یقینی اور بے اعتمادی کا شکار ہوتا ہے، مگر آپ نے اس ناچیز کی ایسی حوصلہ افزائی اور تشجیع فرمائی کہ ابتدائی چند دنوں کے اندر ہی تصحیح کے لیے رف عمل سے چھوٹ دے کر براہِ راست اصل استفتاء پر جواب لکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی، جس کی بدولت مجھے تصحیح کے لیے رف لکھنے سے زیادہ انہماک اور غور وتوجہ سے لکھنے کے لیے قویٰ یکجا رکھنے کا موقع ملا اور اس اندازِ تربیت کا جو نقد صلہ نصیب ہوا، وہ یہ کہ پہلے حضرت فقیہ العصر مفتی محمد عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم جیسے نقاد ومشاق مفتی کی قربت کے راستے کھلے اور بعد میں حضرۃ الشیخ مفتی نظام الدین شامزی شہید رحمہ اللہ کے قرب واعتماد کا وافر حصہ بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جس کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ نے مادرِ علمی جامعہ میں خدمت کے مختلف مواقع نصیب فرمائے اور اپنے اکابر ومشائخ کی شفقتیں میرے شاملِ حال ہونے میں خوب خوب مدد ملی، ورنہ کہاں میں، کہاں جامعہ اور کہاں خدمت کے یہ مواقع؟

بہرکیف حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ جس طرح مدارِ تصحیح بنے، اسی طرح دارالافتاء کے محور ومدار بھی ٹھہرے، چنانچہ مفتی محمد عبدالسلام صاحب زید مجدہم کے ان کے ضعف وعلالت میں زبردست سہارا ثابت ہوئے، ان کی موجودگی اور غیر موجودگی میں تقریباً تمام فتاویٰ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کی تصحیح وتوقیع سے گزر کر ہی جاتے تھے ۱۴۲۲ھ میں حضرت مفتی چاٹگامی صاحب زید مجدہم جب بنگلہ دیش منتقل ہوگئے تو اندرونِ جامعہ اور بیرونِ جامعہ تقریباً ادارہ کے ہر بہی خواہ کو یہی فکر دامن گیر تھی کہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب رحمہ اللہ کی مسندِ افتاء کا کیا بنے گا؟ اس درد کا اظہار بعض مخلصین نے حضرت مفتی چاٹگامی صاحب کے سامنے بھی کیا، مگر ان کا جو جواب تھا، الحمد للہ وقت نے اسے صحیح وصائب ثابت کردیا، آپ نے فرمایا کہ ''نہیں! ان شاء اللہ میرے ساتھی دارالافتاء بنوری ٹاؤن کو سنبھال لیں گے، مجھے اعتماد ہے۔''

الحمد للہ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے دارالافتاء بنوری ٹاؤن سے وابستگی کے محدود عرصہ میں دارالافتاء کو وہ سنبھالا دیا کہ آپ پر ادارہ کا اعتماد دوبالا ہوا، حضرت مفتی چاٹگامی

صاحب مدظلہم کی صورت میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ کے طرزِ افتاء کا ۳۴ر سالہ تسلسل مزید اجلا ہوا، اس میں کمی نہیں آنے دی، بلکہ آپ نے اپنے پیش رو بزرگوں کے طرزِ افتاء کی روح کی جس طرح پاسداری فرمائی، اس سے یہ گمان، یقین واذعان میں بدلتا محسوس ہوا کہ شاید تکوینی طور پر حضرت مفتی صاحب شہید کا تقرر دارالافتاء کے لیے عمل میں آیا ہے۔

مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی صاحب شہید رحمہ اللہ

حضرت مفتی دین پوری شہید رحمہ اللہ کی زندگی کے رفیق کار اور آخرت کے شریکِ سفر برادرم مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی شہید کا تذکرہ بھی حضرت مفتی صاحب اور دارالافتاء بنوری ٹاؤن سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۴۱۸ھ کے اختتام پر ہمارا تخصص بھی اختتام پذیر ہونے جا رہا تھا اور مفتی چاٹگامی صاحب دامت برکاتہم سے نیاز سمیٹنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش میں رہتے تھے۔ حضرت چاٹگامی صاحب دامت برکاتہم کا حضرت مفتی محمد انعام الحق صاحب، مفتی شفیق عارف صاحب اور مفتی عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم میں سے ہر ایک کے ساتھ اعتماد وانحصار کا الگ الگ انداز تھا، ان اساتذہ کرام کی کارکردگی میں حضرت مفتی چاٹگامی صاحب کی رفاقت وتربیت کا بھرپور نکھار بھی موجود تھا، ان کے علاوہ ایک اور نحیف جسم نوجوان کا آپ کی خدمت میں آنا جانا رہتا تھا، جن کا تعارف خود حضرت چاٹگامی صاحب سے ان کے سادہ بزرگانہ انداز میں یوں ہوا کہ ''بھائی! دارالافتاء میں ایک پشتو مفتی کی ضرورت ہے، اس کے لیے صالح محمد بہت مناسب ہے''، اس وقت تک دارالافتاء میں پشتو زبان والے کوئی مفتی صاحب نہیں تھے، چنانچہ آپ کی تحریک پر صالح محمد کا تقرر ہوا، صالح محمد نے اپنے عمل اور کارکردگی کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ اپنے بڑوں کے انتخاب کو درست اور مناسب ثابت کیا، بلکہ شبانہ روز محنت کرکے چھ گھنٹے کے دورانیہ میں بلامبالغہ چار افراد کا کام کرتے ہوئے بہت ہی مختصر وقت میں صالح محمد سے ''مفتی صالح محمد کاروری بنا'' خودنوشت فتاوی، طلباء تخصص کی تصحیح، بذریعہ فون زبانی مسائل اور قضاء

وتحکیم کے مسائل یومیہ بنیادوں پر یوں انجام دیتے کہ یہی کام ہمارے جیسے چار کی بجائے آٹھ افراد پر بھی تقسیم کیا جائے تو شاید بمشکل ہی انجام دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے مفتی صالح صاحب شہید کے اوقات واعمال میں جو برکت عطا فرما رکھی تھی، اس کی بڑی وجہ ان کا اخلاصِ نیت، اخلاصِ عمل اور احساسِ ذمہ داری تھا، اللہ تعالیٰ یہ احساس ہم سب کو نصیب فرمائے اور ہمارے ان شہداء کے خون کے صدقہ میں ہمارے ادارے کو حسنِ عمل اور حسنِ انتظام کے ساتھ دوام واستحکام بخشے، آمین۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام شہداء کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ☆☆

مولانا مفتی شعیب عالم ☆

استاذ جی رحمہ اللہ

تخصص سال اول:

نئی صدی اور نئے ہزاریے کا پہلا سورج اپنی اولین کرنیں کرۂ ارض پر بکھیر رہا تھا، ایک جہانِ نو کا آغاز ہو رہا تھا، دنیا بیسویں صدی کو الوداع الوداع اور اکیسویں کو مرحبا صد مرحبا کہہ رہی تھی اور ہم درسِ نظامی سے تخصص کے مرحلے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ جامعہ کے شیخ الحدیث اور تخصص فی الفقہ کے مشرف تھے۔ اس وقت آپ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور آپ اپنے عروج بلکہ عروج کے بھی عروج پر معلوم ہوتے تھے۔ ہر طرف آپ کا طوطی بولتا تھا اور پورے ملک میں آپ کی علمیت کی گونج اور مقبولیت کا غلغلہ تھا۔ جامعہ آسمانِ علم کے اس آفتاب و ماہتاب کا مطلع اور اس چشمہ صافی کا منبع و مصدر تھا، اس لیے قدرتی طور پر ہر نگاہ اس سے خیرہ اور ہر قلب اس سے متاثر تھا اور ہر ایک اپنے اپنے ظرف اور طلب کے بہ قدر اس سے سیراب ہو رہا تھا۔

میرے قریبی ساتھیوں میں سے کچھ تو پہلے سے اپنے لیے کام اور پروگرام طے کر چکے تھے، اس لیے وہ تو فاتحۂ فراغ کے انتظار میں دن گن رہے تھے۔ کچھ نے بہت مجاہدے اور قربانی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی تھی اور کچھ کے نجی حالات تعلیمی سلسلہ مزید جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ایسے ساتھیوں کی خوشی قابلِ دید اور مسرت قابلِ فہم تھی، مگر میرا حال اس سے مختلف تھا۔ واللہ علی ما نقول شہید۔ جوں جوں دورہ حدیث قریب آ رہا تھا توں توں گویا رگوں میں خون خشک ہو رہا تھا اور مستقبل کے حوالے سے ذہن ماؤف اور دماغ شل معلوم ہوتا تھا۔ جامعہ کی قربت، طالب علمی کی لذت، اساتذہ کی شفقت اور کسی قدر عملی زندگی کی ذمہ داریوں کا

☆ مدرس ومفتی: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی.....تلمیذِ خاص: حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

خوف اور گوشۂ عافیت سے یک دم ایک سرگرم اور چہل پہل سے بھرپور زندگی سے طبعی عدم مناسبت۔ یہ تمام عوامل ایسے تھے کہ سند ہاتھ میں تھی اور چاروں اطراف کھلے ہوئے تھے، مگر کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کریں؟

یہ وقت بڑا نازک اور مرحلہ بڑا ہی حساس ہوتا ہے۔ موج بپھر کر کہیں بھی نکل جاتی ہے۔ ہلکی سی تحریک اور معمولی ترغیب انسان کا رخ کسی بھی جانب موڑ دیتی ہے۔ فتنہ گر اور فتنہ جو لوگ بھی ایسے ہی مواقع پر منڈیوں سے خام مال اٹھاتے ہیں اور پھر اپنے من پسند ہتھیار تیار کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ کی خصوصی کرم نوازی تھی کہ ہمیں جامعہ سے وابستہ اور پیوستہ رکھا اور صورت اس کی یہ ہوئی کہ جب ہم قریبی تین ساتھیوں نے باہمی مشاورت کی، تو تینوں کے اتفاق سے قرار پایا کہ سمندر کے کنارے تشنگی، سوائے حرماں نصیبی اور بدقسمتی کے اور کچھ نہیں، اس لیے حضرت شامزئیؒ کے وجودِ مسعود کو غنیمت جانتے ہوئے ان سے کسبِ فیض کرنا چاہیے۔

اگرچہ ہم استاذ جی مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ سے ہدایہ اول و رابع پڑھنے کی سعادت حاصل کر چکے تھے، مگر اس کے باوجود ان سے رسمی نوعیت سے زیادہ تعارف نہ تھا، انہیں دیکھتے اور جانتے تھے مگر پہچانتے اور سمجھتے نہیں تھے۔

مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی مدظلہ العالی باوجود یہ کہ رئیس دارالافتاء تھے، مگر ان کی شخصیت سے استفادہ اور ان کی ذات سے نیازمندی کا موقع نہیں ملا تھا۔ ان کے تحقیقی فتاوی اور گراں قدر مطبوعہ تالیفات اس زمانے میں بھی دستیاب تھیں، لیکن سوءِ قسمت کہ شروع ہی سے ان شخصیات کی قدر اور ان کی تالیفات کی طرف دھیان نہ ہو سکا۔ فیا للاسف۔

حاصل اور مغزِ سخن یہ ہے کہ شخصیات میں سے مفتی نظام الدین شامزئیؒ کی بلند پایہ اور قد آور شخصیت تخصص کے لیے وجہ تحریک بنی تھی۔ چنانچہ داخلے کی رسمی کارروائی ہوئی اور تحریری و تقریری جائزے کے بعد ہم درس گاہ میں دروازے کی طرف نگاہیں باندھے حضرت کی آمد کے منتظر تھے۔ استاذ محترم مفتی نظام الدین شامزئیؒ ایک دو مہمانوں کی معیت میں جلوہ افروز ہوئے

اوران سے مختصر گفتگو فرمانے کے بعد ہم طلباء کی طرف متوجہ ہوئے اور حمد وصلاۃ سے کلام کا آغاز فرمایا۔تخصص کا پہلا سال تھااور پہلے سال کے پہلے سبق کی پہلی باتیں تھیں،اس مناسبت سے پورا درس تو نہیں البتہ ابتدائی حصہ کچھ یادرہ گیا ہے۔آپ کچھ یوں گویا ہوئے:

''مفتی صاحبان!یہ تخصص جان توڑ محنت اور کتابوں میں ڈوب جانے اور کھو جانے کا نام ہے۔یہ کوئی مشینی طرز کی چیز نہیں ہے کہ اس میں خام مال ڈال دیا جائے اور بنابنایا نکال لیا جائے۔''

اس قدر فرمانے کے بعد اپنے دائیں اور بائیں جانب سلیقے اور قرینے سے لگی کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جو کچھ ہے ان کتابوں میں ہے۔میں بھی اور ہر ایک ان کتابوں کا محتاج ہے۔اس لیے کچھ حاصل کرنا ہے تو ان ہی سے کرنا ہے،البتہ ان سے استفادہ کس طرح کروگے؟اس کے لیے دو باتوں کا خیال رکھو:

۱....سب سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ سوال کیا ہے؟یا تم سے کیا پوچھا جارہا ہے؟

۲....اس کے بعد تمہیں یہ معلوم ہو کہ اس کا جواب کہاں ملے گا؟

جب تم جواب تلاش کروگے تو کبھی تو تمہیں بعینہ اپنے سوال کا جواب مل جائے گا،کبھی اس کی کوئی نظیر یا مثال مل جائے گی اور کبھی جزئیہ اور نظیر وغیرہ تو نہیں ملے گی البتہ کوئی ایسا اصول یا قاعدہ کلیہ ہاتھ لگ جائے گا جس کی رہنمائی سے تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ان دو باتوں کے بعد جواب لکھنے کا مرحلہ آتا ہے تو اگلے سال تمہیں باقاعدہ اس کی عملی مشق کرائی جائے گی اور اس سال تمہیں بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کرایا جائے گا،تم اس سے اپنے بزرگوں کا اسلوب اور طرز بیان واستدلال سیکھنے کی کوشش کرو۔''

اس سے آگے حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہوگا،گفتگو کے آغاز سے اختتام کا اور تمہید سے نتیجے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اغلب یہی ہے کہ تمام گفتگو اسی طرح کے رہنما اصولوں،زریں

ارشادات اور پرحکمت فرموادات پر مشتمل ہوگی، مگر چونکہ میرے تصورات اور قیاسات کے خلاف تھی، اس لیے ایک شعوری کوشش کر کے میں نے دھیان دوسری طرف متوجہ کر دیا، جس کے بعد میں جسماً تو حاضر درس تھا مگر ذہناً کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

خیال یہ تھا اور یہی ذہن بنا کر کلاس میں حاضر ہوا تھا کہ آج تو امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کے درمیان دنگل سجے گا، قدیم فقہی اجتہادات کی روشنی میں عصریات کا حل پیش کیا جائے گا اور تمدن جدید کے پیدا کردہ الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل پر گفتگو ہوگی۔ لیکن یہ سن کر کہ: ''پہلے آپ سوال سمجھیں'' وہ حسین خواب بکھرنے لگے جو آنکھوں میں سجائے اور دماغ میں بسائے، ہم نے اس کوچہ کا رخ کیا تھا۔ سچ پوچھئے تو استاذ کی عظمت کی وہ عمارت جو اپنی رفعت میں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھی، اب ذہن ہی ذہن میں زمین بوس ہونے لگی تھی۔ دماغ میں زبردست نقد وجرح اور توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور تخصص میں داخلے کے فیصلے پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔

آخر سوال سمجھنے کے لیے کونسی عقلِ ارسطو اور ذہن افلاطونی کی ضرورت ہے؟ جواب ڈھونڈنا کون سا پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرنے، ستاروں پر کمندڈالنے، ندی کے دو کنارے ملانے اور جوئے شیر لانے کے مترادف ہے؟ ایک ایک مسئلے کے متعلق آٹھ آٹھ اقوال ہمیں یاد ہیں، ابھی تازہ تازہ دورہ حدیث کر آئے ہیں، کسی مسئلے کے متعلق حنفی ائمہ کیا فرماتے ہیں؟ امام زفر کا اجتہاد کیا ہے؟ امام بخاری کی کیا رائے ہے؟ ائمہ ثلاثہ کا مذہب کیا ہے؟ داؤد ظاہری نے کیا راہ اختیار کی ہے؟ متقدمین کی سوچ کیا ہے اور متاخرین اس سے کیا اختلاف رکھتے ہیں؟ یہ سب کچھ ترمذی شریف کی بدولت ہمیں از بر اور مستحضر ہے اور نظرِ طحاوی کی بدولت، مابدولت ان متضاد اقوال اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے درمیان محاکے اور تصفیے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

یہ سوچ کتنی بودی، یہ خیال کتنا احمقانہ اور ذہنیت کتنی سطحی تھی، اہل نظر اور ارباب بصیرت پر پوشیدہ نہیں، اس لیے اِس وقت اس پر تبصرے کی ضرورت نہیں، تاہم اُس وقت اس کی چبھن بہت شدید تھی اور اگر حق تعالیٰ شانہ دستگیری نہ فرماتے تو راہِ حق اور جادۂ اعتدال سے انحراف کی پہلی سیڑھی ''اکابر پر بداعتمادی'' ہی ہوتی ہے۔ شیطان پہلے شک کا کانٹا بوتا ہے، وقت کی ضرورت

اورزمانے کے تقاضوں کے نام سے اس کی آبیاری کرتا ہے،نوخیز اذہان کی زرخیز زمین جو ہرقسم کا بیج قبول کرلیتی ہے ،اس میں اتنی تنقیدی بصیرت اوراسلام کے مزاج ومذاق کا اتنا گہرا شعورتو ہوتا نہیں کہ وہ زمانے کی ضرورت اوراسلام کی ضرورت میں فرق کرسکے،نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسا ذہن کسی ''ضرورت'' کو دینی معیارات اوراسلامی اصول وقواعد پر جانچنے کے بجائے محض پروپیگنڈے کے زور پر''اسلام کی ضرورت'' سمجھ لیتا ہےاور پھر اسلام سے ہمدردی کے معصوم اور پاکیزہ مگر خلافِ حقیقت جذبے کے تحت ان لوگوں کا ہم نوا، ہم مطرب وہم مشرب بن جاتا ہے، جو اس کے خیال میں اسلام کی حقیقی ضروریات کو پورا کررہے ہیں یاکم ازکم اس کا ادراک اوراحساس رکھتے ہیں۔یوں شجرہ خبیثہ کواپنی جڑیں پھیلانے اور مستحکم کرنے کا موقع مل جاتا ہے، ''ہم چوں من دیگرے نیست''اور ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب کے بقول''ہم چوں من ڈنگرے نیست'' کے کھاد پانی سے اسے سینچا جاتا ہےاور مخلوق کی تالیوں اورآفریں آفریں کی صداؤں سے اسے پروان چڑھاجاتا ہے۔اس طرح شک کوزادِراہ بنانے والا مسافر کبھی یقین اوراعتماد کی منزل پر نہیں پہنچ پاتا، بلکہ اپنے لیے جمہور سے کٹ کرالگ راہ چن لیتا ہے،یا ان لوگوں کا ہم سفراور شریکِ خیال بن جاتا ہے جن کی منزل وہ نہیں جو ہمارے لیے متعین کی گئی ہے۔

تخصص سال دوم:

وقت کا پہیہ اسی طرح گھومتا رہا،دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سال میں بدل گئے یہاں تک کہ نصف سفر مکمل ہوااورسال اول بخیریت وعافیت گزرگیا۔سال دوم میں بنیادی طور پر فتوی نویسی کی مشق کرائی جاتی ہےاوراس مقصد کے لیے فرضی اوراحتمالی سوالات حل کرنے کی بجائے ان سوالات کا جواب لکھنا پڑتا ہے جولوگ دارالافتاء میں جمع کراتے ہیں،یہ طریقہ کارحددرجہ نافع اور بے شمارفوائدومصالح پر مشتمل ہے،اس لیے اس پر ہونے والی تنقید بھی گوارا کرلی جاتی ہے۔

ایک حقیقی اور مصنوعی سوال میں وہی فرق ہے جوایک اصلی اورنقلی شی میں ہوتا ہے۔عام لوگ علمی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہیں اوران کا طرزِ بیان ہمارے جانے پہچانے اسلوب

سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ سوال میں یا تو اختصارِ مخل ہوتا ہے یا اطنابِ ممل، دریافت طلب امر کے متعلق تفصیل نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، جبکہ حشو وزوائد کی بھرمار ہوتی ہے۔ اس لیے صفحات کے صفحات ملاحظہ کرنے کے باوجود وضاحت لینی پڑتی ہے کہ سائل پوچھنا کیا چاہتا ہے؟ مدرسے میں رہتے ہوئے جب طلباء ایسے سوالات کے ذریعے باہر کی بولی اور عرف سے واقف ہوجاتے ہیں تو پھر کام کے میدان میں اترنے کے بعد انہیں اجنبیت اور دقت محسوس نہیں ہوتی۔

جو سوالات دارالافتاء میں جمع کرائے جاتے ہیں، دارالافتاء کے اساتذہ ہی ان کی تصحیح کرتے ہیں، اس طرح تخصص کے طلباء سال دوم میں دارالافتاء کے زیرِ تربیت آجاتے ہیں۔ اس زمانے میں دارالافتاء کے رئیس اور نگران محدث العصر، نابغۃ الدہر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور فقیہِ وقت، ولی زماں، محدث دوراں مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے شاگردِ خاص، استاذِ مکرم حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی تھے۔

حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ اُسی سال بنگلہ دیش ہجرت کر گئے تھے، مگر اس بُعدِ مکانی کے باوجود تعلیمی سال کے اختتام پر چند مہینوں کے لیے دارالافتاء تشریف لاتے تھے۔ رفتہ رفتہ حضرت کی صحت جسمانی، مشاغل وعوائق اور ویزے وغیرہ کے مسائل کی وجہ سے اس سلسلے میں کمی آتی گئی، اب کچھ عرصے سے آمد کا معمول بالکلیہ متروک ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے اور قرائن وشواہد اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ مفتی عبدالسلام چاٹگامی پہلے سے ہجرت کا عزمِ مصمم کر چکے تھے، مگر کسی ایسے موزوں متبادل اور اہل جانشین کے انتظار میں تھے جو اس امانت کو اس کے تمام تقاضوں سمیت سنبھال سکے، کیونکہ مسند نشینی صرف ظاہری اور روایتی نہیں بلکہ علمی، روحانی، معنوی اور فکری بھی تھی اور نائب کے لیے ذاتی جوہر کا حامل، ظاہری وباطنی کمالات سے متصف اور جامعہ کے دارالافتاء کے مزاج ومذاق سے واقف بلکہ اس کا مبلغ اور علم بردار ہونا بھی ضروری تھا۔ جب ان کی دور اندیش نگاہ اور جوہر شناس طبیعت کو مطلوبہ صفات کی حامل شخصیت میسر آگئی تو وہ پورے اطمینان اور بشاشت کے ساتھ یہ بار مشفق ومربی مخدومی ومولائی حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے سپرد کر گئے۔

اس سلسلے میں خود مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی ذاتی ڈائری سے کچھ اقتباسات نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

''آج ظہر کے بعد جب دارالافتاء آیا تو مفتی عبدالسلام صاحب نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ میں نے آئندہ سال کے لیے جامعہ سے استعفا دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب کو استعفا پیش کر دیا ہے۔اس خبر سے بہت زیادہ تشویش ہوئی، رات بھر پریشان رہا۔'' (ڈائری:۲ شعبان ۱۴۲۱)

''آج مفتی عبدالسلام صاحب رئیس دارالافتاء کم از کم ایک مہینے کی رخصت پر چلے گئے، وہ آج مدرسے سے الوداع کر گئے، کل صبح بنگلہ دیش چلے جائیں گے، جاتے ہوئے باقاعدہ طور پر بندہ کو اپنا قائم مقام بنا گئے، جب کہ اس سے پہلے مہتمم صاحب کی منظوری سے نائب رئیس دارالافتاء بندہ کو ہی مقرر کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے، تکبر اور غرور سے محفوظ فرمائے۔ **اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی**

استاذ جی مفتی عبدالمجید دین پوریؒ نے جس توجہ واہتمام، حسن انتظام، کمال مہارت ولیاقت، عمدگی وشائستگی اور احسن واکمل طریقے سے اس مفوضہ ذمہ داری کو نبھایا، وہ فضل ایزدی، آپ کی ذاتی صلاحیتوں اور آپ کے اساتذہ کی دوراندیشی اور جوہر شناسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی کے تشریف لے جانے کے بعد اب مشفق ومربی مفتی عبدالمجید دین پوریؒ دارالافتاء کے مسئول اور ذمہ دار تھے اور طلبا آپ کے زیر نگرانی وزیر تربیت تھے، اس لیے کثرت سے دارالافتاء میں آمدورفت رہتی تھی۔ ایک دن جب کسی غرض سے دارالافتاء گیا تو سماعت سے کچھ اس قسم کے جملے ٹکرائے کہ میں رکنے اور غور سے سننے پر مجبور ہو گیا، مفتی عبدالمجید صاحبؒ ہمارے ایک ساتھی سے فرما رہے تھے:

''بھائی دیکھ لیا کرو کہ سوال کیا ہے؟ جواب کے قابل کیا بات ہے؟ مستفتی کیا پوچھ رہا ہے؟''

سن کر میں دم بخود رہ گیا، الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ ہر تار سے ایک ہی آواز اور ہر آواز ایک

ہی طرح نغمہ سنج کیوں ہے؟ابھی انہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ کانوں میں مفتی نظام الدین شامزیؒ کی آواز اپنے مخصوص انداز اور معصوم لہجے کے استحضار کے ساتھ گونجنے لگی:

''سب سے پہلے یہ سمجھو کہ سوال کیا ہے؟تم سے کیا پوچھا جارہا ہے؟''

انسان دھیان نہ دے تو بڑی سی بڑی حقیقت بھی نظروں سے اوجھل رہتی ہے اور اگر شعوری طور پر نظر انداز کرتا جائے تو پھر تو دنیا میں کسی حقیقت کا وجود ہی نہیں ہے۔سوئے ہوئے کو تو جگایا جاسکتا ہے،مگر جس نے زبردستی آنکھیں بند کر رکھی ہوں،اسے جھنجھوڑنے بلکہ بھنبھوڑنے سے بھی بیدار نہیں کیا جاسکتا۔مفتی عبدالمجید صاحبؒ کی تاکید وتنبیہ کو اس شاعرانہ ترنگ میں نظر انداز کر گیا کہ بس یوں ہی ایک استاذ کا خیال دوسرے کے خیال سے ٹکرا گیا ہوگا،مگر کچھ ہی عرصے میں یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ ایک جامع پلان،منظّم منصوبہ بندی اور مربوط حکمت عملی کے ساتھ فقہی تربیت کا میدان سجایا گیا ہے۔

سالِ اول کے اول دن صاف اور سادہ لفظوں میں جو اصول بیان کیا گیا تھا،اب اس کے آزمانے اور عملی تصدیق کے دن تھے۔محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے کہیں لکھا ہے،جس کے ہو بہو الفاظ تو یاد نہیں،لیکن مرکزی مفہوم اور بنیادی خیال کچھ اس طرح تھا کہ:''یہ انبیاء کا کمال ہے کہ سادہ اور مختصر لفظوں میں بڑے بڑے گہرے حقائق بیان کر جاتے ہیں کہ جن کی تشریح کی جائے تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں،اس کے برعکس حکماء اور فلاسفہ الفاظ تو بڑے بھاری بھرکم اور بارعب،اور اصطلاحات تو بہت ثقیل اور دقیق استعمال کرتے ہیں،مگر حقیقت وہی''کوہ کندن اور کاہ برآمدن'' ہوتی ہے۔''متقدمین اور متاخرین کے علوم میں بھی یہ فرق ہے کہ متقدمین کے علوم حقائق سے بھر پور ہوتے ہیں جب کہ متاخرین الفاظ کے پابند رہتے ہیں۔

مقصد متاخرین کی تنقیص نہیں،کیونکہ اگلوں سمیت پچھلے بھی ہمارے سردار اور سروں کے تاج ہیں۔حدیث شریف میں امت محمد یہ۔علیٰ صاحبها الف الف تحية و سلام کو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے۔بارش کا کون سا قطرہ زمین کی روئیدگی،سرسبزی اور شادابی کا باعث ہے،تعیین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا،اس لیے اگلی اور پچھلی پوری امت میں خیر ہے،البتہ مجموعی فضیلت

متقدمین کو حاصل ہے۔

اصل مقصود ان دانشوروں اور اسکالروں پر دل کا غبار نکالنا ہے، جو کہتے ہیں کہ: ''یہ صدی عام آدمی کی صدی ہے'' مگر اس صدی کے علوم ایسے ہیں جو عام آدمی کے دسترس سے باہر ہیں۔ علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور انبیاء کا مقصد حق کی پیغام رسانی ہوتا ہے، اس لیے وہ تکلفات سے دور اور مصنوعی پن سے متنفر نظر آتے ہیں اور صاف وسادہ، سیدھے اور کھلے لفظوں میں بڑی گہری حقیقت بیان کر جاتے ہیں۔ آج جب اس پہلو پر غور کرتا ہوں اور اپنے اساتذہ کی شخصیت کے اس رخ کو سامنے رکھ کر سوچتا ہوں تو وہ اوج کمال پر نظر آتے ہیں اور ذہن میں ان کی عظمت کا مینار اپنی بلندیوں میں ستاروں کو چھونے لگتا ہے۔

حضرت شامزی شہیدؒ کے اولین درس کے متعلق شروع کی سطور میں گزرا کہ انہوں نے فرمایا تھا: ''کہ جب تم جواب تلاش کرو گے تو کبھی تو تمہیں بعینہ جزئیہ مل جائے گا یا پھر کوئی اصول ہاتھ لگ جائے گا۔'' حضرت شامزیؒ کی گفتگو اسی ترتیب سے تھی اور انہوں نے جزئیے کی اصول پر تقدیم کی کوئی تصریح نہیں کی تھی۔ ان کی گفتگو کو ذہن میں رکھ کر اب ہم مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے دربار میں حاضری دیتے ہیں۔ ان کا اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ یاد پڑتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک سوال کا جواب تلاش کرنے کو کہا، جب تلاش بسیار کے بعد بھی مجھے ناکامی ہوئی تو اصول نکالنے کو کہا، میں اصول وقواعد کے مطالعے کے بعد بھی کسی اصل پر اس مسئلے کو منطبق نہ کر سکا اور صاف لفظوں میں حضرت سے عاجزی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: ''اچھا چلو جتنا مطالعہ تم نے کیا ہے، اس کے نتیجے میں خود کوئی اصول تشکیل دے سکتے ہو؟'' اس وقت تو میں حضرت کے اصل منشا کو نہ سمجھ سکا، لیکن جب اصول کی کتاب پڑھانے کا موقع ملا تو عقدہ کھلا کہ جزئیہ اصول پر اور خاص قاعدہ، عام قاعدے پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے پہلے جزئیہ اور پھر اصول تلاش کرنے کا حکم دیا اور حنفی اصولِ فقہ چونکہ استقراء کے اصول پر مبنی ہیں، جس میں جزء سے کل اور خصوص سے عموم اور کچھ سے بہت کچھ کی طرف سفر ہوتا ہے اور جزئیات کو سامنے رکھ کر ان سے قدرِ مشترک نکالا جاتا ہے اور اسی قدر مشترک کو پھیلا کر اور مسائل کو اس کے ضمن میں لے

لیا جاتا ہے تو حضرت مفتی صاحب عملی اور تجرباتی طور پہ اصول ذہین نشین کرانا چاہتے تھے۔

اس عملی تربیت کا فائدہ یہ ہوا کہ اب یہ سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی کہ "حنفی اصول" جزئیات کو سامنے رکھ کر تشکیل دیے گئے ہیں، نیز کسی فتوی کا جواب لکھتے وقت عمومی قواعد کا سہارا لینا ہے یا پہلے فقہی جزئیہ کو تلاش کرنا ہے، اور جزئیے اور قاعدے میں تعارض ہو تو ترجیح کسے دینی ہے۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ۔ مصلح و فقہی شخصیت:

زمانہ طالب علمی سے لے کر فراغت تک ذہنیت یہ تھی کہ فقہ چند مسائل کے جاننے یا ہدایہ پڑھنے و پڑھانے کا نام ہے اور ہم ہدایہ کی چاروں ضخیم جلدیں پڑھ چکے تھے، اس لیے ہوا کے دوش پر سوار تھے۔ طلباء کا عام مزاج اور مشہور عادت ہے کہ وہ مسائل میں رائے زنی اور نکتہ چینی بھی کرلیا کرتے ہیں، مسئلہ بتانے میں بھی جری اور بے باک ہوتے ہیں اور اس حد تک جرات رکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے درمیان بھی دلائل کی بناء پر محاکمہ کر لیتے ہیں۔ ہمارا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔

یہ تو معلوم تھا کہ مسئلہ بتانے کے لیے اور فقہ میں کمال پیدا کرنے کے لیے تخصص کی صورت میں ایک دوسالہ پروگرام ہوتا ہے، مگر ذہن اس کا یہ توڑ پیش کرتا تھا کہ کتنے ایسے مشاہیر اہلِ علم اور آسمان علم کے درخشندہ ستارے ہیں، جنہوں نے کوئی تخصص نہیں کیا، لیکن فقہ کے میدان میں صف اول کے شہ سوار نظر آتے ہیں۔ لیکن جب تخصص کیا تو اس کا اولین اثر یہ تھا کہ وہ زبان جو ہر وقت چہچہاتی اور قینچی کی طرح چلتی تھی اور جبڑوں میں درد ہوجانے کے باوجود چپ نہیں رہتی تھی، اب اس نے مسائل کے جواب میں خاموش رہنا سیکھ لیا تھا۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ "لاادری" کی منزل آئی جب کہ اس سے پہلے یہ نفی کا "لا" نہیں جانتے تھے۔ امام مالکؒ کا چھتیس مرتبہ "لاادری" کہنا، پڑھ اور سن رکھا تھا، مگر اس پر عمل کرتے وقت پورا وجود ٹوٹتا تھا اور دل پر چھریاں چلتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ اس کیفیت کو دور کرنے اور طبیعت کو صاف کرنے کا حضرت مفتی صاحب کے پاس ایک انتہائی نافع اور مؤثر نسخہ

تھا، کیونکہ وہ ایک مصلح وقت اور مرشد کامل کی طرح اپنے تلامذہ کی اصلاح سے غافل نہیں تھے، مگر وہ نسخہ اس لحاظ سے منفرد اور بے نظیر تھا کہ اس کا استعمال انہوں نے بجائے مریض کے اپنی ذات پر کیا ہوا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی کسر نفسی اور عاجزی ایسی تھی کہ جس سے قلب وذہن خود صاف ہوتے تھے اور دل دماغ دھلتے تھے۔ حضرت اپنے آپ کو عاجز کہتے نہیں تھے مگر سمجھتے ضرور تھے، وہ صرف ظاہر کے سادہ اور عاجز نہیں تھے بلکہ سادگی اور عاجزی ان کے دل ودماغ میں رچی بسی تھی۔ یہ دو ایسی نمایاں صفات تھیں جن کا ظہور آپ کے اقوال وافعال، نشست وبرخاست اور رہن سہن سمیت زندگی کے ہر گوشے میں ہوتا تھا اور جو بھی تھوڑی دیر کے لیے آپ کی ہم نشینی اختیار کر لیتا یا دو چار جملوں کی حد تک آپ سے ہم کلام ہو جاتا، اس پر آپ کی یہ صفات منکشف ہو جایا کرتی تھیں۔ اکابر کے عام مزاج کے مطابق طلباء پر تو شفقت غایت درجے کی تھی اور فرماتے تھے کہ: ''ہمارے پاس مہمان آئے ہیں۔''

اپنے خادموں کے ساتھ مخدوموں جیسا سلوک، تلامذہ کے ساتھ اپنے ہم رتبہ وہم مقام جیسا رویہ، اپنی کوئی امتیازی شان قائم نہ کرنا، سب کچھ ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور برملا اپنی عاجزی کا اعتراف، کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا تو جواب دے دیا، ورنہ غور وفکر کے لیے وقت لے لیا، بعض اوقات کہہ دیا کہ ''مراجعت کرنی ہوگی''، کبھی کہہ دیا کہ: ''اس پہلو سے تو سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔'' حد تو یہ تھی کہ بھری مجلس میں عقیدت مندوں کی موجودگی میں اصاغر سے پوچھنا کہ: ''ہاں بھائی! کیا رائے ہے؟'' یا کم ازکم ان کی طرف استصواب کی نظروں سے دیکھنا، یہ سب امور ایسے تھے کہ دوسروں کے لیے خاموش مگر مؤثر پیغام رکھتے تھے اور خود ان کے حق میں یہ باتیں جان بوجھ کر اپنے آپ کو گرانے کے مترادف تھیں، مگر اس لائن کے اصول ہی نرالے ہیں جو جھکتا ہے وہی اُبھرتا ہے اور جو مٹتا ہے وہی چمکتا ہے۔

بہرحال آپ کی شخصیت سے اس پیغام کی لہریں ہر وقت خارج ہوتی تھیں کہ فقہ صرف ہدایہ پڑھنے اور جزئیات پر دسترس حاصل کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ تو دین کی مجموعی اور مکمل سمجھ کا نام

ہے اور سمجھ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان علم کے ساتھ عمل کے مرحلے سے گزرتا ہے۔آج کے مستشرقین کے پاس علم بہت ہے مگر وہ عمل کے مرحلے سے نہیں گزرے ہیں،اس لیے فہم سے محروم ہیں اوران کی معلومات انہیں دولت ایمان سے سرفراز کرانے میں نا کام ہے۔

فقہ ایک وسیع علم ہے،جس کی سرحدیں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔امام ابوحنیفہؒ اس وسعت اور پھیلاؤ سے آگاہ تھے،اس لیے ان کی بیان کردہ تعریف کے مطابق فقہ کی عمل داری زندگی کی ہر شعبے میں نظر آتی ہے۔اس کے ساتھ یہ ایک فکری اور نظری نہیں، بلکہ عملی اور تطبیقی علم ہے،جس کی مکلف کو بذات خود ہر آن اور ہر لحظہ ضرورت ہے۔ایک مسلمان خصوصا دین کا سچا داعی اور مخلص سپاہی اس علم سے بے اعتنائی برت ہی نہیں سکتا ہے۔تحریر ہو یا تقریر،خطابت ہو یا امامت، جہاد ہو یا وعظ ونصیحت،معیشت ہو یا سیاست،ہر شعبے میں اس کی ضرورت ہے اور ہر گوشے میں یہ علم مفید،معاون اور مددگار ہے،اس کے بغیر رائے،اعتماد سے اور علم،پختگی سے محروم رہتا ہے۔یہ زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے اور سرحدات کی فرضی لکیریں کھینچ کر اسے محصور اور اس دنیا کی تنگ دامانیوں تک اسے محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔فقہ سے فتوی کی اہلیت واستعداد پیدا ہوتی ہے اور فتوی عقائد،عبادات،معاملات،اخلاقیات اور معاشرت سمیت حشر ونشر اور جنت و دوزخ کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے۔

فقہ کی یہی اہمیت ووقعت تھی کہ حضرت استاذ تخصص کے نصاب میں صرف ان ہی علوم وفنون کے قائل تھے، جن سے خود فقہ میں بصیرت اور نکھار پیدا ہوتا ہو مثلا فلکیات ،جغرافیہ اور قانون وغیرہ۔علم میراث تو خود فقہ کا اہم حصہ اور نصف علم ہے اس لیے اس کی ضرورت سے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں۔

حضرت استاذ کی زندگی پر فقہ کا غلبہ تھا اور جب کوئی فکر یا علم انسان کے ذہن پر تسلط جمالیتا ہے یا انسان خود اسے اپنے اوپر حاوی اور طاری کر لیتا ہے تو پھر انسان کے اقوال وافعال اسی کے زیر اثر صادر ہوتے ہیں۔

کوئی چیز جس کے متعلق آئندہ استعمال کا ارادہ نہ ہوتا،مگر کسی دوسرے کے لیے وہ کسی

پہلو سے کام کی ہوتی تو اسے یوں ہی نہیں چھوڑ جاتے تھے، بلکہ صراحت فرمادیتے کہ: ''جس کی مرضی ہو اٹھالے'' تاکہ لینے والے کے لیے استعمال جائز ہوجائے۔کوئی کتاب وغیرہ اولاد کو مرحمت فرماتے تو حکم دے دیا کرتے کہ: ''اس پر اپنا نام درج کرلو'' نام کا اندراج ہبہ کا قرینہ ہوتا تھا۔ایک مرتبہ کوئی چیز دو طلباء کو عنایت فرمائی، کاغذ کا دستہ یا نقدی میں سے کوئی ایک چیز تھی اور ان سے فرمادیا کہ: ''اس طرح بانٹ لو۔'' تقسیم کا حکم دے کر حضرت نے شیوع کے اعتراض کو وارد ہونے سے روک دیا اور عطیہ درست ٹھہرا۔

ایک امانت آپ کی شہادت کے بعد آپ کے سامان سے برآمد ہوئی تو میں نے بچشم خود دیکھا کہ اس میں امانت رکھنے والے اور اشیاءِ امانت کی مکمل تفصیل درج تھی، تاکہ صاحبِ حق کو اپنے حق کے اثبات میں مشکل نہ ہو اور ورثاء کے لیے انکار کی گنجائش نہ رہے۔آپ کی ڈائری کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایک جگہ پر نظر ٹھہر کر جم گئی۔آپ کی تحریر تھی کہ:

> ''فلاں صاحب کا اتنا قرضہ مجھ پر واجب الاداء ہے، اگر ادائیگی سے قبل میرا وقت موعود آپہنچے تو میرے ترکہ میں سے پہلے اس کا قرضہ ادا کیا جائے۔''

اصل بات وہی ہے کہ فقہ جب تک ذہنی معلومات کی حد تک ہو تو وہ ایک ''علم بمعنی دانستن'' ہے اور جب یہی معلومات، معمولات بن جائیں اور علم عمل کے سانچوں میں ڈھل جائے تو فقہ ظہور پذیر ہوتا ہے اور فقہ اپنے وسیع مفہوم میں فطرت کا مساوی اور ہم معنی ہے، کیونکہ فقہ، اسلام ہے اور اسلام فطرت ہے تو فقہ بھی فطرت ہے۔فقہ کو اسلام کہنا کوئی انوکھا انکشاف نہیں ہے۔اسلام قرآن وسنت کا نام ہے اور فقہ ان دونوں کا نچوڑ، جوہر، مغز، خلاصہ، عطر اور لب لباب ہے۔اگر طبیعت خارجی عوامل اور موروثی اثرات سے پاک ہو تو وہ فقہ کے مطابق چلے گی، جس طرح پانی اپنی فطرت سے ڈھلان کی طرف اور بچہ اپنی طبیعت سے ماں کی طرف لپکتا ہے، کیونکہ اسلام فطرت ہے اور اسلام کی عملی تعبیر کا نام ہی فقہ ہے۔اس لیے کوئی شخص فقہ کے مطابق عامل ہو تو کسی شک وشبہ کے بغیر وہ فطرت سلیمہ اور طبیعت مستقیمہ رکھتا ہے۔

فقہ کے ساتھ اگر باطن مصفّٰی ومجلّٰی ہو اور ظاہر مزین ومحلّٰی ہو تو حق تعالیٰ شانہ تفقہ کی دولت سے نواز دیتے ہیں۔ فقہ اور تفقہ کے ابواب سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ تفقہ کا مرحلہ فقہ کے بعد ہے اور تفقہ، فقہ کو بھی شامل ہے، مگر مجرد فقہ تفقہ سے عاری ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں تو صراحت ہے کہ ہر حامل فقہ، فقیہ نہیں ہوتا ہے۔ یہ تفقہ کی دولت جو چنے ہوئے اور چانٹے ہوئے لوگوں کو ملتی ہے یہ وہبی بھی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین'' اور کسبی بھی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین.''

گفتگو ایک ایسے علم کے بارے میں ہے جو خالص اسلامی ہے بلکہ اسلامی علوم کا گل سرسبد ہے اور اس کا مصدر وماخذ قرآن وسنت ہیں، اس لیے علم ہو، عمل ہو یا فکر ہو، ہر ایک کے ساتھ ''صحیح'' کی شرط لازم ہے۔ صرف علم نہیں بلکہ صحیح علم، اور صحیح علم صرف آسمانی علم ہے، اور صرف عمل نہیں بلکہ صالح عمل، اور صالح عمل وہ ہے جو آسمانی ہدایات کے مطابق ہو، اور صرف فکر نہیں بلکہ راست فکر، اور فکر اسلامی عقائد سے درست ہوتی ہے اور عبادات سے مستحکم ہوتی ہے۔ ان تینوں کے ساتھ جوہر ذاتی اور استعداد کی پختگی، ان چاروں کے مناسب امتزاج کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ بطور انعام ''تفقہ'' کی دولت سے نواز دیتے ہیں۔

استاذِ محترم نے صحیح علم اس کے سچے اور مخلص حاملین سے حاصل کیا تھا۔ علم کے ساتھ وہ اس کے تقاضوں پر عامل بھی تھے اور اس ضرورت کے احساس کے تحت مشہور اصلاحی خانقاہوں سے تعلق جوڑے ہوئے تھے۔ فطرۃً ذہین وفطین اور ذکی وزیرک تھے، جسم محنت ومشقت کا اور طبیعت مجاہدے اور ریاضت کی عادی تھی، درسی علوم محنت سے پڑھے تھے اور جم کر پڑھائے تھے، آخر عمر تک درس وتدریس، فقہ وفتاویٰ اور امامت وخطابت کا مشغلہ جاری رکھا اور اس پر مستزاد یہ کہ خاندانی نجابت وشرافت حاصل تھی جو ایک مؤثر عامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان صفات کے مجموعے سے مفتی عبدالمجید دین پوری کی شخصیت کی تشکیل ہوئی تھی۔ اچھے حسب ونسب سے شخصیت کا خمیر لیا گیا تھا، تواضع اور فروتنی نے اس پر نقوش کھینچے تھے اور فقہ وفتاویٰ نے ان میں

رنگ بھرا تھا،علم کے زیور نے حسن کو چار چاند لگائے تھے،اکابر پر اعتماد اور شذوذ سے اجتناب نے حسن کو جمال سے اور تزکیہ نفس نے جمال کو کمال سے اور خلوص نے کمال کو مخلوق اور اللہ ذوالجلال کے دربار میں قبول ومقبول بنادیا تھا۔

حضرت شہیدؒ کے والد ماجد:

حضرت مفتی صاحب کی جامعہ میں پہلی اور دوسری تقرری کے درمیان تقریباً بیس سال کا وقفہ ہے۔یہ تعطل اور انقطاع اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جامعہ میں تقرری کے پہلے سال ہی آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیم کی وفات کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا اور آپ اپنے آبائی وطن خان پور تشریف لے گئے۔جامعہ سے جدائی کے وقت کے آپ کی قلبی کیفیت کیا تھی اور اکابر سے فراق کا صدمہ آپ کو کس قدر تھا؟اس کا بہتر حال تو علیم وخبیر ذات جانتی ہے مگر استعفا کے لیے جو عریضہ آپ نے شفیق وکریم ہستی حضرت بنوری کے نام لکھا ہے،اس میں آپ کا دل لرزتا ہوا،ہاتھ کانپتا ہوا اور قلم روتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ جسم سے جاں اور دل سے ارماں رخصت ہو رہے ہیں۔حضرت بنوریؒ اس درخواست پر ثبت فرماتے ہیں کہ:"عذر قوی ہے اور شرعی ہے، اس لیے بادل نخواستہ درخواست منظور کی جاتی ہے۔"

آپ کے والد بزرگوار دیوبند کے فاضل،حضرت مدنی کے شاگرد،پارسا وباکردار اور تہجد گذار عالم تھے۔طلباء کو حصول علم کے لیے دیوبند بھیجتے تھے اور ان کے اخراجات اور ضروریات کی کفالت فرماتے تھے۔مولانا محمد عظیمؒ کی وہ مراسلت ومکاتبت جو طلب اصلاح کے سلسلے میں انہوں نے اکابر سے کی ہے،ان کے صاحبزادے اور مفتی صاحب شہیدؒ کے برادر صغیر مولانا عبدالکریم کے پاس محفوظ ہے۔مولانا عبدالکریم صاحب ان طلبا کے نام بھی گنواتے ہیں جنہیں ان کے والد ماجد نے حصول علم کے لیے دیوبند بھیجا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کے آباء واجداد،حجاز سے ہجرت کر کے ان دیار میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور مولانا محمد عظیمؒ فراغت کے بعد طریقت وسلوک کے سلسلے میں حضرت مولانا عبدالہادی رحمہ اللہ کے پاس دین پور شریف حاضر ہوئے۔ان کے صلاح وتقوی کو دیکھ کر مولانا

عبدالمنان رحمہ اللہ نے انہیں شرف دامادی بخش دیا تھا۔ دین پور شریف میں ہی ۱۹۵۱ء میں حضرت مفتی صاحب تولد ہوئے اور جو مکان آپ کا جائے پیدائش ہے، اس میں آج کل حضرت مرحوم کی ہمشیرہ رہائش رکھتی ہیں۔

مفتی صاحبؒ کا سلسلہ نسب ''محمد عظیم بن غلام رسول بن خیر محمد'' ہے اور آپ ذات کے ''آرائیں'' ہیں۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد عظیمؒ ایک نیک فطرت اور عظیم خصلت عالم دین تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ ان کا خمیر ہی مقدس اور پاک سرزمین سے لیا گیا تھا۔

انسان کی خاک وہاں پہنچتی ہے جہاں کا خمیر ہوتا ہے۔ مولانا محمد عظیم فریضہ حج کی تکمیل کے بعد جب وطن لوٹنے کے ارادے سے جدہ پہنچے تو جہاز کی روانگی میں ابھی ایک دن کی تاخیر تھی۔ حرم کے پہلو میں ہوتے ہوئے حرم سے دوری اس عاشق صادق سے گوارا نہ ہوئی اور تاخیر کو غنیمت جانتے ہوئے یوں دیوانہ وار حرم کی طرف دوڑے جیسے بچہ ماں کی طرف دوڑتا ہے۔ جہاز کی تاخیر محض ایک اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ آنکھوں سے مخفی قضاوقدر کے فیصلے اپنا کام کر رہے تھے۔ قضاء الٰہی آپ کو حرم کی آغوش سے نکلنے نہیں دے رہی تھی کیوں کہ مشتِ خاک کو وہیں آسودہ خاک ہونا تھا۔ مولانا محمد عظیمؒ کی یہ دو دعائیں تو خلعت قبول سے حاصل کر چکی تھیں: ''یااللہ! نیک بیوی اور صالح اولاد نصیب فرما۔ ان کی تیسری دعا کہ ''یااللہ! حرم پاک میں موت عطا فرما'' اس ذات کے لیے قبول کرنا کیا مشکل تھی۔ چنانچہ موت نے سفر کا رخ تبدیل کر دیا اور سوئے حرم چلنے والا مسافر رب حرم کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور وہیں جنت المعلی میں اولیاء اور صحابہ کے پہلو میں اور پاک مٹی میں آسودہ خاک ہوا۔ رحمہ اللہ وارضاہ.

مولانا محمد عظیم نے یہاں تنگ وتاریک اور کچی اینٹوں کے مکان میں عسرت اور تنگی کی زندگی گزاری تاکہ اُس جہاں میں ان کا قیام محلات اور قصور میں ہو۔ چوک رازی خان پور میں ''مدنی مسجد'' کی تعمیر اسی نیت اور جذبے سے انہوں نے کی تھی۔ وہ مسجد جس کے متعلق ان کی سینہ بہ سینہ وصیت منتقل چلی آرہی ہے کہ: ''مسجد کو ذریعۂ معاش نہیں بنانا۔''

مفتی صاحب اپنے والد کے منظور نظر اور ان کی امیدوں کا مرکز تھے، اہم اور سنجیدہ

معاملات میں وہ اپنے فرزند ارجمند سے مشاورت کرتے اوران کی رائے کو اہمیت اور وقعت دیتے تھے۔ بہت سی توقعات کے پیش نظر انہوں نے اپنے قلب وجگر کو اپنی آنکھوں سے دور تعلیم کے لیے بھیجا تھا، جہاں بھیجا تھا وہاں علم وعمل کا سورج اپنے ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کے ساتھ سریر آراء محفل تھا، اس لیے اپنے فرزند کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے کسی اندیشے یا خدشے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس کے باجود اپنے پدری فریضے کی بجا آوری میں آپ اپنے فرزند کو مفید کتب مطالعے کے لیے بھیجتے، تعلیمی کیفیت کے متعلق دریافت کرتے اور مستقبل کے متعلق رہنمائی دیتے، فرزند بھی اپنے پدر کو اپنے تعلیمی کوائف سے آگاہ رکھتا، مستقبل کے منصوبوں پر اعتماد میں لیتا، نجی اور خانگی امور کے متعلق کوئی رائے منفعت بخش اور کوئی فیصلہ زیادہ اچھے نتائج کا حامل معلوم ہوتا تو آداب فرزندی کی رعایت رکھتے ہوئے اپنے پدر بزرگوار کے گوش گزار کردیتا۔ جو مراسلت دونوں حضرات کے مابین ہوئی ہے، ان سے مذکورہ امور کی تصدیق ہوتی ہے اور دونوں کے باہمی تعلق کی نوعیت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

(۱)

۲۲ر رجب ۹۶ھ۔ ۳/۸/۷۵ء

ذوالمجد والکرم حضرت والد ماجد زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

.... باغ کے فروخت کرنے سے بقایا جو دوسو روپے بچ گئے ہیں اس کے بارے میں میری ناقص فہم کے مطابق میری تجویز یہ ہے کہ آپ بجائے علی عدد الروس تقسیم کرنے کے اس میں سے نصف یا کچھ کم عزیزی محمد عبداللہ سلمہ کو دے دیویں، تاکہ وہ اس سے اپنے گھر کے کام میں لاسکے، کیونکہ وہ دوکان سے اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا، اس لئے وہ بقایا سے زیادہ مستحق ہے، اور بقایا سے عبدالکریم وعبدالعزیز.... وعبدالحی وغیرہ کے کپڑے خریدلیں ویسے بھی عید قریب ہے، آگے آپ کی مرضی، اگر آپ علی عدد الروس تقسیم کرنا بھی چاہیں تو میرا حصہ عزیزی عبداللہ کو دے دیویں، دیگر حالات بحمد للہ ٹھیک ٹھاک ہیں، عزیزان بخیریت ہیں، تمام اہل خانہ کو درجہ بدرجہ تسلیمات۔

والسلام......محمد عبدالمجید دین پوری
دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ

(۲)

۱۸رصفر۱۳۹۳ھ۔۲۴ر۳ر۷۳ء

بگرامی قدر محترم المقام حضرت والد ماجد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزشتہ جمعہ ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا اوراس سے قبل بھی دو عریضے ارسال کر چکا ہوں، امید ہے کہ شرف حاضری حاصل کر چکے ہوں گے، آپ کا بھی جمعہ کے دن کا لکھا ہوا شفقت نامہ بروز پیر ملا، حالات کا علم ہوا، میرے ایک کام کی وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے، جس کے لئے میں معافی کا خواستگار ہوں، امید ہے کہ ضرور نظر کرم فرماویں گے.....آپ نے مقالہ کے بارہ میں استفسار فرمایا ہے، تو فی الحال تو ابھی نصاب کی کتب باقی ہیں، جن میں مزید چند مہینے لگیں گے، جب مقالہ ملے گا اور جس عنوان پر ملے گا میں آپ کو مطلع کروں گا........ماہ فروری کا وظیفہ نہیں بھیجا تو کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اب آپ ادھار وغیرہ لیکر ارسال کریں، بعد میں دیکھا جائے گا، کیونکہ اس سے آپ کو تکلیف ہوگی۔

(۳)

۱۱رذوالقعدہ۱۳۹۲ھ۔۱۸ر۲۱ر۲ر۷۲ء

بگرامی قدر محترم المقام حضرت والد ماجد صاحب زید عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی، خیریت طرفین مطلوب من اللہ۔

بندہ بھی اپنی تعلیم میں پوری طرح مصروف ہے، اس سہ ماہی میں کتابیں دیکھنی ہوں گی: القواعد لابن رجب حنبلیؒ، کتاب الاحکام لعزالدین عبدالسلام، شرح الاشباہ والنظائر، موافقات شاطبی، یہ کتب اصول مذہب اربعہ پر مشتمل ہیں، اس وقت شرح الاشباہ والنظائر زیر مطالعہ ہے، اوراس کے ساتھ ہی انگلش کا کام بھی جاری ہے، بندہ یہاں پہنچنے کے

بعد کھانسی، زکام میں مبتلا ہو گیا تھا، کھانسی بہت سخت ہو گئی تھی، رات کو بعض اوقات نیند بھی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن الحمدللہ آرام ہے کھانسی ختم ہو گئی ہے، البتہ کچھ زکام باقی ہے، خیر یہ تو کراچی کا خصوصی تحفہ ہے جس سے بچنا بہت مشکل ہے، باقی ہر طرح سے خیریت ہے، آپ اپنے جمیع حالات سے مطلع فرما دیں، جمیع اہل خانہ کو درجہ بدرجہ تسلیمات۔

(۴)

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ۔۲/۷/۷۵ء۔

ذوالمجد والکرم حضرت والد ماجد زید معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

خداوند قدوس کے دربار میں احقر ہر وقت دست بدعا ہے کہ آپ کو صحت کاملہ، عاجلہ، مستمرہ عطا فرمائیں، اور آپ کے سایہ عاطفت کو تا دیر سلامت رکھیں، آمین۔ (لا ارضی حتی اقول الف آمین)......میری دماغی قوت کی افزائش اور اس کی فرحت ایسی ہے کہ میں کم از کم آپ کی اتنی خدمت کیا کروں، آگے آپ کی مرضی، آپ اسے جس مصرف میں خرچ کریں، آپ اپنے ہاتھ سے خرچ کریں....بندہ کے پروگرام میں یہ بات شامل ہے کہ انشاء اللہ العزیز معاشرتی علوم کو ایم اے تک پہنچاؤں گا، اس سال تو میں کثرت مشاغل کی بناء پر توجہ نہیں دے سکا۔ آئندہ سال انشاء اللہ العزیز ضرور کوشش کر کے ایف اے کا امتحان دوں گا، آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے، جمیع عزیزان بخیریت ہیں، بحمداللہ اچھی طرح پڑھتے ہیں محنت کرتے ہیں۔

ماڈل ٹاؤن کے مکان میں جنات کے اثر سے زیادہ مجھے سحر کا شبہ ہے، کیا وہ شخص جس کو یہ معلوم ہو کہ آسیب کی وجہ سے فروخت کیا جاتا ہے، اسے اچھی قیمت پر فروخت پر تیار ہوگا، بہرحال اس میں مزید غور کریں، مکان کی مرمت کا کام کہاں تک ہوا ہے؟ دوکان منتقل ہو گئی یا نہیں؟ جمیع حالات سے مطلع فرما دیں۔

والسلام

محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ

دارالعلوم شہداد پور ضلع سانگھڑ

(۵)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بگرامی قدر حضرت والد ماجد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ابھی پچھلے دنوں معلوم ہوا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونیورسٹی میں کوٹہ سسٹم ختم کر دیا گیا ہے، اب اگر کوئی کوشش کرے تو داخلہ مل سکتا ہے۔ جب سے یہ بات معلوم ہوئی ہے، بہت شوق ہو گیا ہے، ارادہ ہے کہ پاسپورٹ بنوا کر سندات کی نقول وغیرہ اور دیگر تمام کاغذات مکمل کر کے وزارت تعلیم سے تصدیق کرا کے یونیورسٹی بھیج دوں۔ کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟ دیگر حالات بدستور ہیں۔ آپ اپنے حالات سے مطلع فرمادیں، تمام اہل خانہ کو درجہ بدرجہ تسلیمات۔

(۶)

واجب العزۃ والاحترام حضرت والد ماجد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از آداب فرزندانہ المرام اینکہ:

.....اس سے پہلے میں ایک عریضہ لکھ چکا ہوں، برادرم اختر صاحب کے پاس خط لکھا تھا اس میں آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا معلوم نہیں کہ آپ کو ملا یا نہیں، امید تو یہی ہے کہ آپ کو مل گیا ہوگا، لیکن تاحال آپ کی طرف سے عرصہ ہوا کوئی شفقت نامہ موصول نہیں ہوا، شاید مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں ملا ہوگا، دیگر امتحان کا نتیجہ آؤٹ ہو چکا ہے اور نمبر حسب ذیل ہیں:

بخاری: ۶۵، ترمذی: ۵۷، ابوداؤد: ۶۰، سنن نسائی: ۵۵، شرح معانی الآثار: ۶۸، مسلم شریف: ۴۱، مؤخر الذکر کتاب ایک ایسے استاذ کے ہاں ہے کہ جن کے ہاں پاس ہو جانا بہت مشکل ہوتا ہے، الحمد للہ کسی کتاب میں بھی ناکام نہیں رہا، کل نمبر ۳۶۴ حاصل کئے ہیں، اور نتیجہ ۶۰ فیصد رہا۔ اور اپنے ساتھیوں میں تیسری پوزیشن حاصل کی، دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آئندہ بھی ہر دینی و دنیوی امتحانوں میں کامران و کامیاب

بنادے، آمین۔

آپ کی تعلیم وتربیت اور زندگی کے اہم فیصلوں میں آپ کے والد سے زیادہ آپ کے نانا مولانا عبدالمنان کا عمل ودخل نظر آتا ہے۔انہوں نے ہی اپنی ذاتی وجاہت اور خاندانی ولایت کے پیش نظر آپ کے والد کا اپنی پوتی کے ساتھ نکاح کیا تھا جو کہ نہایت عابدہ، زاہدہ اور نیک سیرت خاتون تھیں، حالانکہ دونوں خاندانوں میں نسبی وحدت اور خونی قرابت کچھ نہ تھی، محض توحید کا رشتہ تھا، جس کی بنیاد پر دو اجنبی خاندان ایک ہوئے تھے اور دین داری اور پارسائی اس ملاپ کا باعث اور اس سنگم کا محرک بنی تھی، حضرت مفتی صاحب کے سر سہرا بھی انہوں نے ہی باندھا تھا۔ یہ ایک ایسا نکاح تھا کہ ایجاب وقبول سے پہلے زوجین ایک دوسرے کے ناموں سے بھی ناواقف تھے۔قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی آمد پر آپ کے نانا ہی نے ان سے آپ کی رسم بسم اللہ کرائی تھی اور بنوری ٹاؤن آمد بھی ان ہی کے ارشاد پر ہوئی تھی۔مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب بنام محدث العصر حضرت بنوریؒ میں تحریر فرماتے ہیں:

بگرامی خدمت عالی مرتبت محترم المقام حضرت مولانا المخدوم بنوری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی، بعد اشتیاق اقدام بوسی معروض اینکہ برخورداری عبدالسمیع زید سعادتہ حصول فیض سے محروم رہا ہے (بعض مجبوریوں کے سبب) اور برخورداری عبدالمجید کو خدمت اقدس میں بھیج چکا ہوں۔ احقر کے خیال میں عزیز کا داخلہ درجہ سادس میں ہونا تھا مگر اس کا داخلہ درجہ خامس میں ہوا ہے، آنحضرت بطور خاص عزیز کی لیاقت کا جائزہ لیکر اس فیصلہ پر نظر ثانی فرماتے ہوئے اور عزیز کے وقت کا لحاظ فرماتے ہوئے اپنی صوابدید پر فیصلہ فرمادیں، بہرکیف آنحضرت کا فیصلہ ثانی خواہ جو بھی ہو فقیر کے لئے موجب تسلی ہوگا، عزیز عبدالمجید کو احقر کی طرف منسوب نہ فرمادیں، بلکہ اعلیٰ حضرت دین پوریؒ کے خاندان کا ایک فرد سمجھ کر اس کو فقط

اپنا شاگرد نہ خیال فرماویں، بلکہ ساتھ ہی اس کو اپنا برخوردار خیال فرماتے ہوئے ہر طرح سے تربیت اور تعلیم کا خیال فرمائینگے۔ اور عزیز کو انسان بلکہ عالم باعمل بنا کر واپس فرمائینگے۔

تا آنکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشم بما کنند

امید ہے کہ آنحضرت بمع جمیع متعلقین بخیریت ہونگے اور مزاج گرامی کی خیریت سے مطلع فرما کر مشکور فرماویں گے۔

از طرف مولانا عبدالمنان

مشہور اساتذہ وشیوخ اور ان سے گرویدگی ووارفتگی:

جامعہ آپ کی مادر علمی تھی اور یہیں کے ائمہ وقت اور اساطین علم کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ حضرت بنوریؒ سے آپ کو والہانہ عقیدت ومحبت، فریفتگی ووالہیت تھی جو جذب وانجذاب کی سرحدوں کو چھو رہی تھی۔ پینتیس سال گزرنے کے باوجود جب کبھی حضرت اقدس بنوریؒ کا تذکرہ فرماتے تو پاس بیٹھنے والا آپ کے سینے کی حرارت اور قلب کی تمازت محسوس کرتا تھا۔ حضرت محدث العصرؒ بھی تجربے ومشاہدے، نور ایمانی اور فراست باطنی سے اپنے اس ہونہار شاگرد کے پیشانی پر چمکتا نور پہچان چکے تھے اور شاگرد بھی دل وجان سے اپنے استاد پر فدا اور ان کے ہر ہر ادا پر عاشق زار تھا۔

ایک سال کسی وجہ سے بخاری شریف امتحان سے قبل ختم نہیں ہو سکی تھی، حضرت بنوریؒ نے ایک خاص مقام پر سبق پہنچانے کے بعد فرمایا کہ: ''بقیہ ان شاء اللہ وفاق کے امتحان کے بعد پڑھیں گے، دیکھتے ہیں کون وفاق کے لیے اور کون خدا کے لیے پڑھتا ہے۔'' حضرت مفتی صاحب کا ایک ہم درس جو جماعت میں ہمیشہ اول آیا کرتا تھا اور کافی ذہین اور ذی استعداد تھا، وہ امامت ملنے کی وجہ سے چلا گیا۔ مفتی صاحب بڑی حسرت سے اس کا ذکر فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ: ''وہ اب بھی حیات ہے مگر علم کی برکت اور قبولیت سے محروم ہے۔ اے کاش کہ وہ کچھ عرصہ ٹھہر جاتا تو اس وقت کے مشاہیر اور نامور اہل علم میں اس کا شمار ہوتا۔''

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ: ''استاذ کی بے حرمتی کرنے والا علم کی برکات سے محروم رہتا ہے اور والدین کی بے حرمتی کرنے والا ہمیشہ روزی کے بارے میں پریشان رہتا ہے۔'' حضرت شہیدؒ اپنے اساتذہ اور خصوصا حضرت اقدس بنوریؒ کے بارے میں کافی حساس اور محتاط واقع ہوئے تھے اور ان کی ذرا سی خفگی وناراضگی کو اپنے لیے باعث حرمان وخسران سمجھتے تھے۔

اسی ذہنیت کا عکاس وہ واقعہ ہے جو مفتی صاحب مرحوم نے سنایا کہ: ''ہمارے زمانے میں جامعہ کے مطعم سے کمروں میں کھانا لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ایک مرتبہ کچھ طلبا اسی سلسلے میں مطعم کے دروازے پر جمع تھے اور ناظم مطبخ سے ان کی نوک جھونک چل رہی تھی، میں ابھی مجمع کے قریب پہنچا ہی تھا کہ سامنے سے حضرت بنوریؒ کو آتا دیکھ کر طلبا ادھر ادھر منتشر ہو گئے، میں نے بھی کھڑا رہنا نامناسب خیال کیا اور چلا گیا مگر وسوسوں اور اندیشوں نے مجھے گھیر لیا، رات بھر یہ سوچ کر پریشان ہوتا رہا کہ حضرت نے یقیناً طلباء کے اجتماع کی وجہ دریافت کی ہوگی اور ناظم مطبخ نے جو کچھ کہا ہوگا، اس کے سبب اگر حضرت کے دل میں میرے لیے خلش اور کدورت پیدا ہوگئی تو میرا کیا ہوگا؟ اس واقعے کا سبب یہ ہوا تھا کہ مجھے بدہضمی کا عارضہ تھا اور مطعم کی غذا مجھے موافق نہیں آتی تھی، اس لیے بجائے مطعم میں کھانے کے میں مطعم سے صرف روٹی لے کر کمرے میں دہی وغیرہ کے ساتھ کھا لیا کرتا تھا، اس دن بھی میں صرف روٹیاں لینے گیا تھا، لیکن سوئے اتفاق کہ ان احتجاج کرنے والوں کے ساتھ حضرت کی نظر مجھ پر بھی پڑگئی۔حضرت سے بالمشافہ عذر ومعذرت کی ہمت تو اپنے اندر نہیں پاتا تھا، اس لیے میں نے اصل حقیقت پر مشتمل ایک طویل عریضہ لکھا اور حضرت کے سامنے اگلے دن دفتر میں پیش کر دیا، آپ نے پورا ملاحظہ فرمانے کے بعد ہلکا سا تبسم فرمایا اور فرمایا کہ: ''اچھا کیا کہ تم نے وضاحت کردی۔'' یہ واقعہ مکمل سنانے کے بعد مفتی صاحب تبصرے کے انداز میں فرمایا کرتے تھے: ''بھائی! حضرت بنوری بہت صاف دل کے اور بہت بڑے آدمی تھے۔''

آپ کی علمی تربیت وترقی میں مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی خصوصی شفقتوں اور عنایتوں کا بھی

بڑا دخل ہے۔ مولانا عبدالکریم صاحب (برادر صغیر حضرت مفتی صاحب شہیدؒ) جو اس زمانے میں ابتدائی درجات کے طالب علم تھے، ان کا بیان ہے کہ: ''بھائی جی، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے چہیتے اور لاڈلے تھے۔'' جب تک حضرت مفتی اعظم حیات رہے، آپ کا ان کے ساتھ خادمانہ، نیاز مندانہ اور طالب علمانہ تعلق برقرار رہا۔ ۱۹۷۱ء میں دورہ حدیث سے فراغت اور ۱۹۷۳ء میں تخصص کی تکمیل کے بعد حضرت شہید دار العلوم حسینیہ شہداد پور تدریس کے سلسلے میں تشریف لے گئے، مگر جامعہ کے علاوہ روح کو سکون اور طبیعت کو قرار مشکل تھا، اس لیے ۱۹۷۶ء میں دوبارہ کراچی تشریف لائے اور لیاقت آباد میں رہائش رکھی، نارتھ ناظم آباد میں ایک مسجد میں ساڑھے تین سو ماہوار پر امامت بھی شروع کی اور شام کے اوقات میں جامعہ تشریف لا کر مقالے کی تکمیل بھی کیا کرتے تھے، مگر یہ سب ضمنی مقاصد تھے، اصل غرض تو جامعہ سے ربط اور مشایخ جامعہ سے استفادہ تھا، چنانچہ دار الافتاء میں مفتی ولی حسن صاحب کے زیر سایہ استفادے کی غرض سے ایک عرضی پیش کی، حضرت مفتی اعظم نے مسئول ہونے کی حیثیت سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا، مگر ضابطہ کے تحت حضرت مہتمم صاحب کی اجازت کے ساتھ معاملے کو مشروط کر دیا۔ سادات کے دروازوں سے حاجت مند کب نامراد لوٹتے ہیں؟ حسینی خون جس کی رگوں میں ہو، شہہ لولاک کے ساتھ جس کا نسبی رشتہ ہو اور حضرت آدم بنوری کا جو نسبی و روحانی فرزند ہو، ایسی فیض رساں شخصیت تو قطرہ مانگنے پر دریا بہا دیتی ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت بنوریؒ نے صرف درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخشا، بلکہ مصارف خورد و نوش کے لیے وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ ۵ ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ سے خدمت افتاء کا سلسلہ شروع ہوا اور ابھی پانچ ماہ بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ حضرت بنوری نے مزید عنایت اور غایت شفقت فرماتے ہوئے آپ کو دار الافتاء کے ایک مستقل رکن کی حیثیت سے مقرر فرما دیا۔

اگرچہ آپ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی کے زیر سرپرستی خدمت افتا انجام دے رہے تھے ،مگر مزید علمی نکھار، فقہی دست گاہ اور مہارت پیدا کرنے کے لیے حضرت مفتی اعظمؒ نے آپ کو اپنے درس ہدایہ میں بیٹھنے کا پابند بنا دیا تھا۔ خود حضرت مفتی اعظم کو حضرت اقدس بنوریؒ کی

طرف سے ان کے درس ترمذی میں بیٹھنے کی تلقین تھی۔ حضرت بنوریؒ نے انہیں ''معارف السنن'' کا ایک قلمی نسخہ عنایت فرمایا تھا اور تلقین کی تھی کہ خوب تحقیق ومطالعہ کے بعد شریک درس ہوا کریں، چنانچہ مفتی اعظمؒ پوری تیاری اور نہایت اہتمام والتزام کے ساتھ متواتر تین سال تک شریک ہوتے رہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس روایت کے بانی خود حضرت محدث العصر ہیں اور اس کے پس پشت سوچ مستقبل کے دینی تقاضوں کے پیش نظر رجال سازی اور آدم گری ہے اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں، کیونکہ کاملوں کو اکمل اور فاضلوں کو افضل بنانے کے لیے مجاہدات وریاضات کچھ زیادہ کرائی جاتی ہیں اور سونے کو کندن بنانے کے لیے بھٹی کی آزمائش سے گزارا جاتا ہے اور کندن کو چندن بننے میں کچھ اور مرحلے بھی طے کرنے پڑتے ہیں۔

حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ فقیہ اور محدث ہونے کے علاوہ ایک صاحب نظر اور صاحب کشف بزرگ بھی تھے، آپ پر صفت فنا وجذب غلبے کے ساتھ چھائی ہوئی تھی۔ ایک درویش صفت انسان جو قلبی بصیرت رکھتا ہو اور باطنی دولت کا حامل ہو وہ بسا اوقات بہت پہلے وہ کچھ دیکھ لیتا ہے، جس کا ظہور محض بصارت رکھنے والوں کے سامنے بہت بعد میں ہوتا ہے۔ بارش برسنے لگتی ہے تو خاص وعام پائنچے چڑھا لیتے ہیں، مگر اہل نظر بادلوں کے بدلے ہوئے تیور سے ہی اس کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

اہل کمال انتخاب میں غلطیاں نہیں کرتے، چھلکا ان سے مغز کو، سیپی صدف کو، سطور بین السطور کو اور حجاب حسن مستور کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ مفتی ولی حسن ٹونکی کی درویشی کا جو نقشہ استاذ جیؒ کھینچا کرتے تھے اور آئندہ امکانی حالات کے متعلق جو اقوال ان کے نقل کرتے تھے، ان کے پیش نظر نقشہ کچھ یوں بن رہا تھا کہ مفتی عبدالمجید دین پوری کو ہی مستقبل میں دارالافتاء کا علم لے کر آگے بڑھنا ہے۔ یہ کہنے میں بھی کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا کہ شاگرد نے آخر حین حیات تک اپنے استاذ سے حصول فیض کا رشتہ استوار رکھا تھا۔

ان دو بزرگ اور ممتاز ہستیوں کے بعد تیسری شخصیت جس کا تذکرہ بہت کثرت سے

حضرت شہیدؒ سے سننے کو ملتا تھا، وہ حضرت مولانا ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت میرٹھیؒ کو اللہ تعالی نے نماز کی لذت اور اس کا خاص ذوق نصیب فرمایا تھا۔ خال خال کوئی نگاہ ہوگی جس نے حضرتؒ کو مسبوق دیکھا ہوگا۔ حضرت کا ایک بہت ہی مشہور معمول سجدے میں دعائیں مانگنے کا تھا۔ بہت سی مسنون دعائیں ایسی تھیں جو نہ مکتب میں سیکھیں اور نہ کتابوں میں پڑھیں کر بلکہ اپنے استاذ حضرت میرٹھیؒ سے سجدوں میں سن سن کر آپ کو یاد ہوگئی تھیں۔ حضرت شہیدؒ اپنے استاذ کے سوز دروں اور آواز وانداز کی نقل کر کے ایسی ادعیہ سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی کسی قصے کے موقع پر میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ: ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاگرد بھی اپنے استاذ کے قریب ہی صف اول میں نماز پڑھنے کا پابند تھا۔'' آپ نے زبانی تو کوئی ردعمل ظاہر نہیں فرمایا مگر آپ کے سکوت سے اور پھر فوراً موضوع بدلنے سے میں نے جواب خود ہی اخذ کر لیا تھا۔

حضرت میرٹھیؒ جامعہ کے استاذِ حدیث وتفسیر اور ماہنامہ بینات کے مدیر، طابع اور ناشر تھے۔ فنِ تفسیر میں تو یدطولیٰ اور مہارت تامہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ: ''حرمین شریفین اور تفسیر وحدیث کے درس کے لیے زندہ ہوں۔'' جس دن خلد آشیاں ہوئے اس دن بھی ضعف ونقاہت اور ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود جلالین کے درس کے لیے تشریف لائے تھے اور گھر تشریف لے جانے کے تھوڑی دیر بعد روح جان آفریں کے سپرد کر دی تھی۔

استاذ کا کمال سمجھا جاتا ہے کہ وہ شاگرد کو اپنے رنگ میں رنگ دے، جیسا کہ صحابہؓ سارے کے سارے نبوت کے رنگ میں رنگے ہوئے اور اس کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے تھے اور شاگرد کی سعادت اور اس کے لیے مایہ صد افتخار ہے کہ وہ اپنے معلم سے علمِ نبوت اور نورِ نبوت کے علاوہ جذباتِ نبوت بھی حاصل کرے۔ یہ دین حق کی خصوصیت ہے کہ اس میں اندرونی جذبات اور قلبی تاثرات بھی منتقل ہوتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک قلبی تاثر جو اوپر مذکور ہوا، استاد کے سینہ بے کینہ سے شاگرد کو منتقل ہوا تھا۔ آج سے پچیس سال پہلے مفتی صاحب شہیدؒ کچھ اس قسم کا تاثر اپنی ڈائری میں قلم بند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

''حق تعالی شانہ کے کرم بے پایاں سے امید ہے کہ میری تمام کوتاہیوں کو معاف

فرما کر اسے (ختمِ بخاری کو) شرف قبولیت سے نوازیں گے۔ آئندہ کے لیے دست بدعا ہوں کہ زندگی بھر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشغلہ جاری وساری رکھنے کی توفیق عنایت فرمائے اور اسے میری اخروی نجات کا ذریعہ اور والدین کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین۔'' (ڈائری ۱۹۸۸ء)

ایک اور صفت جس میں آپ پر اپنے استاذ کی گہری چھاپ تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا استاذ کی روح شاگرد میں منتقل ہوگئی ہے، وہ جامعہ سے والہانہ عقیدت، عاشقانہ وابستگی اور جنون کی حد تک عشق ومحبت تھی۔ محبوب کے عارض ورخسار اور اس کی اداؤں اور وفاؤں پر مر مٹنے والے اور زر، زن اور زمین پر دل وجان سے نثار تو بہت ملتے ہیں مگر بے جان عمارت پر اپنی روح فدا کرنے اور جان نچھاور کرنے والے صرف اپنے اساتذہ ہی دیکھے ہیں۔ کبھی کبھی تو شک ہونے لگتا ہے کہ مدرسے کو منتظمہ نے سرخ رنگا ہے یا وہ خونِ شہداء سے ہی رنگین ہے۔

یہ قیاس مبنی برصحت نہیں معلوم ہوتا کہ آپ اپنی ذات کو لاحق خطرات سے آگاہ نہ تھے۔ تحفظِ ذات کا شعور تو ہر جان دار رکھتا ہے۔ کراچی کے مخصوص حالات کے پیش نظر تو اعدادیہ کا طالب علم بھی مطلوبہ احتیاط برتتا ہے، پھر آپ جیسا سن رسیدہ، جہاں دیدہ اور دینی محاذوں پر سرگرم مجاہد اس پہلو سے کیسے غافل رہ سکتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ جامعہ میں آکر آپ کی بے چین روح کو قرار اور مضطرب طبیعت کو سکون مل گیا تھا اور آپ جان کی قیمت پر بھی یہ تعلق منقطع کرنے کے روادار نہ تھے، حالانکہ ایک اہلِ نظر کی زبان سے سن چکے تھے اور اس کی زبان لسان الغیب ثابت ہوئی کہ: ''آجاؤ! (خان پور) اب کیا گولیاں کھا کر واپس آؤ گے؟'' مگر آپ اپنے اختیار سے اس وصل کو فصل میں بدلنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ وہی جذبہ تھا جس کا اظہار آپ کے استاذ حضرت میرٹھی ؒ نے حضرت بنوریؒ کے سامنے کیا تھا کہ: ''ہم جامعہ سے قبرستان ہی جائیں گے۔''

حضرت مدنیؒ سے عقیدت:

اکابر دیوبند میں جب شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا نام سنتے تو روح میں ہلچل اور طبیعت میں ایک جوش سا پیدا ہو جاتا تھا۔ موضوع سخن کچھ بھی ہو، سلسلہ سخن چھوڑ کر ان کی

منقبت کا بیان شروع فرمادیتے تھے۔اہل علم کی بے تکلف مجلس میں آپ کا ایک حسین اور ذو معنی جملہ یاد پڑتا ہے جو مولانا محمد طیب کشمیری مدظلہ العالی (خطیب سبیل والی مسجد) کی حکایت کرتے ہوئے مدنی سلسلہ بیعت وارشاد کے متعلق فرمایا تھا کہ ''انسان فطری طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔''

حضرت شہید جب اپنی نشست سے درس گاہ جانے کے لیے اٹھنے لگتے تو ہونٹوں کو جنبش شروع ہوجاتی،دریافت کرنے پر فرمایا کہ درس سے پہلے صاحب کتاب کے لیے ایصال ثواب کرتا ہوں۔کیا پڑھتے ہیں؟ کے جواب میں فرمایا کہ :''حضرت مدنیؒ کے طریقے پر ایصال ثواب کرتا ہوں،حضرت مدنی اول وآخر تین تین مرتبہ درود شریف، تین بار فاتحہ اور بارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔''سوالات کا سلسلہ چل نکلا تھا اور ابھی آپ دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ میں نے مزید پوچھا:حضرت! قبور پر حاضری کے وقت کیا پڑھنا چاہیے؟ فرمایا:''سورہ یٰس کا وقت نہ ہو تو میں وہی حضرت مدنی کے طریقے پر ایصال ثواب کرتا ہوں۔''

ایک سے زائد مرتبہ اپنے استاذ مفتی ولی حسن ٹونکی کے حوالے سے سنایا کہ:''حضرت بنوریؒ نے بنگلہ دیش کے سفر میں اپنے فلاں رفیق سفر سے فرمایا کہ آپ حضرت مدنیؒ کے لیے کثرت سے ایصال ثواب کریں، کیونکہ رائے کا اختلاف ہی سہی،لیکن حضرت مدنیؒ بہت بڑے انسان تھے۔''

کارزارِ حیات کے دوراہ نما:

دو شخصیات ایسی تھیں جن کے سپرد اپنی زمامِ حیات کردی تھی اور اس پر کثرت کے ساتھ شواہد ودلائل حضرت مرحومؒ کی ڈائریوں میں موجود ہیں۔ایک مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور دوسرے خانقاہ دین پور کے موجودہ سجادہ نشین حضرت میاں مسعود دامت برکاتہم۔ہالیجی شریف سے بھی نیاز مندانہ،ارادت مندانہ اور خادمانہ تعلق رکھتے تھے اور سکھر کے زمانہ تدریس میں خصوصیت کے ساتھ اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً وہاں حاضری دیتے تھے۔آپ کی رفاقت کی برکت سے خدام کو بھی ان مشہور ومعروف،اصلاحی وروحانی اور تاریخی وانقلابی خانقاہوں میں حاضری کی

سعادت نصیب ہوجایا کرتی تھی۔ حضرت مولانا عبدالصمد دامت برکاتہم سجادہ نشین ہالیجی شریف جب بھی کراچی تشریف لاتے تو غایت شفقت سے حضرت کے ہاں قدم رنجہ فرمایا کرتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ آپ کی ذاتی ڈائریوں کے مطالعہ سے یہ بات بالکل صاف اور بے غبار ہے کہ زندگی کا ہر بڑا اور اہم فیصلہ آپ ان حضرات کی مشاورت سے فرمایا کرتے تھے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''آج عشاء کی نماز میں جامعہ اشرفیہ سکھر کے مفتی جناب مولانا محفوظ صاحب جامعہ (اشرفیہ سکھر) کی تدریس کی پیش کش لے کر آئے۔ معاملہ کو میاں مسعود احمد صاحب کی واپسی کے ساتھ معلق کر دیا تا کہ ان کے آنے پر بات چیت کو ان کی اجازت سے مکمل کیا جاسکے۔'' (ڈائری: ۲۱ فروری ۱۹۸۸ء)

کراچی کے ایک مدرسے میں بھی آپ کو تدریس کی پیش کش تھی، مذکورہ مدرسے کے مہتمم صاحب سے بایں الفاظ سوچ و بچار کی مہلت حاصل کی:

''....میں نے انہیں اپنی پوری صورت حال اور حاجی مسعود صاحب سے اجازت کے متعلق آگاہ کیا۔'' (ڈائری: ۲۰ مارچ ۱۹۸۸ء)

میاں مسعود صاحب مدت فیوضہ کی طرف سے اولین جواب اس طرح ملا:

''میاں مسعود صاحب سے آئندہ سال کے متعلق اجازت طلب کی، انہوں نے سوچ کر بتانے کا کہا۔'' (ڈائری: ۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء)

اور بالآخر اجازت مل گئی:

''میاں مسعود احمد صاحب مدظلہ کی طرف سے بایں طور پیغام آیا کہ علمی ترقی کی وجہ سے تو روکتا نہیں، ہاں اگر کوئی اور وجہ ہو تو بتاؤ؟ مقصد چونکہ علمی ماحول کی تبدیلی تھا، اسی لیے وہی عرض کیا گویا کہ اجازت مل گئی۔''

(ڈائری: ۲۹ مارچ، ۱۹۸۸ء)

حضرت مفتی اعظم کی رائے بھی وہی تھی جو میاں مسعود دامت برکاتہم کی تھی:

''حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ ان سے

مشورہ کیا انہوں نے جامعہ اشرفیہ کو ترجیح دی۔''

(ڈائری: ۱۱ اپریل ۱۹۸۸)

ان دونوں بزرگوں کی اتفاقی رائے کے بعد کراچی میں تدریس سے معذوری ظاہر کردی۔

(ڈائری، ۱۸ اپریل ۱۹۸۸)

سکھر میں پہلے سال آپ کے ذمے مسلم جلد ثانی، طحاوی، جلالین دوم، ہدایہ رابع، میبذی اور متنبّی کی تدریس مفوض تھی، ۲۳ نومبر ۸۸ کو موتی مسجد پرانے سکھر میں آٹھ صد ماہوار پر امامت کا آغاز کیا۔

جامعہ اشرفیہ سے پہلے آپ موجودہ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ العالی کے ایماء پر جامعہ حسینیہ شہداد پور میں اور اس سے بھی پہلے پرانے تبلیغی مرکز خان پور اور ظاہر پیر میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے۔

جامعہ میں دوبارہ آمد:

جامعہ میں آپ کی دوبارہ آمد ۶ شوال ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء میں ہوئی ہے۔اس سے پہلے آپ جامعہ اشرفیہ سکھر میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ان تاریخی واقعات کی تخیل کی مدد سے واقعہ نگاری اور ظن وتخمین کے کچے سہاروں پر اس کی بنیاد رکھنے اور پھر افسانہ اور ناول کی طرح قیاس کی مدد سے کڑی سے کڑی ملانے کے بجائے بہتر ہے کہ حضرت شہید کے اپنے الفاظ سے ہی جو تصویر ابھرتی ہے اسے ہی قبول کرلیا جائے۔خصوصاجب کہ وہ اب ہم نہیں ہیں اور کسی واقعے پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں۔

> ''کل شام جامعہ اشرفیہ کے ناظم اعلی جناب قاری خلیل صاحب کو اپنا استعفیٰ نامہ لکھ پیش کردیا....شکر ہے معاملہ احسن طریقے سے اختتام کو پہنچا۔اللہ تعالی آئندہ کے لیے بہتری فرمائے۔'' (ڈائری: یکم جنوری ۱۹۹۶ء)

> ''قاری صاحب نے استعفاء واپس لینے پر زور دیا لیکن بندے نے معذرت کردی۔'' (ڈائری: ۲ جنوری ۱۹۹۶ء)

> ''مولانا حبیب اللہ مختار صاحب سے ملاقات ہوئی اور آئندہ آنے سے متعلق بات

چیت ہوگئی۔'' (ڈائری:۲۵ جنوری ۱۹۹۶ء)

''مولانا حبیب اللہ سے ملاقات ہوئی پھر.... مفتی عبدالسلام صاحب سے ملا، کل سے کام شروع کرنے کا کہا۔'' (ڈائری:۲مارچ ۱۹۹۶ء)

''آج سے بحمداللہ باقاعدہ دارالافتاء میں کام شروع کردیا پہلے ہی دن ایک....کو مسلمان کیا۔بحمداللہ ابتدا اچھی ہوگئی۔دوتین فتاوی لکھ کر اولاً مفتی عبدالسلام صاحب کو دکھائے، پھر صاف کرکے واپسی والے کے حوالے کردیے۔''

(ڈائری:۳مارچ ۱۹۹۶ء)

''کراچی میں زمانہ طالب علمی کے بعد آج پہلی عیدالاضحیٰ گزری،فرق یہ تھا کہ ۱۳۹۰ھ میں دورہ حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے مدرسہ کے چرم قربانی جمع کرنے کے سلسلہ میں ازخود مدرسے میں رہا اورتاکہ ایام رخصت میں ترمذی کی کاپی مکمل کرسکوں۔آج چھبیس سال بعد ۱۴۱۶ھ میں مدرسہ میں جواب جامعہ کے نام سے موسوم ہے،رفیق دارالافتاءاور مدرس کی حیثیت سے عید جامعہ میں گزاری،صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد گھر میں کپڑے تبدیل کیے،نماز عید جامع مسجد نیوٹاؤن میں ادا کی۔آٹھ بجے نماز سے فارغ ہوئے،نماز کے بعد گھر میں ناشتہ کرکے جامعہ میں اجتماعی قربانی میں شریک رہا،زیادہ وقت وزن کرنے میں گزرا،تقریباً تین بجے فارغ ہوئے۔

غریب الدیاری میں کئی عیدیں گزریں،لیکن آج اس کا بہت احساس ہوا، مشغولیت کے سبب یہ احساس کم ہوگیا تھا لیکن فراغت کے بعد یہ احساس شدید ہوگیا۔ اللھم آنس وحشتی فی قبری.'' (ڈائری:۲۹اپریل ۱۹۹۶ء)

''.....کل کام کی وجہ سے ہاتھوں میں ورم ہوگیا تھا اور ہاتھ کافی زخمی ہوگئے تھے.... مدرسہ آیا اور پھر کام میں شریک رہا،ظہر تک کام سے فارغ ہوگئے۔''

(ڈائری:۳۰اپریل ۱۹۹۶ء)

''آج مفتی عبدالسلام صاحب رئیس دارالافتاء کم ازکم ایک مہینے کی رخصت پر چلے گئے، وہ آج مدرسے سے الوداع کرگئے کل صبح بنگلہ دیش چلے جائیں گے۔جاتے ہوئے باقاعدہ طور پر بندہ کو اپنا قائم مقام بناگئے،اس سے پہلے مہتمم صاحب کی منظوری سے نائب

رئیس دارالافتاء بندہ کو ہی مقرر کیا گیا تھا۔اللہ تعالی آسانی فرمائے،تکبر اور غرور سے محفوظ فرمائے۔أللھم ألھمني رشدي وأعذني من شر نفسي.''

صورتِ مسئلہ کی تحقیق وتدقیق:

کسی سوال کا جواب اسی وقت مکمل شرح صدر اور کامل بصیرت کے ساتھ دیا جاسکتا ہے جب اس سے متعلقہ حقیقت سے کامل آگاہی حاصل ہو، بلکہ جواب سے پہلے خود سوال کا سمجھنا اس سے متعلقہ امور کے سمجھنے پر موقوف ہوتا ہے۔اس مقصد کے لیے اگر سوال کسی جدید ایجاد کے متعلق ہوتا تو آپ اصحاب فن سے مشاورت اور متعلقہ ماہرین سے معاونت اور رہنمائی لیتے تھے۔اگر سوال کسی حقیقت واقعہ کے متعلق ہوتا جو تکرار کے ساتھ وقوع میں آرہی ہوتو کبھی اسے خود ملاحظہ فرماتے اور کبھی جس کے فہم ودانش پر آپ کو اعتماد ہوتا اس کو مامور فرماتے۔اگر سوال کا تعلق عرف وعادات،رسم ورواج اور روایات کے متعلق ہوتا تو از خود متعلقہ کمیونٹی اور برادری کے عرف کی تحقیق فرماتے اور مختلف افراد کے بیانات لینے کے بعد کوئی فیصلہ صادر فرماتے تھے۔اس قسم کی چند مثالیں خفیف سی ذہنی کاوش اور معمولی غور وفکر سے لوح دماغ پر نمودار ہوگئی ہیں، جو حقیقت میں اسی سادہ اصول کی تفسیر ہیں کہ ''سوال سمجھو''، ملاحظہ فرمائیں:

۱....اسلامی بینکوں اور اور مرکزی بینک کے تعلقات کی فقہی نوعیت کیا ہے؟اس بارے میں حقیقت حال کی تحقیق کے لیے خود اسٹیٹ بینک تشریف لے گئے تھے۔

۲....نوٹوں کی چھپائی اسٹیٹ بینک خود کرتا ہے یا اجرت پر کراتا ہے۔جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو وہ عام تصور کے برعکس تھی۔اسی طرح اسٹیٹ بینک کے اخراجات حکومت پاکستان ادا کرتی ہے یا بینک خود اس کا بندوبست کرتا ہے؟ تاکہ معلوم ہوسکے کہ بینک کے ملازمین کو کس قسم کی رقم سے تنخواہ ملتی ہے۔

۳....جامعۃ الرشید میں بینکنگ کے سلسلے میں جو تعارفی مجالس ہوا کرتی تھیں۔حضرت باوجود اپنی پیرانہ سالی،عوارض جسمانی اور کثرت مشاغل کے بنفس نفیس تشریف لے جایا کرتے تھے۔

۴....ایک مشہور نعت گو کی نعتوں کے متعلق سوال ہوا کہ اس کے بیک گراؤنڈ میں موسیقی کی دھن ہے یا نہیں؟ وہ صاحب انکار کرتے تھے۔حضرت رحمہ اللہ مسئلے کی تحقیق کے لیے خود اسٹوڈیو تشریف لے گئے اور حقیقتِ حال کا مشاہدہ فرمایا۔

۵....شیئرز کے متعلق بعض نکات کی وضاحت کے لیے آپ کا اسٹاک ایکسچینج تشریف لے جانا بھی یاد ہے۔

۶....قصابوں کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے منہ میں پان، گٹکا اور مین پوری وغیرہ ہوتی ہے اور بات کرتے ہیں تو بے ہودہ گوئی کرتے ہیں اور اسی حالت میں جانور پر چھری بھی پھیر دیتے ہیں۔یہ حقیقت ہے یا پروپیگنڈہ؟ اس امر کی تحقیق کے لیے ہمیں لانڈھی کے مذبح خانے میں کئی راتیں گزارنا پڑیں۔

۷....الکحل ملا پرفیوم استعمال کرتے وقت الکحل ہوا میں اڑ جاتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کی تحقیق کے سلسلے میں ڈاؤ میڈیکل کالج کے متعلقہ شعبے سے گفت وشنید کی جاتی رہی۔

اس تحقیق وتدقیق اور تفتیش وتنقیح کا اثر ونتیجہ یہ تھا کہ جو رائے دیتے تھے، مکمل اعتماد اور کامل بصیرت سے دیتے تھے۔

رجوع واعترافِ حق:

زندگی کے ہر مرحلے میں انسانی علم وتحقیق کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی ہے۔عمر اور علم کے ساتھ رائے اور تحقیق بدلتی رہتی ہے۔اگر کسی مسئلے کے متعلق آپ پر واضح ہو جاتا کہ اس بارے میں آپ کی تحقیق مکمل اور رائے صائب نہیں ہے تو آپ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اپنی رائے اور فتوی سے رجوع فرمالیا کرتے تھے۔

صریح کنایہ بائن، کنایہ بائن کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے۔دارالافتاء کا بھی یہی فتوی چلا آرہا تھا۔آپ کو اس مسئلے میں حق جانب مخالف میں محسوس ہوا تو ازسرنو تحقیق کی اور اس کے بعد رائے بدل دی اور عدمِ لحوق کا فتوی دینے لگے تھے۔اگر آپ کی توجہ آپ کی رائے سے اختلاف کی طرف دلائی جاتی تو آپ کچھ اس قسم جملے ارشاد فرماتے تھے: ''ٹھیک ہے، ان سے عرض کردیں

کہ اپنے دلائل سے ہمیں آگاہ کردیں، ہم نے کسی خاص رائے کی قسم تو نہیں کھا رکھی۔''

بعض مسائل کے متعلق ذاتی رجحان:

بعض مسائل میں آپ تردد کا شکار نظر آتے تھے مگر آپ کا مزاج نقل کو عقل پر اور فقہی نص کو اپنے ذاتی ذوق اور مزاج پر ترجیح دینے کا تھا۔ اس قسم کے مسائل کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱.... کتابوں میں لکھا ہے کہ نابالغ اولاد کا نان ونفقہ باپ پر لازم ہے، چاہے اولاد اس کے زیر تربیت ہو یا نہ ہو۔ اب ایک عورت شوہر کی مرضی کے خلاف میکے میں بیٹھ جاتی ہے اور اولاد کو بھی اپنے ساتھ روک لیتی ہے اور بچوں کے خرچے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اگر شوہر لیت ولعل سے کام لے تو وہ قانون کے زور پر شوہر سے وصول کرتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ: ''ایک عورت خود ناشزہ ہے، ذاتی کردار کی بھی اچھی نہیں ہے، شوہر کو پرورش کا حق تو کجا اسے اولاد سے ملنے بھی نہیں دیتی ہے، بلکہ شوہر کے خلاف بچوں کے کان بھرتی ہے اور ماہ بماہ خرچہ وصول کرتی رہتی ہے؟'' مطلب یہ تھا کہ ایسی ناشزہ کو تو خرچہ نہیں دینا چاہیے۔

۲.... ایک شخص خواب آور ادویات کی معمول سے زائد مقدار استعمال کر کے عقل کھو دیتا ہے اور اسی حالت میں طلاق دے دیتا ہے۔ اصول کی رو سے طلاق واقع ہے اور آپ کا فتویٰ بھی یہی تھا، مگر آپ جانب مخالف کی طرف کچھ رجحان رکھتے تھے یا کم از کم اس مسئلے میں مزید تحقیق کے خواہاں تھے۔

۳.... زکوۃ کے نصاب کے بارے میں ضم بالقیمۃ کا قول مفتی بہ اور معمول بہ ہے۔ مگر بعض صورتوں میں یہ قول شدید حرج اور تنگی کا باعث بن جاتا ہے۔ بعض ممالک میں تو پورا نصاب خرچ کرنے کے باوجود قربانی ممکن نہیں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خواتین کے پاس سونا چاندی کے علاوہ تھوڑی بہت نقدی ہوتی ہے۔ اب اصل مذہب کی رو سے اگر سونے یا چاندی کے ساتھ ایک روپیہ بھی ہو تو ضم واجب ہے۔ نتیجۃً ایسی عورتوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

اس بارے میں دارالافتاء کے بعض رفقاء کی رائے یہ ہے کہ کم از کم خمس نصاب کے برابر نقدی ہونی چاہیے، مگر آپ کا میلان صاحبین کے مذہب کی طرف تھا۔

۴....ایک اہم مسئلہ بلڈنگوں میں بنی مساجد کا ہے۔ مذہب حنفی کی رو سے ایسی مساجد شرعی مساجد نہیں بلکہ جائے نماز ہیں۔ جن پر شرعی مساجد کے احکام لاگو نہیں ہوتے ہیں۔ کراچی میں مساجد کی قلت، آبادی کی کثرت، لوگوں کا تعب ومشقت اور کچھ لوگوں کا طرز عمل کہ وہ بلڈنگ کی پارکنگ میں چار دیواری کھینچ لیتے ہیں اور وہاں اپنا گڑھ بنا کر لوگوں میں اپنے نظریات کا پرچار کرتے ہیں اور اہل حق سے انہیں متنفر کرتے ہیں۔ ان وجوہ کی بناء پر امام محمدؒ کے قول کی اتباع میں آپ نے ایسے مصلوں کے مسجد ہونے کا فتوی دیا تھا۔ مبسوط سرخسی کے " او اخر هبه" میں اس پر اچھی بحث مل جاتی ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی بھی ایک ایسے فتوی کی تصحیح فرما چکے ہیں۔ اگر چہ مفتی بہ قول کے مطابق یہ مصلے مسجدیں نہیں ہیں اور دارالافتاء کا فتوی بھی ان کے مساجد نہ ہونے کا ہے اور خود مفتی صاحب نے بھی ایک دو فتاوی کے بعد اس قول پر فتوی کا اجرا روک دیا تھا، مگر تاریخ محفوظ رکھنے کی غرض سے اور اس متوقع فائدے کے خیال سے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر کل کلاں کو یہ مسئلہ زیر بحث آئے تو بڑوں کے مزاج اور رجحان سے ہمیں رہنمائی ملے گی، اس فتوی کا ذکر کر دیا۔ آج کے اہل افتاء کل کے اکابر ہوں گے اور کل کے اصاغر آج کے اہل علم کی آراء سے رہنمائی حاصل کریں گے۔

۵....منی میں قصر ہے یا اتمام؟ اس موضوع پر جامعہ میں ایک ''دوروزہ بین الاقوامی فقہی سیمنار'' ہوا تھا۔ کانفرنس اس غرض سے منعقد کی گئی تھی کہ حج کے موقع پر خیمہ خیمہ اختلاف کا شکار ہو جاتا ہے اور سیاسی پمفلٹ کی طرح حج کے موقع پر فتاوی تقسیم ہوتے ہیں اور حج جیسی عبادت کے لیے جس سکون اور یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ فوت ہو جاتی ہے۔ عوام اس لیے باہم دست بگریبان ہوتے ہیں کہ اہل علم کسی ایک قول پر متفق نہیں ہیں اور انہوں نے علماء کے اختلاف کو اپنے لیے باعث سہولت بنانے کے بجائے اذیت اور عذاب کا باعث بنا لیا ہے۔

بہر حال اس اختلاف کے خاتمے اور کسی ایک موقف پر امت کو جمع کرنے کے لیے

مذکورہ کانفرنس بلائی گئی تھی۔ اتفاق کا خواب تو شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا، البتہ مفتی صاحب کے خلوص کا اندازہ ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحب کی طرف سے مقالے کی تیاری احقر کے ذمے تھے۔ آپ نے اس سلسلے میں کچھ نکات زبانی ارشاد فرمائے، جس سے جامعہ کے موقف کی بھرپور تائید ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ: "حضرت میں جامعہ کے موقف پر دلائل جمع کرلیتا ہوں" اور یہ کہہ کر کتب خانے کے ارادے سے اٹھ کر جانے لگا تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بڑی شفقت اور ملائمت سے فرمایا کہ: "یہ نہ دیکھو کہ ہمارے موقف کے دلائل کیا ہیں، بلکہ یہ دیکھو کہ دلائل کی روشنی میں حق کیا ہے؟ اگر ذہن بنا کر کتاب دیکھو گے تو صرف اپنے دلائل نظر آئیں گے۔ جیسا چشمہ لگاؤ گے دنیا ویسے ہی نظر آئے گی۔"

دقتِ نظری اور وسعت فکری:

جو فتاوی دستخط کے لیے آپ کے پاس پہنچتے تھے، وہ تحقیق وتنقید کی چھلنی سے چھن کر آپ کے پاس پہنچتے تھے۔ مگر جس طرح زرگر سے زر کا کھوٹ اور انجینئر سے عمارت کا نقص چھپا نہیں رہ سکتا، اسی طرح فتوی کی خامی آپ کی باریک بین نگاہ سے اوجھل نہیں رہ سکتی تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ عیب خود اچھل اچھل کر آپ کے سامنے اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے۔ کبھی ایسی تنقیح نکالتے تھے کہ دل کی گہرائیوں سے آپ کے لیے دعا نکلتی تھی۔

ایک سوال آیا کہ میرے والد کا کینسر کے مرض میں انتقال ہوگیا اور دورانِ مرض انہوں نے اپنا پورا کاروبار اپنے بڑے بیٹے کو منتقل کردیا تھا۔ ابتداءً اس کا جواب یوں تیار ہوا کہ چوں کہ حالت مرض میں ہبہ وصیت کا حکم رکھتا ہے اور وصیت وارث کے حق میں اس وقت نافذ ہوتی ہے جب دیگر ورثاء اس کے نفاذ پر رضامند ہوں، اس لیے دیگر ورثاء کی رضامندی دیکھی جائے گی۔ آپ نے مستفتی سے یہ وضاحت طلب کرنے کا حکم دیا کہ کینسر کی تشخیص کے کتنے عرصے بعد مرحوم کا انتقال ہوا؟ انہوں نے وضاحت دی کہ ڈیڑھ سال بعد وفات ہوئی تھی۔ چنانچہ بیٹے کے حق میں ہبہ کے نفاذ کا فتوی دیا گیا۔ کاروبار کے بارے میں معلوم ہوا کہ کروڑں کی مالیت کا تھا اور کئی شہروں میں پھیلا ہوا تھا۔ اگر وضاحت نہ لی جاتی تو ایک شخص لاکھوں کروڑوں کی صورت میں

اپنے جائز حق سے محروم ہوسکتا تھا۔

کراچی کی ایک مسجد میں سینکڑوں افراد اپنے متبع سنت شیخ کی معیت میں رمضان کا مسنون اعتکاف کرتے ہیں۔ معتکفین کے طعام اور قیام کا بندوبست مسجد کی بالائی منزل پر ہوتا ہے اور اوپر جانے کے لیے ایک ہلالی شکل کا زینہ ہے جو گھومتے ہوئے تھوڑا سا مسجد کی حدود سے باہر نکل جاتا ہے۔ ایک صاحب سے مذکورہ صورت حال کے بارے میں سوال ہوا انہوں نے اعتکاف کے فساد اور آئندہ قضا کا حکم دیا۔ جب آپ کے سامنے نوعیت آئی تو فرمایا کہ: ''قضا کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے حکمت دریافت کی تو فرمایا کہ: ''مذکورہ زینے کا استعمال ناگزیر ہے اور اتنی بڑی تعداد کے لیے قضا مشکل ہے اور اس کے ساتھ امام ابو یوسف کے ہاں گنجائش اس سے زیادہ ہے، اس سہولت کو استعمال میں لانے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں۔''

یہ مسئلہ اور اس سے ملتے جلتے اور مسائل میں آپ کا ذہن اس طرح پڑھنے میں آتا تھا کہ آپ تسہیل اور تلہی میں فرق کرتے ہیں۔ تشہی اور تلہی ممنوع و مذموم ہیں، مگر یسر و سہولت تو مطلوب و محمود بلکہ وجہ ترجیح ہے۔

جذبہ ہمدردی و خیر خواہی:

فتوی حکم شرعی کے اظہار کا نام ہے اور مفتی کا فریضہ بھی بس اس قدر ہے کہ سائل کو حکم شرعی بتلادے، مستفتی کو مطمئن کرنا، اس کی ذہن سازی کرنا اور فتوی کے مطابق اسے عمل کے لیے آمادہ کرنا فتوی کی حدود سے خارج ہے۔ مگر آپ ایک سچے مبلغ اور خیر خواہی و ہمدردی سے معمور سینہ رکھتے تھے۔ اس لیے فتوی کے ساتھ مستفتی کو ذہنی طور پر مطمئن بھی کرتے تھے۔

ایک صاحب نے پوچھا کہ میں ایک ریٹائرڈ ملازم ہوں اور مجھے مختلف مدات کی صورت میں یکمشت ایک بڑی رقم ملی ہے۔ کوئی ہنر مجھے آتا نہیں اور امانت دیانت کے فقدان کی وجہ سے کسی پر بھروسہ کرسکتا نہیں۔ اس لیے میں بینک میں رقم رکھ کر اس پر ماہ بماہ نفع وصول کرتا ہوں۔ اس سوال کا سادہ، سیدھا اور مختصر جواب صرف اتنا تھا کہ بینک کا نفع سود ہونے کی بناء پر حرام ہے اس لیے آپ کا عمل ناجائز ہے، مگر آپ ہر طرف سے منقطع ہو کر اس کی طرف متوجہ

ہوئے اور کچھ اس طرح ارشاد فرمایا: ''بھائی! خدا تعالی کے ہاں خاتمے کا اعتبار ہے۔ زندگی بھر تو حلال کھایا، کمایا اور کھلایا، اب آخر عمر میں بھی حلال ہی کوشش کرنی چاہیے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی کتنی عمر باقی ہے۔ اگر اس حالت میں چلے گئے تو خدا سے حالت جنگ میں ملاقات ہوگی، میرے بھائی! لوگ اس طرح بینکوں میں رقم رکھواتے ہیں اور اس دوران بلاوا آتا ہے اور چلے جاتے ہیں۔ اب آپ سوچیں کہ زندگی بھر حلال کھایا اور آخر میں حرام کھایا، خود حرام کھایا اور حلال اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ گیا۔ آخر ہم مسلمان ہیں تو خدا پر اتنا یقین تو ہونا چاہیے کہ وہ اب بھی ہمیں حلال کھلانے پر قادر ہے۔ اگر کسی پر اعتماد نہیں تو چلیں سونا خرید لیں، شیئرز خرید لیں۔''

آج کل کثرت سے مشاہدے میں آرہا ہے کہ لوگ اپنی رقوم بینکوں میں رکھ لیتے ہیں اور اس پر جو سود ملتا ہے وہ غریبوں پر صدقہ کر دیتے ہیں، حالانکہ صدقہ کرنے کا جو حکم دیا جاتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر ناپاک رقم ملکیت میں آگئی ہے تو خلاصی کے لیے مستحق پر صدقہ کر دی جائے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صدقے کی نیت سے سودی معاملہ کیا جائے یا اگر کیا ہے تو اسے برقرار رکھا جائے۔ اس نیت سے سود لیتے رہنا کہ حاجت مند کو دے دیا کریں گے گویا توبہ کی نیت سے گناہ کرنا یا اس وجہ سے انگلی کٹوانا ہے کہ مرہم موجود ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کے فائدے کے لیے خود سوزی کرتے ہیں جیسے راستے کا چراغ جو دوسروں کو روشنی دینے کے لیے خود جلتا رہتا ہے۔ جن علماء کا فرمانا ہے کہ سود کی رقم بینک میں چھوڑنی نہیں چاہیے ان کے ارشاد کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر غلطی سے ایسا ہوگیا ہے تو اصل بمع سود بینک سے نکال دے تاکہ وہ رقم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرمیوں میں استعمال نہ ہو۔ یہ مطلب ان کا بھی نہیں ہے کہ صدقے کی نیت سے سود وصول کرتے رہنا چاہیے۔

دارالافتاء کی مصروفیات پر ایک نظر:

اپنی نشست پر پہنچتے ہی آپ پر کاموں کا ہجوم ہو جاتا تھا۔ پہلی نگاہ دستخط کے منتظر فتاوی کے ڈھیر پر پڑتی تھی۔ کبھی بڑی معصومیت سے فرمادیتے کہ رات کو تو میں کام ختم کر کے گیا تھا؟ اور جب نشست پر تشریف فرما ہو جاتے تو سب سے پہلے ان فتاوی کو نمٹاتے جن میں کوئی ظاہری یا

معنوی سقم ہوتا۔ اگر املا یا زبان یا قواعد کی غلطی ہوتی تو خود ہی درست فرماتے۔ خط اور قرآنی رسم میں چونکہ فرق ہے، اس لیے تاکید فرماتے تھے کہ مصحف شریف دیکھ کر آیات مبارکہ لکھا کریں۔ بہت سے ایسے چھوٹے موٹے کام جن کو خود انجام دینا شاید ٹائم مینجمنٹ کے اصولوں کے خلاف ہو، مگر وہ بھی خود ہی انجام دیا کرتے تھے۔

نشست دارالافتاء کے وسط اور دروازے کے سامنے تھی، اس لیے زبانی دریافت کرنے والے سیدھا آپ کا رخ کرتے۔ کبھی کسی نے مشورہ دیا کہ آپ کی نشست ایک جانب کسی کونے میں ہوتا کہ ذرا یکسوئی رہے تو سن لیا اور خاموش رہے۔ اسی وقت میل وملاقات اور زیارت والے حاضر ہوتے، طلبا رہنمائی لیتے اور اساتذہ مشاورت کرتے۔ کام کے دوران جب فون بجتا (جیسا کہ وہ بجتا زیادہ اور خاموش کم رہتا ہے اور بزبان حال نہیں بلکہ بزبان مقال چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر کہتا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے کسی اور کام کی گنجائش نہیں) تو دوسری اور تیسری گھنٹی پر اٹھا لیتے تھے۔ کسی خالی نشست پر فون بجتا تو اسے اپنے پاس ٹرانسفر کر لیتے تھے۔ ذاتی فون پر تو بہت کثرت سے لوگ رجوع کرتے مگر مصروفیت کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو کبھی یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے کال وصول نہ کی ہو۔ آپ پر حملے کی اطلاع سن کر جب رابطہ کرنے پر آپ نے فون ریسیو نہیں کیا تو خدشہ یقین میں بدل گیا کہ اطلاع میں صداقت ہے۔ کبھی ازراہ مذاق فرماتے کہ: ''یہ بٹیرا بولتا بہت ہے۔'' خود سنایا کہ: ''میں استنجاء کی غرض سے اندر گیا اور فون بجنا شروع ہوا، جب آ کر دیکھا تو سولہ مِسڈ کالیں تھیں۔'' جب وہ صاحب اپنی ضد میں کامیاب ہو گئے اور مسئلہ پوچھا تو وہ بھی کوئی اہم نوعیت کا یا فوری جواب کا متقاضی مسئلہ نہیں تھا، مگر آپ کی نرم خوئی اور عاجزی نے لوگوں کو جری اور دلیر بنا دیا تھا۔

کوئی استاذ یا معزز مہمان یا کوئی ایسا سائل ہوتا جسے نفسیاتی طور پر مطمئن کرنے اور یہ یقین دلانے کے لیے ضروری ہوتا کہ آپ کی توجہ ہے اور مسئلہ خوب اچھی طرح سمجھ گئے ہیں، کام روک کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، ورنہ گفتگو سے کام میں تعطل پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لوگ پوچھتے رہتے اور آپ صفحات پلٹتے اور دستخط کرتے ہوئے جواب دیتے رہتے، گویا تم اپنا کام کیے

جاؤ ہم تمھارے کام سمیت اپنا کام بھی کیے جائیں گے۔ یہی سرعت اور وقت میں برکت تھی کہ آپ کم وقت میں زیادہ کام کرلیا کرتے تھے۔ اگرچہ مغرب یا عشاء کے بعد بھی تشریف لاتے تھے لیکن اس کو ملا کر بھی اگر میزانیہ تیار کیا جائے تو کام کے مقابلے میں وقت کوئی زیادہ نہیں تھا۔

جامعہ میں آپ کی مصروفیت دارالافتاء کی مشغولیت، دورہ اور تخصص کا درس اور شوریٰ کی رکنیت تھی اور جامعہ سے خارج جامعہ درویشیہ میں بخاری کا درس اور معہد الخلیل میں دارالافتاء کی رکنیت اور مسجد الحمراء کی امامت تھی۔ معمول یہ تھا کی فجر سے قبل بیدار ہو جاتے اور آنکھوں میں نیند کا خمار لیے دولت کدہ تشریف لے جاتے تھے۔

فقہ وفتاوی میں مہارت اور دقتِ نظر:

فقہ اور فتاوی آپ کا خاص موضوع اور اختصاصی مضمون تھا۔ ساری عمر اس کوہ پیمائی، آبلہ پائی اور صحرانوردی میں گزری تھی۔ کلیات ازبر، جزئیات مستحضر اور ہدایہ پر گہری نظر تھی۔ فقہی ملکہ، خداداد ذہانت اور بے نظیر ذکاوت کی دولت سے مالا مال تھے۔ وسعتِ مطالعہ کے بجائے قوتِ حافظہ اور کثرتِ معلومات کے بجائے دقتِ فہم میسر تھی۔ آپ کو دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ درس نظامی اگر اس طرح پڑھی جائے جیسا کہ اس کا حق ہے تو مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ آپ نے درسیات محنت سے پڑھیں اور پھر تدریس جم کر کی تھی، جس سے علمی رسوخ اور پختگی حاصل ہوگئی تھی۔ طبیعت کے ذہین وفطین، جسم مجاہدے اور مشقت کا عادی، خاندانی نجابت وشرافت، اندرونی پاکیزگی وصفائی اور اساطین علم کا تلمذ، ان امور کی وجہ سے حق تعالی شانہ نے آپ کو ''تفقہ'' کی دولت سے نواز دیا تھا۔

زندگی کی اڑتیس بہاریں آپ نے تدریس کرتے ہوئے گزاریں، نصف آخر میں آپ باقاعدہ افتاء کے شعبے سے منسلک رہے، یہ ۱۹۹۶ء سے شہادت تک کا زمانہ ہے جب جامعہ میں آپ کی دوبارہ تقرری ہوچکی تھی، اس دوران ڈیڑھ لاکھ کے قریب فتاوی کی تصحیح فرمائی، جو فتاوی خود لکھے یا جن کی تصدیق کی، ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔، اس سے پہلے مفتی کی حیثیت سے آپ کی شہرت نہ تھی مگر افتاء کی حقیقت آپ کو حاصل تھی۔ سکھر کے زمانہ تدریس میں جامعہ اشرفیہ

کے باضابطہ مفتی کوئی اور تھے، مگر افتاء کے معاملات میں آپ معاونت فرماتے تھے۔سکھر سے پہلے جب خان پور میں اقامت رکھتے تھے تو اعزہ واقارب اور دوست واحباب مسائل کے سلسلے میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔اپنے ایک مکتوب میں اپنے برادر صغیر کو لکھتے ہیں:

۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ۔۱۱/۴/۸۳ء

برادرعزیز زیدلطفہٗ

آپ نے کیسٹ میں چند چیزوں کا استفسار کیا ہے تو جواب حاضر ہے۔

۱......آپ جونمازیں گھر پرادا کرتے ہیں ان کو اول وقت پر پڑھیں البتہ نمازعصر چونکہ وہاں پر مثل ثانی میں ہوتی ہے اسمیں تاخیر کریں،مغرب کے وقت سے تقریباً سوا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ادا کیا کریں۔

۲......علماء کا فتوی یہ ہے کہ بنک ملازم کو جب تک متبادل روزگار مہیا نہ ہو اس وقت تک ملازمت نہ چھوڑے، ٹی،وی کی دوکان پر ملازمت اس سے کم درجہ رکھتی ہے، خصوصاً جب کہ آپ خود اس کے دیکھنے سے مجتنب رہتے ہیں اور وہ بھی بقول شاد وماہ تک تکلیف ہے اس لئے صبر کریں، انشاء اللہ ضرور مدد ہوگی، اللہ تعالیٰ نے موقعہ عطا فرمایا ہے،حرم میں اگرچہ کبھی کبھی نماز تو مل جاتی ہے، بیت اللہ کی زیارت بھی ہوتی ہے، آب زمزم بھی پینے کو مل جاتا ہے، ملتزم اور حجراسود کے بوسے تو مہیا ہو جاتے ،ان سعادتوں کے حصول کے لئے اگر کچھ مشقت ہے تو اس کو برداشت کریں،شاید اللہ تعالیٰ اسی کے صدقہ اقبال صاحب کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمادیں،وماذالك علی الله بعزیز۔

خان پور کے زمانہ قیام سے پہلے ایک ایسے ادارے میں خدمت افتاء سے وابستہ تھے جہاں کام کی کثرت اور تیز رفتاری کی بنا پر صدیوں کی مسافت برسوں میں اور سالوں کے نتائج مہینوں میں حاصل ہو جاتے ہیں، مگر اس سے زیادہ لائق رشک آپ کی ایک اور صفت ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع ہی سے آپ کی طبیعت میں فقہ کا جوہر ودیعت تھا، جس پر آپ کے زمانہ طالب علمی کے مکتوبات دلالت کرتے ہیں۔طبیعت میں یہ جوہر نہ ہو تو کسب وجد وجہد کے باوجود انسان فقہ کا

حافظ بن سکتا ہے مگر محافظ نہیں، ناقل ہوسکتا ہے مگر نکتہ رس نہیں، اسے جزئیات ازبر ہوسکتی ہیں جو کچھ کم مشکل نہیں مگر وہ فن کی مشکلات کا مقابلہ کرنے سے عاجز اور مغلقات کو حل کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

آپ کی یہ صفت تمام صفات پر اور یہ خوبی سارے کمالات پر برتر معلوم ہوتی ہے۔ کسی نوپید مسئلے میں میرے لیے کتاب سے زیادہ آپ کے مزاج کا جاننا اہمیت رکھتا تھا، کیونکہ ذوق فقہی تھا اور اس ذوق کی بناء جو رائے قائم فرماتے، حقیقت بھی اسی کے مطابق منکشف ہوتی تھی اور جس طرح صالح خون فاسد مادے کو قبول نہیں کرتا ہے اسی طرح ذوق غلط رائے کو قبول نہیں کرتا تھا۔

کہنہ مشقی، پختگی اور افتاء کے طویل تجربے کی بناء پر فتوی کا مطالعہ یا اخبار کا ملاحظہ آپ کے لیے برابر تھا۔ سوال اگرچہ طویل، پیچیدہ اور گنجلک ہو، ایک مرتبہ ملاحظہ فرماتے اور دوران ملاحظہ جواب طلب نکات اور تنقیحات ایک خاص ترتیب سے ذہن میں جمع ہوتی رہتی تھیں۔ تعجب یہ ہے کہ سوال اور جواب کے ملاحظہ کے وقت گفتگو سے ذہن منتشر ہوتا، نہ ربط اور تسلسل ٹوٹتا۔ جب جواب پر نگاہ ڈالتے اور کوئی جواب طلب نکتہ باقی رہ جاتا یا کسی پہلو سے جواب تشنہ محسوس ہوتا تو ہلکا سا سوالیہ نشان ڈال کر اسے ایک جانب رکھ دیتے تھے۔ اگر جواب درست نہ ہوتا تو اسے پورا تبدیل کرنے اور دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہ تھی، آپ معمولی سی اصلاح دیتے اور جواب کچھ سے کچھ ہوجاتا، وہ خفیف سی ترمیم ایسی بنیادی اور جوہری نوعیت کی ہوتی کہ گویا کانٹا بدل دیا، جواب کا رخ ہی بدل جاتا تھا۔

ایک قابل قدر اور لائق رشک جوہر حق تعالی شانہ نے یہ طبیعت میں ودیعت فرما رکھا تھا کہ مستفتی کی بدنیتی آپ پر آشکارا ہوجاتی تھی۔ شر کی بدبو فورا محسوس فرما لیتے تھے اور ایسے فتاوی کا اجراروک لیتے تھے، جنہیں شر اور فتنہ وفساد کے پھیلاؤ کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہو۔

ایک مرتبہ ایک سیدھا سادہ اور معصوم و بے ضرر سا سوال مدت سے آپ کے دستخط کے انتظار میں تھا۔ خیال آتا تھا کہ ایک مسلمان سے بدگمانی اور اس کی نیت پر حملہ کرکے جواب میں تاخیر کی جارہی ہے، مگر حضرت اس دوران اپنے ذرائع اور وسائل کو کام میں لے کر سوال کی صدا

فت اور واقعیت کو جانچ رہے تھے۔اگر حضرت کی تیز حس شر کی بو بروقت محسوس نہ فرمالیتی تو قرائن بتلا رہے تھے کہ ایک بڑا فتنہ برپا کرنے کے لیے جواب وصول کیا جارہا تھا۔

کبھی ایسا ہوتا کہ سوال دور دراز علاقے کا ہوتا اور آپ کو جواب دینے میں کامل شرح صدر اور کلی اطمینان نہ ہوتا تو مستفتی کو مقامی اہل علم کی طرف محول فرمادیتے تھے۔زیادہ عجیب یہ واقعہ ہے کہ خلع کا سوال تھا اور بالکل واضح تھا اور اس کا جواب بھی متعین تھا اور اس سے پہلے سینکڑوں مرتبہ آپ اس کا جواب مرحمت فرماچکے تھے،مگر اس کے باوجود آپ نے سائل کو ایک اور دارالافتاء سے مراجعت کرنے کا ارشاد فرمایا۔میرے فہم کے مطابق وہ بے چارہ سخت لاچار اور مجبور تھا،مگر آپ نے اپنی رائے کے برخلاف اسے فتویٰ بھی نہیں دیا اور اس کی تنگی اس طرح دور کردی کہ اسے وہاں بھیج دیا جہاں اسے گنجائش مل سکتی تھی۔

اوزان کے متعلق پوچھنے پر فوری جواب مل جاتا تھا اور تفصیل سے بتاتے تھے،مثلاً یہ کہ تولہ بارہ ماشہ کا اور ماشہ آٹھ رتی کا اور رتی آٹھ چاول کی اور چاول دورائی دانوں کا۔عربی، برطانوی اور اعشاری کا فرق بھی آپ کے لیے مشکل نہ تھا۔اراضی کی پیائش،مال گزاری کی مقدار اور زرعی اصطلاحات وغیرہ کے بارے میں خود کفیل تھے۔

بارہا یہ واقعہ پیش آیا کہ لوگ کاغذات کا پلندہ اور ضخیم فائل لے کر حاضر ہوئے،جس میں مختلف ڈاکٹروں کی آراء،بہت سے ٹیسٹ اور الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹیں ہوتی تھیں کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ناقص الخلقت ہے،حمل کے سر میں پانی ہے،اس کا دماغ نہیں بن رہا،جنین اگر پیدا ہو تو عمر بھر معذور اور مفلوج رہے گا۔یہ مسئلہ ہمارے ہاں بہت کثرت سے پوچھا جاتا ہے اور پچھلے چند سالوں سے ہی اس میں شدت آئی ہے۔فقہ کی رو سے اگر حمل کی مدت چار ماہ سے کم ہو تو معاملہ آسان ہے لیکن چار ماہ کے بعد تو حمل گرانے کی گنجائش نہیں ہے،مگر تعجب ہے کہ چھ اور سات ماہ کے بچے بھی گرادیے جاتے ہیں۔حضرت مفتی صاحب کا چار ماہ سے زائد حمل کے بارے میں ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ:''اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دو،ڈاکٹروں کے پاس گھومنے سے سوائے پریشانی اور پیسے کے ضیاع کے اور کچھ حاصل نہیں۔''

ایک صاحب کہنے لگے کہ حضرت بچہ پیدا ہوتے ہی مرجائے گا۔فرمایا کہ:''جو اپنی موت مرجائے گا، ہم سے اس کی پوچھ بھی نہیں ہوگی، لیکن ہم اس وجہ سے ماردیں کہ وہ مر کر رہے گا،ہمیں اس کی اجازت نہیں، آخر سارے ہی انسان مریں گے تو کیا قتل جائز ہے۔''

اس یقین کامل،عزم راسخ اور راست گوئی اور سلامت فکری کا نتیجہ تھا کہ لوگ شیرینی لے کر حضرت کے پاس حاضر ہوتے کہ حضرت جی! ہمارے ہاں صحتمند بچے کی ولادت ہوئی ہے اورزچہ و بچہ دونوں خیریت سے ہیں۔

اس طرح کے خیالات اس شخص کے ہوسکتے ہیں جو محض نظری، فکری اور فلسفی قسم کا فقیہ نہ ہو، بلکہ دین کے مزاج ومذاق کا فہم رکھتا ہو اور اسے اپنے ظاہر وباطن پر لاگو کیے ہوئے ہو۔ حدیث شریف میں فقیہ کے ساتھ عابد کی شرط لگائی گئی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ علم وعمل کا جامع ہی فقیہ ہوسکتا ہے۔سلف صالحین سے بھی فقیہ کی تعریف میں منقول ہے کہ''جو دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی رغبت رکھتا ہو۔'' اور جب انسان ان دونوں شرطوں کا حامل بن جاتا ہے تو عقائد سے اس کی فکر راست ہوجاتی ہے، اخلاقیات سے رویہ درست ہوجاتا ہے، فقہ سے ذہنی پریشانی دور ہوجاتی ہے اور عبادات سے خالق کے ساتھ تعلق مستحکم ہوجاتا ہے۔ اور جب کوئی انسان بایں معنیٰ فقیہ ہو تو پھر وہ ایسے ہی موتی رولتا ہے۔

ہمارے تخصص کے سال شام کی چھٹی سے کچھ دیر پہلے ایک خاتون کا فون آیا کہ میرے انسٹھ روزے ہو چکے ہیں اور کل رمضان کا امکان ہے۔بتائیں میں کیا کروں؟ آپ نے جواب دیا کہ:''سفر شرعی شروع کردو اور بجائے رمضان کے کفارے کا روزہ رکھ لو۔''

فون پر مناسخہ تو مفتی صالح محمد شہیدؒ بھی حل کردیتے تھے، مگر فون پر فیصد بتانے والا آپ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ اور ان جیسی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے آپ کی معمولی جدائی بھی گوارا نہیں ہوتی تھی۔اب تو حضرت طویل سفر پر چلے گئے ہیں۔دنیا تو جدائی کا گھر ہے اور ایک دن ایسا ہو کر رہنا تھا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آخرت میں جدا نہ کرے۔

امام مالکؒ کا قول ہے کہ''ما کان للہ یبقیٰ''امام موصوف،نے یہ جملہ اس وقت ارشاد

فرمایا تھا جب کہنے والوں نے کثرت سے آ آ کر کہا کہ بہت سے لوگ مؤطا لکھ رہے ہیں، آپ کی مؤطا کا کیا فائدہ ہوگا؟ حضرت امام کا جواب تھا کہ: ''اخلاص کو بقا ہے۔'' دارالافتاء کے دو مرکزی ستون گرنے کے بعد کس کو یقین تھا کہ وہ اپنی پرانی شان بان کے ساتھ چل سکے گا۔ مگر ایک تو بانی کا اخلاص پھر یہ اٹل اور محکم خدائی اصول کہ: ''ان الله یغرس فی هذا الدین غرسا'' (سنن ابن ماجہ ص۳) کہ وہ اس دین کے گلشن میں شجر کاری کرتا رہے گا، اور ساتھ خون شہداء کی قبولیت ومقبولیت ،ان باتوں کا اثر ہے کہ کشتی طوفانی لہر سے ڈگمگائی ضرور مگر ڈوبی نہیں، ہچکولے کھانے کے بعد اس نے پھر چلنا شروع کیا اور الحمدللہ پہلے سے زیادہ رفتار پکڑ لی ہے۔ خوش خبری ہو مخلصین کو کہ وہ غم نہ کھائیں فکر نہ کریں۔ وهی تجری بهم فی موج کالجبال.

فقہ وفتوی کے متعلق بعض اہم ہدایات وارشادات:

تربیت کے زمانے میں کسی زیر تربیت کی غلطیوں سے چشم پوشی اس کے حق میں سخت مضر ہے، زمانہ تربیت کی کمزوری آخر تک رہتی ہے اور اس پر قابو بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اگر تخصص کے طلبہ سے کوئی چوک ہو جاتی تو خود ان کی غلطی کی اصلاح کرنے کے بجائے انہیں بلا کر تنبیہ فرماتے تھے اور ہمیں بھی اس طرح کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ عام طور پر ہر طالب علم کو انفرادی تلقین اور نصیحت فرماتے لیکن جب کوئی مسئلہ عمومی شکل اختیار کر لیتا تو تخصص کی کلاس تشریف لے جاتے اور طلبہ کو اجتماعی ہدایات دیتے تھے۔ اسی طرح کی ایک مجلس میں ان سے فرمایا کہ:

۱۔ طلبہ وارث کے حق میں وصیت کو باطل لکھتے ہیں، حالانکہ باطل نہیں بلکہ اس کا نفاذ دوسرے ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے اور جو ورثاء وصیت پر عمل درآمد کی اجازت دیں، ان کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے۔

۲۔ میت بہت قدیم ہو، مثلاً ساٹھ کی دہائی میں انتقال ہوا ہو تو اس کے حقوق متقدمہ کے بیان پر مشتمل طویل عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ اگر والدین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور کسی اور وارث کے انتقال سے

پہلے والدین میں سے دوسرے کا بھی انتقال ہو جائے تو اب مناسخہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

۴۔ طلاق کا ذکر کریں تو اس کے ساتھ عدت کو بھی بیان کریں کہ کون سی عدت ہے اور کتنے دن ہوگی؟ مطلقہ اگر حاملہ ہے تو بچے کی پیدائش پر عدت ختم ہوگی، ورنہ تین ماہواریاں عدت ہوگی اور اگر وفات کی عدت ہے تو ایک سو تیس دن ہوگی وغیرہ، صرف طلاق کا حکم نہ لکھیں۔

۵۔ میراث کے مسائل میں حصص کو فیصد کے حساب سے بھی تقسیم کریں، ربع اور ثمن وغیرہ میں کسر نہیں آتا، لیکن جب کسر آجائے تو اعشاریہ کے بعد دو تین اعداد لکھ لیا کریں اور اگر ترکہ کی مالیت زیادہ ہو تو پھر پانچ تک اعداد لکھیں کیوں کہ بڑی رقم ہونے کی صورت میں اعشاریہ در اعشاریہ سے بھی بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔

مجھے تخصص کے سال ارشاد فرمایا کہ: ''میں جواب میں کچھ بڑھاؤں یا گھٹاؤں تو اس پر خوب غور کر لیا کرو اور اس کی وجہ تلاش کرنے کوشش کرو۔'' ایک دوسرے موقع پر آپ سے دریافت کیا کہ: ''اردو فتاوی میں کون سی بہتر ہے؟'' جواب میں اپنے استاذ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کا طرزِ عمل نقل کیا کہ وہ اپنے ابتدائی زمانے میں ''امداد الفتاوی'' کا صرف سوال پڑھتے اور پھر اس کا جواب لکھ کر امداد کے جواب سے تقابل کرتے تھے۔ خود آپ ''کفایت المفتی'' کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ کسی مسئلے کے جواب میں اردو فتاوی مختلف ہوتے تو اکثر و بیشتر کفایت المفتی کے مطابق فتوی دیتے تھے۔ بارہا آپ سے سننے کو ملا کہ مفتی کفایت اللہ دہلوی کی فقاہت کا اندازہ لگانا ہو تو کفایت کے ان مقامات کو پڑھ لو، جہاں دیگر اکابر کے ساتھ ان کا مناقشہ ہوا ہے۔ ہدایہ کے بارے میں مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے حوالے سے بتایا کرتے تھے کہ اگر وکیل بھی ہدایہ کا طرز استدلال سیکھ کر استعمال کرے تو کوئی دوسرا اس پر غالب نہیں آسکتا۔

فتوی اگر پھیل کر مضمون کی شکل اختیار کر لیتا تو ہلکی پھلکی تنبیہ فرماتے اور اگر اس میں بجائے فتوی کے وعظ ونصیحت اور تذکیر وموعظت کا پہلو غالب ہو جاتا تو خفگی کا اظہار فرماتے۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبا اپنے مقالہ جات کے سلسلے میں دار الافتاؤں سے مراجعت کرتے ہیں، سوالات کا ایک طویل سلسلہ قائم کرتے ہیں اور ان کا مفصل، مدلل اور محقق جواب چاہتے ہیں۔

ایسے سوالات پر خفگی اور کسی قدر برہمی کی وجہ یہ تھی کہ ایسے طلباء درحقیقت خود محنت سے جی چراتے ہیں اور دوسروں کے جوابات کو اپنی تحقیق کے عنوان سے مقالے کا حصہ بنالیتے ہیں۔اس کے باوجود ان کے حسب منشا جواب دے دیا کرتے تھے کہ حق کی تشہیر اور نشرو اشاعت ہونی چاہے، کسی بھی نام، عنوان یا مقام سے ہو۔

طلبہ کو عرف سے متعارف کرنے کے لیے انہیں خود عرف کی تحقیق کرنے کا ارشاد فرماتے اور اگر خود ضرورت محسوس فرماتے تو آپ کا مقام اور مصروفیت اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔

قربانی کے دنوں میں تخصص کے طلبہ کی جماعتیں بنا کر انہیں منڈی بھیجا کرتے تھے، مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان کی تربیت ہو اور عوام کو رابطہ کرنے میں سہولت ہو اور انہیں دینی رہنمائی میسر ہو۔

اختلاف رائے کا تحمل:

دارالافتاء میں منعقد کسی علمی مجلس میں میر مجلس اور محفل میں چراغ محفل آپ ہی ہو اکرتے تھے۔اس وقت آپ کے انگ انگ اور روئیں روئیں سے خلوص اور عجز وانکساری پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔اختلاف رائے کو نہ صرف برداشت کرتے بلکہ مخالفانہ رائے اگر معقول اور موزوں معلوم ہوتی تو اسے لے کر اور زیادہ مدلل اور حسین پیرایے میں بیان کردیتے تھے، جس سے اس کے وزن میں اضافہ ہو جاتا اور آپ کی رائے کا پلڑا ہوا میں جھولنے لگتا تھا۔

سب سے رائے لیتے اور ہر ایک کی رائے کو اہمیت ووقعت دیتے، ہمیں کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا کہ محض فیصلہ سنانے کے لیے کوئی مجلس بلائی گئی ہے۔طریقہ کار یہ ہوتا تھا سب سے پہلے مسئلے کی وضاحت فرماتے، پھر موافق ومخالف دلائل کے بیان کے ساتھ اس پر تبصرہ فرماتے اور اس کے بعد مناقشے کا باب کھول دیتے تھے۔اس قسم کی مجالس میں اگر ہم پوری جرأت اور اعتماد کے ساتھ تنقید وتردید کر سکتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا میر کارواں اس کا حوصلہ رکھتا تھا۔

علمی مجالس کے علاوہ عام زندگی میں بھی آپ نے اپنی شخصیت کو اتنا بلند نہیں کیا تھا کہ کوئی حق بات بھی آپ سے کہنا چاہتا تو نہ کہہ سکتا۔اسی بلند حوصلگی، عالی ظرفی اور وسعت قلبی کا نتیجہ تھا کہ تمام رفقاء کے دل جڑے ہوئے اور ذہن متحد تھے، جس سے کام میں برکت اور فتنوں

سے حفاظت تھی۔

اختلاف رائے کا اصول اور تنقید پر صبر:

ایک اہم خوبی یہ تھی کہ کسی کی رائے سے اختلاف کو اس کی ذات سے اختلاف نہیں بننے دیتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ اختلاف کے باوجود اہل علم کے ساتھ آپ کے روابط اور تعلقات اختلاف سے قبل جیسے نظر آتے تھے۔بعض معرکۃ الآراء اختلافی مسائل میں آپ کی رائے کی بجائے آپ کی ذات پر تنقید کی گئی اور تنقید کیا تھی زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے،مگر کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کو ذاتیات پر ناروا تنقید سے تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔آخر بشر تھے اور بشر باوجود کوشش اور ضبط کے اپنے آپ کو بشریت کی سطح سے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔بس سنتِ سلف کے مطابق ایسے مواقع پر صبر کر جاتے اور زبان سے اظہار نہیں فرماتے تھے،مگر دل پر کس کا زور چلتا ہے اور آنکھوں پر ضبط کس کی قدرت میں ہے،اکیلی زبان تو دل کی واحد ترجمان نہیں ہے۔ قدرت نے جگہ جگہ یہ ترجمان بٹھا رکھے ہیں۔جب اندر دھواں زیادہ بھر جاتا ہے تو چمنیوں سے خارج ہونے لگتا ہے۔معصوم آنکھوں سے چھلکتے آنسو اندر کے تلاطم کا پتہ دیتے تھے۔

اہم انتظامی وصف:

دارالافتاء کے اساتذہ کی اکثریت آپ کے تلامذہ کی ہے اور مسئول ہونے کی حیثیت سے آپ انتظامی امور کے سربراہ بھی تھے،مگر آپ کا رویہ ایسا نہ تھا جو ایک منتظم کا اپنے ماتحتوں کے ساتھ اور حاکم کا اپنی رعایا کا ساتھ ہوتا ہے۔جن لوگوں کو انتظام کے ساتھ سابقہ پیش آیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس منصب کے تقاضوں کے پیش نظر ہر ایک کی تطییب قلب اور سب کے مزاج و مذاق کی رعایت بہت مشکل ہوتی ہے،مگر آپ نے حسن معاملہ اور حسن انتظام کا ایسا نقشہ کھینچا کہ سب آپ کو عظمت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔اصلاح و تربیت اور تنبیہ و تاکید بھی فرماتے تھے مگر جب فیصلوں سے محبت جھلکتی ہوئی اور شفقت ٹپکتی ہوئی محسوس ہو تو کون نادان ہے جو اسے محسوس کرے۔

اصاغر کی تشجیع اور حوصلہ افزائی:

آپ کا ایک اہم وصف اصاغر کی تشجیع اور حوصلہ افزائی کا تھا۔من لم یشکر الناس لم

یشکر اللہ۔ان سطور کا راقم آپ کی توجہات اور عنایات کا خصوصی مورد تھا۔ایک شخص جسے مادی اسباب وسائل میسر ہوں، ذاتی جوہر وصلاحیت بھی رکھتا ہو، فضا بھی سازگار اور ماحول بھی موافق ہو مگر کوئی اس کو داد دینے، حوصلہ افزائی کرنے اور کام کو سراہنے والا نہ ہو تو اس کی طبیعت بجھ جاتی ہے، صلاحیتیں ماند اور وسائل واسباب غیر موثر رہ جاتے ہیں، اس کے برعکس حوصلہ افزائی کے دو بول اس کی روح میں گرمی اور جسم میں بجلی دوڑا دیتے ہیں۔

ہمارے اکابر نے اپنے مذکورہ طرزِ عمل کی بدولت اپنے اصاغر کے ذریعے انقلاب برپا کیے ہیں، طوفانوں کا رخ موڑا ہے اور زندگیاں تبدیل کی ہیں۔مفتی صاحب نے اپنے اس وصف کی بدولت افراد تیار کیے ہیں۔وہ کام لینا اور شاعرانہ زبان میں مولے کو شہباز سے لڑانا جانتے تھے۔واقعی اکابر حوصلہ افزائی کریں تو چھوٹے اپنی صلاحیت سے بڑھ کر کارکردگی دکھاتے ہیں۔صاف نظر آتا تھا کہ حضرت خود کوئی کام بہت سہولت اور عجلت سے اور نہایت نفاست اور لطافت سے انجام دے سکتے ہیں، مگر دوسروں کے سپرد کرنے کا مقصد ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا، ان کے تجربہ وصلاحیت کو بڑھانا اور سب سے بڑھ کر ان میں حوصلہ اور اعتماد پیدا کرنا ہوتا تھا۔

فضلاء سے ان کے مقامی علاقوں کے حالات دریافت کرتے تھے اور پھر اس کی روشنی میں انہیں وہاں کام کی ترغیب دیتے، اپنے مشوروں سے نوازتے، ان کی حوصلہ افزائی کرتے، مدد اور معاونت فرماتے اور سفر درپیش ہوتا تو اپنے پروگرام کو ترتیب دیتے وقت اس قسم کے فضلاء سے ملاقات کو اپنے سفر کا لازمی حصہ بناتے تھے۔اس طرح دور دراز علاقوں میں چھوٹے چھوٹے دارالافتاء وجود میں آ گئے تھے۔آپ کی شہادت سے اس قسم کے ادارے اپنے شفیق ومحسن اور نگراں وسرپرست سے محروم ہو گئے ہیں۔

وقت کی قدر وقیمت:

اپنے استاذ مولانا ادریس میرٹھی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اس لیے کام، آرام اور عبادت کے علاوہ کوئی مزید مشغلہ نہیں رکھتے تھے۔محفل آرائی، گپ تراشی اور تبصرہ بازی کی مجلسیں قائم کرنے کی آپ کو فرصت نہ تھی۔اوقات ایسے منضبط ومنقسم تھے کہ ان میں کوئی خلا نظر

نہیں آتا تھا مگر جب کوئی دینی ومذہبی ضرورت ہوتی تو اوقات میں گنجائش نکل آتی تھی۔

وقت کے ضیاع پر تنبیہ فرماتے اور اس معاملے میں نگاہ وہاں پہنچ جاتی جہاں عام نگاہ، رسائی سے قاصر رہتی ہے۔ایک فاضل اپنے موبائل فون پر پیغام بھیجنے اور وصول کرنے میں مصروف تھے،آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ:''کال مہنگی ہی سہی لیکن اس میں وقت کی بچت ہے اور چھوٹے چھوٹے پیغامات اگر زیادہ بھی ہوں تو ان کا خرچ کال سے بڑھ جاتا ہے،اور زبانی بات کی طرح تسلی پھر بھی نہیں ہوتی'' وہ صاحب کہنے لگے کہ:''حضرت! میرے پاس پیکج ہے اور مجھے یہ سہولت مفت میسر ہے۔'' آپ نے فرمایا کہ:''کوئی سہولت مفت نہیں ہوتی،ان کمپنیوں سے کوئی جیت نہیں سکتا،اگر مفت بھی ہو تو پیغام لکھنے میں بھی تو وقت لگتا ہے اور اگر ہم نے مفت سمجھ کر دس آدمیوں کو پیغام بھیجا تو ان دس کا مجموعی لحاظ سے کتنا وقت ضائع کر دیا؟''۔

بذلہ سنجی اور ظرافت طبع:

فقہ جیسے خشک موضوع سے گہرے تعلق کے باوجود آپ طبیعت کے ہنس مکھ اور ظریف الطبع تھے اور ایک مخصوص قسم کی مسکراہٹ چہرے پر سجی رہتی تھی۔شہادت کے بعد بھی چہرہ مبارک سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے گہری نیند میں ہوں اور ہلکا سا تبسم فرما رہے ہوں۔لطائف وظرائف، حکایات وواقعات اور قصص وامثال سے بھی گفتگو مزین کرتے مگر برجستہ گوئی اور حاضر جوابی میں آپ کا نظیر ومثیل نظر سے نہیں گزرا۔خالص علمی اور سنجیدہ نوعیت کی مجلس میں بھی اگر کوئی اپنی ظرافتِ طبع سے مجبور ہو کر کوئی جملہ اچھالتا تو آپ کبیدہ خاطر ہونے کے بجائے اسی رنگ اور ڈھنگ میں اس پر ردعمل ظاہر کرتے جس سے روح باغ باغ ہو جاتی۔

ایک مرتبہ کھانے کے دوران آپ کو مخاطب کر کے میں نے کہا:''حضرت!ان صاحب کو دیکھیں، یہ چبا چبا کر نہیں کھا رہے۔'' آپ نے جواب دیا:''تو کیا جگالی کرے؟'' کوئی نیاز مند آپ کی جوتی اٹھانا چاہتا تو فرماتے:''بھائی! یہ میری جوتیاں ہیں۔''

ایک دفعہ آپ اپنی نشست پر تھے اور ہم دو تین تلامذہ پاس جمع تھے۔کام کے دوران ہلکی پھلکی گپ شپ بھی چل رہی تھی۔آپ نے سلوک واحسان کے متعلق کوئی بہت ہی دقیق اور حکیمانہ

جملہ ارشاد فرمایا۔ میں نے بے تکلفانہ لہجے میں کہا: ''لایئے حضرت! ہاتھ بڑھایئے، میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔'' لیکن اس سے قبل کہ آپ ہاتھ آگے بڑھاتے، میں نے مزید کہا کہ: ''میری دو شرطیں بھی ہیں۔'' آپ کو تعجب تو ہوا کہ مرید اور شرطیں؟! لیکن فرمایا: ''چلو بتاؤ۔'' میں نے کہا: ''پہلی شرط یہ ہے کہ میں کوئی ٹوٹکے نہیں کروں گا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مجھے فوری خلافت چاہیے۔'' آپ نے فرمایا: ''منظور ہے لیکن اس سے پہلے تمہیں ایک قصہ سننا ہوگا۔'' پھر آپ نے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ وہ کسی خدمت پر اپنے عقیدت مند سے بہت خوش ہوئے اور ان سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ مرید پہلے تو انکار کرنے لگا، لیکن جب شیخ کا اصرار بہت بڑھا تو کہنے لگا: ''حضرت! مجھے اپنے جیسا بنا دیں۔'' شیخ نے بہت سمجھایا کہ اس کے علاوہ کچھ مانگ لو، مگر جب وہ نہ مانا تو شیخ اسے کمرے میں لے گئے اور باطنی دولت اسے منتقل کرنے لگے اور جب دروازہ کھولنے کے بعد مرید باہر نکلا تو پاگل تھا اور دو تین دن اس طرح رہنے کے بعد مر گیا۔'' قصے کے اختتام پر حضرت فرمانے لگے: ''اس طرح کے مطالبوں کا یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے، اب بتاؤ! چاہیے؟''

آپ سے کوئی جملہ کہتے وقت ضمیر کا مرجع اور اشارے کا مشار الیہ کھولنے اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، جس سے جملہ بازی کا حسن مرجھا جاتا ہے اور لطف جاتا رہتا ہے، بلکہ اشاروں، کنایوں اور لطیف استعاروں پر مشتمل مختصر جملہ بھی کافی ہوتا، آپ کی زیرک طبیعت خود ہی مقدمات جوڑ کر اصل مطلوب تک رسائی حاصل کر لیتی اور احوال وظروف سے مدد لے کر ذہن خود ہی منشا تک رسائی حاصل کر لیتا تھا۔

دین کا مزاج شناس مفتی:

آپ کے ان کریمانہ اخلاق اور پدرانہ شفقت کا نتیجہ تھا کہ ہم آپ سے بسا اوقات کچھ ایسے لب ولہجہ میں گفتگو کر جاتے جو شاید عام حالات میں کسی اور کے لیے بے ادبی اور گستاخی شمار ہو۔ ایک مرتبہ جب حسب معمول فتاوی پر دستخط فرما رہے تھے اور اسلامی بینکوں کے متعلق سوال آیا تو میں نے عرض کیا:

''فلاں طبقے کے اکابر ایک پہلو سے اچھے ہیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ:

''وہ تمہیں کیوں اچھے لگنے لگے ہیں؟''

راقم الحروف:

''ان کے اکابر اپنی نسلوں کے معاش کا بندوبست کر گئے ہیں۔آئے دن کے میلے ٹھیلے اور اس کے نتیجے میں ہدیے، تحفے اور نذرانے۔محلے میں کہیں فوتگی ہو جائے تو انواع واقسام کے کھانے۔ایک ہمارے اکابر ہیں(اشارہ حضرت کی طرف تھا) کہ یہ غلط وہ بھی غلط۔شاید اس وجہ سے کہ بھاری تنخواہ، بڑا گھر، لمبی گاڑی اور مہنگے ہوٹلوں میں قیام اور دنیا کی سیاحت کوئی اچھی بات نہیں۔شاید اس وجہ سے کہ اللہ کے مقبول بندے زیادہ ناز ونعم میں نہیں رہتے۔''

حضرت مفتی صاحب:

''ارے بھائی! تمہاری نگاہ صرف گنتی پر جاتی ہے کہ تنخواہ تھوڑی ہے۔یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے کتنے کام مفت میں بنادیتے ہیں اور کتنے مصائب وآلام سے تمھیں محفوظ رکھتے ہیں۔بس تنخواہ پر نظر اور پہلوؤں سے صرف نظر۔اور کچھ وہاں کے لیے بھی تو بچا کر رکھو۔یہ بات بھی ہے کہ مولوی کو بیکار بنانا ہو تو اسے دولت دے دو۔''

ایسا حکیمانہ اور دل میں اتر جانے والا جواب سن کر روح کو تسکین تو ہوگئی،مگر حکمت کے ان موتیوں کو رولنے سے روکنا مناسب نہ تھا،اس لیے وہی بے تکلفانہ اور مزاح کا لہجہ بنا کر مزید عرض کیا:

''اچھا چلیں! بینک نہ سہی،تکافل ہی سہی۔''

حضرت مفتی صاحب:

''بھئی! تکافل کے جواز اور عدم جواز سے قطع نظر، یہ جو کچھ ہو رہا ہے

تمہیں اچھا لگ رہا ہے؟''

راقم الحروف:

''کیا ہو رہا ہے؟ (انجان بنتے ہوئے)

حضرت مفتی صاحبؒ:

''وہ لوگ جو منبر نبوی پر بیٹھ کر دنیا کی بے ثباتی، حوادث پر صبر، آخرت کے استحضار اور پیغمبر علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے زہد وقناعت اور تقوی وتوکل کا درس دیتے ہیں، وہی لوگ کمپنی کے ایجنٹ بن کر کہتے ہیں کہ پالیسی لے لو۔ تم نہ رہے تو تمھاری اولاد کا کیا ہوگا؟''

یہ کلمات کہہ کر آپ آبدیدہ ہوگئے۔ اب دونوں طرف سے سکوت تھا۔ آپ نے اگلا فتوی اٹھایا اور میں سوچنے لگا کہ واقعی نقوش اور سطور سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، مگر جذبات اور خیالات تو قلوب اور صدور سے قلوب اور صدور میں منتقل ہوتے ہیں۔ نقوش کافی ہوتے تو انبیاء کی بعثت کی ضرورت نہ تھی۔ ہم کہنے کو تو کہتے ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ کتاب کی تعلیم کے ساتھ جذبات بھی سکھا گئے ہیں، مگر ہم ان کو نقوش سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ قلب کا حصہ تو قلب سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ افسوس کہ ہم اپنے بزرگوں پر ناز تو کرتے ہیں مگر ان کو سمجھتے نہیں ہیں اور سمجھتے اس لیے نہیں ہیں کہ ان کے سینوں سے اپنا سینہ قریب نہیں کرتے۔

بعض اہم مسائل کے متعلق حضرتؒ کی آراء:

دنیا عجائب خانہ ہے اور رنگا رنگ نظریات کا طلسم خانہ ہے۔ یہاں ہر مزاج اور فکر کے لوگ ملتے ہیں۔ انسان دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کے خیالات تقدس کا حسین جامہ پہن لیتے ہیں اور پھر اس کے افکار وخیالات سے اختلاف، اس کی ذات سے اختلاف سمجھا جاتا ہے۔ کبھی اس کے متعلق ایسے اقوال منسوب کیے جاتے ہیں جن سے وہ اپنی حیات میں بے زار نظر آتا ہے اور کبھی اس کے اقوال وافعال کی ایسی تعبیر وتشریح کی جاتی ہے جس میں شارح کے ذاتی خیالات ورجحانات کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ اس لیے دل چاہتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ مفید ثابت ہو کہ بعض

مشہور زمانہ کے مسائل کے متعلق حضرت کا نقطہ نظر واضح کر دیا جائے:

ا۔ مروجہ اسلامی بینک کاری کے عدم جواز کا فتوی دے چکے تھے اور آخر حیات تک جواز کی طرف کوئی میلان یا رجحان دیکھنے میں نہیں آیا۔

۲۔ ڈیجیٹل تصویر کو تصویر ہی سمجھتے تھے۔ جب آپ سے پوچھا جاتا کہ ڈیجیٹل تصویر پائیدار نہیں ہے؟ تو جواب دیتے کہ: ''محفوظ تو ہے۔''

۳۔ شفیق انٹر پرائز کے عدم جواز کے متعلق جامعہ خلفاء راشدین کے فتوی پر دستخط فرما چکے تھے، دیگر کمپنیوں کے متعلق ایک فتوی آپ کے دستخط کے انتظار میں میز پر رکھا تھا۔ دستخط میں تاخیر ایک تو اس وجہ سے تھی کہ آپ کو سوال کے اسلوب سے اختلاف تھا اور دوسرے رفقاء میں سے ایک رفیق کو تا حال انشراح صدر نہیں تھا۔ حضرت کی عادت شریفہ ساتھیوں کی رائے کو احترام دینے کی تھی۔

۴۔ شیئرز کے متعلق تشقیق سے جواب دیتے تھے۔ بدلہ، بلا قبضہ، سٹہ، مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت اور انشورنس، لیزنگ اور بینکوں وغیرہ کے شیئرز کو ناجائز کہتے تھے اور کچھ شرطیں لگا کر بقیہ کو جائز کہتے تھے۔ لیکن جس کو جائز کہتے تھے اس کو بھی کوئی اعلی اور مثالی طریقہ کاروبار نہیں سمجھتے تھے۔ دراصل آپ کا مزاج شیئرز کے کاروبار کو قبول نہیں کرتا تھا۔ اسٹاک ایکسچینج کے صدر کے ساتھ آپ کی گفتگو کا کچھ حصہ مجھے یاد رہ گیا ہے۔ آپ کا سوال تھا کہ: ''یہ بتائیے کہ شیئرز کی قیمت میں اضافے سے معیشت میں کیا حقیقی اور ٹھوس اضافہ ہوتا ہے؟ کون سے حقیقی اثاثے وجود میں آتے ہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی پٹاخا پھوٹا یا یا جھوٹی افواہیں پھیلی اور مارکیٹ کریش ہوگئی یا گورنمنٹ نے جھوٹے سچے وعدے کیے یا تاجروں نے اپنے مفاد میں بے پر کی اڑائی اور اسٹاک مارکیٹ نفسیاتی حد عبور کر گئی؟''

اس سوال کی موزونیت اور معقولیت کا فیصلہ تو ماہرین کریں گے، تاہم ایک دو نظائر ذہن میں آتے ہیں جن سے شریعت کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ایک تو یہ کہ شریعت صرف لوگوں کی رغبت اور چاہت کو قیمت تسلیم نہیں کرتی ہے۔ گذول کا مال نہ ہونا بھی اسی قاعدے پر مبنی

معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ موہوب میں کوئی متصل اور نا قابل علیحدگی اضافہ ہو جائے جس سے اس کی قیمت بڑھ جائے تو رجوع ممنوع ہو جاتا ہے، لیکن اگر صرف موہوب کی قیمت میں اضافہ ہو جائے اور اس میں کوئی زیادت متصلہ نہ ہو تو رجوع جائز رہتا ہے، کیونکہ صرف قیمت کی بڑھوتری شریعت کی نظر میں مال نہیں ہے۔

۵۔کرسی پر نماز کے متعلق آپ کے دستخط سے کئی فتاوی جاری ہوئے ہیں اور ماہنامہ ''بینات'' میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔شہادت سے کچھ عرصہ قبل یہ مسئلہ پھر زیر بحث آیا تھا اور اس کی کل چودہ شقیں بنائی گئی تھیں، جن پر اجتماعی صورت میں ہفتہ وار مشاورت ہوتی تھی۔مشاورت کی تکمیل سے قبل ہی آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔

۶۔ملٹی لیول مارکیٹنگ کرنے والی کمپنیاں پاکستان میں متعارف ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ معدوم ہو جاتی ہیں۔ہر نئی کمپنی پچھلی کمپنی سے ذرا سے فرق کے ساتھ ابھرتی ہے مگر بنیادی کام سب کا ایک جیسا ہوتا ہے۔شینل ، بزناس، گولڈن کی ، گولڈ مائن وغیرہ اس کی مثالیں ہیں، اس نوع کی کسی کمپنی کے متعلق حضرت نے جواز کا فتوی نہیں دیا ہے۔

۷۔زکوۃ فنڈ اور وقف فنڈ کے بارے میں کئی مرتبہ سوال ہوا کہ اسے کاروبار میں استعمال کیا جائے اور حاصل ہونے والا نفع بھی مستحقین پر تقسیم کیا جائے، مگر کوئی دلیل یا تاویل آپ کو جواز کے قول پر آمادہ نہ کر سکی۔

علم طب میں درک:

آپ کے والد ماجد نے ہندوستان میں رہ کر طب کی با قاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔آپ نے بھی طبابت کا مشغلہ کسی زمانے میں ضمنی حیثیت سے اختیار کیا تھا، جس کی بدولت ذاتی استعمال کی ادویہ خود ہی تیار کرتے تھے۔انگریزی ادویات کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ''بس دوا کھائے جاؤ اور عارضی سکون لیتے جاؤ۔'' غور کیا جائے تو پورے مغربی تمدن میں عارضیت اور سطحیت ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ تمدن کا منبع مذہب ہے اور عیسائی مذہب میں سطحیت ہے۔اپنی ڈائری

میں اپنے استاذ مفتی ولی حسن صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''انگریزی طب کا مدار جراثیم پر جب کہ اسلامی طب کا مدار تجربے پر ہے۔''طب سے واقفیت کا اصل فائدہ یہ ہوا کہ اس موضوع کے متعلق سوالات کا بصیرت سے جواب دیتے تھے۔ہم امراض کی حقیقت آپ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔کسی دوا کے اجزائے ترکیبی کے متعلق سوال ہوتا تو ہمیں طب کی کتابیں تلاش کرنے اور اطباء سے مراجعت کی ضرورت نہ تھی۔ایک مرتبہ غالبا کسی خمیرے کے متعلق فتوی ملاحظہ فرما رہے تھے ،میں نے پوچھا حضرت یہ خمیرہ، کشتہ، معجون وغیرہ دیکھنے میں تو ایک جیسے ہیں، ان کا باہم فرق کیا ہے؟ جواب دل نشین ملا، ہومیو پیتھک ادویہ کے متعلق پوچھا کہ اس میں الکحل خود مقصود ہوتا ہے یا موصل ہوتا ہے؟ جواب سے دل کو تسلی کو ہوئی، میرا تصور یہ تھا کہ کھانسی کے تمام شربتوں میں افیون شامل ہوتا ہے۔آپ نے فرمایا: ''نہیں! ایسا نہیں۔''ایک صاحب نے ''کوچنیل'' کیڑے کے متعلق سوال کیا کہ رنگ کے حصول کے لیے اسے الکوحل میں ابالا جاتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ:'' اول تو الکوحل بہت مہنگا ہے، اس لیے اس کا استعمال سمجھ میں نہیں آتا اور اگر الکوحل انگور اور کھجور کا نہ ہو بلکہ سستا ہو، تو بھی اتنا حساس ہے کہ یا تو اڑ جاتا ہے یا آگ پکڑ لیتا ہے، اس لیے الکوحل کو آگ پر رکھنا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔''جب تحقیق کی تو آگ میں ابالنے کی بات درست نہیں تھی۔

سفر میں معمولات:

سفر میں باوجود تھکاوٹ کے فجر سے گھنٹہ بھر قبل بیدار ہو جاتے اور اگر ایک جگہ قیام کے بعد کسی اور منزل کا ارادہ ہوتا تو پو پھوٹتے ہی سفر شروع فرما دیتے تھے۔دوران سفر جب ایک منزل سے دوسری منزل کے لیے سواری پر سوار ہوتے تو اذکار اور ادعیہ کا اس طرح اہتمام فرماتے جیسے ابھی گھر سے خروج فرما رہے ہوں، لیکن جب معمولی نقل وحرکت کا ارادہ ہوتا تو دو تین مشہور دعاؤں پر اکتفا فرماتے۔

سفر میں بھی حزب البحر کا صبح وشام معمول رکھتے ،حضر میں دلائل الخیرات بھی معمولات میں شامل تھی۔ان اذکار کے علاوہ غالب وقت قرآن کریم کی تلاوت میں گزرتا تھا۔مصحف شریف دیکھ کر تلاوت فرماتے اور اچانک بریک وغیرہ پر نگاہ اٹھا کر پھر جھکا دیتے تھے۔بنوں کے

سفر سے واپسی پر جب ہم سندھ میں داخل ہورہے تھے تو آپ کا ختم قرآن قریب الاختتام تھا۔ وضو پر مواظبت فرماتے اور باوجود مشقت کے یہ معمول پورا فرماتے تھے۔ جہاں اترتے وہاں کا میزبان آپ کے پروگرام اور قیام کی مدت وغیرہ سے آگاہ ہوتا تھا۔ کھانے میں سنن وآداب کی رعایت رکھتے لیکن جب کھانا چنا جاتا اور قرائن سے اندازہ ہوتا کہ ہاتھ دھونا میزبان کے لیے کسی درجے میں ذہنی یا جسمانی حرج کا باعث ہوسکتا ہے مثلاً اندرون خانہ جانا پڑے گا یا خواتین کو پردے کی زحمت ہوگی یا مناسب جگہ نہیں ہے، تو کوئی معقول سا عذر فرمادیتے مثلاً ''ابھی تو نماز پڑھی ہے، ہاتھ تو بالکل صاف ہیں، پیٹ کے چوہے مزید انتظار نہیں کرسکتے وغیرہ''۔

ادب چھوڑ کر قلب کی رعایت اور اصولوں سے زیادہ اصولوں کے مقصود پر نظر کی اس سے بہتر مثال اور نہیں مل سکتی۔ اس حکیمانہ طرز عمل سے ایک اور معاشرتی اصول بھی پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے، وہ یہ کہ مہمان کو بھی اس جگہ تک محدود رہنا چاہیے جہاں تک کی اسے صریح یا معنوی اجازت حاصل ہے اور اسے اس اجازت کو از خود وسعت نہیں دینی چاہیے۔

طلباء کے نام ایک پیغام:

شہادت سے ایک دو ہفتے قبل حضرت مفتی صاحب شہیدؒ نے جامعہ خلفاء راشدین ماڑی پور میں تقسیم انعامات کی تقریب میں شرکت فرمائی تھی۔ آپ مہمان خصوصی تھے۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد ایک طالب علم نے پرسوز اور پرکشش آواز میں ترانہ دیوبند پڑھا، جس کے بعد آپ کو دعوت خطاب دی گئی۔ آپ نے ابتدا میں اپنی ذات کے متعلق بڑے ہی عاجزانہ کلمات ارشاد فرمائے اور پھر وقت، موقع، مقام اور حاضرین کی مناسبت سے ترانہ دیوبند کو ہی موضوع بنا کر اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ تقریر کا حاصل طلبا کو یہ ترغیب تھی کہ: ''ابھی ابھی آپ نے ترانے میں جن اکابر کے نام سنے ہیں، آپ کو ان جیسا بننا ہے۔ ہمیں صرف ان کا نام نہیں لینا ہے بلکہ ان جیسا کام بھی کرنا ہے، اور ہم چونکہ ان اکابر کی طرف نسبت رکھتے ہیں، اس لیے ہمیں اس نسبت کی لاج رکھنی ہے۔''

نسبت کی لاج رکھنے پر حضرت نے بہروپیے کا معروف قصہ سنایا، جو اسی نمبر میں شائع

شدہ حضرت کی تقریر میں مفصل آچکا ہے۔

یہ قصہ سنانے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ بہت ہی لجاجت سے فرمانے لگے کہ: ''میری آپ سے دست بستہ درخواست ہے کہ ہم کچھ نہیں، لیکن جن بزرگوں کے ہم نام لیوا ہیں وہ بہت بڑی ہستیاں ہیں اور ہماری نسبت ان کی طرف ہے، ہمیں اس نسبت کا پاس اور اس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔''

زندگی کے آخری ایام:

آپ متوکل اور صابر وشاکر تو شروع ہی سے تھے، مگر آخری ایام میں حد درجہ پرسکون اور مطمئن ہوگئے تھے۔ اس اطمینان اور سکون کے اثر سے تروتازہ اور ہشاش بشاش دکھائی دیتے تھے، حالانکہ آخر حین حیات تک جامعہ سے وابستہ رہے اور جامعہ کراچی میں ہے تو کراچی میں ہوکر کراچی کے حالات سے کیسے لاتعلق یا بے خبر رہ سکتے تھے، خصوصا جب کہ طوفان کے تھپیڑے اور آندھی کے بگولے وقفے وقفے سے اس کے در ودیوار سے ٹکراتے رہتے ہوں، انگریزی محاورے کے مطابق پورا شہر جس سے گونج رہا ہو ممکن نہیں کہ اس کی آواز اندر نہ سنائی دیتی ہو، مگر اس کے باوجود آپ کی طبیعت میں کوئی بے چینی یا خوف کا کوئی عنصر محسوس نہیں ہوتا تھا، البتہ یہ تغیر کھلی آنکھوں مشاہدہ ہونے لگا تھا کہ قوی ہمت اور مضبوط اعصاب کا مالک اب بہت جلد آبدیدہ ہوجاتا ہے۔ ہمت تو جواں اور عزم تو بلند تھا مگر آنکھوں کے بند اور پشتے کچھ کمزور سے ہوگئے تھے، جو معمولی موجوں اور ہلکے سے تلاطم کا زور بھی نہیں سہار سکتے تھے۔ کسی واقعے پر تبصرہ فرماتے تو اس میں آخرت کا استحضار اور دنیا سے بے اعتنائی کا جذبہ واضح جھلکتا تھا۔ بہت سے ایسے موضوعات جو کسی زمانے میں آپ کے لیے باعث کشش تھے اور ان میں آپ کی طبیعت کی دل چسپی کا سامان بھی تھا اور اس وجہ سے ان پر از خود گفتگو چھیڑ دیا کرتے تھے اور اگر کوئی چھیڑتا تو رغبت سے اس میں حصہ لیتے بلکہ وہ موضوع ہی گویا ان سے چھین لیتے تھے، مگر اب وہ آپ کے لیے روکھے روکھے اور پھیکے پھیکے سے تھے۔ بعض موضوعات جو دوسروں کے زعم میں تفصیل طلب اور کھل کر طویل گفتگو کے متقاضی تھے، ان پر بھی بسا اوقات ہاں یا ناں کی صورت میں مختصر سا جواب مل جاتا تھا اور اس کے بعد ''وہی دست بکار و دل بیار'' اس کے علاوہ کچھ عملی اقدامات جو دیکھنے سے زیادہ

سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے اظہار وافشاء پر اس کے شاہد کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، ایسے تھے جن سے الوداع اور ہم تو چلے کا خاموش پیغام ملتا تھا۔ یہ سب قرائن ایسے تھے جن کے مجموعے سے نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل نہیں تھا۔

اب آپ ہم میں نہیں ہیں اور آپ کے فراق پر ہر دردمند اور درد دل رکھنے والا صدمے میں ہے، مگر ان کے صدمے کا کیا کہنا جو کبھی بھی آپ کے احسانات کے بار سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، مگر اس کے ساتھ دل کو تسلی اس بات کی ہے کہ ہمارے اکابر ایسے حال میں رخصت ہوجاتے ہیں کہ ان کے اقبال کا ستارہ بام عروج پر ہی رہتا ہے اور وہ اس آفاقی، فطری اور شرعی قانون کی زد سے محفوظ رہتے ہیں کہ ہر عروج کو زوال، اقبال کو ادبار اور بلندی کو پستی ہے۔ اس کے ساتھ دل کو مزید اطمینان اس پہلو سے بھی ہے کہ آپ کی شہادت حقیقی اور حکمی دونوں پہلوؤں سے شہادت ہے اور آپ بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے لیے ہمہ دم تیار اور ہر لحظہ مستعد تھے۔ نرسری کی شاہراہ پر جو خون رزقِ خاک ہوا ہے، اس کی صرف ظاہری قبولیت اس دن ہوئی ہے ورنہ جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ اس کا نذرانہ بہت پہلے محبوب حقیقی کے حضور پیش کر چکے تھے۔ آپ نے نسبت کی لاج رکھنے کی جو تلقین کی تھی وہ کوئی خطیبانہ گرج اور مقررانہ بڑھک نہ تھی بلکہ اپنی زندگی کا عملی پیغام تھا جسے شہادت نے اور زیادہ مدلل اور موثر کردیا ہے۔ آسمان نے دیکھ لیا، زمین نے جان لیا، قلم نے لکھ لیا اور سینوں نے محفوظ کرلیا کہ دین پور کی نسبت رکھنے والا خود بھی پورے دین پر عامل تھا۔ ☆☆

تقلید پر بعض اعتراضات کا جائزہ

مولانا مفتی رب نواز

مجلّہ صفدر میں شائع ہونے والا مضمون متعدد اضافوں کے ساتھ

ان شاء اللہ ترتیب کے فیصلہ کن مراحل میں

مولانا حمید الرحمٰن ☆

علم وعمل کا جبال فلک بوس

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

احسن الکتاب کتاب اللہ میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد برحق ہے:

''لوگ پہاڑوں کی طرف نگاہ نہیں کرتے کہ وہ کیونکر گاڑے گئے ہیں۔''

نیز فرمایا:

''اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کرکے اُڑا دے گا۔''

ابتداء آفرینش ہی سے انس وجبل کا باہم چولی دامن کا تعلق اور رشتہ ہے اور پہلا انسان جب جنت سے کرۂ ارض پر اتارا گیا تو سب سے پہلے اس کے قدوم فیض لزوم نے سیلون کے ایک پہاڑ پر ہی نزول فرمایا تھا۔ اور سری لنکا کے کوہ نے آگے بڑھ کر ان کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا تھا۔ چنانچہ آج بھی سراندیپ کے ایک جزیرہ کا ''جبل آدم'' اس بات کی محض غمازی ہی نہیں کرتا، مرجع الخلائق بن کر اس کی شہادت بھی دیتا ہے۔

قرآن کریم بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہتا ہے:

''اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں، بلکہ ان سے بھی سخت تر، کیونکہ پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان سے سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں، بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی بہہ پڑتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے لرز کر ڈھے پڑتے ہیں۔''

☆ خطیب جامع مسجد عمر فاروق، راولپنڈی

لاریب۔کوہ وسنگ بھی اللہ کے ان گنت انعامات وعطایات کی طرح اس کی قدرت وصفت گری کا ایک حیرت انگیز اور عجیب وغریب عطیہ ہیں۔اور قادرِ قدیر وقدرت کا یہ عظیم عطیہ بایں معنی انسانوں کے ساتھ مماثلت ومشابہت رکھتے ہیں کہ پیدا ہوئے، جوانِ رعنا بنے اور پھر مبدل بہ پیر فرتوت ہو گئے، پیری کے بعد دھیرے دھیرے ان کی فلک بوس بلندیوں اور آسمانوں سے باتیں کرتی چوٹیاں آخر شکست وریخت کے عمل سے دوچار ہوتی ہیں، اور بکنار ثریا ہونے والی رفعتیں زوال پذیر ہو کر تحت الثریٰ کے ہم دوش ہو جاتی ہیں۔

اگرچہ یہ ٹوٹ پھوٹ کا عمل لاکھوکھہا برسوں میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔تاہم ہوتا یقیناً ہے، اس لئے کہ کائنات ارضی کی کوئی چیز بھی شکست وریخت کے دائرے سے باہر نہیں ہے، فنائیت اس کا مقدر اور ٹوٹ پھوٹ اس کا نصیبہ ہے۔

اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مختلف قوموں قبیلوں، مختلف مذہبوں ملتوں اور مختلف فرقوں گروہوں کے ''کوہ ودمن'' کے متعلق مختلف قسم کے عقائد ونظریات رہے ہیں اور مرورِ زمانہ کے ساتھ لوگوں نے کوہسار وسنگ کی بابت طرح طرح کے افکار وآراء قائم کئے ہیں، چنانچہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے دیوی، دیوتا بلند وبالا، برفعہ پوش پہاڑوں میں رین بسیرا رکھتے ہیں، اسی بنا پر انہوں نے بے شمار برف پوش کوہساروں کو اپنے لاتعداد دیوتاؤں کے ناموں سے منسوب کر رکھا ہے۔اہلِ یونان بھی عہد کہن میں اپنے معبودوں کو کوہ وجبال کے دامنوں میں ہی تلاش کرتے رہے ہیں۔تاریخ کی اوراق گردانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازمنہ قدیم کے یونانی ''اولمپس'' نامی پہاڑ کو اپنے معبودوں کی پناہ گاہ یقین کرتے ہوئے اس کی پرستش کیا کرتے تھے۔تبتیوں کا اب بھی یہی خیال ہے کہ دنیائے تبت کے مشہور پہاڑ ''چومولنگما'' کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔زمانہ ماضی میں بہت سے قبائل بالخصوص آتش فشاں پہاڑوں کو جن سے وہ لرزہ براندام بھی رہتے تھے، پوجتے رہے ہیں۔اور آج بھی بلوچستان کے کوہ مراد کے کتنے لوگ ہیں جو اپنی مراد برآری کے لئے طواف کرتے، بندگی بجالاتے اور اپنی مرادیں برآنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

سفینہ نوح ترکی، ایران اور عراق کے سنگم پر واقع کوہ ارارات کی چوٹی جبل جودی کے

ساتھ ہمکنار ہوئی تھی اور بعد میں حضرت نوح نے وہاں ایک معبد خانہ تعمیر فرمایا تھا، جو آج بھی زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

جزیرہ نمائے سینا کا وہ شہرہ آفاق پہاڑ جس پر حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلامی کا شرف پاکر پیغمبری کے اعزاز سے مشرف ہوئے تھے، اس وقت بھی کوہِ طور کے نام سے مشہور اور عقیدت وتقدس کا محور ومرکز ہے۔ میدان عرفات کا جبلِ رحمت جس پر رحمت للعالمین نے حجۃ الوداع کا مشہور خطبہ ارشاد فرما کر عالم انسانیت کو منشورِ حیات عطا فرمایا تھا اور جہاں حضرت ابوالبشر وام البشر آدم وحواء نے درد بھرے اور پُر سوز انداز میں اپنی پشیمانی اور ندامت کے دکھڑے سنا کر ''الخلاق العظیم'' کو منایا تھا۔ اور جس کے زیر سایہ ''**الیوم اکملت لکم دینکم** کا ایمانداروں کو ایمان پرور مژدہ جانفزا سنایا گیا تھا، وہ آج بھی اللہ کی رحمت وعافیت عظمت وعزیمت اور کبریائی وقدرت کی علامت ہے۔

حضرت مسیح ناصری نے کوہ ناصرہ پر کھڑے ہوکر جو شہرہ آفاق خطبہ دیا تھا، اسے مسیح ناصری کے نصرانی پیروکار آج بھی نہیں بھولے ہیں۔ اور سائنسدان اس کی بازیابی کے لئے رات دن ایک کیے ہوئے ہیں۔

کوہِ حرا جہاں رحمت کائنات کو شرفِ نبوت سے سرفراز اور نورِ ہدایت سے شادکام فرمایا گیا تھا۔ آج بھی رُشد ورہنمائی کا منبع بن کر پوری تابانی کے ساتھ بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔

مدینہ منورہ کا جبلِ احد، جس کے پہلو میں دوسری بڑی اسلامی جنگ لڑی گئی ہے اور حضرت حمزہ سمیت ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوکر آسودہ خاک ہیں، آج بھی موجود ہے اور مرجع الخلائق ہے۔

نیز حضرت ابراہیم نے اپنے اللہ کے فرمان کے تحت جس پہاڑ پر کھڑے ہوکر حج کا اعلان کیا تھا اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے سامنے بحیثیت پیغمبر پہلا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: **یاایھا الناس! قولوا لا الہ الااللہ تفلحو** وہ جبل ابی قبیس وکوہِ فاران کے ناموں سے آج بھی زیارت گاہ عام الناس تھے۔ اس دفعہ ہم جس شخصیت پر قلم اٹھا رہے ہیں وہ اگرچہ کوہساری وکوہستانی نہیں تھے، نہ پہاڑ وسنگ سے کسی قسم کی سنگت ونسبت رکھتے تھے اور نہ

ہی حجر وجبل سے کوئی راہ ورسم یا تعلق وواسطہ تھا، تاہم علم وتدریس کے اعتبار سے وہ یقیناً مردِ جبال عمل وکردار کے لحاظ سے کوہِ ہمالیہ اور پارسائی وپرہیزگاری کے حوالے سے کوہ بکنار آسمان تھے۔

میری مراد فضیلۃ الشیخ، استاذ العلماء، حضرت مولانا مفتی عبدالمجید صاحب دین پوری سے ہے، جنہیں مرحوم کہتے ہوئے زبان لڑکھڑا جاتی ہے اور علیہ الرحمۃ لکھتے ہوئے قلم لرزہ براندام ہے اور شہید کے تصور سے کلیجہ منہ کو آیا چاہتا ہے، جبکہ میرے من کی دنیا ماؤف ہوگئی ہے، دل کی نگری اُجڑ گئی ہے اور میں ''ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم'' کی لن ترانیوں میں کھو گیا ہوں۔

حضرت مفتی صاحب سے میرے غائبانہ تعارف کا عرصہ تقریباً تین عشروں کو محیط اور نیازمندی کا تعلق پندرہ سولہ سال پرانا ہے۔ موصوف، مفتی اللہ بخش ایاز ملکانوی اور حضرت مولانا محمد رفیق خان آف لاوہ کے ہم سبق وہم مکتب، ہم پیالہ وہم نوالہ اور جگری دوست و یار وفا شعار تھے۔ جبکہ مفتی اللہ بخش، میرے ہم وطن، ہم مکتب اور اور بچپن کے سجن دل بدن تھے۔ اور مولانا رفیق خان سے ربط وضبط، راہ ورسم اور شناسائی اور آشنائی حضرت الشیخ مولانا ڈاکٹر محمد حسین للّی علیہ الرحمۃ کے توسط سے قائم ہوئی تھی۔

حضرت ڈاکٹر للّی میری ارادات وعقیدت کا محور، میری چاہت وتمنا کا مرکز اور میری محبت ومودت کا منتہیٰ تھے۔ جبکہ آں مولانا، ان سے بیعت کا شرف پانے والے مرید بسید، صوفی باصفا اور رجل رشید، خلیفہ مجاز اور رشیدائے شدید کے منصب علیاء پر سرفراز ہیں۔ ان سے راہ و رسم، ربط وضبط اور دلبستگی اس حد تک بڑھی کہ جناب، حضور، محترم ومکرم اور سرکار ومخدوم کے مدارج طے کرتی ہوئی حبیب وخلیل، صدیق ورفیق اور دوست وسجن تک جا پہنچی۔

مولانا رفیق خان، مستقل امریکہ کے باسی، گوروں کے دیس کے سکونتی اور وہاں کا اقامہ رکھنے والے خضر حیات ہیں، مگر یہ ان کا بڑاپن، حقیر نوازی، اور خورد پروری ہے کہ گاہ گاہ اپنی جنم بھومی کی طرف مراجعت فرماہوتے رہتے ہیں اور جب بھی ان کا پاکستان میں ورود سعود ہوتا ہے تو اسلام آباد راولپنڈی میں زیادہ تر قیام میرے ہاں ہی کرتے ہیں اور جیسے ہی ان کے رفقاء دیرینہ واحبابِ کہنہ اور عقیدت کیش ونیاز منداُن کی آنے کی بھنک پاتے ہیں، ''کٹیائے

حمید''میں وارد وصادر ہو کر حمید کو پیشوائی وخدائی خدمت گار کا اعزاز بخشتے ہیں،ان آنے والوں میں سرفہرست حضرت مفتی صاحبؒ تھے۔ جو سب سے زیادہ لمبا سفر طے کرتے اور بحیرۂ عرب کے ساحل پر آباد عروس البلاد کراچی سے چل کر میرے پاس تشریف لاتے تھے۔ باوجودیکہ ان کے احباب واخلاء، تلمیذانِ رشید اور چاہنے والوں کی اچھی خاصی تعداد اسلام آباد اور راولپنڈی میں اقامت پذیر ہے۔ مگر ان کی مروّت ووضع داری پر قربان، ان کے رکھ رکھاؤ اور اصول پسندی پر نثار اور ان کی بے لوثی وہمدمی پر فدا کہ ہمیشہ میرے ہاں ہی قیام کرنا پسند فرماتے تھے۔ دریں اثناء اگر کوئی دعوت کا کہتا بھی تو صاف فرما دیتے:''بھائی جب میں کراچی سے چلنے لگا تھا تو نیت یہ کی تھی کہ میں حمید الرحمان کا مہمان بنوں گا اور اس کے ہاں ہی ٹھہروں گا۔ اب میرے اختیار کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے، اگر وہ اجازت دیتے ہیں تو چشم ماروشن ودل ماشاد، ورنہ معذرت۔''

اس دفعہ آٹھ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ میرے ہاں تشریف لائے اور گیارہ دسمبر تک میرے ہاں ہی رہے۔ اس دوران آنے والوں، میل ملاقاتیوں اور زیارت کنندگان کی گہما گہمی رہی، ان کے کئی فضلاء، شاگرد بھی آئے، رفقاء عالم ومفتی بھی آئے اور عقیدت کیش ومداح بھی آئے۔

مگر موصوف حسب سابق کھلے نہیں، زیادہ تر سکوت وسکون کی کیفیت طاری رہی۔ اور لب بند وزبان بند، آہ بند وفغان بند میں محیط رہے۔ میرے شدید اصرار پر دسمبر کی دسویں تاریخ کی صبح کو قرآن کریم کا درس دیا اور موضوع سخن اس آیت کریمہ کو ٹھہرایا:و ذروا ظاھر الاسم وباطنہ ،اندازِ بیان واسلوبِ گفتار سے لگتا تھا، جیسے الوداعی تقریر کر رہے ہوں، ہجر وفراق کی گھڑیاں درآئی ہوں اور لمبی جدائی وختم نہ ہونے والا بچھوڑا اپنے پھن پھیلائے کھڑا ہو، آہ!۔

وہ لوگ جنہوں نے خوں دے کر گلشن کو رنگت بخشی ہے
دوچار سے دنیا واقف ہے، گم نام نہ جانے کتنے ہیں

مفتی صاحب جہاں بلند پایہ مدرس، اعلیٰ درجہ کے مفسر، مثالی محدث اور مشاق مفتی تھے۔ وہاں قادر الکلام خطیب، حاضر الجواب متکلم اور سحر انگیز مقرر بھی تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیان میں فقیہانہ نکتہ رسی، مدرسانہ ندرت، محدثانہ جلالت، مفسرانہ تمکنت اور متکلمانہ اسلوب

کے ساتھ ساتھ خطیبانہ بانکپن ومقررانہ حلاوت کا کمال بھی دکھایا، تقریباً ایک گھنٹہ خطاب فرمایا جس میں نہ سرتال تھی نہ شعروشاعری، نہ قصہ وکہانی تھی نہ مبالغہ آرائی، نہ زمین وآسمان کے قلابے ملائے اور نہ ہی تنقیص وتنکیر تھی، مگر حیرت ہے کہ سامعین ان کی سحر بیانی سے مسحور ہوگئے۔

جب گیارہ دسمبر کو روانہ ہونے لگے تو میں نے عرض کیا: حضرت! اگر آپ بذریعہ ائیر لائن تشریف لے جانا چاہیں تو وہاں میری جان پہچان ہے، آسانی سے ٹکٹ کا بندوبست ہوجائے گا اور آپ اطمینان سے منزل ومقصود پر پہنچ جائیں گے۔ فرمایا: ''نہیں! بذریعہ بس جاؤں گا اور راستے میں خانپور اتر کر عزیز واقارب کو ملتا جاؤں گا۔ زندگی کا پتہ نہیں، پھر ملنا نصیب ہوگا یا نہیں۔ کم از کم حسرت تو نہیں رہے گی۔''

اس کے بعد فرمایا: ''حمید! تم واقعتاً اسم بامسمی ہو، تمہارا خلوص، تمہاری محبت اور تمہارا پریم وپیار کبھی بھلائے نہیں بھولتا۔ اور میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ یہ ہمارا آخری ملن، آخری اکٹھ اور آخری میل ملاقات ہے، اس کے بعد شاید بازارشیشہ گراں میں دیباچۂ وحشت ہو یا شکوۂ خوباں۔'' کسی نے خوب کہا کہ: قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

بلاشبہ مفتی صاحب ولی اللہ تھے، عالم باعمل تھے، صاحبِ بصیرت اور دلِ بینا رکھنے والے دیدہ وَر تھے، شاید آنے والے حالات کا ادراک رکھتے تھے اور ان کی عبقریت وچھٹی حس، ان کی زبان سے پیش آمدہ سب کچھ کہلوا رہی تھی جو بہت جلد حقیقت بن کر ہویدا ہوگیا کہ گیارہ دسمبر ۲۰۱۲ کو ع کوئے یار سے نکلے سوئے دار چلے

کے بمصداق میرے ہاں سے تشریف لے گئے، چار پانچ روز ''دین پور'' میں گزارے۔ اس کے بعد اپنے مأمن ومسکن جو شہر مقتل گاہِ علماء کا روپ دھار چکا ہے، پہنچے اور اکیس جنوری ۲۰۱۳ء کو درندگی وسفاکی کی راہ مقبرۃ الاولیاء میں مدفون ومستور ہوگئے ۔

رات دن زیرِ زمین لوگ چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم زیرِ خاک تماشہ کیا ہے

حضرت مفتی صاحب صاحبِ علم وعرفان تھے اور کسی صاحبِ علم وعرفان کا اس دنیائے

دوں کوداغ مفارقت دے جانا،علم کے اٹھ جانے کے تکوینی تسلسل کا جزولاینفک ہوتا ہےاور جب یہ تسلسل ٹوٹ جاتا ہےتو ہرسوظلمت وتاریکی اپنے پنجے گاڑ لیتی ہےاورظلم وجہالت اپنے بال وپر نکال لیتی ہے،اس لیے کہ علم وعرفان ایک نوراورتابناک روشنی کا نام ہےاورصاحبِ علم وعرفان ایک قندیل مستنیر اور مشعلِ منور ہے،جب قندیل بجھ جائے،مشعل کی تابنا کی جاتی رہےاورروشنی کا منار ڈھادیا جائے تو اجالا مبدل بہ اندھیرا ہو جاتا ہے اور تاریکی شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کاروپ دھار لیتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب دین پور کے علمی وعملی خانوادے کے گل سرسبداورمشہورانقلابی وروحانی رہنما حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری علیہ الرحمۃ کے خاندان کے چشم وچراغ تھےاور

ع ہمہ خانہ آفتاب است

کے بمصداق حضرت مولانا محمد عظیم دین پوری کے فرزندارجمند تھے۔جومشہورتحریک ریشمی رومال کے فعال رکن حضرت مولانا عبیداللہ سندھی سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔جبکہ والدہ ماجدہ حضرت خلیفہ غلام محمد کی نواسی تھیں،جواپنے نانا کی پروردہ ہی نہیں بلکہ منظورِنظراورتربیت یافتہ بھی تھیں۔

اسی فیضانِ نظروکرامتِ نسبت کی کرشمہ سازی تھی کہ مفتی صاحب اپنے بڑوں کے حینِ حیات ہی ان رجال عظیم میں شمار کئے جاتے تھے،جواپنے کردار،گفتاراورطرزِعمل کے باعث پہلی ملاقات میں ہی دوسرں کا دل جیت لیتے ہیں،ان کی طبیعت میں اپنائیت،گفتارمیں شیرینی و حلاوت اورلب ولہجہ میں انکساری وعجزاس بلا کا تھا کہ ہرایک کوان کا گرویدہ بنادیتا تھا۔بلاشبہ آپ ایک عظیم المرتبت باپ کے عظیم،جلیل القدرلختِ جگرونورنظر تھے،متبحرعالم دین اورتقویٰ وتزکیہ میں یگانہ روزگار تھے،مثالی مدرس ولاجواب استاذاورمحقق مفتی ومدقق فقیہ تھے،عابدشب زندہ داروزاہد مرتاض تھے۔لیکن خشک صوفی وتنگ نظرمولوی نہیں تھے،بلکہ فقہی مسند پرنکتہ رس مفتی نظرآتے تھے، اورنجی محفل میں مرنجان مرنج اور بذلہ سنج دوست دکھائی دیتے تھے،ان کی شوخی مکرم وزندہ دلی ہرکہ ومہ کا من موہ لیتی تھی اورمنکسرالمزاجی ودھیما پن اپنے پرائے ہرایک کے دل پرگہرااثر چھوڑ جاتے تھے۔موصوف جس مجلس میں شریک ہوتے اپنی قدآورشخصیت،شش جہت کمالات اور

ہشت پہلو صفات عالیہ کی بنا پر شمع مجلس ومیر محفل نظر آتی تھی۔

حضرت مفتی صاحب جہاں ذہانت وفطانت، فہم وذکاء اور آگہی وادراک کے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، وہاں انتہائی شریف النفس، سلیم الفطرت، رقیق القلب، سلیم الطبع اور معتدل المزاج بھی تھے۔ ان کی ذات علم وعمل، حسن اخلاق، بلندی کردار اور علم دوستی وعلم پروری سے عبارت تھی۔ موصوف انتہا درجہ کے حلیم وبردبار تھے، خوش طبع وخوش مزاج، خوش اخلاق وخوش خصال، خوش دل وخوش کلام تھے۔ اور ہمہ آن ایک دل آویز تبسم ومعصوم مسکراہٹ ان کے لبوں پر رقصاں رہتی تھی اور ایک عجیب طرح کی حلاوت ومٹھاس ان کی آواز ولہجے میں رس گھولتی تھی۔ لطائف وظرائف، خوش مزاجی وشگفتگی اور ہنسی ودل لگی سے محفل کو کشت زعفران بنا دیتے تھے، مگر پھکڑ بازی وژاژ گوئی اور طنز وتضحیک کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا، بلکہ ان کی مزاح کا محور محض تبسم ریزی اور مسکراہٹ انگیزی کی حد تک محدود رہتا تھا اور انہی لفاظی ودل نشین لسانی کلمات کو برمحل استعمال کر کے روتے ہوئے کو ہنسا دیتے اور ہنسنے والوں کو بکنار بہجت ونشاط کر کے، مسرتوں کے دھنک پر قوس وقزح کے رنگ بکھیر دیتے تھے، ہر کسی کو ہنستے مسکراتے، گلے ملتے اور نرم خوئی وکھلتے چہرے کیساتھ رخصت کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب نسبی شرافت کے حامل تھے اور ع ''سو برس سے ہے پیشۂ آباء سپہ گری'' کے بمصداق کئی پشتوں سے علم وعمل، زہد وورع اور تقویٰ وطہارت ان کے خاندان کا ورثہ ومالِ مشترکہ تھا۔

حضرت مفتی صاحب کا مزاج تحقیقی تھا اور میدان عملی، فکر راسخ تھا اور سوچ کا دائرہ وسیع ورافع، نظر عبقری وعمیق تھی اور طبیعت سادہ ومن بھاون، طریق حیات پُر وقار واشکبار تھا اور مسلک میانہ رو ومعتدلانہ تھا، مشرب، صلح جو مدبرانہ تھا اور حسن خلق کا آئینہ دار تھا، ہر خورد وکلاں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا چلن زندگی تھا اور ہر طالب علم وعالم دین کے آگے دیدہ ودل فرش راہ کرنا وظیفۂ حیات، انتہائی مضبوط وآہنی اعصاب کے حامل تھے اور تحمل وبرداشت بے حساب رکھتے تھے، قوت ارادی بے پناہ تھی اور صبر وثبات کا پیکر پری وش لگتے تھے۔ باوجودیکہ مسنون عمر پوری فرما چکے تھے، لیکن اس طویل العمری کو کبھی ضعف العمری نہیں بننے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ سالخوردگی کے

باوجود ان کی پیرانہ سالی، شیر خوار بچے کے چہرے پر کھلکھلاتی ملکوتی مسکراہٹ کی طرح دلکش، جاذبِ نظر اور بھلی لگتی تھی، اتنا خوش گوار، خوش آثار اور خوش اوقات شباب و بڑھاپا جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا، خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے اور قلیل وکم ہی کہیں دیکھنے کو ملتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب یقیناً گوشت پوشت کے ایک انسان تھے اور ان کا خمیر بھی اسی آب وتراب سے تشکیل پذیر ہوا تھا جس سے دیگر بشر وجود پذیر ہوتے ہیں اور انسان وبشر کے لئے دکھ سکھ لازمۂ حیات ہیں، شادی وغمی شریکِ زیست، لیکن کمال یہ تھا کہ ناگوار ترین واقعہ پر ان کا شدید ترین تأثر بھی محض خاموشی وسکوت اور رجوع الی اللہ کی صورت میں سامنے آتا تھا، ان کی حیات تحرک سے بھرپور تھی، خوف وخشیت الٰہی سے مالا مال تھی اور مصفّٰی ومزکّٰی، نرم روجوئے آب کی طرح رواں وفعال تھی۔ قلة الطعام، قلة الكلام اور قلة المنام عباد الرحمٰن ورجال صالح کی روش رہی ہے اور اللہ کے نیک بندے انہی امور کو حرزِ جان بناتے رہے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ یہ عبدِ صالح بھی تمام عمر اسی روش پر گامزن رہے ہیں۔ لاریب، موصوف زہد وورع کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اور پارسائی وپرہیز گاری کی بھٹی میں پکے ہوئے ایسے اللہ کے برگزیدہ وعبادت گزار رجل رشید تھے، جو کندن کو چندن اور لوہے کو پارس بنا دیتے تھے۔

انہوں نے اپنی عمر عزیز کے یومیہ چوبیس گھنٹوں میں سے کم از کم سولہ گھنٹے اس طرح بسر کئے ہیں کہ کبھی قرآن مجید کی تلاوت میں محو ہیں، کبھی نوافل ادا کر رہے ہیں، کبھی اوراد ووظائف میں مصروف ہیں اور کبھی اپنے خالق ومالک کے حضور دست بدعا ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شخصیت مستجاب الدعوات کا روپ دھار چکی تھی کہ جیسے ہی دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے ہیں، ایسا لگا ہے کہ عجلہ دل سے نکل کر ہونٹوں کے منڈیر پر آنے والی التجاء قبولیت کے دیپ روشن کر رہی ہے اور ذات برحق کا درِ حق وا ہو کر ع ''رحمتِ حق بہانہ می جوید'' کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

میں نے گاہ گاہ ان کی معیت وصحبت میں جو شب وروز گزارے ہیں، وہ میرے لئے صرف سرمایہ صد افتخار ہی نہیں، توشۂ آخرت وسامان نجات بھی ہیں اور میرے لاشعور نے اس شب وروز کے حسین وروح پرور لمحات کو ''حافظے'' میں اس طرح مستحضر ومحفوظ رکھا ہے۔ جس

طرح بچپن میں طفل مکتب مور کے پروں کو مقدس صحیفوں کے اندر سجایا کرتے ہیں۔

غیر معروف اشخاص وغیر مشہور افراد جب داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے دار الفناء سے دار البقاء کی طرف رخت سفر باندھتے ہیں تو عموماً اپنے پیچھے صرف افراد خانہ وخاندان کو ہی سوگوار وغم کردہ کرتے ہیں۔ لیکن جب معروف وممتاز ہستیاں رحلت فرماتی ہیں تو اعزہ واقربا کو ہی نہیں اپنے عقیدت مندوں، پرستاروں اور چاہنے والوں کی ایک بھری پڑی دنیا کو بھی گریہ وبقاء نوحہ وماتم کناں اور افسردہ حالت میں چھوڑ جاتے ہیں ؎

وہ جن کے دم سے تیری بزم میں تھے ہنگامے
گئے تو کیا تیری بزم خیال سے بھی گئے

ایسا ہی معاملہ ہمارے ممدوح مکرم کی شہادت کے موقع پر بھی پیش آیا ہے کہ جب آپ اس دنیائے دوں سے عالم آخرت کو سدھارے ہیں تو نصف درجن اولاد جسمانی، درجنوں عزیزانِ خاندانی، سینکڑوں وابستگان روحانی اور ہزاروں تلمیذانِ جنانی کو بھی گریہ کناں وسوگوار چھوڑا ہے۔

آپ کی تدریسی زندگی کا دورانیہ چھتیس سالوں کو محیط ہے۔ اور عجیب اتفاق کہ جس دن شہادت کے مرتبہ ومنصب علیاء پر فائز ہوئے ہیں، اس دن جامع ترمذی کے آخری سبق میں یہ حدیث بھی زیر درس تھی: ''القبر روضة من رياض الجنة۔''

حضرت مفتی صاحب کا سراپا یہ تھا: میانہ قد، میانہ جسم وجثہ، ملاحت آمیز صبیحانہ رنگ، کشادہ ماتھا، پُر گوشت وچوڑا چہرہ، عقابی آنکھیں، سیمابی ناک، موٹی بھویں سہانی آبرو، مسنون گھنی وابلقی گدری ڈاڑھی، فاروقی مونچھیں، سفید تبرق، عالمانہ لباس، سر پر اجلا عمامہ، کندھے پر عربی مندیل اور پاؤں میں سادہ جوتی۔

رہے نام میرے سوہنے رب کا! جس کے کُن کہنے سے دنیا کا ظہور ہوا اور کُن کہنے سے دنیا فنا ہو جائے گی۔

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالرشید انصاری☆

کراچی میں علماءِ حق کا قتلِ عام اور مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی تازہ شہادت

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ۳۰/اساتذہ، علماء، طلباء اور انکے خدام شہید کیے جا چکے ہیں۔ کیا علماء کا اس طرح بے دردی سے قتل عام ملک میں امن واستحکام پیدا کرنے دے گا؟ علماء کے قتل کی اصل ذمہ داری حکمران جماعتوں پر عائد ہوتی ہے۔

پاکستان جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ پاکستان بناتے وقت آج سے 65 سال قبل کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ وطن پاک اسلامی نظام حیات کا گہوارہ بننے کی بجائے علماء حق اور دینی درد رکھنے والوں کیلئے قتل گاہ بن جائے گا۔ گزشتہ ماہ مفتی ہارون مطیع اللہ نے فون پر یہ اطلاع دی کہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے صدر مفتی جناب حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری کو شہید کر دیا گیا ہے۔ بعد میں آنے والی خبروں سے تفصیل معلوم ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب اکیلے نہیں گئے بلکہ ان کے صالح ساتھی حضرت مولانا مفتی صالح محمد اور ان کے ہونہار شاگرد مولانا حسان علی شاہ (جن کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہمارے رفیق خاص حضرت مولانا لیاقت علی شاہ کے فرزند ارجمند تھے) بھی شہید ہوئے ہیں۔ یہ سطور رقم کرتے وقت اس نوجوان کا چہرہ میرے سامنے ہے اور اس کا خلوص و پیار بھرا کردار میرے نہاں خانۂ دماغ میں ہلچل مچا رہا ہے کہ اگر وہ نوجوان زندہ رہتا تو نہ صرف اپنے والد گرامی کا جانشین بن کر جامعہ درویشیہ میں علماء، طلباء کو درویشانہ درس دیتا بلکہ پوری کراچی کیلئے درویش علماء حق کا نقیب وترجمان بنتا۔ ہم انہی سطور کے ذریعہ حضرت مولانا لیاقت علی شاہ اور ان کے دیگر اعزہ ولواحقین سے اظہار رنج وغم اور تعزیت کرتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆

☆ مدیر ماہنامہ نورِ علیٰ نور فیصل آباد

مولانا لیاقت علی شاہ☆

متقی، متوکل اور نڈر مفتی کی مع رفقاء شہادت عظمیٰ

مورخہ ۱۸ /ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، ۳۱ /جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات حسب معمول حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی صاحب صبح سویرے ترمذی شریف کا درس دینے کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ تک میرے ساتھ علمی گفتگو فرما کر چلے گئے اور ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ برخوردار حافظ محمد حسان علی شاہ مفتیانِ کرام کو لانے کے لئے مجھ سے رخصت لے کر چلا گیا، مگر واپس آنے میں تاخیر پر تشویش ہوئی تو میں نے حسان کے موبائل پر رابطہ کیا، مگر جواب نہ مل سکا، میں نے دل میں سوچا کہ وہ گاڑی چلانے میں مصروف ہوگا، اس لئے جواب نہیں دے رہا، لہٰذا میں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری صاحب کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کی، مگر اس نمبر سے بھی جواب نہیں آیا تو تشویش اور بڑھ گئی، اسی اثنا میں ایک شخص نے آکر ہماری گاڑی کا نمبر پوچھا اور بتلایا کہ اس گاڑی پر فائرنگ ہوگئی ہے، میں فوراً دوڑ کر روڈ کی طرف جانے لگا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ گاڑی سے زخمیوں کو نکال کر جناح ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے، جناح ہسپتال پہنچ کر پتہ چلا کہ ان کو مردہ خانہ لے جایا جا چکا ہے، مردہ خانے میں لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا، لوگوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر جو منظر دیکھا، وہ ناقابل بیان تھا۔

ایک اسٹریچر پر چمنستان علوم نبوت کے سدا بہار، علم وعمل اور اخلاص کے پیکر فقیہ العصر، علمائے امت کے مربی اور محسن، اخلاقِ نبوت سے مزین ومعطر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب اپنے خون سے رنگین، جام شہادت نوش فرما کر مسکراہٹ بکھیر رہے تھے، فوراً إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھا، لوگ ان سے چمٹ چمٹ کر دھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور اپنے رومالوں سے ان کا خون پونچھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو دے رہے تھے۔

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ درویشیہ، کراچی

دوسرے اسٹریچر پر ہر دلعزیز استاذِ حدیث، حاضر دماغ مفتی، محقق العصر، میرے دیرینہ ساتھی زندگی کی ۴۲/ بہاریں ہی دیکھ کر اپنے پیشرو کے ساتھ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے شہیدِ وفا کے مقام پر فائز ہو کر ابدی سکون وراحت کے لئے ہمسفر ہو چکے تھے، طلباء اور علمائے کرام رورو کر ان سے چمٹ رہے تھے اور اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کر رہے تھے۔

تیسرے اسٹریچر پر ۲۲/ سالہ نوجوان برخوردارم حافظ محمد حسان علی شاہ بھی اپنے خون سے رنگین چہرہ مسکراہٹ کے ساتھ، اپنے دونوں مفتیانِ کرام کے ساتھ مکمل وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے محوِ استراحت تھا، لوگوں کا ایک جم غفیر آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اس کی شہادت پر رشک کر رہے تھے۔

تینوں شہدائے کرام کی شہادت کی خبر بارہ بج کر چالیس منٹ پر میڈیا نے نشر کی، یہ خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، لوگ جوق در جوق آنے لگے اور شہر کراچی کی مارکیٹیں، تجارتی مراکز وغیرہ خود بخود بند ہو گئے۔ شہدائے کرام کی زیارت کے لئے انسانوں کا ایک جم غفیر، ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح اُمڈ آیا۔ نماز جنازہ کا وقت عصر کی نماز کے بعد کا مقرر ہوا۔ نمازِ عصر سے پہلے ہی جامع مسجد نیوٹاؤن بمعہ اطراف کے بھر چکی تھی، نماز عصر کے بعد حضرت امام صاحب نے الحاح وزاری کے ساتھ دعا فرمائی، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ تینوں شہدائے کرام کی نمازِ جنازہ کی امامت، بقیۃ السلف، علامہ بنوریؒ کے علوم ومعارف کے امین، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فرمائی۔

نمازِ جنازہ کے بعد حضرت مفتی صالح محمد صاحبؒ اور حافظ محمد حسان علی شاہ صاحبؒ کی تدفین ڈالمیا کے قبرستان میں ہوئی، اس قبرستان میں جامعہ فاروقیہ کراچی کے شہید علمائے کرام حضرت مولانا عنایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا حمید اللہ صاحبؒ، حضرت قاری ابراہیم صاحبؒ، میرے والد مکرم حضرت اقدس مولانا حافظ منہر شاہ صاحبؒ اور میری والدہ مرحومہ پہلے سے مدفون ہیں، گویا کہ ایک خطۂ صالحین ہے، جس میں اب ان دو شہیدوں کو بھی دفنا دیا گیا۔

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ کو نماز جنازہ کے بعد ان کے آبائی گاؤں لے

جایا گیا، وہاں دوبارہ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ کی امامت خانقاہِ راشدیہ قادریہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا میاں مسعود احمد دین پوری مدظلہ العالی نے فرمائی۔

مجلّات کے خاص نمبر:

دورِ حاضر میں قابل قدر علمی شخصیات کی وفات کے بعد دینی رسائل، مجلّات کے نمبر نکالتے ہیں، جو مذکورہ شخصیت کے احوالِ زندگی اور مختلف کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے نئے قارئین کے لئے دعوتِ فکر کا کام دیتے ہیں، مگر اس دور میں اخلاصِ نیت کی کمی ہے، اس لئے مقالہ نگار افراط وتفریط کا شکار ہوجاتے ہیں، اور فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے، عموماً ہمارے اکابر رحمہم اللہ پر اخفاء کا مزاج غالب تھا، لیکن ان کے بارے میں صحیح اور درست معلومات پر مشتمل تذکرے اہل قلم دیانت داری کے ساتھ سپردِ قلم فرمائیں تو نوجوانوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

تذکرہ، سوانح، ملفوظات قلمبند کرنا اکابر علمائے کرام کی نظر میں:

امام المجاہدین شیخ الحدیث ڈاکٹر مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ لکھتے ہیں:

''اہل قلوب ومعرفت کا ارشاد ہے کہ اگر کسی شخص کو اہل اللہ کی صحبت میسر نہ ہو، تو ان کے ملفوظات وتحریرات کا بغرض استفادہ مسلسل مطالعہ کرتا رہے تو اس کے اندر بھی اہل اللہ کا ایمان وعمل منتقل ہوجائے گا اور وہ قالب سے گزر کر قلب وروح میں اتر جاتا ہے، اکابرین علمائے امت اور بزرگانِ دین کے حالات وواقعات اور سوانحی تذکرے اس اعتبار سے فیوض وبرکات اور ضوفشانی میں ان بزرگوں کی صحبت کا بدل ثابت ہوتے ہیں، جن سے مسافرانِ آخرت کو تو اس کا نفع محض اتنا ہی ہوگا کہ شاید کوئی بندۂ خدا ان کے حالات وواقعات سے متاثر ہوکر ان کے لئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے یا پھر ان کی سیرت وسوانح سے متاثر ہوکر اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے اور اس کی اطاعت وعبادت مرحوم کے لئے ذریعۂ نجات ثابت ہوجائے، لیکن بزرگان کی سیرت وسوانح کا تذکرہ امت کے لئے نہایت قیمتی سرمایہ ہے، اس سے جہاں اسلاف واکابرین کی تاریخ سے آگاہی ہوگی، وہاں ان کے پڑھنے سے مستقبل کے لئے نقوشِ راہ متعین کرنے میں آسانی ہوگی، پھر اس سے جہاں جذبۂ عمل میں تقویت ملے گی، وہاں مسابقت فی الخیر میں مدد ملے گی۔''

شہادت سے قبل ایک خواب:

محمد حسان شاہ روزانہ جانے سے قبل اپنی والدہ سے اجازت لے کر رخصت ہوتا، شہادت والے روز رخصت ہونے کے بعد ہی اس کی والدہ نے ایک خواب دیکھا کہ حسان اپنے دو مرحوم بھائیوں کے ساتھ جا رہا ہے، مگر حسان کا کرتا خون سے بھرا ہے اور پھر آنکھ کھل گئی، اس خواب کی تعبیر اڑھائی گھنٹہ کے بعد اس حادثہ فاجعہ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی مختصر چند خصوصیاتِ زندگی:

وقت کی پابندی کا خاص خیال:

حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کا خاص الخاص وصف ''وقت کی پابندی'' ہے۔ اس بات کا حضرت صاحبؒ کو اس قدر احساس تھا کہ جس طرح خود وقت کی پابندی کرتے تھے، اسی طرح دوسروں سے بھی وقت کی پابندی کے لئے تاکیداً کہا کرتے تھے۔ ہمارے ہاں ان کا آخری گھنٹہ صحیح البخاری جلد اول کا ہوتا تھا، جس دن وہ جامعہ کے کام میں مصروف ہوتے تھے، ان کے گھنٹہ سے قبل ہی ان کا فون آتا، فرماتے: ''میں عبدالمجید بول رہا ہوں، آج نہیں آسکوں گا''، میں عرض کرتا کہ: حضرت! ہمیں کیوں شرمندہ کر رہے ہیں؟ فرماتے: ''ایسی بات نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلبا کا وقت ضائع نہ ہو، اور ان کا گھنٹہ خالی نہ رہے، آپ اگلے گھنٹہ میں بھی سبق جاری رکھیں۔'' اسی طرح اگر سفر پر جانے کا ارادہ ہوتا تو پہلے سے ہی تذکرہ فرما دیتے تھے۔

اسی طرح امتحانی پرچے بنانے میں بھی بروقت پرچہ تیار فرماتے اور جوابی پرچہ جات بھی مقررہ وقت سے قبل عطا فرماتے، اس دفعہ جوابی پرچہ جات مفتی منور علی شاہ کے حوالہ کر کے پوچھا کہ: ''سب اساتذہ کے جوابی پرچہ جات آگئے ہیں؟'' تو منور نے کہا کہ نہیں، ابھی کسی بھی استاذ نے جمع نہیں کروائے ہیں، فرمایا: ''اچھا! پھر میں نے ہی سب سے پہلے جمع کروادیئے ہیں، فللّٰہ الحمد۔''

وقت کی قدر کرنا:

زندگی کے تمام اوقات کی مستقل حفاظت کرتے تھے اور ہر وقت کسی نہ کسی کام میں

مشغول رہتے تھے، کسی بھی لمحہ کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے، پڑھائی اور افتاء کے کاموں سے جیسے ہی فارغ ہوتے تو کتاب کا مطالعہ شروع فرمادیتے۔ کبھی بھی ان کو فارغ نہیں دیکھا۔ جب کسی جگہ دعوت یا بیان کے لئے وقت دیتے تھے تو وقتِ مقررہ پر ضرور پہنچ جاتے، بلاضرورت تاخیر سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچاتے، کبھی ایسا بھی ہوا کہ انتظامیہ والے درخواست کرتے کہ ابھی لوگوں نے اکٹھا ہونا ہے، جب کثرت سے لوگ جمع ہوجائیں گے تب آپ کا خطاب ہوگا، حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے: ''بھائی! مجھے لوگوں کی کثرت سے کیا غرض؟ مجھے اللہ پاک کی رضا کے لئے جو کچھ کہنا ہے ابھی وقت دےدو، تاکہ بروقت فارغ ہوجاؤں۔'' گویا اس طرزِ عمل سے لوگوں کو بلاوجہ تکلفات سے بچنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اندازِ گفتگو میں شائستگی:

اللہ پاک معاف فرمائے، آج کل عموماً گفتگو میں شائستگی ختم ہورہی ہے، مگر حضرت مفتی صاحبؒ کے اندازِ گفتگو میں شائستگی حد درجے کی تھی، چاہے علمی محفل ہو یا نجی محفل، چاہے زبانی طور پر بات ہو یا فون پر، ہمیشہ سلجھی ہوئی گفتگو فرماتے، جس سے ان کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوتا تھا، مختلف فیہ مسائل میں بھی حد درجہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے مدعا کو دھیمے لہجے میں ادا فرمانا ان کا طرۂ امتیاز تھا، آج کل علماء وصلحاء کو یہ طرز اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

غیبت سے کوسوں دور:

حضرت مفتی صاحبؒ کی محفل میں نہ کسی کی غیبت کی جاسکتی تھی اور نہ سنی جاسکتی، حالانکہ یہ گناہ بےلذت محبوب مشغلہ ہے، اگر کوئی شخص غیبت کرنے کی کوشش کرتا تو حضرت مفتی صاحبؒ ابتداءً ہی اس کی اصلاح فرمادیتے تھے، اس طرح وہ شخص بھی غیبت کرنے سے بچ جاتا اور دوسرے لوگ بھی غیبت سننے سے بچ جاتے اور وقت ضائع ہونے اور برباد ہونے کے بجائے قیمتی بن جاتا۔ قرآن پاک اور حدیث مبارکہ پر عمل بھی ہوجاتا، اس پر ایک واقعہ یاد آیا کہ جب علامہ بنوری ٹاؤن کے سامنے جلوس گزرنے کے بارے میں احتجاجاً امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ نے گرفتاری پیش کی، ان کے ساتھ سترہ علمائے کرام نے مفتی صاحبؒ کی

معیت میں گرفتاری پیش کی، جن میں میرے والد مکرم حضرت اقدس مولانا حافظ منہر شاہ صاحبؒ باوجود پیرانہ سالی اور بیماری کے شامل تھے، تین ماہ جیل میں گزارنے کے بعد جب رہائی کا وقت آیا تو علمائے کرام نے حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی، مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''آپ لوگ سب اہل علم ہیں، میں تو خود نصیحت کا محتاج ہوں۔'' جب علمائے کرام کا اصرار بڑھا تو مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''اچھا میاں! نصیحت یہ ہے کہ غیبت نہ کرو۔'' جب اس پر وعدہ لینے کے لئے فرمایا تو حاضرین نے کہا کہ یہ تو مشکل کام ہے، تب مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''اچھا میاں! یہ جو ہم سترہ علماء ہیں، یہ آپس میں اس بات کا عہد کرلیں کہ کم از کم ہم میں سے کوئی عالم کسی عالم کی غیبت نہیں کرے گا۔'' اس پر سب حضرات نے وعدہ فرمالیا، اللہ پاک ان کے مراقد کو باغِ جنت بنادیں، آمین۔

نماز باجماعت کی پابندی:

حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کا ایک بہترین وصف نماز باجماعت ادا کرنے کی پابندی تھی اوراس کا سب سے اچھا طریقہ امامت ہے، مسجد الحمراء جمشید روڈ میں آخری ایام تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور یوں اپنی نمازوں میں تکبیر اولیٰ وصف اول ہی نہیں، بلکہ امامت کا اعزاز حاصل کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی نیابت کرتے رہے، دورانِ سفر بھی نماز باجماعت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ نمازوں کے بعد اذکار مسنونہ اور دعاؤں کا اہتمام ساری زندگی کرتے رہے، تعلیمی سال کے آخر میں چند دن ظہر کے بعد بھی پڑھائی ہوتی تھی اور مفتی صاحبؒ کا گھنٹہ ظہر سے پہلے شروع ہوتا، جیسے ہی اذان کا وقت ہوتا مفتی صاحبؒ سبق کا وقفہ کر کے مسجد تشریف لے جاتے، میری نگاہ ان پر پڑتی تو میں امامت کی درخواست کرتا، جسے حضرتؒ قبول فرمالیتے، لوگ تعجب کرتے تھے کہ اتنے معروف ترین مفتی صاحبؒ بھی نماز باجماعت کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں؟ یہی ہمارے بزرگوں کی شان ہے۔

ہر وقت ذکرِ الٰہی کا اہتمام کرنا:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے ''یذکر اللّٰہ عزوجل علیٰ

کل أحیانه '' ہروقت اللہ پاک کا ذکر فرمایا کرتے تھے،اس حدیث کا پورا مصداق مفتی صاحبؒ کی شخصیت میں نمایاں نظر آتا تھا، حدیث کی کتاب کا درس جیسے ہی ختم ہوتا، کتاب بند کرتے تو اٹھنے سے پہلے انگلی میں کاؤنٹنگ تسبیح باندھ لیتے اورذکر کرنا شروع کردیتے۔ **دار الحدیث النبوی** سے لے کر گاڑی میں بیٹھنے تک کے وقت میں بھی ذکر کرتے تھے، ہاں! اس دوران اگر کسی استاذ نے کوئی مسئلہ پوچھ لیا تو بڑی خندہ پیشانی سے کھڑے کھڑے حل بتلا کر پھر ذکر اللہ عزوجل میں مشغول ہوکر روانہ ہوجاتے۔ نمازوں کے بعد اذکارِ مسنونہ کا اہتمام فرماتے، بلاناغہ روزانہ قرآن شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، رمضان المبارک میں اعتکاف میں روزانہ ایک بار قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں اکسٹھ (۶۱) بار قرآن پاک ختم فرماتے تھے، ایک باردن میں، ایک بار رات میں اور ایک بار تراویح میں پڑھا کرتے تھے۔

عمامہ کی سنت کا احیاء:

آج کل ویسے بھی سنتوں پر عمل کم ہوتا نظر آتا ہے، مگر قربان جایئے ہمارے اکابرؒ پر کہ انہوں نے سنتوں کا احیاء فرمایا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ عمامہ کی سنت پر کاربند تھے، درسِ حدیث کے موقع پر بھی اور عام حالات میں اکثر وبیشتر عمامہ باندھا کرتے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ نے شرح شمائل ترمذی میں تحریر فرمایا ہے کہ عمامہ سنت مستمرہ ہے، آج کل بعض حضرات نے عمامہ کو لباس کی سنت قرار دے کر نماز کی سنتوں سے اس کو علیحدہ کردیا ہے، مگر سوچنے کی بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عزت والا لباس ہے، اس لباس کے اپنانے میں فائدہ ہے یا اس کے ترک کرنے میں فائدہ ہے؟

معاملات کی صفائی:

حضرت مفتی صاحبؒ کی پوری زندگی میں یہ وصف بھی خاصا نمایاں تھا اور لوگوں کو بھی حکم قرآنی ''**فاکتبوہ**'' پر عمل کرنے کی تاکید کرتے تھے اور خود بھی اس بات کے سخت پابند تھے، کسی جگہ بھی مالی ادائیگی کا معاملہ ہوتا تو حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''بھائی! ادائیگی کا

وقت مقررہ کرلو، انسان حریص ہے، اگر وقت مقرر نہیں ہوگا تو ادائیگی میں بھی غفلت کا اندیشہ ہے، جب وقت مقرر ہوگا تو ادائیگی کی فکر بھی ہوگی اور اگر تاخیر ہو جائے تو معذرت کے ساتھ تجدید کرلو، اس طرح وعدہ خلافی سے بھی بچ جاؤ گے۔'' حضرت مفتی صاحبؒ کی پوری زندگی میں کبھی بھی کسی مالی معاملہ میں خلافِ شرع کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی، نہ کسی قسم کی بدعنوانی کا شبہ ہوا۔ اس بارے میں ان کی احتیاط حد درجے کی تھی۔

نڈر مفتی:

حضرت مفتی صاحبؒ کے خصوصی اوصاف میں ایک عظیم الشان وصف ''نڈر ہونا'' تھا، آج کل لوگ مصلحتوں کا شکار ہو جاتے ہیں یا خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، مگر مفتی صاحبؒ ایسے مواقع پر ہر قسم کے خوف وخطر سے بے فکر اور نتائج کی پروا کئے بغیر، کسی مستفتی کے استفتاء کے بغیر، خلافِ شرع امور سب بانگِ دہل خود فتویٰ دیا کرتے تھے، اس کی زندہ مثال آپ حضرات کے سامنے کہ جب جیلٹ ریزر والوں نے اجتماعی ڈاڑھی منڈانے کی دو سو آدمیوں کی تقریب ایکسپو سینٹر سوک سینٹر کراچی میں منعقد کرنے کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے سوموٹو ایکشن کی طرح حضرت مفتی عبدالمجید صاحبؒ نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا اور اخبارات میں ان کا بیان بھی اسی روز شائع ہوا، الحمدللہ مفتی صاحبؒ کے اس فتویٰ کا اتنا اثر ہوا کہ انتظامیہ کو تقریب منسوخ کرنا پڑی۔

اس سے قبل حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ نے بھی وانا آپریشن کے بارے میں جرأت مند فتاویٰ دیا، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اکابر مصلحتوں کا شکار ہونے کے بجائے فکر آخرت پیش نظر رکھتے تھے اور امت کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

آخری یادداشت:

یوں تو حضرت مفتی صاحبؒ جامع الصفات والکمالات تھے، کہاں تک ان کے اوصاف تحریر کریں، اس کے لئے مستقل ایک مقالہ نگار کی ضرورت ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالے اور اس کو محفوظ کرے۔ آخری یادداشت کے طور پر

حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کا آخری سبق صحیح البخاری کا تحریر کرنا مقصود ہے، تاکہ محفوظ ہوجائے۔

جامعہ اسلامیہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی کراچی میں صحیح البخاری کا آخری سبق:

کتاب الوضوء، باب المسح علیٰ الخفین، ص:۳۳، ط:سعید کمپنی۔

حضرت مفتی صالح محمد کاروڑی صاحب شہیدؒ کا آخری سبق جامع ترمذی جلد اول، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود، ص:۶۱، ط:سعید کمپنی

حافظ محمد حسان علی شاہ شہیدؒ کا آخری سبق قرآن پاک ''ألم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلاً کلمةً طیبةً کشجرةٍ طیبةٍ''۔ (سورۃ ابراہیم، پارہ نمبر:۱۳)

حسان علی شاہ شہیدؒ اعدادیات اور حفظ قرآن پاک کے بعد گردان میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ حضرات مفتیان کرام کو اپنی گاڑی میں لانے اور لے جانے کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے آخری سفر کا بھی ساتھی بن گیا، شہادت سے ایک دن قبل کہہ رہا تھا کہ میں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے مسئلہ دریافت کیا ہے کہ جو شخص بے گناہ مارا جاتا ہے وہ شہید کہلاتا ہے، اسے نہ غسل دیتے ہیں، نہ اس کے کپڑے اتارے جاتے ہیں، بلکہ اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں دفنادیا جاتا ہے، میں نے کہا کہ مسئلہ بالکل صحیح ہے۔ حسان کہنے لگا کہ مجھے کل تک اس مسئلہ کا پتہ نہیں تھا، اب پتہ چلا اور اگلے روز شہید ہوگیا۔

دورِ حاضر کا عظیم علمی نقصان:

مشہور مقولہ ہے کہ: موت العالِم موت العالَم۔ عالِم کی موت عالَم کی موت ہے، یعنی عالم کی رحلت سے معاشرہ بے نور ہوتا جاتا ہے۔ ظلمت و تاریکی چھاجاتی ہے، لوگ بے شمار سعادتوں سے محروم ہوجاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں مفتیانِ کرام کی شہادت سے پورے عالم اسلام کو عظیم نقصان اٹھانا پڑا ہے، مگر افسوس ملک کے ان اداروں پر ہے جو اَب تک واضح فوٹیج حاصل کرنے کے بعد ملزمان کو انصاف کی عدالت میں پیش نہ کرسکے، حالانکہ جس بے بسی کے عالم میں مظلومانہ شہادتیں ہوئی ہیں، ملک کی تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے اور غالباً پورے ملک کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ملزمان بغیر کسی نقاب اور بغیر کسی خوف وخطر کے اپنی شرمناک

کارروائیوں میں کامیابی کے بعد روانہ ہوئے، مگر موقع پر موجود قانون نافذ کرنے والے ادارے حرکت میں نہ آئے، یہ سارا منظر کیمرہ کی آنکھ نے محفوظ کیا ہے، جن حضرات نے یہ منظر میڈیا پر دیکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بلا مبالغہ ان کی شہادتِ مظلومانہ، خلیفۃ المسلمین ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے، ''فسیکفیکھم اللّٰہ'' کی تلاوت کرتے وقت شہید ہوئے، ان کی شہادت کی گواہی قرآن پاک دے گا اوران مفتیانِ کرام کی شہادت کی گواہی حدیث پاک دے گی۔ عین شہادت سے پندرہ منٹ قبل حسان علی شاہ نے مکتبہ سے ''مشکوٰۃ المصابیح''، ''طبقات ابن سعد'' خرید کر گاڑی میں رکھ لی تھیں، ان کتابوں پر گاڑی کے ٹوٹے ہوئے شیشے پڑے تھے، مگر کتابیں محفوظ تھیں۔ دوسری گواہی جامع ترمذی کی ہوگی، حضرت مفتی صاحبؒ نے جامعہ میں صبح ترمذی شریف کا درس دیا تھا اور تیسری گواہی صحیح البخاری کی ہوگی، جسے پڑھانے کے لئے جامعہ درویشیہ تشریف لا رہے تھے، جبکہ اسی دن صبح مفتی صالح محمد جامع ترمذی جلد اول پڑھا کر دوبار تخصص کے طلباء کو شرح عقود رسم المفتی پڑھانے دوبارہ آ رہے تھے۔ چوتھی گواہی حالت سفر کی ہوگی کہ یہ تینوں حضرات ایک جامعہ سے دوسری جامعہ پڑھانے کے لئے سفر کر رہے تھے۔ پانچویں گواہی حافظ محمد حسان شہید کے قرآن پاک کی ہوگی کہ اس دن بھی اس نے قرآن پاک سنانے کے بعد سفر کے دوران جامِ شہادت نوش کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی ایک حیرت انگیز کرامت:

حضرت مفتی صاحبؒ کی عمومی عادت فتویٰ پر دستخط کے وقت ''محمد عبدالمجید دین پوری'' لکھنے کی تھی، مگر شہادت والے روز جامعہ اسلامیہ درویشیہ کے آخری سات فتاویٰ پر دستخط کرتے وقت مفتی صاحبؒ نے ''دین پوری'' کے بجائے اپنے نام کے ساتھ ''عفی عنہ'' لکھا اور یہ فتاویٰ اپنے ساتھ لے کر آ رہے تھے، جو ایک سرخ رنگ کی فائل میں پڑے ہوتے تھے۔ مفتی صاحبؒ کا خون اس فائل پر نظر آ رہا ہے، ساتھ ہی چند قطرے خون کے فتاویٰ پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ امید ہے کہ قیامت کے دن یہ فتاویٰ بھی مفتی صاحبؒ کی شہادت کی گواہی دیں گے، ان شاء اللہ۔

حضرت مفتی عبدالمجید صاحبؒ اور حضرت مفتی صالح محمد صاحبؒ کے آخری فتویٰ کا

عکس، جن میں مندرجہ بالا دونوں باتیں نظر آ رہی ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک شخص کا وطن اصلی کشمیر ہے، وہ کراچی میں کاروبار کے سلسلہ میں مستقل رہتا ہے، ذاتی مکان میں اور اس کا ایک مکان پنڈی میں بھی ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ وہ کراچی سے کشمیر جاتے ہوئے کچھ دنوں کے لئے پنڈی میں رہتا ہے، اب وہ پنڈی میں مقیم ہوگا یا مسافر؟ بینوا توجروا...... مستفتی: محمد انور

الجواب حامداً ومصلیاً

صورتِ مسؤلہ میں کراچی وطن اقامت ہے، جب تک کاروبار کے لئے رہے گا، کراچی وطن اقامت رہے گا، کراچی سے کشمیر جاتے ہوئے اگر پنڈی میں پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کرتا ہے تو مسافر شمار ہوگا، نماز قصر پڑھے گا، پنڈی میں صرف ذاتی مکان ہونے کی وجہ سے مقیم شمار نہیں ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ:

"الوطن الأصلی یبطل بمثله إذا لم یبق له بالأول أهل، أی وإن بقی له فیه عقار، قال فی النهر: ولو نقل أهله ومتاعه وله دور فی البلد لاتبقیٰ وطناً له وقیل: تبقی کذا فی المحیط"۔

(الدرمع الرد، ج:۲، ص:۱۳۲، مکتبه: ایچ، ایم، سعید کراچی)

قال ابن نجیمؒ فی البحر:

''والوطن الأصلی هو وطن الإنسان فی بلدة أو بلدة أخریٰ اتخذها داراً وتوطن بها مع أهله وولده...... إلیٰ قوله: وفی المحیط، ولو کان له أهل بالکوفة وأهل بالبصرة فمات أهله بالبصرة وبقی له دور وعقار بالبصرة قیل: البصرة لاتبقی وطناً له لأنها إنما کانت وطناً بالأهل لابالعقار الخ''۔(ج:۲،ص:۱۳۶،طبع:ایچ ایم سعید)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	**الجواب صحیح**
محمد عبدالمجید عفی عنہ	صالح محمد کاروڑی

کتبہ: قاضی علی محمد عفی عنہ المتخصص فی الفقہ الاسلامی بجامعہ اسلامیہ درویشیہ کراچی

۲۰/صفر ۱۴۳۴ھ......3,1,2013

اللہ پاک سے دعا ہے کہ ان شہداء کے تمام قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں، دین اسلام کی حقانیت اپنی مخلوق پر آشکارا فرمائیں، نیز ہمارے تمام شہداء کرامؒ کو اعلیٰ علیین میں مقامِ قرب عطا فرمائیں اور انبیاء وصدیقین اور شہداء کرامؒ کی معیت نصیب فرمائیں، ان شہدائے کرام کے خون کی برکت سے اس شہر کراچی کو اور اہلیان کی جان مال وآبرو کو محفوظ فرمائیں اور ہمارے پورے ملک کو امن وسکون کا گہوارہ بنا دیں اور صحیح معنوں میں تمام مسلمان ممالک میں شرعی حکومتیں قائم فرمادیں۔ تمام مسلمانوں کی حالت پر اپنا خاص فضل کرم نازل فرمادیں اور اس علمی خلا کو اپنی عظیم قدرتوں کے ذریعہ سے پُر فرمادیں۔ آمین یا رب العالمین وبحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ☆☆

ابو محمد مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

وہ ''دین پوری'' تھے، ''دنیا پوری'' نہیں!

اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، اس کی مہربانی اور الطاف وعنایات مختلف صورتوں میں اپنے بندوں پر نازل اور وارد ہوتی ہیں۔ان الطاف وعنایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ ومالک کی بارگاہ میں اپنی جان کا نذرانہ اس انداز میں پیش کرے کہ اس کے پاکیزہ لباس کی بے داغ سفیدی پر خونِ شہادت کی سرخ دھاریں سج جائیں اور وہ موت کی ہچکی لیتے وقت اس شعر کی تصویر بن جائے

؎ بجرمِ عشقِ تُو مارا کشند و غوغائیست
تو نیز برسرِ بام آ، عجب تماشائیست

مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ معاملہ فرمایا کہ اس پیکرِ اخلاص کو، جسے ''تفقہ فی الدین'' کی دولت سے نواز کر اپنی طرف سے ''خیر'' کے مستحق ہونے کی سند پہلے سے عطا فرما رکھی تھی، قبائے شہادت زیبِ بدن کرا کر اپنے دربار میں حاضر ہونے کی سعادت سے مالا مال کر دیا

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ہمارے ممدوح حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ، مولانا محمد عظیم مہاجر مکی کے فرزند تھے، حسنِ اخلاق اور حسنِ کردار کے پیکر، بے لوث، متوکل، ایثار پیشہ، دوستوں اور حاجت مندوں کے خاموش معاون، حلیم الطبع، عبادت گزار، چھوٹوں پر شفیق ومہربان اور بڑوں کا ادب کرنے میں اپنی مثال آپ، کہ اپنے اساتذہ یا بزرگوں کے سامنے گھٹنوں دوزانو ہو کر بیٹھے رہتے، سچ تو یہ ہے کہ حضرت دین پوری، ''دین پوری'' ہی تھے۔



علمی طور پر حضرت حق جل مجدہٗ نے مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کو جس قدر نوازا تھا، آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادگرامی من یرد اللّٰہ بہٖ خیرًا یفقھہٗ فی الدین سے اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ آپؒ ایک طویل عرصہ سے جامعہ علومِ اسلامیہ کی مسندِ افتاء پر فائز تھے اور جامعہ بنوری ٹاؤن کو نہ صرف ملکی بلکہ عالمی سطح پر جو امتیازی شان حاصل ہے وہ کسی صاحبِ علم سے ڈھکی چھپی نہیں۔ چنانچہ اس مسند پر متمکن ہونا مفتی صاحب کی فقاہت کی دلیل ہے، پھر فقہاء کو جو مقام حاصل ہے وہ بھی اسی حدیث سے نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی الجھنوں کو سلجھانے اور شرعی مسائل کی گتھیوں کو کھولنے کے لئے چودہ سو سالہ امت کے اعیان اور اکابر بھی ہر دور میں فقہاء کے محتاج رہے اور ان کی طرف رجوع کرتے چلے آئے ہیں۔ جبکہ مسائل شرعیہ کے معاملے میں فقہاء کسی کے محتاج نہیں ہوتے، اور نہ ہی وہ کسی دوسرے شعبہ کے ماہرین کو معاملاتِ شرعیہ میں دخیل ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہی اس شعبے کا وقار، اعتبار اور معیار ہے۔ ہمارے اکابر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، سید الطائفہ ہونے کی عظمت رکھتے ہیں، ان کا ایک مشہور واقعہ ہے، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں توسّع تھا، کیونکہ مشیخت کا غلبہ تھا، اگر کوئی میلاد کے بارے میں معلوم کرتا تو فرماتے کہ پڑھ لو۔ اگر کسی نے قیام کر لیا تو فرمایا کرنے دو، تعظیماً کر رہا ہے۔ تو ان کے یہاں توسّع تھا۔ اور فقہاء کے ہاں تضییق ہے کہ اگر وہ بدعت ہے تو اس کو روکو۔ حضرت گنگوہیؒ کے اوپر فقاہت کا غلبہ تھا۔ اس لئے جب حضرت حاجی صاحبؒ کا رسالہ آیا تو فرمایا کہ اسے حمام میں جھونک دو۔ کسی نے کہا کہ اپنے شیخ کا رسالہ حمام میں جھوک رہے ہیں؟ فرمایا کہ شیخ کے ہاتھ پر ہم نے جو بیعت کی ہے، وہ تصوف میں کی ہے، فقہ میں نہیں کی ہے، فقہ میں وہ ہمارے تابع ہیں اور تصوف میں ہم ان کے تابع ہیں۔ چنانچہ جب فقہ کا مسئلہ آئے تو ''دریں جا محمد ابن شیبانی می باید'' امام محمدؒ کی

طرح ہو جاؤ کہ انہوں نے اپنے استاذ امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ سے کس قدر مسائل میں اختلاف کیا، لہٰذا نظامِ شریعت کی برقراری کی ذمہ داری علماء اور فقہاء پر عائد ہوتی ہے۔ صوفیاء اور مشائخ کا ''حال'' کسی کیلئے حجت نہیں ہوتا، جبکہ ہر مسلمان کیلئے یکساں حجت صرف اور صرف شریعتِ محمدی ہے، جس کے حقیقی شارحین علماء اور فقہاء ہیں''۔ [مجالس حکیم الاسلام بہ ترمیم]

یہ ہے فقہاء کی عظمت، اور یہ عظمت ہمارے مفتی صاحب شہیدؒ کو حاصل تھی کہ ملک بھر کے دارالافتاء آپ کے فتویٰ کو نہ صرف احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، بلکہ اختلافِ رائے کی صورت میں اپنی رائے پر حضرت مفتی صاحبؒ کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔

......☆......

اس شان کا انسان ہم سے چھین لیا گیا، ہمیں ان کی جدائی کا غم ہے اور ہم قابلِ تعزیت ہیں۔ ہماری تمام جامعات اور تمام دارالعلوم، دارالحزن بنے ہوئے ہیں، ہمارے تمام علماء اور تمام فقراء قابلِ تعزیت ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ کا سانحۂ شہادت اُمتِ مسلمہ مظلومہ کے وجود پر ایک اور کاری زخم ہے، ایک ایسا زخم جس نے امت کے شرفاء ومعززین کو ایک بار پھر غم واندوہ کی وادیوں میں لا کھڑا کیا ہے، ایک فقیہِ وقت کے سینے پر دن دیہاڑے بھرے بازار میں، سینکڑوں لوگوں کی جیتی جاگتی اور دیکھتی بھالتی آنکھوں کے سامنے گولیوں کی بوچھاڑ، درحقیقت ایک فرد نہیں پوری امت کے سینے پر گولیوں کی بوچھاڑ سمجھی جانی چاہئے۔ امت کا سینہ اور قلب درحقیقت وہی افراد ہوتے ہیں جو امت کی علمی وروحانی، اخلاقی اور سیاسی قیادت کرتے ہیں اور بلاشبہ حضرت مفتی صاحب شہیدؒ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے صدر مفتی کی حیثیت سے اسی بلند مقام پر فائز تھے۔

......☆......

فارسی کے نامور شاعر اکبری نے پے در پے حوادث وآفات کے تھپیڑوں کا شکوہ اپنے اس شہرۂ آفاق قطعہ کے ذریعے کیا تھا

ے
ہر بلائے کز آسمان آید
گرچہ بر دیگراں روا باشد
از زمیں تا رسیدہ مے پرسی
خانۂ اکبری کجا باشد!

''جو بھی مصیبت آسمان سے اترتی ہے، کسی اور پر اُترے تو بھی جائز ہے
لیکن کیا کیجئے کہ زمین تک پہنچتے پہنچتے وہ اکبری کا گھر پوچھ ہی لیتی ہے۔''

آج اکبری زندہ ہوتا تو ہم پوچھتے کہ بتاؤ آغا! تمہارا شکوہ دور ہوا کہ نہیں؟ کہ اب تو حوادث زمانہ نے ہمارا ہی گھر تاک لیا ہے، اور کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب کسی انسان کے روپ میں علم وعمل، زہد وتقویٰ، خدا خوفی اور خدا شناسی کا جنازہ نہ اٹھتا ہو!...... جنازوں کی اس کثرت نے دینی حلقوں میں رنج وملال کی ایسی فضا طاری کر رکھی ہے کہ بہت سے ہنستے مسکراتے چہرے مستقل طور پر غم واندوہ کی تصویر بن کر رہ گئے ہیں، لیکن یہ غم شہادت کا نہیں، جدائی کا ہے!

امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگویؒ سے مولانا مفتی عبدالمجید شہیدؒ تک...... اس سفرِ شہادت کے مسافروں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک جا پہنچی ہے، کیا یہ لوگ معمولی صلاحیتوں کے لوگ تھے؟ واللہ! ایسا نہیں بلکہ ان میں متعدد دینی شعبوں کے ماہرین کی ایک بڑی تعداد تھی جو قدر ناشناسوں اور ازلی بدنصیبوں کی تیغ ستم کا شکار ہوگئی۔ ان میں ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ایک ادارہ اور انجمن تھا۔ جس کے دم سے حق وصداقت کی شمع فروزاں تھی۔ قتل کرنے والوں نے خسارے کا سودا کیا کہ اس شمع کو بجھا ڈالا، اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کوئی کارنامہ سرانجام دیا۔ کاش وہ حقیقت کو سمجھتے، وہ شیطان کے ہاتھوں استعمال ہوکر جہنم کا ایندھن بن گئے، لیکن شیطان ان کے عمل کو مزین کر کے دکھاتا ہے تو وہ اپنے اس ملعون ومذموم فعل کو اپنا فخریہ کارنامہ گردانتے ہیں، ان پر اللہ کی حجت تمام ہوچکی ہے اور اللہ کی بھڑکائی ہوئی جہنم ان کی شدت سے منتظر ہے!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تصریح کی ہے کہ دنیا میں پیش آنے والے تمام

حوادث ایک مربوط ومحکم نظام کے تحت پیش آتے ہیں اوران تمام حوادث میں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی: ''السیف محاء للذنوب'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ کفار ومشرکین کا کشتۂ ستم بن کر جان سے ہاتھ دھونے والا تو شہید ہی ہے اور دشمن کی تلوار اس کے وجود پر کیا لگتی ہے کہ اس کے تمام گناہوں کو مٹا ڈالتی ہے، دوسری طرف جس نے قتل کیا، اس پر گویا اللہ کی حجت تمام ہوگئی کہ آخرت کا عذاب اس کے لئے لکھ دیا گیا۔ بلکہ اگر وہ دنیا کے قانون کی گرفت میں آ گیا تو ان شاء اللہ دنیا بھی اس کی برباد ہوگئی اور آخرت تو برباد ہے ہی!!

چنانچہ جن ظالموں نے مفتی صاحب کو قتل کیا، یقیناً مفتی صاحب نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا تھا، ویسے مفتی صاحب نے کسی کا بھی کچھ نہیں بگاڑا تھا، وہ انتہائی بے ضرر انسان تھے، ایسا انسان تو انسانوں کی نظروں میں محترم ہی ہوتا ہے، انسانوں کے لباس میں ملبوس بھیڑیے اور خونخوار درندے ہی ان کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔

ہمارے مفتی صاحب رحمہ اللہ مظلومانہ خلعتِ شہادت پہن کر اللہ کے ہاں سُرخرو ہوگئے، اُن کا خون میں ڈوبا ہوا وجود اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ وہ مظلوم تھے، ظالم نہیں، وہ اللہ کے دین کے ایک بے لوث خادم تھے۔ درحقیقت اپنے اعمال وافعال کی بنا پر وہ ''دین پوری'' تھے ''دنیا پوری'' نہیں۔

اور بقولِ ظفرؔ

رقم لہو سے ہے تاریخِ دیوبند یہی
کیا ہے زیبِ بدن خلعتِ شہادت کو
کہ جاں لٹا کے ظفرؔ جاں نثارِ دیں ٹھہرے
سلام دین پوریؒ کے وقار و عظمت کو

☆......☆......☆......☆

مفتی محمد روزی خان☆

سراپا علم وتواضع

هيهات لايأتي الزمان بمثله

ان الزمان بمثله لبخيل

یقیناً ہر ذی عقل وشعور کو علم ہے کہ موت وحیات کا چولی دامن کا تعلق ہے، اسی طرح انسانی زندگی اور حادثات کا بھی لازوال اور اٹوٹ رشتہ ہے، اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق جس طرح دنیا حادث اور فانی ہے اسی طرح مافیہا بھی بتقاضائے ''**کل من علیہا فان**'' حادث اور فانی ہے، یہاں خوشی کو بقا ہے نہ غمی کو، اور ذلت کو دوام ہے نہ عزت کو۔

غرض یہ کہ حادثات کا وقوع انسانی زندگی کا حصہ ہے، کچھ اسی طرح کا ایک انتہائی غم واندوہ سے بھرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب کہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ نے درندہ صفت قاتلوں کے ہاتھ جام شہادت نوش فرمایا ''**اناللہ وانا الیہ راجعون**''۔

اس المناک خبر نے ہر خاص وعام کے قلب ودماغ پر سکتہ طاری کر دیا، حضرت مفتی صاحبؒ کی شہادت سے صرف ان کے اہل وخاندان ہی محزون وغمگین نہیں ہوئے، بلکہ ان کے فراق سے ان کے شاگردوں اور دین کے طلبگاروں کا ایک جم غفیر بھی غم والم کے سمندر میں ڈوب گیا، حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے عوام وخواص اور چھوٹے بڑوں میں ایک عظیم مقام عطا فرمایا، آپ کے وجود سے دارالحدیث، دارالافتاء، مسجد کی محراب اور علمی مجالس کو رونق حاصل تھی، آپ بیک وقت درس وتدریس، افتاء، امامت وخطابت اور سلسلہ تصوف جیسے اہم دینی امور کو احسن طریقے سے انجام دیتے رہے، آپ کو ایک فرد نہیں بلکہ ایک دینی تنظیم کی

☆رئیس: دارالافتاء ربانیہ، کوئٹہ

حیثیت حاصل تھی۔

وما کان قیس هلکه هلک واحد

ولکنه بنیان قوم تهدما

اس پرفتن دور میں جب بھی کوئی فتنہ سراٹھاتا تو آپ اس کی سرکوبی کے لئے بے چین ہوتے، جب تک اس کی سرکوبی نہ کرتے آپ کو چین وسکون نہیں آتا۔

علمی لحاظ سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل سے نوازا تھا، آپ ماہر فنون تھے، عرصۂ دراز سے اللہ تعالیٰ نے ان کو درس وتدریس کا سنہری موقع عنایت فرمایا، آپ چوٹی کے عالم تھے، خاص کر فن افتاء میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، جس کی بنا پر آپ عرصہ دراز سے جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے منسلک رہے، اس طویل عرصہ میں آپ کے علوم وتجربات اور فتوؤں سے عوام وخواص بلکہ علمائے کرام اور مفتیانِ عظام بھی مستفید ہوتے رہے، بالخصوص جب کسی جدید مسئلہ پر بحث وتحقیق کے لئے کوئی سیمینار یا علمی مجلس منعقد ہوتی تو شرکاء کی نظریں آپ پر جمی ہوتیں، اور کان آپ کی طرف متوجہ ہوتے کہ حضرت کیا فرمائیں گے، جب آپ کی گفتگو اور تحقیق کی نوبت آتی تو تمام حاضرین بگوشِ دل آپ کی گفتگو نہایت دلجمعی اور توجہ کے ساتھ سنتے اور دل ودماغ کے صندوق میں محفوظ کر لیتے۔

اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بات کرتے تو نہایت اطمینان اور وثوق کے ساتھ کرتے، آپ کی طبیعت اور مزاج پر سادگی غالب تھی، وضع قطع اور حرکت وسکون میں سنت کی پیروی کو اپنا شعار بنایا تھا، جب کوئی زیارت کے لئے آتا تو آپ اکثر کھڑے ہو کر گلے لگانے کی کوشش کرتے، اکثر اوقات اپنی مسند سے ہٹ کر دارالافتاء کے بیچ میں بیٹھتے، گفتار اور رفتار، نشست وبرخاست میں کبھی کسی نے یہ فرق محسوس نہیں کیا کہ یہ مخدوم ہیں، بلکہ آپ ہمیشہ خادم کی طرح رہے اور زیارت کرنے والے کو اپنی طرف سے اکرام قبول کرنے پر مجبور کرتے۔

ایک مرتبہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کے زیر اہتمام ''مناسک حج'' سے متعلق منعقد ہونے والے سیمینار کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ اور ملک کے دیگر جید علماء ومفتیان

عظام کی معیت میں بندہ کو عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، عمرہ کا یہ سفر بظاہر عمرہ کرنا تھا، لیکن سفر کی اصل غرض ''مناسک حج'' کے مواقع بالمشافہ دیکھنے اور اس کا تحقیقی جائزہ لینا تھی، اس سفر میں مختلف مواقع پر مختلف علمی مسائل وامور پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔

حضرت مفتی صاحب کی شہادت صرف اہل کراچی کے لئے نہیں بلکہ پوری مملکت پاکستان کے لئے ایک المناک صدمہ ہے، جس پر پورے ملک کے باشندے بالخصوص دینی حلقے انتہائی متاثر ہوئے اور اس قحط الرجال کے دور میں بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی شہادت قبول اور درجات بلند فرمائیں، اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے پسماندہ گان اور اہل خانہ کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔ (آمین)

اللھم لاتحرمنااجرہ ولا تفتنابعدہ. ☆☆

مولانا مفتی بلال بربری☆

بہت بڑے مفتی صاحب!

بحالت حیات مفتی صاحبؒ کا تذکرہ:

''بڑے مفتی صاحب نے فرمایا ہے، بڑے مفتی صاحب نے بلوایا ہے، بڑے مفتی صاحب نہیں ہیں، بڑے مفتی صاحب آج سبق نہیں پڑھائیں گے، بڑے مفتی صاحب سفر پر ہیں، بڑے مفتی صاحب تشریف لارہے ہیں، استفتا بڑے مفتی صاحب کی جگہ پر ہے، بڑے مفتی صاحب عمرے پر گئے ہوئے ہیں، بڑے مفتی صاحب مدرسہ الٰہیہ گئے ہوئے ہیں، بڑے مفتی صاحب دفتر اہتمام میں ہیں، بڑے مفتی صاحب مدرسہ درویشیہ گئے ہوئے ہیں، بڑے مفتی صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے، بڑے مفتی صاحب شہید ہوگئے ہیں، بڑے مفتی صاحب کا جنازہ نمازعصر کے بعد ہوگا، بڑے مفتی صاحب کا جسد مبارک ان کے گاؤں لے جایا جائے گا، بڑے مفتی صاحب کا جسد مبارک زمین کے حوالے کردیا گیا ہے۔

بعداز شہادت مفتی صاحبؒ کا تذکرہ:

ہیئت حیات بدلی تو منظر بدلا، منظر بدلا تو تذکرے بدل گئے، اب نام گرامی کے ساتھ ہر مرتبہ ''رحمہ اللہ'' کا لاحقہ لگا ہوا ہوتا ہے، بڑے مفتی صاحبؒ یہ فرمایا کرتے تھے، بڑے مفتی صاحبؒ بلوایا کرتے تھے، بڑے مفتی صاحبؒ کی عادت تھی، بڑے مفتی صاحبؒ کا درس یوں ہوا کرتا تھا، بڑے مفتی صاحبؒ آیا کرتے تھے، بڑے مفتی صاحبؒ مدرسہ درویشیہ اور مدرسہ الٰہیہ میں بھی تدریس فرمایا کرتے تھے، بڑے مفتی صاحبؒ اس وقت دفتر اہتمام میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے، الیٰ آخرہ۔ یہ حضرت شہیدؒ کا دولفظوں ''بڑے'' اور ''مفتی صاحب'' کی صورت میں جامع تعارف ہے، جو ان کے سینکڑوں شاگردوں کے ہاں آپؒ کی حیاتِ دنیا میں بھی زبان زد تھا، اور

☆ مدرس: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

حیاتِ شہادت میں بھی اسی طرح، بالکل اسی طرح زبان زد ہے۔ یہ دراصل خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کو خدا کی طرف سے ''پچھلوں میں لسان صدق'' عطا کیے جانے والے انعام کا پرتو ہے، جو اس ولی اللہ کو، خدا کی طرف سے ملا ہے۔ اسی طرح یہ رسول اللہ کو ملنے والے باری تعالے عز اسمہ کی جانب سے ''رفع ذکر'' کے تحفے کا ایک ادنی نمونہ ہے، جو ایک سچے عاشق رسول کو عشق رسول میں اس کی عاشقانہ اداؤں کے بدلے دیا گیا ہے۔

بڑے مفتی صاحبؒ۔ حیات جاوید سے سرفراز:

کہنے کو تو بڑے مفتی صاحب ہم میں نہیں ہیں، اور سچ بھی یہی ہے، لیکن وہ ہم میں ہیں اور یہ جھوٹ ہرگز نہیں ہے، وہ اب صبح سویرے بعد از فجر دار الافتا کے بند دروازے کے پیچھے محوِ مطالعہ بھی نہیں ہوتے، لیکن عین اسی وقت دار الافتا کا بند دروازہ اب بھی بڑے مفتی صاحب کی موجودگی کا پتہ دیتا ہے۔ جامعہ کے دفتر اہتمام میں اب بڑے مفتی صاحب اپنے معمول کے مطابق گاؤ تکیے پر ایک جانب جھکے اخبار نہیں پڑھتے، لیکن آپ کو روزانہ اس ہیئت پر دیکھنے والے اب بھی آپ کو دفتر میں اسی جگہ پر، اسی وقت، اسی انداز کے ساتھ اخبار پڑھتے دیکھتے ہیں۔ صبح آٹھ بجے دفتر اہتمام سے گھر کو جاتے ہوئے دھیمی چال، ہاتھ میں لاٹھی لیے آہستگی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے بڑے مفتی صاحب اب نظر نہیں آتے، لیکن کیا کیجیے کہ اب بھی وہ اسی انداز کے ساتھ واضح طور دکھائی دیتے ہیں۔ ۳۱ جنوری ۲۰۱۲ء کی دوپہر کو جب سے بڑے مفتی صاحب اپنی نشست سے اٹھ کر روانہ ہوئے ہیں، اب آتے نہیں ہیں، سچ تو یہی ہے، لیکن جھوٹ یہ بھی نہیں کہ دار الافتاء کے اندر ہی مفتی صاحب صبح دس سے سوا بارہ بجے تک، دوپہر ساڑھے تین سے پانچ، سوا پانچ بجے تک، بعد از مغرب تا عشاء اور بعد عشاء دیر تک اپنی مخصوص انداز نشست کے ساتھ کبھی ورق الٹتے، کبھی مسکراتے، کبھی اکتاتے، آخر کار قلم اٹھاتے، دستخط کرتے، یا مہر اٹھا کر مہر ثبت فرما رہے ہوتے ہیں۔ واقعی یہ سب عشق ومحبت کی کرشمہ سازیاں ہیں، اس لیے کہ عشق ومحبت کا تعلق چشم خیال اور چشم تصور کو جو قوت اور طاقت دیتا ہے، اس کا تجرباتی اندازہ عشاق کے سوا اور کسی کو ہو بھی کیسے سکتا ہے؟

بڑے مفتی صاحبؒ کے ظاہری خدوخال:

بھرا ہوا چہرہ اور بھرا ہوا بدن، بصارت کی کمزوری کی وجہ سے آنکھوں پر عینک، جو فتاوی کی تصحیح کے وقت اتار دیا کرتے تھے، مہندی رنگ کی نکھار لیے ہوئے سرخ داڑھی، سر پر سفید بے تکلف و بلا تصنع بندھا صافہ جو بلا اہتمام بندھے ہوئے ہونے کے باوجود شخصیت کے باطن کی خوبصورتی سے اپنا حصہ خوب لیے ہوئے، سفید چمکدار مگر سادگی میں بے مثال کپڑے کبھی واسکٹ کے ساتھ اور کبھی واسکٹ کے بغیر زیب تن، گلے میں رنگین رومال، جس کے دونوں اطراف دونوں کاندھوں کی جانب سے سینے کی طرف گرے ہوئے ہوتے، اور ہاتھ میں لاٹھی جو کچھ عرصہ قبل سے گھٹنوں کے عارضے کی وجہ سے ساتھ رہتی تھی۔ ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۳ء تک مفتی صاحب کو بغیر کسی غیر معمولی تبدیلی اسی چہرے بشرے کے ساتھ پایا، البتہ رواں سال ۳۱ جنوری کی افسوس ناک دوپہر کو جب آپؒ کی زیارت ہوئی تو آپؒ کے سفید جوڑے کی بالائی جانب سرخ رنگ سے مزین تھی، یہ وہی سرخ رنگ ہے جو مشام جان کو معطر کرنے والی مشک کی خوشبو سے قیامت کے مہیب میدان کو مہکائے گا، اور بڑے مفتی صاحب سرخ رو ہو کر اپنے مطلوب ومقصود کے دربار میں حاضری کے لیے اپنے عشق کی گواہی ساتھ لیے آگے کی جانب بڑھتے ہوں گے۔

بڑے مفتی صاحبؒ کی صفات وشمائل:

کم سخن اور کم گو لیکن سخن وری، سخن شناسی، اور سخن دانی میں باکمال، طبعاً تنہائی پسند، لیکن جو مجلس میں آجائیں تو اپنے چٹکلوں سے مجلس کی رونق بن جائیں، یوں تو مسکراتا چہرہ لیکن دردمند اشک بہاتا ہوا قلب لیے ہوئے، ظاہری لب ولہجے میں نرم خوئی اور شفقت وعنایت سے بھرپور سینہ، اصحاب شان کے ساتھ بہترین اخلاقی برتاؤ کے ساتھ ساتھ بھرپور استغنا کا حسین امتزاج، چشم پوشی اور عیب پوشی کی خصلتِ نیک کو خوب اچھی طرح اپناتے ہوئے، اگر شرعی مسئلے کے بیان میں کہیں جھول محسوس ہو تو حق موقف کے اعلان میں جرأت مندانہ بے باکی، اور ان تمام باتوں میں سب سے بڑھ کر یہ کہ لاکھ برا چاہنے والوں، باتیں بنانے والوں، عیب کوشوں، اور نکتہ چینوں سب ہی کے لیے بلا امتیاز و بلا قید بے حد اچھا چاہنے والے، اور سب کے حق میں دعا گو رہنے

والے۔

بڑے مفتی صاحبؒ کے خصائص وامتیازات:

اپنے اپنے مذاق اور اپنی اپنی سوچ کے زاویے کے مطابق مختلف اہل علم واہل قلم نے بڑے مفتی صاحبؒ کی گوناگوں خصوصیات کو یاد کر کر کے آنسو بہائے ہیں، کوئی آپؒ کی فقاہت کو یاد کر کے رو رہا ہے، کوئی آپؒ کی سادگی کا سوچ کر سراپا ماتم ہے، کسی کو دارالافتا کے آپؒ کے وجود مسعود سے خالی ہونے کی پریشانی ہے، کوئی آپؒ کے درس کی رونق آئندہ نہ دیکھ سکنے پر آہ وزاری کر رہا ہے اور کوئی آپؒ کے عبادات واشغال دنیا کو بتا کر آپؒ کو یاد کرتا کرتا گھل رہا ہے۔ سب کچھ اپنی جگہ درست ہے، بڑے ہمیشہ ہمہ جہتی صفات کے حامل ہونے کی وجہ ہی سے بڑے بنتے ہیں اور تب ہی ان کی بڑائی تسلیم کی جاتی ہے۔ میں نے بڑے مفتی صاحب میں جن دو بڑی خوبیوں کو لحہ بہ لحہ محسوس کیا، مجھے یہاں ان کا بیان مقصود ہے۔

ایک آپؒ کا نبی کریمؐ کی ذات والاصفات سے عاشقانہ تعلق، اور دوسرا مختلف مناصب اعزاز سے سرفراز ہونے کے باوجود آپؒ کی عجز وانکساری، جس نے آپؒ کو صرف ''بڑے مفتی صاحب'' نہیں بلکہ ''بہت بڑے مفتی صاحب'' بنا دیا، یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں بلکہ درحقیقت یہ اس حدیث رسولؐ کی صداقت کا مظہر ہے، جس میں نبی کریمؐ نے اپنے آپ بڑائی سے گریزاں رہتے ہوئے لوگوں کے آگے پستی دکھلانے والوں کے لیے رفعت وبلندی کی بشارت دی ہے:

من تواضع لله رفعه الله۔

نبی کریمؐ سے بڑے مفتی صاحبؒ کے والہانہ تعلق کے مناظر دورۂ حدیث کے سال ترمذی شریف جلد ثانی کے اسباق میں متعدد بار دیکھے، تخصص سال اول کے سال مقدمہ شامی کے سبق میں چند مقامات پر خصوصی طور پر دیکھے، اور اپنی چند نجی ملاقاتوں میں بھی آپؒ کے اس وصف گرانمایہ کا خوب تجربہ ہوا۔ ترمذی شریف کے درس میں حدیث پاک میں جب بھی محبوب کبریاؐ پر پیش آنے والے مصائب وتکالیف کا یا آپؐ کی محبوبانہ اداؤں کا تذکرہ ہوتا، تو آپ کی آنکھوں کے آنسو پاس بیٹھنے والوں کو دکھائی دیتے اور آپ کی آواز کی گلوگیری دور بیٹھے ہوؤں کو واضح طور پر

سنائی دیتی تھی۔

مقدمہ شامی پڑھاتے وقت کسی مناسبت سے نبی کریمؐ کے روضے مبارک کی بات چل نکلی، تو آپؒ نے روضہ مبارک میں نبی کریمؐ کے قدمین مبارکین کی جانب بیٹھ کر نبی کریمؐ سے راز و نیاز کرنے کا ذکر فرمایا، اس ذکر کے وقت آپ کی چشم پرنم سے آنسو رواں تھے اور آواز غم عشق ومحبت سے اس قدر پر تھی کہ ہم طلبہ کی حالت غیر ہو رہی تھی، فیض کے طلبگاروں کی یہ حالت ہو تو خود منبع فیض کی جو حالت ہوگی وہ وہی جانے اور اس کا خدا جانے۔ اس کے بعد اسی سال جب میں عمرے کے سفر پر روانہ ہونے والا تھا تو میں نے آپؒ سے قدمین مبارکین کے مقام مبارک کی تعیین کے متعلق پوچھا، اس وقت اس مقام کے متعلق رہنمائی کرتے ہوئے بھی آپؒ کی حالت غم عشق سے چور عاشق کی حالت کی تھی، جو تڑپتے دل کے ساتھ اپنے محبوب کی طرف جانا چاہتا ہو۔

کسی بڑے ادارے کے دار الافتاء کی صدارت یا نیابت رئیس کے منصب کی قدر کو سمجھانے کے لیے کوئی عام فہم مثال اگر دی جاسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ رئیس دار الافتاء یا نائب رئیس دار الافتاء اس ادارے کا بالترتیب ''چیف جسٹس'' یا ''چیف جسٹس کے خاص اسٹنٹ'' کی مانند ہوا کرتا ہے۔ چیف جسٹس کو جو بالادستی اور اعزاز حاصل ہوتا ہے وہ عام وخاص نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ بڑے مفتی صاحب عملاً رئیس دار الافتاء اور رسماً نائب رئیس دار الافتاء تھے، لیکن آپؒ نے کبھی یہ باور ہی نہیں ہونے دیا کہ آپؒ اس عظیم منصب پر فائز ہیں۔ مناصب ومفاخر کی جس ثریا پر ہم جیسے غیر مخلص ریا کار نو آموز ایک جست لگا کر پہنچنا چاہتے ہیں، آپؒ نے اس ثریا پر ہونے کے باوجود کبھی زمین والوں کو اپنی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت نہیں دی، نہ کبھی ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا، بلکہ شاید نہ ان کو کبھی حقیر خیال ہی کیا۔ بغیر کسی جاہ وجلال، تزک واحتشام ایک سادہ سی سواری پر دنیا جہاں کی مسافت طے کرتے، روکھے سوکھے کھانے کی دعوت کو دعوت عید کی مانند قبول کرتے، کسی بھی مجلس میں کسی خاص نشست کے خواہاں نظر نہ آتے، آپ کی تواضع کا بارہا اور مختلف مقامات پر خوب مشاہدہ اور تجربہ ہوا۔

بڑے مفتی صاحبؒ کی حیات کا عملی پیغام:

یہ دونوں خصوصیات آپؒ کے چاہنے والوں اور نام لیواؤں کو دو پیغام دیتی ہے، ایک یہ کہ عشق رسولؐ اس راہ کی تمام محنتوں اور کوششوں کا حاصل ہے، اگر یہ حاصل تو سب کچھ حاصل اور اگر یہ نہیں تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں۔ دوسرا پیغام یہ کہ بڑائی و بزرگی بہ تکلف بڑا بننے اور بڑائی جتلانے کی بجائے برضا و رغبت چھوٹا بننے اور واقعی چھوٹا بن کر دکھلانے میں ہے، عظمت و جلالت دراصل تواضع دکھلانے والوں، پست روی اختیار کرنے والوں اور بڑائی و بزرگی نہ چاہنے والوں کا ہی مقدر ہے، یہی راز ہے کہ بڑے مفتی صاحب اپنی بے مثل تواضع کی بنا پر صرف ''بڑے مفتی صاحب'' کہلانے کے نہیں، بلکہ ''بہت بڑے مفتی صاحبؒ'' کہلانے کے بجا طور پر مستحق تھے اور ہیں۔

عظمت و بزرگی والی ذات مجید سے امید ہے کہ وہ خالص بندگی کرنے والے اپنے بندے عبدالمجید کو آخرت میں بھی اپنی رحمت و فضل سے بڑائی کے مقام سے سرفراز فرمائے گی۔

مولانا مفتی عبدالکریم دین پوری☆

علم حدیث وافتاء کا مسند نشین

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کے

۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ کی دوپہر ایک خوفناک پیغام لیکر آئی، جس نے گلشن بنوری کو غمزدہ کردیا، ارباب مدارس ومساجد اور امت مسلمہ کو دکھ اور مصیبت میں مبتلا کردیا گیا، استاذِ محترم، برادرِ مشفق حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید صاحب دین پوری رحمہ اللہ، اپنے دو رفقاء استاذ محترم مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی رحمہ اللہ اور حافظ حسان رحمہ اللہ کے ساتھ خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوگئے۔إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون.

پروردگار عالم نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بے شمار خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا، ایک طرف علوم شریعت میں دست گاہ حاصل تھی تو دوسری طرف علوم طریقت کے اسباق بھی ازبر کئے ہوئے تھے، قدیم علوم کے ساتھ ساتھ عصری اور جدید علوم سے بھی مناسبت رکھتے تھے۔

ابتدائی تربیت ونشوونما:

انسان کی تعمیر وتشکیل میں بنیادی طور پر ابتدائی تربیت اور بچپن کی نشوونما کا اچھا خاصا دخل ہوتا ہے، اگر کسی سعادت مند انسان کو بچپن میں صالح ماحول، قرآن کریم وسنت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی تعلیمات سے بھرپور معاشرہ اور شریعت وطریقت کے اسرار ورموز سے باخبر پاکیزہ نفوس کی آہِ سحرگاہی سے تیار فضا میسر آجائے تو وہ بہت جلد اور تیزی سے روحانی اور عرفانی منازل کی طرف ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔شاعر مشرق نے کیا خوب کہا:

دمِ عارف نسیم صبحدم ہے

☆مدرس ومفتی: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

اسی سے ریشۂ معنیٰ میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اس حوالہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بچپن میں برصغیر کی مشہور عالم خانقاہ ''دین پور شریف'' کا قابل رشک ماحول ملا، دین پور شریف کے قابلِ رشک ماحول کے متعلق عالم اسلام کے ممتاز مفکر، نامور مؤرخ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''غرض ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء کے جون کی کوئی تاریخ تھی کہ میں کراچی میل سے خانپور کیلئے روانہ ہوا، ایک رفیقِ درس اور دوست مولوی محمد موسیٰ سندھی رفیقِ سفر تھے، جو خود بڑے صاحبِ صلاح اور قوی الاستعداد نوجوان تھے، مغرب کو ہم لوگ خانپور پہنچے، وہاں سے دین پور کی طرف روانہ ہوئے، غالباً رات ہی کو حضرت کی زیارت ہوگئی، ایسا منور چہرہ غالباً اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا، نہایت کم گو اور کم سخن بزرگ تھے...... دین پور کی دنیا ہی نرالی تھی، وہ صحیح معنیٰ میں ''دین پور'' تھا، قادری طریقہ پر ذکرِ جہر سے مسجد و خانقاہ اور بستی ہر وقت گونجتی رہتی تھی...... اسی طرح اذان، ذکرِ جہر اور صدائے الا اللہ کے سوا کوئی اور بلند آواز سننے میں نہ آتی، یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جس میں صرف حضرت اور حضرت کے متعلقین آباد تھے، نیم خام نیم پختہ چند مکانات جن کی تعداد شاید پانچ یا سات سے زیادہ نہ ہو، ایک سادہ سی مسجد، چند خام حجرے ذاکرین کیلئے، کچھ کھجوروں کے درخت جن کو دیکھ کر عرب کے بادیہ کی بستیاں یاد آتی ہیں، آب و ہوا بھی بادیۂ عرب سے ملتی جلتی تھی، مقیمین خانقاہ کے لئے ایک لنگر تھا، جس میں خالص سندھی اور بہاولپوری مذاق کا ایسا کھانا تیار ہوتا جو قوت لا یموت کا صحیح مصداق تھا اور ہم اودھ کے نازک مزاج مہمانوں کیلئے اس کا کھانا بڑا مجاہدہ اور امتحان تھا......''

(پرانے چراغ، تذکرۂ مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، ج:۱، ص:۱۴۸، ۱۴۹، ط: مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۵ء)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے بزرگوں کے قائم کردہ اس مبارک ماحول میں آنکھیں کھولیں اور فطری طور پر اس ماحول میں رنگتے چلے گئے، ظاہری علوم بھی آپ نے اپنے وقت کے اکابر علماء سے حاصل کئے۔

فراغت وإفتاء:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فراغت حاصل کی، پھر جامعہ میں مفتی اعظمِ پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کے کے زیر نگرانی تخصص فی الفقہ الاسلامی کیا، فقہ وفتاوی نویسی میں اللہ تعالی نے حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کو خاص مہارت عطا کی تھی اور علوم فقہ وفتاوی سے انسیت، محبت کا گہرا تعلق تھا، علوم فقہ سے شغف کے متعلق شہیدِ اسلام استاذِ محترم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

> ''ہمارے مفتی ولی حسن مرحوم کا ابھی رمضان میں انتقال ہوا ہے، مجھ سے فرماتے تھے کہ میں جب فقہ کی کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا لطف آتا ہے جیسے لوگوں کو ناول افسانے پڑھنے میں آتا ہے۔''

(اصلاحی مواعظ، حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ، قرآن کریم سیکھ کر پڑھنے کے فضائل، ۵/۲۴۷، ط: مکتبہ لدھیانوی کراچی)

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ نے اپنا خداداد فقہی ملکہ اپنے شاگردوں میں منتقل فرمایا، جنہوں نے فقہ وفتاوی کے میدان میں امت مسلمہ کی بھرپور راہنمائی کی، آپ کے ممتاز شاگرد تو بہت ہیں، چند کے نام حسب ذیل ہیں: حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہم، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم، حضرت مولانا رضاء الحق صاحب اور حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ۔

درس وتدریس:

علوم کی تکمیل وتحصیل کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علوم کی نشرواشاعت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، مختلف مدارس وجامعات میں خدمات سرانجام دینے کے بعد بالآخر اپنی مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن میں تشریف لے آئے، راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے "الھدایہ للمرغینانی" جلد رابع پڑھی ہے، ہدایہ کے مطالب ومسائل کی تشریح وتوضیح کرتے وقت کتاب کی طرف بالکل نہیں دیکھتے تھے، طلباء اس سے اندازہ لگالیتے کہ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو ہدایہ حفظ ہے، صرف لفظی ترجمہ کرتے وقت کتاب کی عبارت پر نظر رکھتے، اندازِ درس بہت ہی دل نشین ہوتا، بسا اوقات آواز کے زیر و بم سے پرزور خطابت کا گمان ہونے لگتا، ہدایہ میں درج مسئلے کی ترجمانی وتشریح مکمل ہوتی اور استاذِ محترم رحمہ اللہ سانس لینے کیلئے ذرا توقف فرماتے تو بسا اوقات طلباء کی زبانوں سے بے ساختہ سبحان اللہ کی آوازیں نکلنے لگتی۔

اخلاق وعادت:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تواضع وانکساری کا پیکر تھے، گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے، یوں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت پر عمل کرتے تھے، رشتہ داروں کے حقوق کی بھرپور رعایت فرماتے، صلہ رحمی کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس بارے میں اپنی مصروفیت اور راحت کی بھی قربانی پیش کردیتے تھے، ایک مرتبہ سحری کے وقت رات کے آخری حصے میں موٹرسائیکل پر سوار ہوکر ناظم آباد میں اپنے چھوٹے بھائی کے گھر عیادت کیلئے تشریف لے گئے اور راقم الحروف کو بھی ساتھ لے کر گئے۔

راقم الحروف زمانہ طالب علمی میں جب بیمار ہوتا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ دارالاقامہ میں کمرے میں آکر عیادت فرماتے تھے، اپنے عزیز شاگردوں سے حد درجہ محبت فرماتے تھے، ان کی تربیت اور اصلاح کی فکر رکھتے تھے، جامعہ اشرفیہ سکھر میں دورانِ تدریس حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ معمول بھی رہا کہ جمعۃ المبارک کے دن بنفس نفیس ایک بڑے برتن میں میٹھی چیز (حلوہ) پکاتے اور اپنے عزیز شاگردوں کو کھلاتے تھے، شہادت کے دن بھی اپنے متعلقین کے تعلقات نبھانے کی خاطر سفر کی تیاری مکمل تھی اور تعزیت کیلئے اندرونِ سندھ سفر کرنا تھا۔

وقت کی قدر:

انسانی زندگی کا سب سے قیمتی خزانہ وقت ہے، ہر دور میں اہل علم وکمال وقت کی قدر کرتے چلے آئے ہیں، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی وقت کی بڑی قدر فرماتے تھے، اوقاتِ زندگی کو تول تول کر خرچ کرتے تھے، عبادات ومعمولات اپنے وقت پر ادا فرماتے تھے، فتاوی پر دستخط کرتے وقت ہونٹ ذکر الٰہی سے حرکت کررہے ہوتے تھے، مقصد یہ ہوتا تھا یہ قیمتی وقت صرف

دستخط کرنے میں نہ صرف ہوجائے بلکہ یادِالٰہی کی حلاوت بھی محسوس ہوجائے، اپنے مقام پر رہتے ہوئے تو معمولات کا پورا کرنا اور وقت کو تول تول کر خرچ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، مگر بہت کم لوگ سفر میں بھی اپنے معمولات جاری رکھتے ہیں، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ چند بار کراچی سے خان پور تک سفر کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے، دوران سفر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کسی نہ کسی علمی مشغلے میں مصروف رہتے، بسا اوقات امتحانی پرچے ملاحظہ فرماتے رہتے۔

اخیر میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ایک خوبصورت ادا کا ذکر کرتا ہوں، جس کے دامِ سحر سے شاید ہی کوئی بچ نکلا ہو اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا گرویدہ نہ ہوا ہو، وہ ادا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کثرتِ تبسم ہے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے جب بھی ملاقات ہوتی تو اپنی دل آویز مسکراہٹ سے استقبال کرتے تھے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ عمل بھی اتباع سنت نبوی کی روشنی میں تھا۔

جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ''**ولا رانی الاتبسم**'' (مشکوۃ المصابیح، باب الضحک، ص:۴۰۲، ط: قدیمی کراچی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی مجھے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، اللہ رب العزت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کی جسمانی و روحانی اولاد اور اہل وعیال کو صبر وسکون کی دولت سے مالا مال فرمائے اور ہمیں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نقش قدم پر علمی اور عملی زندگی بسر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع نہ ہوجائے گا، لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرفِ بہاراں ہوتے ہیں
جو حق کی خاطر جیتے ہیں، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقتِ شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

☆......☆......☆......☆

مولانا گل احمد الاظہری☆

اہل علم کی شہادتیں......قرب قیامت کی علامت

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہٖ الکریم۔

سرور کائنات امام الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی کہ علم دین اٹھ جائے گا اور ہر طرف جہالت کا دور دورہ ہوگا۔

عن انس قال: سمعت رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ يقول: ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم و يكثر الجهل و يكثر الزنا و يكثر شرب الخمر و يقل الرجال و يكثر النساء حتىٰ يكون لخمسين امراةً القيم الواحد، وفي رواية: يقل العلم و يظهر الجهل۔ [متفق عليه]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی نشانیوں سے ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہالت بڑھ جائے گی، زنا کی کثرت ہوگی، شراب بہت پی جائے گی، مرد گھٹ جائیں گے اور عورتیں بڑھ جائیں گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی نگرانی کرنے والا ایک مرد ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ علم گھٹ جائے گا اور جہالت غالب آجائے گی۔ [متفق علیہ]

بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں آتا ہے: **عن ابی موسیٰ قال: قال النبی صلى الله عليه وسلم: ان بين يدى الساعة لاياماً ينزل فيها الجهل ويرفع فيها العلم ويكثر فيها الهرج، والهرج القتل.** [بخاری شریف]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت سے پہلے ایسے دن آئیں گے، جن میں جہالت چھا جائے گی، علم اٹھ جائے گا اور ہرج یعنی قتل عام ہو جائے گا۔

علم کو اٹھائے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ علماء رفتہ رفتہ ختم ہوتے جائیں گے، چنانچہ اس کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی:

☆خطیب: مدنی مسجد، چکوٹھی، آزاد کشمیر

عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ان الله لایقبض العلم انتز اعاینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتیٰ اذالم یبق عالماً اتخذ الناس رؤوساً جهالاً فسئلوا؟ فافتوا بغیر علمٍ فَضلوا واَضلُّوا۔[بخاری ومسلم]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ علم کواس طرح قبض نہیں کرے گا کہ اسے بندوں سے یک بیک کھینچ لے، بلکہ علماء کواٹھا کرعلم کوقبض فرمائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسائل پوچھیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، لہٰذا خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بیان کرتی ہے کہ سابقہ مطلق حدیثوں میں علم کے قبض کئے جانے سے مراد اس کا حفاظ کے سینوں سے مٹا دینا نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ حاملانِ علم مرجائیں گے اور لوگ جاہلوں کو مقرر کرلیں گے، جو اپنی جہالتوں سے فیصلہ کریں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔[شرح نوی مسلم]

احادیث مبارکہ میں علم اٹھ جانے سے مراد دین کا علم ہے، یعنی وہ علم جو انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ''العلماء ورثة الانبیاء'' کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جاتا ہے اور جہالت بڑھ جاتی ہے۔ جہاں تک دنیاوی علم کا معاملہ ہے تو اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور احادیث میں یہ علم مراد نہیں ہے، اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''پھر ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے، لہٰذا خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے'' اور گمراہی اس وقت ہوتی ہے جب دین کے سلسلے میں جہالت پیدا ہوتی ہے اور حقیقی علماء وہ ہوتے ہیں، جو اپنے علم پر عمل کرتے ہوئے امت کی رہنمائی کرتے ہیں، انہیں حق وہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں۔

ان گزشتہ چند سالوں میں وطن عزیز کی مقتدر علمی وروحانی شخصیات کچھ تو اپنی طبعی موت سے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرگئیں، جب کہ اکثریت ایسے علماء، فضلاء،

محققین، مدرسین ومشائخ طریقت کی ہے جو باطل قوتوں کی سرکوبی کی بناپر دہشت گردی کا نشانہ بنے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ یہ سانحات معمولی نہیں۔''موت العالم موت العالم ''ایک عالم کی موت کو سارے جہان کی موت قرار دیا گیا ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں علماء کا یکے بعد دیگرے اس دنیا سے چلے جانا یقیناً عالم اسلام کا بہت بڑا نا قابل تلافی نقصان ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ برصغیر پاک وہند میں خدمت دین کا جو کام اللہ نے دارالعلوم دیوبند کے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض یافتہ علماء ومشائخ سے لیا ہے وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آیا۔ درس وتدریس ہو یا وعظ وتبلیغ اوراصلاح باطن، باطل فرقوں کی سرکوبی ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، یہی وہ خوش قسمت افراد ہیں کہ ہر میدان میں آپ کو نمائندگی کرتے نظر آئیں گے۔

دارالعلوم دیوبند ایک ادارہ تھا جو تقریباً پونے دوسو سال قبل معرض وجود میں آیا، آج بفضلہٖ تعالیٰ پوری دنیا میں اس کا فیض پہنچ چکا ہے، سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مدارس دینیہ کا جال بچھا ہوا ہے اوران کے فضلاء بلاخوف لومۃ لائم ہر تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ تحریک آزادی ہند ہو یا تحریک آزادی پاکستان، تحریک ختم نبوت ہو یا تحریک ناموسِ صحابہ واہل بیتؓ، تحریک کشمیر ہو یا جہاد افغانستان، ان تمام تحریکوں کی قیادت بھی اسی طبقہ فکر کے حصے میں آئی ہے، ان تحریکوں کی صرف قیادت ہی نہیں کی بلکہ جانوں کے نذرانے پیش کرکے ان کو جلا بخشی ہے۔''ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء''۔

کراچی جو پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے اور بلا مبالغہ یہ علم اور علماء کا شہر ہے۔ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ، محقق دوراں حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ، یادگار اسلاف حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ جیسی شخصیات نے یہاں جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، جامعہ دارالعلوم کراچی، جامعۃ الرشید، جامعہ فاروقیہ جیسے اداروں کی بنیادیں رکھیں جو بین الاقوامی طرز کی اسلامی یونیورسٹیوں سے کسی بھی صورت میں کم نہیں۔ ہزاروں علماء وفضلاء ان جامعات سے فراغت کے بعد ملک کے طول وعرض اور بیرون ممالک خدمت دین میں مصروف ہیں۔ دین دشمن قوتوں کو ان اداروں کی سرگرمیاں برداشت نہیں ہو رہی تھیں، جس کی بناپر

ایک منظم سازش کے تحت بہت تھوڑے عرصہ میں کراچی کے مقتدر علماء کو شہید کر دیا گیا۔

۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء کو جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذِ حدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اپنے ایک ساتھی مفتی محمد صالحؒ اور ایک طالب علم سمیت دہشت گردی کا نشانہ بنے اور جامعہ ہذا کے شہداء میں اپنا نام رقم کر کے زبان حال سے فرما گئے!

ہماراخوں بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ ایک عالم باعمل، شیخ طریقت اور عظیم محقق تھے، وہ اخلاق وکردار، زہد وتقویٰ، علم وعمل میں اکابر علماء حق کا نمونہ تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان جیسے حضرات کی کمی صدیوں بعد بھی پوری نہ ہو سکے گی۔

قحط الرجال کے اس دور میں ایسے مخلص افراد کا ملنا مشکل ہے، جو انتہائی نامساعد حالات میں ایک طرف پوری دنیائے کفر یہود ونصاریٰ اور ان کی ہمنوا دیگر لادین قوتیں مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں اور آئے دن سازشوں میں مصروف ہیں۔ یہی علماء حق ہیں جو ان قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے ہیں، جان کی پرواہ کیے بغیر عامۃ المسلمین کو ان سازشوں سے بچانے کی سعی فرمارہے ہیں۔

منکرین ختم نبوتؐ، منکرین اصحاب رسولؐ، منکرین حدیث جیسے گروہوں نے جنم لیا تو بفضلہٖ تعالیٰ علماء ربانیین نے ان گروہوں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا، اسی پاداش میں انہیں نہ صرف قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، بلکہ سینکڑوں نہیں ہزاروں جانیں پیش کر کے ناموس رسالتؐ اور ناموس اصحاب رسولؐ کا دفاع کیا اور اپنے عمل سے ثابت کیا

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

مولانا قاضی نعیم اللہ غفاری☆

علم وعمل کے شناور کی شہادت!

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو ہمہ خنداں بدند و تو گریاں
آنچناں زی کہ وقتِ رفتنِ تو ہمہ گریاں بوند وتو خنداں

ترجمہ:......’’اے انسان! کیا تجھے یاد ہے کہ جب تیری پیدائش ہوئی تو تو رورہا تھا اور تمام لوگ خوشی سے مسکرارہے تھے۔ اب تو اپنی زندگی اس انداز سے گزار کہ جب اس دنیا سے تیری رخصتی کا وقت آئے تو تُو ہنستا مسکراتا ہو اور لوگ تیری خوبیوں کو یاد کر کے رورہے ہوں‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے اس کرۂ ارضی کو نفوسِ قدسیہ اور اپنے نیک بندوں سے کبھی خالی نہیں رہنے دیا، ایک کے وصال وشہادت کے بعد دوسری شخصیت اس خلا کو پُر کرنے کا موجب بنتی رہی ہے...... چنانچہ امتِ مسلمہ کی تاریخ کے اوراق اس پر شاہدِ عدل ہیں کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اولیاءؒ، اتقیاء، صلحاء اور علماء کرام اپنے اپنے ادوار میں مطلع گیتی پر چمکتے ستاروں کی مانند تھے اور یکے بعد دیگرے ان کی جلوہ نمائی تسبیح کے دانوں کی مانند رواں دواں رہی ہے۔

لاکھوں علماء وفضلاء پیدا ہوئے اور اپنے نورانی آثار دنیا کے لئے چھوڑ گئے، لیکن ایسی شخصیات معدودے چند ہیں جن کا فیض عالمگیر اور محبوبیت عام قلوب کی امانت ہو اور جن کے علوم کے ساتھ اعمال سے بھی امت نے بھر پور استفادہ کیا ہو، غرض یہ کہ برصغیر پاک وہند میں ہمارے اسلاف، دین، علوم وفنون اور شریعت وطریقت کے امور میں منفردانہ خصوصیات کے حامل اور مطلع ملی پر شمس وقمر کی مانند تابناک تھے۔

انہیں معدودے چند شخصیات میں ہمارے اسلاف ومحقق علماء کرام کی صف میں عالم بے بدل، فقیہ زماں، نمونۂ اسلاف، شیخ الحدیث اور بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث ونائب رئیس

☆فاضل: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

دارالافتاء، استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی ذات گرامی بھی تھی، جن کے چشمۂ دینی وشرعی اور علوم ومعارف اور مسائل کے جوابات سے سینکڑوں متلاشیان حق کو راہِ نجات ملی اور تشنگانِ علوم نبویہ خوب خوب سیراب ہوئے، موسم سرما کی دوپہر، دورالوداع کہتی خنکی اور دھیرے دھیرے پھیلتی دھوپ میں، روشنیوں کے شہر، کراچی کی اہم ترین شاہراہ فیصل پر، موسم بہار کے ماہ کی ۱۸/تاریخ بمطابق ۳۱/جنوری کو گلشن بنوری کے گلِ سرسبد کو انتہائی بے دردی کے ساتھ دیگر دو ساتھیوں سمیت شہید کردیا گیا۔إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

ایسی ہستیاں جو صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں اور صدیوں کو اپنے علم وعمل اور فن سے رنگین کر جاتی ہیں، ایسی مبارک ہستیاں نہ کسی تعارف کی محتاج ہیں اور نہ کسی تاریخ کی دستِ نگر، ان کی حقیقی تاریخ سینہ بہ سینہ چلتی ہے، جو ان کے تلامذہ اور مآ ثر علمی کی صورت میں ہمیشہ دائر وسائر رہتی ہیں۔

یہاں ان کے تذکرے کا مقصود صرف ان کے خوشہ چینوں میں اپنے آپ کو شامل کر کے ان کی نکھری ہوئی زندگی کے اوراق کو اجاگر کرنا ہے کہ شاید کسی کی نجات کا ذریعہ بن جائے۔اس لئے اب آپ حضرات حضرت مفتی صاحبؒ کی مختصر سوانح وافکار کو پڑھیں۔کوئی بھی صاحب علم ومعرفت جب دنیا سے کوچ کرتا ہے تو پھر بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ''اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی'' اس لئے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ: اہل علم کا اٹھ جانا، علم کے اٹھائے جانے کے تکوینی تسلسل کا ایک حصہ ہے۔

ہمارا المیہ صرف یہ نہیں کہ یہاں علم وعرفان کے چراغ ایک ایک ہوکر بجھتے چلے جارہے ہیں، بلکہ ہمارا دکھ اور درد یہ ہے کہ یہاں چراغ بجھائے جارہے ہیں، اندھیروں کے تاجروں نے روشنی کے مینار گرانے کا سلسلہ تیز کردیا ہے اور پوری پاکستانی قوم کو ایک منظم سازش اور منصوبہ کے تحت تاریکی کی جانب دھکیلا جارہا ہے۔خصوصاً جامعہ بنوری ٹاؤن جسے اللہ نے بہت زیادہ قبولیت سے بھی نوازا ہے اور سب سے زیادہ قربانیاں بھی اسی جامعہ کے فرزندانِ توحید نے دی ہیں، یا یوں کہہ دیجئے کہ ان کے حصے میں آئی ہیں دشمن کی نظر اسی پر ہے۔

کام میں انہماک:

بندہ کو ابھی تک وہ منظر نہیں بھولتا، ہر وقت آنکھوں کے سامنے گردش کرتا رہتا ہے کہ جب حضرت مفتی صاحبؒ دار الافتاء میں اپنی مسند پر بیٹھتے تو بہت سے فتوے آپ کے منتظر ہوتے، فتوؤں کی تصحیح، تخصص والوں کی تربیت، میں کئی مرتبہ ویسے ہی ساتھ جا کر بیٹھ جاتا اور کوئی نہ کوئی مسئلہ پوچھتا رہتا تو فوراً مجھے بھی میرے سوال کا جواب دیتے جاتے، ادھر کتابوں کا مطالعہ اور فتوؤں کی تصحیح اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ ادھر نو مسلموں کو کلمہ پڑھوانے کا اہتمام اور پھر ان کی تصدیقات کو مکمل کروانا۔ پھر میری طرف دیکھتے تو میں کوئی اور سوال پوچھ بیٹھتا، اس کا بھی جواب فوراً مل جاتا اور مجھے کبھی یہ نہ کہتے کہ تو بعد میں سوال پوچھ لیا کر یا ابھی کام زیادہ ہے۔ پہلے تو میں مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ سے کوئی سوال پوچھتا تو وہ فوراً اشارہ کر دیتے کہ چونکہ تم نے تحقیقی جواب لینا ہے، لہٰذا مفتی صاحبؒ سے جا کر پوچھ لو، تو میں مفتی ابوبکر صاحب سے سرک کر حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے جا بیٹھتا، یوں آپ کے کام میں انہماک کا مشاہدہ کرتا رہتا۔

اندازِ تدریس:

ویسے تو حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کی ساری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی، لیکن تدریس کا انداز آپ کا انتہائی مشفقانہ و مربیانہ ہوتا تھا، ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ چٹکیوں میں آپؒ مشکل عبارات کو طلباء علوم نبویہ کے ذہنوں میں بٹھا دیتے تھے۔

حضرت مفتی شہیدؒ کے درس کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ جہاں درس میں آپؒ فقہی بانکپن اور فقیہانہ نکتہ رسی کرتے تھے، وہاں آپؒ کا خطیبانہ انداز بھی کمال درجے کا ہوتا تھا، بعض دفعہ کسی فقہی مسئلے یا ہدایہ ج:۳، کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے الفاظ اور جملوں کی ترتیب اور نشست و برخاست اس دلکش طرز پر اختیار کرتے کہ بے اختیار کسی شاندار خطبے کا گمان ہونے لگتا اور طلبہ بھی بے اختیار ''سبحان اللہ'' کہہ اٹھتے، عربی، فارسی اور اردو کے اشعار، علمی لطائف اور بزرگوں کے واقعات بھی موقع محل کی مناسبت سے بیان فرماتے، جس سے ان کے درس میں ایک خاص قسم کی شگفتگی محسوس ہوتی۔

طلباء سے حسنِ سلوک وشفقت:

حضرت مفتی صاحبؒ طلباء سے انتہائی حسن سلوک اور شفقت سے پیش آتے، کبھی بھی آپؒ کو طلبا پر بے جا غصہ یا ان کی گوشمالی کرتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ اگر کوئی طالب علم بار بار بھی ایک ہی سوال کرتا تو اس کو آخری بار بھی اسی خندہ پیشانی سے جواب دیتے جس طرح پہلی دفعہ دیا ہوتا، دیگر اساتذہ کی طرح آپؒ کے چہرے پر ہر وقت ہم نے مسکراہٹ بکھرتے دیکھی اور آپ کو ہنستے ہوئے پایا۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ بنوری ٹاؤن میں درجہ عالیہ کی درسگاہ میں چارپائی پر لیٹے مفتی شہیدؒ کا چہرہ بے رحم قاتلوں کو گالیاں کھا کر بھی مسکراتے ہوئے موسم بہار کے سندیسے دے رہا تھا اور گردنواح کے حالات وواقعات سے بے نیاز ہو کر آپؒ نے یوں آنکھیں موندی ہوئی تھیں کہ جیسے ابھی کھلیں گی اور آپؒ فتویٰ لکھنا شروع کر دیں گے۔

جو بھی طالب علم آپؒ کو راستے میں سلام کرتا تو آپؒ صرف ''سرسری'' سلام کا جواب دے کر آگے نہ بڑھ جاتے، بلکہ وہیں رک کر انتہائی خندہ پیشانی سے اس طالب علم کا حال احوال اور تعارف پوچھتے، پھر آگے بڑھتے، اگر کوئی طالب علم اپنی ضرورت لے کر حاضر ہوتا تو اس کی ضرورت کو پورا فرماتے۔ ہم نے بھی بہت دفعہ خصوصاً وقفے (بریک) کے دوران اس کا مشاہدہ کیا کہ جب ہم بنوری ٹاؤن کے مین گیٹ کے اندر وضوخانے کے قریب کھڑے ہوتے اور حضرت مفتی صاحبؒ مغربی دروازے سے اندر داخل ہوتے تو ہم آگے بڑھ کر سلام کرتے، اگر مفتی صاحبؒ کو جلدی بھی ہوتی تب بھی ہر ایک کی طرف رخ پھیر کر اسکا حال پوچھتے اور وہیں کوئی نہ کوئی چٹکلہ یا لطیفہ سناتے اور پھر آگے بڑھتے تھے، طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے۔

زہد وتقویٰ:

زہد وتقویٰ میں بھی مفتی صاحبؒ اپنی مثال آپ تھے۔ عبادات کا ذوق وشوق آپ کی رگ رگ میں رچا بسا ہوا تھا، کبھی بھی مشتبہ مال کے قریب آپ نہ گئے۔ ساری زندگی تقویٰ کے اندر گزاری، تقویٰ کا مفہوم ہمارے مشائخ یہ بیان کرتے ہیں کہ ''تقویٰ کسی چیز کے کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ نہ کرنے کا نام تقویٰ ہے'' یعنی جن چیزوں اور جن کاموں سے اللہ اور اس کے

رسول نے منع فرمایا ہے انسان ان سے رک جائے، یعنی ان کو نہ کرے یہ آدمی متقی ہے تو حضرت مفتی صاحبؒ بھی منہیات کے قریب بھی نہ جاتے تھے۔

تہجد اور تلاوت کا اہتمام:

ارشاد ربانی ہے: "یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے" یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی شہیدؒ کی زبان ہر وقت اللہ کے ذکر یعنی قرآن کریم کی تلاوت سے رطب اللسان رہتی تھی، کثرت کے ساتھ آپؒ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ بیک وقت مختلف شکلوں میں آپؒ قرآن کریم کو مکمل کیا کرتے تھے۔

اسی طرح نماز تہجد کا بھی آپؒ اہتمام فرماتے تھے، حتی کہ سفر میں بھی آپ نے تہجد کی نماز کبھی قضا نہ کی۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی شہیدؒ کے برادر صغیر قاری عبدالحی صاحب دین پوری بتا رہے تھے کہ جب ہم طالب علم تھے تو ایک مرتبہ کراچی سے خانپور بذریعہ ٹرین سفر کر رہے تھے، رات کا وقت تھا ہم گاڑی میں ہی سو گئے مفتی صاحبؒ بھی ہمراہ تھے، اچانک آدھی رات گزرنے کے بعد میری آنکھ کھلی تو دیکھا بھائی جان نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے پوچھا کہ کیا حضرت فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ فرمایا: "نہیں، ابھی ساڑھے تین بجے ہیں۔" تو اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ تہجد کے نوافل ادا کر رہے تھے، تو اتنا اہتمام تھا نماز تہجد کا بھی، واقعی حضرت مفتی صاحبؒ اکابرین کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔

عاجزی وانکساری کا پیکر:

حضرت مفتی شہیدؒ کے اندر انتہائی درجہ کی عاجزی تھی، پھر یہ عاجزی بوقتِ نماز مزید نمایاں ہو جاتی، خصوصاً دعا کے وقت ایسی حالت ہوتی جیسے کوئی بھکاری بہت عاجزی کے ساتھ بادشاہ کے گھر پر صدا لگا رہا ہو، یا کوئی غلام آقا کے سامنے اگر کوئی بزرگ آپ کے سامنے تشریف لے آتے تو اس کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھتے، اپنے طلباء سے گھل مل کر رہتے کبھی بھی اپنے آپ کو اونچا نہیں سمجھا۔

محبوبیت:

ہر طالب علم کو اپنے معلم ومربی اور اپنی درسگاہ سے پیار ہوتا ہے، ہر مرید کو اپنے پیرو شیخ سے محبت ہوتی ہے، مگر جو محبت حضرت مفتی صاحبؒ سے طلباء اور ان کے متعلقین کو تھی کہ جس پر طلبہ پروانوں کی طرح حضرت پر فدا ہوتے تھے، ایسی محبوبیت کسی میں نہیں دیکھی۔

طلباء سے بےلوث محبت:

اسی طرح حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کو بھی اپنے طلباء سے بےلوث محبت تھی، بلکہ آپ اس حدیث کا مصداق تھے کہ ''جو مسلمان کسی مسلمان سے اللہ کی رضا کے لئے محبت کرتا ہے، اللہ اس کو عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے''۔ آپؒ کو اگر کسی طالب علم کے بارے میں پتہ چل جاتا کہ وہ بیمار ہے تو اس کا حال احوال پوچھتے یا کوئی کسی بھی مصیبت وتکلیف میں مبتلا ہوتا تو اس کے متعلق آپ پوچھتے رہتے تھے۔

علمائے دیوبند کی تمام جماعتوں سے محبت:

حضرت مفتی صاحبؒ مزاجاً بہت ہی معتدل انسان تھے۔ علماء دیوبند کی تمام جماعتوں سے دلی طور پر محبت فرماتے تھے، لیکن زبان پر کبھی اس کا تذکرہ نہ فرماتے، خصوصاً ختم نبوت اور ناموس صحابہؓ کے دفاع کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے لئے ہر وقت دعا گو رہتے اور ان تمام جماعتوں کے بڑوں، بزرگوں کی بے حد عزت اور توقیر بجالاتے تھے اور ہر ایک سے اکرام والا معاملہ فرماتے تھے۔

صبر وشکر اور تسلیم ورضا کا پیکر:

اللہ پاک نے حضرت مفتی صاحب شہیدؒ کو صبر وشکر اور تسلیم ورضا کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ کبھی بھی کسی واقعے پر چہرے پر حزن وملال کو نہیں آنے دیا، بلکہ ہر مصیبت پر صبر وشکر اور تسلیم ورضا کا پیکر بنے رہے، کبھی بھی کسی آدمی سے ذکر نہ کیا کہ آج مجھے یہ تکلیف ہوئی یا یہ مصیبت مجھ پر آن پڑی اور کسی کے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا کہ میری انکم کم ہے اور خرچ زیادہ ہے، بلکہ جو بھی وقت آیا اس کو ہنسی خوشی سے برداشت کیا۔

کتابوں کا ادب:

عربی کا مقولہ ہے: ''الدین کلہ ادب'' کہ دین سارا کا سارا ادب کا نام ہے، اس لئے کہا جاتا ہے: ''باادب بانصیب، بےادب بےنصیب'' الحمدللہ! ہمارے مدارس میں یہی چیز شروع دن سے طلباء کے ذہن میں ڈالی جاتی ہے کہ آپ نے ہر ایک کا، ہر چیز کا، ہر متعلقہ بندے کا ادب کرنا ہے، حتیٰ کہ جس تپائی پر کتابیں رکھی جاتی ہیں، ہمارے ہاں اس کی طرف پاؤں کرنے کا تصور تک نہیں ہے، اس لئے یہی چیز حضرت مفتی صاحبؒ کے اندر بندہ نے اپنی آنکھوں سے ''دارالافتاء'' میں دیکھی کہ آپ کتابوں کا خوب ادب کرتے تھے۔ کبھی کسی حدیث پر فقہ کی کتاب نہیں رکھی اور پھر تمام کتابوں کو بڑی ترتیب کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے رکھا کرتے تھے۔

احساسِ ذمہ داری:

آج ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہے، بلکہ ہر کوئی وقت پاس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آج پرائیویٹ اداروں یا حکومتی سرپرستی میں کام کرنے والوں کے اندر دیکھ لیجئے، یہ چیز ان میں نظر نہیں آتی، کاش کہ آج بھی اگر ہر شخص اپنی ذمہ داری کا احساس کرلے تو ہمارا ملک ترقی پذیر ممالک میں شامل ہوسکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ میں یہ چیز بہت تھی کہ آپ نے کبھی بھی اسباق کا ناغہ نہ کیا، جو بھی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی اس کو خوب خوب نبھایا۔ بندہ نے کئی مرتبہ آپ کو اپنی مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے پیدل جاتے ہوئے دیکھا۔ یہ چیز بھی اللہ نے آپ کے اندر ودیعت رکھ دی تھی یعنی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا۔

بیعت کا تعلق:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے لکھا ہے کہ: ''پہلے ہم طلباء کو بیعت کرنے سے منع کرتے تھے، لیکن اب حالات ایسے پیدا ہوگئے ہیں کہ ہم انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ دورانِ طالب علمی کسی شیخ طریقت سے بیعت ضرور ہوں، کیونکہ جس طرح انسانی جسم کے لئے غذا کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح روحانی جسم کے لئے بھی کسی شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح غذا

جسم کے لئے ضروری ہے، تو اسی طرح روح کو پاکیزہ بنانے کے لئے پیر طریقت کی تربیت بھی ضروری ہے، اللہ نے قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی بیان فرمایا کہ ''ویزکیھم'' آپ ﷺ ان صحابہؓ کا تزکیہ کرتے ہیں، یعنی ان کے دلوں کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کرتے ہیں۔''

حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کا تعلق خانوادۂ دین پور شریف کے اجل سجادہ نشین حضرت مولانا میاں سراج احمد دین پوری صاحب دامت فیوضہم سے تھا۔ شہادت سے کچھ دن قبل آپؒ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت میاں سراج احمد صاحب نے فرمایا: ''فلاں فلاں ذکر کیا کرو'' مفتی صاحب نے عرض کیا کہ: ''حضرت وہ تو میں کرتا ہوں'' حضرت نے فرمایا: ''اچھا! آنکھیں بند کرو'' مفتی صاحب نے آنکھیں بند کیں، حضرت نے توجہ دینی شروع فرمائی تو چند لمحوں بعد حضرت مفتی صاحب کے منہ سے بے ساختہ ''الحمد للہ، الحمد للہ'' کے الفاظ جاری ہوگئے۔ (شاید شرح صدر ہوگیا تھا)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت مفتی شہیدؒ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان، متوسلین و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ ☆

مولانا حافظ محمد طیب لدھیانوی ☆

ہمارے علمائے کرام اور مفتیانِ دین کی مسلسل شہادتیں

......لمحۂ فکریہ......

دین اسلام ہمیشہ سے اہل باطل اور کفر والوں کا ہدف رہا ہے، دین اسلام اور دین پھیلانے والوں کو نقصان پہنچانے اور ان کا راستہ روکنے کے لئے مختلف طریقے اور ہتھکنڈے اختیار کئے گئے۔ روزِ اول سے ہی عمومی طور پر دین اسلام براہِ راست دشمن کا نشانہ رہا، لیکن خاص طور پر ہمارے وطنِ عزیز پاکستان میں دین اسلام کو براہِ راست نشانہ بنانے سے زیادہ اس بات پر زور دیا گیا کہ عوام الناس کی دین سے وابستگی اور دین مبین کی اشاعت وحفاظت کے مراکز اور ذرائع کو ہدف اور نشانہ بنایا جائے۔ چنانچہ مسجد، مدرسہ اور مولوی کو ہدف بنانا شروع کر دیا گیا، کیونکہ محمد ﷺ کی میم سے شروع ہونے والے مبارک ناموں کے یہ وہ تین مراکز، ادارے اور ذرائع ہیں، جو دین اسلام کے احیاء، اسلامی اقدار وروایات کے تحفظ اور دین کی تعلیم وتبلیغ وتحفظ کے لئے کردار ادا کرتے ہیں، حال ہی کے واقعات پر نظر دوڑائیں کہ کس طرح عوام کو مساجد میں جانے اور عبادت کرنے سے روکنے کے لئے مساجد پر حملے کروائے گئے، اسی طرح خوف پھیلانے کے لئے مساجد اور عبادت گاہوں میں دھماکے کروائے گئے، تاکہ خوف وہراس کی فضاء پیدا کر کے عوام کا رشتہ مسجد سے ختم کیا جاسکے، مگر اللہ کے فضل سے امتِ محمدیہ بانجھ نہیں ہے، مساجد سے دور ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ اللہ کے گھر سے قربت اور پابندیٔ اہتمام شروع ہوگیا، الحمدللہ۔

اسی طریقہ سے دشمن کا دوسرا ہدف مدرسہ تھا۔ یاد رہے دینی مدارس وجامعات اسلام کے قلعے، آسمانی علوم کے مراکز ہیں، ان دینی مدارس کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا کیا گیا، مدارس کو دہشت گردی کے اڈے اور انتہا پسندی کی نرسریاں کہا گیا اور کہا جا رہا ہے۔ اسی کی ایک

☆ ناظم کتب خانہ: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

کڑی ہے کہ مدارس پر بلاوجہ چھاپے مارے گئے اور مارے جارہے ہیں، کوائف طلبی پر اہل مدارس کو ہراساں کیا جاتا رہا، مدارس کے گرد گھیرا تنگ کیا گیا۔ مختلف طریقوں سے مدارس کو بند کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے مدارس اور اہل مدارس کے خلاف دشمنوں کے تمام منصوبے ناکامی سے دوچار ہوئے اور دشمن کا منہ کالا ہوا۔ الحمدللہ مدارس اپنی آزادی وحریت کو برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، بلکہ عوام الناس کا مدارس کی طرف رجوع بڑھ گیا اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ باصلاحیت اور بڑے خاندانوں کے بچے بچیاں بھی دینی مدارس کا رُخ کرنے لگے ہیں۔

اسی طرح باطل اور دشمن کا تیسرا ہدف مولوی یعنی علمائے کرام ہیں، مولوی کو مختلف انداز سے طعن وتشنیع کے تیروں کا ہدف اور نشانہ بنایا گیا اور بنایا جارہا ہے، تمسخر واستہزاء کرکے مولوی کو بدنام کیا جانے لگا، مولوی کی ڈاڑھی اور پگڑی سب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آپہنچی کہ مولوی کو دہشت گرد کا لقب دیا جانے لگا، لیکن اس کے باوجود مولوی پر عام مسلمانوں کا اعتماد مجروح نہ کیا جاسکا، لوگوں کے دلوں سے علماء اور مولوی کے لئے احترام و عقیدت کے جذبات کو نہ مٹایا جاسکا، تو پھر زچ ہوکر علمائے حق کی ٹارگٹ کلنگ شروع کی گئی، علماء حق کے قتل کا سلسلہ تیز کردیا گیا۔

گزشتہ چند سالوں سے علمائے کرام، مفتیان دین، علماء حق کی پے درپے شہادتوں کے پس منظر اور اسباب کا جائزہ لیجئے، کراچی کی بڑی بڑی جامعات ومدارس کے بڑے پائے کے بزرگ علماء کرام کو جس بے دردی سے شہید کیا گیا، وہ کسی سے مخفی نہیں، شہادت پانے والی شخصیات کے اوصاف وکمالات اور کردار وخدمات کا استحضار فرمائیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد، مدرسہ اور مولوی کو ہدف بناکر اسلام کا راستہ روکنے اور لوگوں کو اسلام اور آسمانی علوم سے محروم کرنے کی جو مہم شروع کی گئی، علمائے کرام کی شہادتوں کا تسلسل اسی مہم کا حصہ ہے۔ دشمن کا طریقہ واردات دیکھئے کہ کس طرح تاک تاک کر نشانہ بناتا رہا۔ ایسی شخصیات جو قابل تقلید اوصاف اور کمالات سے مزین ہوں، جو خدمتِ دین کے لئے مختلف محاذوں پر سرگرم عمل ہوں، جن کی عوام

میں جڑیں مضبوط ہوں، جن کی وجہ سے لوگ دین سے جڑے ہوں، جو فتنوں کے تعاقب میں سرگرم عمل ہوں، جو مختلف محاذوں اور مورچوں پر پہرہ زن ہوں، انہی علماء کرام کو نشانہ بنا کر ختم کیا جارہا ہے، اس کے لئے کسی ایک جماعت، کسی ایک علاقے اور کسی ایک سوچ کی بات نہیں، بلکہ اسلام دشمن قوتوں کے راستے ہی پر ایسا شخص رکاوٹ ہے، جو کسی بھی صورت میں ان اسلام دشمنوں کے ایجنڈے اور منصوبوں کے راستے میں مزاحمت کی جسارت کرتا ہے، یا ان کے اہداف کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہو، اُسے راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

گزشتہ چند سالوں میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بڑے بڑے علماء کرام واساتذۂ کرام کو انتہائی بے دردی سے شہید کیا گیا، حالیہ دنوں میں شہید ہونے والے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے نائب رئیس دارالافتاء، نہایت مشفق ومہربان، استاذِ حدیث حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ اوران کے رفقاء حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اور حسان علی شاہ شہیدؒ کی شہادت کا واقعہ تازہ دل خراش واردات ہے، جس پر ملک بھر کے اہل دل مسلمان رنجیدہ وافسردہ ہیں، حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ برصغیر کی عظیم تاریخی، روحانی وانقلابی خانقاہ دین پور شریف کے علمی روحانی خانوادے کے چشم وچراغ اور رشتے کے اعتبار سے حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کے پڑنواسے تھے۔

آہ....! جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے سرخ درودیوار کو اِک بار پھر خون میں نہلا دیا گیا، حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں ''شہید'' لکھتے ہوئے بھی دل کو ہول آرہے ہیں، بے شک ان کے لئے تو شہادت بہت بڑا اعزاز اور بہت اونچا مقام ہے، لیکن ان کی صلبی، روحانی اولاد اوراعزہ واقارب، حلقۂ احباب اور شاگردوں کے لئے یہ جان لیوا صدمہ ہے۔

حضرت شہیدؒ کا معمول یہ تھا کہ بعد فجر دورۂ حدیث شریف میں سبق پڑھا کر دفتر اہتمام تشریف لاکر اخبار کا سرسری نظر میں مطالعہ فرماتے، پھر تقریباً ۸/بجے کے بعد گھر جا کر ناشتہ فرما کر دارالافتاء تشریف لاتے، سانحہ والے دن معمول کے خلاف سبق پڑھا کر گھر اور دفتر کی بجائے سیدھے دارالافتاء جا کر روزمرہ کے فتاویٰ جات پر نظر ثانی فرما کر دستخط اور ''الجواب صحیح'' ثبت

کر کے گھر سے تشریف لا کر اخبار کا مطالعہ کرنے کے لئے دفتر آئے، سانحہ اور شہادت سے کچھ دیر قبل راقم الحروف سے دفتر میں کافی دیر تک موجودہ حالات پر تبصرہ فرماتے رہے، بندہ کو کیا معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑنے والے ہیں اور یہ آخری گفتگو ہے۔

مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے کراچی کی جہالت میں علم کے موتی لٹانے میں مصروف تھے، وہ قوم کے بچوں کے سینوں کو علوم کے خزانے سے بھرا کرتے تھے، وہ قوم کے نونہالوں کو جہنم کے راستوں سے ہٹا کر جنت کے منازل طے کرانے میں مصروف تھے۔

حضرت دین پوری شہیدؒ کو اللہ پاک نے بے شمار کمالات سے نوازا تھا، اکابرین علمائے دیوبند کی جو صفات کتابوں میں پڑھتے تھے، ان کا عملی نمونہ حضرت کی شخصیت میں دیکھا۔ شفقت، محبت، عاجزی، انکساری، عبادت، للّٰہیت، خشیت، بردباری، کمالِ استغناء اور بے پناہ تفقہ فی الدین آپ کے وہ عمومی اوصاف تھے کہ جن کا ہر ایک مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ آہ...! حضرتؒ کی ایک ایک ادا یاد آرہی ہے اور دل کو رُلا رہی ہے، آپ کی کس کس ادا کا تذکرہ کروں؟ دل چھلنی ہے۔

یہ دونوں واقعات اور اس سے قبل شہید کئے جانے والے علماء کرام (إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون) یہ سطریں تحریر کرتے ہوئے ابھی افسوسناک اطلاع آئی کہ جامعہ کے ۴ /طالب علموں کو دہشت گردوں نے جامعہ کے قریب زخمی کر دیا ہے، یا اللہ! ظالموں کے ہاتھ شل کر دیجیے، نشانِ عبرت بنا دیجئے، یہ شہادتیں ہم سب کے لئے ''لمحۂ فکریہ'' ہیں اور طے شدہ منصوبہ کا حصہ ہیں، آج تک کسی عالم دین کے قاتل نہیں پکڑے گئے، پکڑا جانا تو دور کی بات ہے، درست سمت پر تحقیقات نہیں ہو پاتیں، جس کی وجہ سے ملک بھر میں شدید تشویش اور اضطراب واشتعال پایا جاتا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ یا اللہ! ہمارے ان پیارے اساتذہ، علمائے کرام اور ان کے رفیق سفر کی مغفرت فرما کر بلند سے بلند درجات نصیب فرما۔ اور ان کی شہادتوں کو قبول فرما، ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرما اور قاتلوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار فرما۔

☆......☆......☆......☆

سید واحد علی ماجد☆

حضرت مفتی عبدالمجید شہیدؒ کی یادیں

اس سے پہلے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ تحریر کروں، مَیں اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ قاری کو مضمون کے پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

مَیں نے گورنمنٹ ہائی اسکول کسّووال ضلع ساہیوال سے ۱۹۶۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور چونکہ میرے والد صاحب ریلوے میں ملازم تھے، والد صاحب کا تبادلہ جون ۱۹۶۳ء میں سکھر ہوگیا تھا، اس لیے میں بھی ''کسّووال'' چھوڑ کر سکھر آ گیا، سکھر آ کر میں ہمدرد دواخانہ کراچی کی ایجنسی ہمدرد دواخانہ فریئر روڈ میں کلرک کی حیثیت سے ملازم ہوگیا۔

چونکہ مفتی صاحب رحمہ اللہ خان پور ضلع رحیم یار خان چوک رازی کی مسجد میں پیش امام تھے اور اسی مسجد کی دوکانوں میں سے ایک دوکان ''رفاہِ عام دواخانہ'' کے مالک بھی تھے، اور اکثر اپنی دوکان کے لیے ادویہ کی خریداری سکھر ایجنسی سے کرتے تھے، اس طرح میری اور اُن کی ایک ماہ میں دو تین دفعہ ملاقات ہوجاتی تھی، پھر ایجنسی ہمدرد دواخانہ نے مجھے سیلز ریپ کی حیثیت سے ترقی دے کر اضلاع سکھر، رحیم یار خان، نواب شاہ، لاڑکانہ وغیرہ میرے سپرد کر دیئے، ان اضلاع میں ہمدرد دواخانہ کی طرف سے میں ہی آرڈر ادویہ وغیرہ بک کرتا تھا، میری معرفت مال پارٹیوں کو سپلائی ہوتا تھا، اس طرح میں خان پور کا بھی دورہ کرنے لگا اور مفتی صاحب کے تمام بھائیوں سے میرا تعارف ہوا، ملاقاتیں ہوتی رہیں اور دن بدن تعلقات میں اضافہ ہوتا رہا، خان پور میں جب بھی میں جاتا تھا، مجھے ہوٹل میں ٹھہرنے نہیں دیتے تھے، بلکہ اپنے بھائیوں کی طرح اپنے گھر میں جگہ دیتے تھے۔

مفتی صاحب مرحوم زندہ دل، ملنسار، غریب پرَوَر اور دین دار شخصیت کے مالک تھے، اُن میں یہ خاصیت تھی کہ جو بھی ایک بار اُن سے ملاقات کر لیتا وہ بار بار اُن سے ملنے کا متمنی رہتا، چونکہ مرحوم

☆ پروف ریڈر: میگزین سیکشن روزنامہ اسلام، کراچی

سے میری پرانی دوستی تھی، کیونکہ میں بھی ۱۹۹۳ء میں ایجنسی ہمدرد دواخانہ سکھر چھوڑ کر کراچی لیاقت آباد ۷ نمبر آ گیا تھا اور یہاں مَیں نے بچوں کی چیزیں ٹافی، بسکٹ پاپڑ اور چھالیہ وغیرہ کا ٹھیلہ لگا لیا تھا اور مرحوم نے بھی مستقل سکونت کراچی میں اختیار کرلی تھی، اس طرح اکثر وبیشتر مجھ سے ملنے کے لیے لیاقت آباد میرے پاس آتے رہتے تھے، چونکہ میری آمدنی نہایت قلیل ہوگئی تھی، اس لیے وہ جب بھی میرے پاس آتے تو کچھ نہ کچھ نقدی کی صورت میں میری مدد کر جاتے، ایک دن دوپہر کو مرحوم میرے پاس آئے اور آتے ہی مجھے کہا کہ یہ ٹھیلہ کب تک لگاتے رہو گے؟ سارا دن دوپہر دھوپ میں ٹھیلہ لیے گلی گلی گھومتے رہتے ہو، مَیں تمہیں ایک اخبار میں ملازمت دلائے دیتا ہوں، وہاں آرام سے کام کرنا، اس طرح دھوپ میں بھاگ دوڑ سے بچ جاؤ گے، میں راضی ہوگیا، غالباً اپریل ۲۰۰۵ء کا وسط تھا کہ انہوں نے مجھے کسی کی معرفت، مذکورہ اخبار میں ملازمت دلوادی، دفتر میں مَیں نے ایک ہفتہ کام کیا، اور اس کے بعد مجھے یہ کہہ کر ٹرخا دیا گیا کہ اب آپ نہ آئیں، اب دوسرے آدمی کو چانس دیں گے، اگر آپ کو ملازمت پر رکھا گیا تو دوبارہ بلالیں گے۔ مَیں نے مفتی صاحب سے کہا کہ دفتر والوں نے مجھے دفتر آنے سے انکار کردیا ہے، اور ایک ہفتے بعد دوبارہ بلانے کا کہا ہے۔ اس طرح مجھے پانچ ہزار روپے کا نقصان ہوگیا، کیونکہ ایک تو میرا مال نہ فروخت ہونے کی وجہ سے خراب ہوگیا ہے، دوسرے میرا ٹھیلہ دروازے پر خالی کھڑے بچوں نے توڑ دیا ہے، اب میں کیا کروں؟ دوسرے دن ہی انہوں نے مجھے پانچ ہزار روپے اپنے بھائی صاحب کی معرفت دیئے اور کہا کہ چند دن انتظار کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ اسی جگہ تمہیں دوبارہ ملازمت مل جائے گی۔ مؤرخہ ۲ مئی ۲۰۰۵ء کو مفتی صاحب نے مجھے فون کیا اور کہا کہ کل اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جاؤ، اب کوئی انکار نہیں کرے گا۔ اس طرح میں ۳ مئی ۲۰۰۵ء کو دوبارہ اخبار کے دفتر پہنچا اور مجھے پروف ریڈر کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا، جہاں اب تک کام کر رہا ہوں، اب اس اخبار کے دفتر کا ماحول بھی پہلے کی نسبت بہت اچھا ہوگیا ہے، اللہ اس ادارے کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے۔

۲۰۰۶ء اور ۲۰۱۰ء میں مَیں نے اپنی دو بچیوں کی شادی کی تھی، ان دونوں شادیوں پر میں نے مفتی صاحب مرحوم کو شرکت کی دعوت دی تھی، انہوں نے مجبوری کا عذر کرکے شرکت سے معذرت کرلی تھی، مگر دونوں دفعہ انہوں نے دس دس ہزار روپے دونوں بچیوں کو دیئے۔

گذشتہ عیدالاضحیٰ کے دوسرے دن میری اُن سے آخری ملاقات ہوئی، وہ اس طرح کہ انہوں نے مجھے سہ پہر چار بجے فون کیا، اور پوچھا کہ گھر پر ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ابھی آفس میں ہوں، کیونکہ آفس والوں نے تمام کارکنان کو عید کے دوسرے دن گوشت تقسیم کرنے کے لیے بلایا ہے، کہنے لگے: بھئی! آج تو عید کا دوسرا دن ہے، کیا آج بھی کام کر رہے ہو؟ گھر کب پہنچو گے؟ جواب میں مَیں نے کہا کہ: بس آدھے گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا۔ دوبارہ فون کیا اور پوچھا: کہاں ہو؟ میں نے جواب دیا: گھر آ گیا ہوں، کہنے لگے گھر پر ہی رہنا، میں گوشت دینے آ رہا ہوں، تقریباً پانچ بجے سہ پہر کو میرے گھر آئے، اتفاق سے گلی ہی میں مل گئے اور انہوں نے نماز کا وقت ہونے کی وجہ سے گھر میں آنے سے معذرت کر لی اور گوشت گلی میں ہی دے کر چلے گئے۔

اگلے دن (عید کے تیسرے دن) صبح ان کا فون آیا اور سلام کے بعد فوراً ہی معذرت کرنے لگے، کہنے لگے: میں نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے، جس کی معذرت چاہتا ہوں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مفتی صاحب نے ایسی کون سی غلطی کر دی ہے جس کی معذرت طلب کر رہے ہیں، میرے اصرار پر انہوں نے بتایا کہ وہ گوشت کے بجائے غلطی سے ہڈیاں دے گئے تھے، کہنے لگے کہ: آپ کا گوشت رکھا ہوا ہے، مجھے ہڈیاں واپس کر دیں، میں گوشت لے کر آ رہا ہوں، میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ واقعی مفتی صاحب گوشت کی بجائے ہڈیاں دے گئے ہیں، مگر مصلحت کی وجہ سے آپ سے نہیں کہا اور اب ہڈیاں واپس نہیں ہو سکتیں، کیونکہ تمام گوشت میں ملا دی ہیں۔ بڑی مشکل سے مفتی صاحب کو راضی کیا کہ کوئی بات نہیں، آپ پریشان نہ ہوں، مجھے بھی ہڈیوں کی ضرورت تھی جو آپ کی معرفت مجھے مل گئی ہیں۔

مفتی صاحب کو ڈائری لکھنے کا بھی شوق تھا، یہ اس وقت پتہ چلا جب مفتی صاحب کے صاحبزادے نے اُن کی کتابیں اور ڈائریاں وغیرہ دیکھیں، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"دسمبر ۱۹۸۸ء کو شاہ صاحب (راقم) سے ہمدرد دواخانہ سکھر ملنے گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہمدرد ادویہ کی نئی لسٹ آ گئی ہے۔"

ڈائریوں میں راقم کا کئی جگہ ذکر کیا ہے، اب تو بس ان کی یادیں ہی رہ گئی ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆......☆......☆......☆

مفتی راشد ابوبکر ☆

''دوشِ جبریل پہ جنازہ ہے''

حامداو مصلیاو مسلماً

اللہ کے نام پر کٹنے اور قربان ہونے کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کتنے انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی جانوں کے نذرانے راہ خدا میں پیش کیے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس سعادت کو اپنی شایان شان سمیٹا، پھر تابعین و تبع تابعین بھی اس میں حصہ ملاتے رہے، یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ نجانے کتنے لوگوں نے شجر اسلام کی آبیاری اپنے لہو سے کی ہے، تاریخ اسلام کی شہادت کا ہر باب ہی بڑا دکھ بھرا ہے کہ ہر باب پر انسانیت آنسو بہاتی رہی ہے اور بہاتی رہے گی۔

تاریخ اسلام کے دردناک ترین ابواب شہادت میں سے ایک مشائخ بنوری ٹاؤن کی شہادت کا باب ہے۔ کیونکہ مشائخ بنوری ٹاؤن نے اپنی جوانیاں ملک وملت کی فلاح و بقاء میں کھپائیں، ہمیشہ اہل وطن اور تمام دنیا کی انسانیت کو امن کا درس دیا، ملک وملت کے غم میں کڑھنے کی وجہ سے ان کی جوانیاں وقت سے پہلے بڑھاپے کی طرف ڈھل گئیں، ملک وملت کی فکر میں اپنی اولادوں تک کو بھول گئے کہ ان کو ذاتی چھت تک مہیا نہ کر سکے، مگر جب وہ اپنی عمر کے اس حصے میں پہنچے جس حصے میں انسان ہر تہذیب میں محترم ہوتا ہے، اس کے ساتھ برتاؤ عام انسانوں سے ہٹ کر کیا جاتا ہے اور اتنا احترام کیا جاتا ہے کہ معاشرے کے قبیح ترین جرم قتل تک کی عادلانہ و منصفانہ سزا سے بھی اس کو محض احترام کی بناء پر مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے، عین اسی عمر میں ان مشائخ کو قال اللہ وقال الرسول کے ساتھ والہانہ وابستگی کے جرم میں جنت کے باغوں (مدارس) میں آتے

☆استاذ ومفتی جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

جاتے ہوئے دن دیہاڑے، سرعام، قومی شاہراہوں پر ان کے اُن سینوں کو جو قرآن وحدیث کے علوم سے لبریز ہوتے ہیں، انتہائی بے دردی کے ساتھ گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا ہے اور پھر ان کے ضعیف وناتواں جسموں کو ایسی مظلومانہ شہادتوں کے بعد انسانوں کی سسکیوں میں قبروں میں اتارا جاتا ہے کہ ان سسکیوں میں أتجعل فیھا من یفسد فیھا کے سائلین (ملائکہ) کی سسکیاں بھی شامل ہوتی ہیں، اسی حقیقت کو کسی باذوق نے یہ تعبیر دی ہے ؎

سرخ سرخ اور تازہ تازہ ہے — یہ لہو ہے کہ سرخ غازہ ہے
ہے دعاؤں کے قافلوں کا جلوس — اور دوش جبرئیل پہ جنازہ ہے

انہی مشائخ میں سے ایک پیکر اخلاص وعمل، مجسمہ تقویٰ وتواضع، مخزن علم وتدین، منبع نصح ولطف، حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ بھی تھے، آپ نے ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو پنجاب ضلع رحیم یار خان کی تحصیل خانپور کے مبارک وپرنور علاقے ''دین پور'' کی ایک علمی خانوادے کے چشم وچراغ مولانا محمد عظیم کے گھر آنکھ کھولی، وقت ولادت ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دارین کی سعادت کے تمام اسباب سے مالامال فرمادیا تھا، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ''والدین پر بچے کا سب سے پہلا حق نام رکھنے کا ہوتا ہے اس لئے اچھے نام رکھا کرو'' جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں کہ نام کا شخصیت میں بڑا اثر ہوتا ہے، چنانچہ خدائے لم یزل نے اسی پہلے حق سے ہی حضرت شہید کی غیبی دستگیری فرماتے ہوئے سعادت کی آغوش میسر فرمائی اور بزرگ وبرتر کے عبد وغلام جیسے معنیٰ خیز اجزاء سے ''محمد عبد المجید'' جیسے حسین مرکب کا بطورِ نام انتخاب فرمایا، پھر نام نے اپنے تاثیر دکھائی اور عبدیت وبندگی حضرت العلام کے ساتھ اس طرح لاحق ہوئے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ہر دیکھنے والے نے حضرت کو عبدیت وبندگی کا مجسمہ پایا، حتیٰ کہ شہادت کے بعد بھی چہرے پر عبادت وعبدیت اور عجز ونیاز کے آثار سعادت اُخروی اور دائمی فلاح وفوز کا پتہ بتا رہے تھے اور گویا کہ حضرت اپنی زبان حال سے فرما رہے تھے ؎

مجھے تو رویا کریں گے اہل جہاں صدیوں تک

زہے نصیب کہ میں مسکرا کے آیا ہوں

مقام ومرتبہ کی فضیلت سے محروم کی عاجزی تو اس کی مجبوری ہوتی ہے اور اس طرح کی عاجزی بہت سارے لوگ کرتے ہیں، مگر کمال رفعت وعظمت اور مرتبت کے ہوتے ہوئے عاجزی علماء ربانیین ہی کی شان ہے۔ حضرت کی عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ بنوری ٹاؤن جیسے بین الاقوامی ادارے کے دارالافتاء کے صدر نشیں ہونے کے باوجود دارالافتاء میں داخل ہوتے وقت نہ صرف یہ کہ اپنے جوتے خود اٹھا کر ریک پر رکھتے بلکہ دوسروں کے جوتے بھی اکثر سیدھے کر دیتے۔ اپنی مسند کو ہر طرح کے تکلفات سے بالکل خالی رکھتے تھے۔ اپنی مسند پر صدر نشینی کی کوئی علامت نہ رکھتے تھے، حضرت کی عاجزی وانکساری کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ حضرت شہید علیہ الرحمۃ کو اللہ تعالیٰ نے جامعہ بنوری ٹاؤن میں جو مقام عطا فرمایا تھا وہ کسی سے مخفی نہیں، حضرت کے دورۂ حدیث اور تخصص میں اسباق تھے، جس کی بناء پر حضرت کے سینکڑوں شاگرد ہر وقت جامعہ میں موجود رہتے تھے، مگر حضرت روزانہ کی بنیاد پر دودھ کی دکان سے گھر کے لئے دودھ خود بنفس نفیس جا کر خریدتے تھے اور خود ہی اٹھا کر گھر لے جاتے تھے، حالانکہ ضعف کی بنا پر وہ دودھ اٹھانا استاد جی کے لئے بڑا مشکل ہوتا تھا۔ بڑی کوشش اور بارہا درخواست کے بعد احقر کو اجازت عنایت فرمائی کہ دودھ لیکر گھر پہنچا دیا کروں۔ ایک موقع پر میں نے حضرت سے درخواست کی کہ اب میں ہی دودھ خرید بھی لیا کرونگا۔ (کیونکہ دودھ اب بھی حضرت خود ہی جا کر خریدتے تھے) تو فرمایا کہ: ''یہ مجھے خصوصی رعایت کے ساتھ دودھ دیتا ہے اس لئے میں خود جا کر لیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اپنی اصل بات کو چھپالیا کہ اپنا سودا سلف خود خریدنا سنت ہے۔

آج کل کا زمانہ فتنوں کا زمانہ ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے بُعد کی بنا پر ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے، طرح طرح کے فتنے عوام وخواص میں سرایت کر چکے ہیں، ایک ایک شخص بیک وقت کئی کئی فتنوں کا شکار ہے، لیکن خود رائی وعجب پسندی اور طلب جاہ مال کے فتنے کا جادو تو سر چڑھ کر بول رہا ہے، اہلیت وقابلیت کے بغیر مناصب اور عہدوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے، ناکردہ کاموں کو اپنے کارناموں کی فہرست میں شمار کر کے داد وصول کی جاتی ہے، حتیٰ کہ دوسرے کی

کتاب پر صرف پیش لفظ لکھ کر کتاب کو اپنی تصانیف کی فہرست میں شامل کردیا جاتا ہے، لیکن حضرت العلام میں طلب منصب وشہرت کا کوئی ایک ذرہ بھی نہیں پایا جاتا تھا، خدمت دین کے بین الاقوامی مناصب کے مسندنشیں ہونے کے باوجود ساری زندگی اپنے آپ کو گوشۂ گمنامی میں رکھا، چنانچہ بنوری ٹاؤن جیسے بین الاقوامی دارالافتاء کی صدارت جیسی جاں گسل ذمہ داری کو ایک عشرہ تک بڑی جانفشانی سے نبھایا، مگر کبھی اس عہدے کی باضابطہ حصول کی کوشش نہ کی، جبکہ حضرت مفتی عبد السلام چاٹگامی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ متعنا اللہ بطول حیاتہ اس بات کا شدید اصرار کرتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کو باضابطہ دارالافتاء کا رئیس بنادیا جائے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے تخصص کے دوسرے سال حضرت اپنے معمول کے مطابق پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے، ایک بار حضرت چاٹگامی صاحب کے افطاری کے دسترخوان پر یہ بات چل نکلی کہ اتنے سال گزر گئے ابھی تک دارالافتاء کے باضابطہ رئیس حضرت مفتی عبد السلام چاٹگامی صاحب ہی ہیں، جبکہ چاٹگامی صاحب کو دارالافتاء سے عملی طور پر علیحدہ ہوئے کئی سال ہوگئے ہیں، حضرت دین پوری صاحب کو باقاعدہ دارالافتاء کا رئیس کیوں نہیں بنادیا جاتا؟ حضرت ڈاکٹر صاحب کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سعید اسکندر صاحب بھی تشریف فرما تھے، انہوں نے کہا کہ دراصل ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ شاید اب بھی حضرت چاٹگامی صاحب واپس پاکستان تشریف لے آئیں۔

اسی رمضان کا یہ واقعہ بھی ناقابل فراموش ہے کہ حضرت چاٹگامی صاحب تشریف لائے تو یہ جمعہ کا دن تھا، اس وجہ سے ان کی حضرت شہید سے ملاقات نہ ہوسکی، پھر چونکہ رمضان بھی شروع ہو چکا تھا، اس لئے دوسرے دن علی الصبح بھی ملاقات نہ ہوسکی، پھر جب حضرت آرام کے بعد جامعہ تشریف لائے تو چاٹگامی صاحب آرام فرمارہے تھے، اس لئے حضرت دارالافتاء جا کر اپنے کام میں مشغول ہوگئے، جب حضرت چاٹگامی صاحب نیند سے بیدار ہوئے تو خود دارالافتاء تشریف لے آئے، دین پوری صاحبؒ کام میں مشغول تھے، اس لئے انکی نظر حضرت پر اس وقت پڑی جب چاٹگامی صاحب دارالافتاء میں داخل ہوکر حضرت کی نشست کے قریب پہنچ

گئے، دین پوری صاحبؒ ان کو دیکھ کر باوجود اپنے ضعف و بڑھاپے کے پھرتی اور والہانہ انداز میں اٹھے، پھر معانقے و مصافحے کے بعد جب حضرت چاٹگامی صاحب تشریف فرما ہونے لگے تو ایک طالب علم نے آگے بڑھ تکیہ اٹھایا تو حضرت شہید نے یہ کہہ کر طالب علم کے ہاتھ سے تکیہ لے لیا کہ یہ میرا حق ہے، پھر خود حضرت شہید نے ہی یہ تکیہ مفتی صاحب کے پیچھے رکھا۔ حضرت کے اس واقعہ نے ہم خادموں کے دل میں حضرت کا اپنے بڑوں کے احترام کا ہمیشہ کے لئے ایک نہ ختم ہونے والا نقش چھوڑ دیا کہ آج اسی نقش کو سپرد قلم کر رہا ہوں۔

ایک بار رات کو دارالافتاء میں حضرت کی جسمانی خدمت کے لئے ہم حاضر ہوئے تو اس وقت فتاویٰ کی تصحیح میں مصروف تھے، جب فارغ ہوئے تو مسند پر جو زائد اوراق تھے ان کو دیکھ کر الگ کرنے لگ گئے، لیکن اسراف سے احتیاط کا یہ منظر بھی آنکھوں نے کہیں نہیں دیکھا کہ آنے والی ڈاک کے خطوط کے خالی لفافے بھی کھول کر ہمیں دے کر فرمایا کہ ان کی اندرونی طرف رف کے کام آسکتی ہے، لہٰذا یہ تم لے لو، اسی طرح وہ کاغذات بھی رف کے لئے ہمیں دیدیئے جن کی ایک طرف خالی تھی، چونکہ حضرت کی مسند کے ہر طرف کاغذ ہی کاغذ تھے، ان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ: ''مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی علیہ الرحمۃ کی جگہ کے اردگرد بھی کاغذوں کا اسی طرح انبار رہوا کرتا تھا۔'' تو میں نے عرض کیا کہ جب اللہ نے آپ کو ان کی مسند پر بٹھایا ہے تو مسند کا منظر بھی ویسا ہی ہوگا۔

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد میں میرا تقرر حضرت نے کیا تھا، اس لئے حضرت موقع بہ موقع مکمل راہنمائی بھی فرماتے رہتے تھے اور موقع کی مناسبت سے بڑی قیمتی نصائح فرماتے تھے اور یوں اس حوالے سے بھی حضرت کی مزید خوبیاں ہم پر عیاں ہوئیں۔فقہ کے مسائل مختلفہ میں انوکھی تطبیق تو دارالافتاء میں بہت بار دیکھنے کی سعادت میسر آئی، لیکن ایک تدریسی مسئلے پر ایک عجیب وغریب تطبیق تدریس کی زندگی کی ایک یادگار نصیحت کے طور پر ہمیشہ ذہن میں رہے گی۔وہ یہ کہ تدریس کے پہلے سال جب سہ ماہی امتحان آیا تو میں نے اس حوالے سے استاذ محترم سے رابطہ کیا اور چند باتیں دریافت کیں، جن میں ایک بات یہ تھی کہ امتحان ہال میں طلباء جواب

پوچھتے ہیں تو کیا کیا جائے......؟اس پر حضرت نے فرمایا کہ مشائخ سے کتمان علم کی وعید سے ڈرتے ہوئے جواب بتلانا بھی منقول ہے اور خیانت کے ارتکاب سے ڈرتے ہوئے جواب نہ بتلانا بھی منقول ہے، پھر فرمایا کہ میں ان دونوں میں اس طرح تطبیق دیتا ہوں کہ غیر محسوس طریقے سے جواب بتلا دیا جائے کہ اگر سائل سمجھ دار ہو تو سمجھ جائے، تاکہ دونوں باتوں کی ممکنہ حد تک رعایت ہو جائے اور اس حوالے سے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک بار امتحان ہال میں ایک طالب علم نے مجھ سے لفظ دیك کا معنی پوچھا [دیک عربی میں مرغے کو کہتے ہیں] تو میں نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ امتحان ہال میں پوچھتے ہو......؟ بیٹھ جاؤ! ورنہ مرغا بنادونگا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہمارے جامعہ کے اسی سہ ماہی امتحان میں قدوری کے ایک پرچے میں کتاب الصلوٰۃ میں سے مغرب کی نماز کے وقت سے متعلق عربی عبارت دے کر پوچھا گیا تھا کہ اس نماز سے کونسی نماز کا وقت مراد ہے......؟ ایک طالب علم نے مجھ سے پوچھا کہ استاذ جی! اس سے کونسی نماز مراد ہے......؟ میں نے استاذ محترم کی بات پر عمل کرتے ہوئے اسے ڈانٹ کر کہا کہ مغرب کی نماز تک کھیلتے رہتے ہو، پھر امتحان ہال میں پوچھتے ہو بیٹھ جاؤ۔

اسی طرح میں نے سوالیہ پرچہ بنانے کے متعلق حضرت سے دریافت کیا کہ اس کا کیا معیار ہونا چاہیے......؟ تو فرمایا کہ بھئی ایسا پرچہ بناؤ کہ جس میں غبی طلباء اور پوزیشن ہولڈر دونوں کی رعایت ہو، غبی طلباء پرچہ دیکھ کر مایوس نہ ہوں اور پوزیشن ہولڈر یہ نہ سمجھیں کہ کچھ پوچھا ہی نہیں گیا۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کی منجملہ خصوصیات میں سے ایک وفاء بھی ہے، حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم العالیہ اس چیز کا اپنے بیانات اور نصائح میں بار بار تذکرہ فرماتے ہیں اور یہ وصف وفاء جامعہ کے اساتذہ وطلباء میں اتنا نمایاں ہے کہ اگر اس کی داستانوں کو قید تحریر میں لایا جائے تو یقیناً ایک بڑی ضخیم تحریر سامنے آسکتی ہے۔ یہ وفاء بھی حضرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، حضرت جب بھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو جامعہ میں داخل ہونے کے بعد سیدھے حضرت بنوریؒ کے مزار پر حاضری دیتے۔

اوراس وفاء کا مظاہرہ حضرت اپنے تلامذہ کے ساتھ بھی فرماتے تھے، چنانچہ ۱۴۳۲ھ کی عید الاضحیٰ کی تعطیلات کے موقع پر باوجود شدید گھٹنوں کی تکلیف کے حضرت نے کراچی سے بنوں تک کا طویل ترین سفر بائی روڈ طے کیا، جس کا ہر ہر لمحہ اپنے تلامذہ کے ساتھ کمال وفاء کا مظاہرہ تھا اور یوں لگتا ہے کہ پورے ملک میں خدمت دین میں مصروف تلامذہ کے ساتھ آخری ملاقات تھی اور اللہ نے اس سفر میں حضرت سے اپنے تلامذہ کی خدمات پر نظر کرواکے آقا پُرنور فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت زندہ کروائی، جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری روز جب مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں جب نماز فجر ادا فرمارہے تھے تو حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھا کر اپنے تلامذہ (صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پر ایک نظر ڈالی تو بے حد خوشی کا اظہار فرمایا، حضرت نے اپنے اس سفر میں دسیوں تلامذہ کے گھر قدم رنجہ فرمائے، باقی تلامذہ تک پہنچنے میں کس قدر تکلیف برداشت کی ہوگی، اس کا علم تو اللہ ہی کو ہوگا، یا حضرت کے دیگر رفقائے سفر کو ہوگا، لیکن صرف ہمارے گھر تک آنے میں حضرت کو دس سے بارہ گھنٹے کا تھکا دینے والا طویل ترین سفر کرنا پڑا اور یہ سفر بغیر کسی متعینہ تاریخ کے تھا اور بڑی نامی گرامی شخصیت نے نہیں خود احقر نے التجا کی تھی، جس کو حضرت نے بخوشی قبول فرمایا اور ہمارے علاقے اور غریب خانہ کو ایک تاریخی عظمت وبرکت بخشی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ من عند جنابہ۔ اسی سفر کا یہ واقعہ بھی حضرت کی کمال للّٰہیت اور کمال تعلق مع اللہ کو واضح کرتا ہے، کہ اس سفر میں جب رات کو حضرت آرام کے لئے لیٹے تو رات کے تقریباً ساڑھے بارہ کا وقت ہو چکا تھا اور یہ حضرت کو مسلسل سفر میں چھٹا روز تھا اور طبعیت بھی ناساز تھی، لیکن جب میں صبح حضرت کے کمرے میں گیا تو تہجد ادا فرما کر معمولات میں مشغول تھے، اتنی تھکاوٹ کے بعد رات کے آخری پہر اٹھنا بغیر ایمانی طاقت کے ناممکن ہے، چنانچہ حضرت کی شہادت کے بعد ہمارے مشفق ومہربان استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیق عارف صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ ایک بار فون پر بات ہو رہی تھی، استاذ جی نے فرمایا کہ: ''حضرت اپنے معمولات کے بہت پابند انسان تھے۔''

حضرت کو اپنے اکابر واماثل کے ساتھ بہت زیادہ تعلق تھا، اپنے اسلاف کے ساتھ بے

پناہ محبت فرماتے تھے، ان کے احترام میں جھکے جھکے جاتے تھے، ہمارے دورے والے سال ایک بار جامعہ بنوری ٹاؤن میں شیخ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے تو سیکڑوں طلباء کی موجودگی میں حضرت کے جوتے خود مفتی صاحب نے سیدھے کئے، جس سے مفتی صاحب کے دل میں حضرت شیخ کے احترام کا پتہ بھی چلتا ہے اور سبقت فی الخیر کے جذبے کا بھی علم ہوتا ہے۔

حضرت بڑے کم گو تھے اور گفتگو خیر الکلام ما قل و دل کا مصداق ہوتی تھی، ساؤتھ افریقہ کے ایک بین الاقوامی ادارے کے چند حضرات ایک بار جامعہ میں تشریف لائے۔ یہ ادارہ بین الاقوامی سطح پر مارکیٹ میں کھانے پینے کی اشیاء کی حلال اور حرام ہونے کے اعتبار سے مسلمانوں کی راہنمائی کرتا ہے، اس مناسبت سے ان کا ایک لیکچر جامعہ کی تخصص کی کلاس میں ہوا، جس میں حضرت مفتی صاحب بھی تشریف فرما تھے، آنے والے مہمانوں نے اپنے موضوع اشیاء کی حلت وحرمت پر بڑی مفید اور علمی گفتگو فرمائی، مگر لیکچر کے بعد سوال وجواب کے دوران ایک مقام پر بحث کے دوران فقہ کے اس ضابطے پر کہ "اشیاء میں اصل حلت ہے" پر بات بہت الجھ سی گئی اور کوئی حل سامنے نہیں آ رہا تھا، حضرت اپنے مزاج کے مطابق خاموشی کے ساتھ سائلین ومتکلمین کی تمام باتیں خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور آخر میں فرمایا کہ "بھئی! ماکولات (کھانے پینے کی اشیاء) کے اندر اصل حرمت ہے"۔ بس حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ بحث کی ساری الجھی گتھی سلجھ گئی اور تمام حاضرین حضرت کی اس تطبیق و پر عش عش کر اٹھے۔

حضرت اپنے تمام تر علمی تفوق اور عالی مرتبت کے مسائل شرعیہ کے اختلاف میں اپنے ہم عصروں اور رفقاء کی شخصیت کا بھی احترام فرماتے اور ان کی رائے کا بھی، چنانچہ ایک مرتبہ رات کو ایک نجی مجلس میں اسلامی بینکنگ کے مسئلے پر بات کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "بھئی! یہ ایک مسئلہ ہے، جس میں اہل حق کا شرعی اختلاف ہے، ہمیں فریقین کا مکمل احترام کرنا ہے، مسئلہ شرعیہ میں اختلاف سے کسی کا احترام ختم نہیں ہوتا، علامہ عینیؒ اور ابن حجر کا کتنے مسائل میں شدید اختلاف ہے، مگر اس کے باوجود ہمارے دلوں میں دونوں کے احترام میں کوئی فرق نہیں آتا"۔

دارالافتاء کی شرعی مسائل کی میٹنگ میں تمام مفتیان کرام کے نظریے کو بڑی خندہ پیشانی سے سماعت فرماتے، حالانکہ بعض اوقات حضرت کے شاگردوں کے شاگرد بھی کسی مسئلے میں حضرت سے اختلاف کرتے تو ان کو بھی اپنا موقف کھل کر بیان کرنے کا موقع فراہم کرتے، غرض کہ حضرت کی کن کن خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے...... حضرت تو منبع اوصاف وکمالات تھے، حضرت کی ان خوبیوں کو اپنا کر کتنے ذرے آفتاب بن گئے، حضرت کی صحبت کی برکت سے کتنے گمنام ہیروں کو ہاروں میں جڑ کر علم وعمل کی دلہن کو مزین کرنے کا موقع ملا، کسی ایسے ہی بحر ذخار کی مرگ کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک عربی شاعر نے ممدوح کی قبر کو مخاطب کر کے حقیقت کو بڑے عمدہ انداز میں بیان کیا ہے، شاعر قبر کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ: ''اے معن کی قبر! تو نے اس کی خوبیوں کو کیسے چھپا لیا؟ حالانکہ اس کی سخاوت سے تو بر و بحر بھرے ہوئے ہیں۔'' عربی کا یہ شعر حضرت العلام پر کمال کے ساتھ منطبق ہوتا ہے ؂

ایا قبر معن! کیف واریت جو دہ؟

وقد کا ن منه البر والبحر مترعاً

مفتی محمد انس انور☆

حضرت ''بڑے مفتی صاحب'' شہید رحمہ اللہ

نحمده ونصلي علی رسوله الكريم، اما بعد! فقدقال الله تبارك وتعالی: وما كان لنفس أن تموت الاّ باذن الله كتٰبامؤجّلا، ومن يرد ثواب الدنيا نؤته منها،ومن يرد ثواب الآخرة نؤته منها وسنجزي الشكرين[آل عمران۔۱٤٥]

اس دنیا میں حیات جاوداں کسی کو بھی میسر نہیں، جو بھی آیا اس نے اپنے وقت مقررہ پر مفارقت دی اور محبین ومتوسلین بھی مشیت الٰہی کے اس فیصلے کو برضا ورغبت قبول کرتے رہے، ظاہر ہے کسی کی کیا مجال کہ مشیت الٰہی کے فیصلے پر لب کشائی کرے، حقائق پر مبنی اس مختصر تمہید اور حقیقت کے اعتراف کے بعد عرض ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے چلے جانے سے مدتوں ان کا خلا باقی رہتا ہے، وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ ان کی کمی کا احساس کر کے ان کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، ہمارے بڑے مفتی صاحبؒ اس عہد کی ان یگانہ ہستیوں میں سے تھے جن کا شمار زمانہ کے تناسب کے اعتبار سے اتنا کم تھا کہ ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے اور اب کمیاب ہوتے ہوتے ایسے لوگوں کی تعداد نایاب کے درجہ میں پہنچ گئی ہے۔

آج تک سنا تھا کہ جس باکمال، بامروّت، انسان سے قربت رہی ہو اس کے احوال کے متعلق لب کشائی اور اس کی اعلیٰ صفات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا ایک مشکل کام ہے، لیکن آج جب استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ المعروف ''بڑے مفتی صاحب'' پر لکھنے بیٹھا ہوں تو بڑے مفتی صاحبؒ کے حوالے سے ان گنت واقعات کمًّا اور کیفاً یاد آنے پر وہ سنی سنائی بات یقین میں بدل گئی، چنانچہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ شروع کہاں سے کروں؟ ذکر کیا کروں؟ اجمال، تفصیل سے زیادہ لائق اتباع اور تفصیل، اجمال سے زیادہ دلنشیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ ''دل جلا کے سرعام رکھ دوں'' تو بھی استاذِ محترم کے فضل وکمال کا تذکرہ اور ان کے

☆ جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی

احسانات کا بدلہ یقیناً نہیں چکا سکتا۔

الحمدللہ زمانہ طالبعلمی سے ''حضرت مفتی صاحبؒ '' سے خصوصی نیاز مندی رہی، اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تخصص فی الفقہ کے دوران جب ایک بار انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: ''فارغ وقت میں میرے پاس بیٹھ کر صرف سنا کرو کہ مستفتی کو کیا جواب دیا جارہا ہے'' اس کے بعد سے تو گویا ان کی طبیعت آشکارا ہونا شروع ہوئی، اور جوں جوں ان کے پاس دارالافتاء میں بیٹھنا نصیب ہوا تو وہ کچھ جاننے کا موقعہ ملا جو کتابوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس پر مستزاد ان کی خصوصی توجہ اور بے پایاں شفقت نے بار احسان اتنا کردیا کہ وہ ہمیشہ لوح دل پر نقش بن کر رہ گیا اور جس نے مجھ جیسے ناکارہ کو بھی اپنے حصار میں لے لیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں خدمت کا موقعہ ملا اور روزانہ کی بنیاد پر حضرت استاذ جیؒ سے میل جول ہوا، تب ان کی شخصیت کے رنگ کھلتے چلے گئے۔ خاص طور قرآن وحدیث سے والہانہ عقیدت اور اکابرین کا محبت بھرا تذکرہ، چنانچہ دو مواقع پر میں نے بڑے مفتی صاحب کی آنکھوں میں آنسو دیکھے، ایک مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور دوم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا تذکرہ، الغرض تواضع سے لیکر بے تکلفی تک، بذلہ سنجی سے لیکر حاضر جوابی تک، انتہائی سادگی سے لیکر تواضع تک، فقہی تعمق وباریک بینی سے لیکر جزئیات کے استحضار تک، ہر صفت ان میں خوب خوب پائی جاتی تھی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ''حضرت مفتی صاحبؒ '' ذاتی اور رسمی دونوں حیثیتوں میں باکمال اور بے مثال تھے۔

الحمدللہ احقر کو حضرت مفتی صاحبؒ سے بہت کچھ سیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، بعض اوقات طالب علمانہ گستاخی کر بیٹھتا اور سوال کر جاتا تو بہت معنی خیز انداز میں مسکرا کر سمجھا دیتے، آخر کے چند سالوں میں یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ حضرت استاذ جی نے اپنی تدریس، اور دارالافتاء کی انتہائی شدید مصروفیات کی بنا پر کچھ کام احقر کے سپرد کردیا، اور اس ضمن میں بھی مضمون نگاری، الفاظ اور جملوں کا استعمال وغیرہ بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، ایک موقع پر مجھ سے کہا: ''مضمون نویسی میں ''کیا لکھنا ہے'' سے زیادہ اہم یہ ہوتا ہے کہ ''کیا نہیں لکھنا''۔ اسی طرح زندگی

کے مختلف دینی ودنیاوی مسائل پر حضرت سے مشاورت کرتا رہا، چنانچہ ایک موقعہ پر میں نے ان سے مشورہ کیا تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "غافل کو عاقل مت بناؤ، آرام سے بیٹھو"۔

کمال تفقہ اور جزئیات کے استحضار کا یہ عالم تھا کہ استفتاء اور جواب کے حوالے سے مشاورت میں اکثر وبیشتر بیساختہ ارشاد فرماتے کہ جواب یوں نہیں یوں لکھو، اس جملہ کا اضافہ کرو اور بعد میں جب کتاب دیکھتا تو بعینہ اسی مفہوم کا جزئیہ ملتا جیسا حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا ہوتا تھا۔ نیز حافظہ اتنا غضب کا تھا کہ برسوں قبل جاری شدہ پرانے فتاوی جات اور واقعات تفصیل وترتیب کے ساتھ ایسے یاد تھے جیسے کل کی بات ہو۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ فقیرانہ مزاج رکھتے تھے، چنانچہ سادگی اور کمال تواضع کا یہ عالم تھا کہ جہاں تشریف لے جاتے اپنے منصب اور مقام ومرتبہ کو بھول کر گھل مل جاتے، دارالافتاء کے رسمی مشوروں میں ہر چھوٹے بڑے کی رائے جانتے اور اہمیت سے سنتے، خشک فقہی مباحث کے دوران تراوٹ کے لئے حس مزاح اور ظرافت کا خوب استعمال فرماتے، جس میں خود بھی ہنستے اور حلقۂ احباب کو بھی ہنساتے، میرے مشاہدہ کے مطابق طلباء کے ساتھ دار الافتاء کی حد تک تعامل بہت مثالی ہوتا، طالب علم کو کسی بات پر سرزنش کرنے کے ساتھ ساتھ مزاحیہ پہلو کو بھی مدنظر رکھتے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے طالبان علوم نبوت پر پیار بھرا غصہ فرما رہے ہیں، آخر کے چند سالوں میں گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باوجود ایک طویل عرصہ تک دارالافتاء میں کرسی پر بیٹھنا نامناسب سمجھا، حالانکہ فرشی نشست کی وجہ سے اکثر ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار واضح محسوس کئے جاسکتے تھے، تاہم جب بھی اس طرف توجہ دلائی تو ہمیشہ مسکرا کے کہا: "ان شاء اللہ دیکھتے ہیں"۔

مستفتیوں اور طلباء کے ہجوم میں دوران گفتگو اگر کوئی ناگوار بات ان کے سامنے آجاتی یا کوئی ایسا واقعہ جو ان کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہوتا تو ان سے کہے بغیر نہیں رہا جاتا تھا، مگر جس سلیقہ سے کہتے اس میں پاس ولحاظ کے ساتھ ساتھ تنقید، تضحیک اور تنقیص کی حدود سے دور رہتے ہوئے ایسا سنجیدہ انداز اختیار فرتے کہ گویا انہوں نے کسی کے نشتر نہیں چبھویا بلکہ وہ زخموں پر مرہم لگا رہے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل وفاق المدارس العربیہ کے حوالے سے بڑے مفتی صاحب کا سفر ملتان جب اختتام پذیر ہوا تو انہوں نے فون کر کے احقر سے فرمایا کہ: ائیر پورٹ آجاؤ، یہ میری سعادت

تھی، میں لینے پہنچ گیا، جب سامان کی وصولیابی سے فارغ ہوکر باہر نکلے تو مغرب کی نماز کا وقت اختتام کے قریب تھا اور نماز کی ادئیگی کی فکر شدت سے دامن گیر تھی، چنانچہ حضرتؒ نے کراچی ائیر پورٹ کے مرکزی مخرج کے پاس ایک کونے میں سٹینڈ کے نیچے اپنا رومال بچھایا مجھے سامان کے پاس کھڑا کردیا، میں نے عرض کیا: استاذ جی! یہاں بہت زیادہ ہجوم ہے، اور مسجد قریب ہے ان شاء اللہ گاڑی میں جلد پہنچ جائیں گے، وہاں اطمینان سے نماز پڑھی جاسکتی ہے، تو جواباً فرمایا: ''اتنی مہلت ملے نہ ملے، بس یہیں پڑھ لیتا ہوں، پھر اطمینان سے سفر کرلیں گے'' اور اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی!

حضرت مفتی صاحبؒ کی من جملہ خصوصیات میں سے ایک اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ جس طرح وہ فتوی کے میدان میں یگانہ تھے، اسی طرح فن خطابت میں بھی اپنی مثال آپ تھے، جس کا حقیقی معنوں میں مجھے تب علم ہوا جب چند سال قبل رمضان المبارک کی انتیسویں شب میں ان سے اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد عمر انور کی مسجد میں اصلاحی بیان کرنے کی درخواست کی، جس کو کمال شفقت کے ساتھ قبول فرمایا۔ آپ کا اسلوبِ بیان، رعب دار بھاری بھرکم آواز، حسرت واندوہ سے بھرا لہجہ جس میں نہ ان کی آواز بہت اونچی اور نہ بہت دھیمی، بس معتدل انداز کے ساتھ سامعین کے کانوں سے ٹکرائے جا رہی تھی، اور جوش سے زیادہ اصلاحی فکر واضح طور پر نمایاں تھی، نتیجۃً ہر آنکھ نیم آبدیدہ تھی، بخدا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بیان نہیں بلکہ عمر رفتہ کے غموں کی کہانی سنا رہے ہیں، آخر میں جس فطری انداز اور تفصیل سے جامع ومانع دعا کروائی تو واقعتاً ہر آنکھ اشکبار تھی، حقیقت تو یہ ہے کہ مجھ سمیت بقیہ ساتھی بھی استاذ جی کا عمومی مجمع کے سامنے یہ اندازِ بیان سن کر حیران تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فقیہ کے بارے میں جو ارشاد فرمایا، بڑے مفتی صاحب کو بھی اللہ تعالی نے ان اوصاف سے کلیتاً نوازا تھا:

انما الفقیه الذی أنطقته الخشیة، وأسکتته الخشیة، ان قال قال بالکتاب والسنة، وان سکت سکت بالکتاب والسّنة، وان اشتبه علیه شیٔ وقف عنده وردّه الی عالمه''۔ [طبقات الحنابلة، ۱۴۸، ج: ۲-ابطال الحیل لابن بطّة، ص ۳۱، ج: ۱]

ترجمہ: ''یقیناً فقیہ وہ ہے جس کو خوف خدا گویائی عطا کردے اور اللہ تعالیٰ کا خوف خاموش کروادے۔ اگر وہ بات کرتا ہے تو قرآن وسنت کی بات کرتا ہے اور اگر خاموش ہوتا ہے تو

قرآن وسنت پر خاموش ہوتا ہے، اگر اسکے لئے کوئی مسئلہ مشتبہ ہوجائے تو بحث وتمحیص سے رک جاتا ہے اور اسے عالم کے پاس بھیج دیتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت سے ٹھیک دو دن قبل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب مہتمم اور استاذی حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری دامت برکاتہم نے اسلام آباد سے بھیجی گئی ایک ای میل میرے حوالے کی، اور کہا کہ حضرت سے ان کی شخصی تفصیلات معلوم کرکے اس ای میل کا جواب دیدیں، درحقیقت بھیجنے والے نے اس ای میل میں حضرت کی شخصی تفصیلات کے متعلق کچھ سوالات کئے تھے، مثلاً مکمل نام، ولدیت، تعلیمی تفاصیل اور تدریسی خدمات کا دورانیہ، جاری کردہ فتاوی کی تعداد وغیرہ، اور ان صاحب کے بقول ان کو تفصیلات کی ضرورت اس لیئے پڑی کہ حضرتؒ نے ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے میں بہت معاونت کی تھی، چنانچہ اس مقالہ کے آخر میں ان کے متعلق مختصر ضروری تفصیلات لکھنا چاہتے تھے، الغرض میں اسی روز وہ سوالنامہ لیکر بڑے مفتی صاحب کے پاس جا پہنچا، حضرت بزبان خود اپنا مکمل نام تاریخ وجائے پیدائش سن فراغت وغیرہ تفصیل سے مجھے لکھواتے رہے، اور اگلے دن میں نے اس ای میل کا جواب ارسال کردیا، کسے خبر تھی کہ یہ ''بڑے مفتی صاحب'' کے وصال (بصورت شہادت) کی تیاری تھی، جو دوروز قبل ہی شروع ہوچکی تھی۔

حضرت مفتی صاحب کی حسین یادیں اب تو زندگی بھر ان کی دائمی مفارقت کا احساس دلاتی رہیں گی، مگر درحقیقت اپنی محفل سے رخصت ہونے والوں کو یاد کرکے ہم اپنے قلب وروح کو ان کی حسین یادوں اور دائمی مفارقت کے غم واندوہ سے منور رکھنے کی سعی کرتے ہیں، حضرت نے زندگی بھر ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز ہوکر دین اور علم دین کی خدمت میں اپنے آپ کو کھپادیا، انہوں نے کبھی درِ کسروی پر صدا نہ دی، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کھنڈرات میں موجود جامد وساکت بت زندہ اور جاندار انسانوں کے دکھ درد کو محسوس کرنے سے قاصر ہیں، حضرتؒ اپنی پوری زندگی علم وعمل کے میدان میں قابل رشک طریقہ سے گذار گئے، اللہ تعالی کی ذات عالی سے قوی امید ہے کہ ان کی نئی زندگی بھی یقیناً راحت واطمینان سے بھرپور ہوگی۔ بقول فراق:

بھولیں اگر تمہیں تو کدھر جائیں کیا کریں ہر رہ گزر پہ تیرے گذرنے کا حسن ہے

قاضی محمد اسعد حسینی، اٹک

حضرت استاذ جی رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ یادیں

یہ دسمبر ۲۰۰۳ء کی بات ہے، جب بندہ درجہ سابعہ میں داخلے کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پہنچا،معلوم ہوا کہ جامعہ کی شوریٰ کا فیصلہ ہے کہ درجہ سابعہ میں مزید داخلے نہیں دیئے جائیں گے۔

خیر اللہ کا نام لیکر داخلہ کی جستجو شروع کر دی، اللہ رب العزت کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے جناب مولانا اسلم علی صاحب کو کہ ان کی خصوصی شفقت اور حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خصوصی توجہ سے یہ طے پایا کہ امتحان میں کامیاب ہونے کی صورت میں آپ کا داخلہ ہوجائے گا، چنانچہ طے ہوا کہ مولانا مفتی عبدالمجید صاحب امتحان لیں گے، احقر نووارد جبکہ جامعہ کی علمی دھاک قلب وذہن پر طاری،ڈرتے ڈرتے ساتھیوں سے پوچھا کہ مولانا عبدالمجید صاحب کہاں ملیں گے؟ جواب ملا: آپ کو کیا کام؟جب بتایا کہ دارالاہتمام سے پرچی ملی ہے کہ مولانا امتحان لیں گے،بس پھر کیا تھا،جس جس سے پوچھا، ہر ایک سے یہی ہمت شکن جواب ملا کہ:مفتی صاحب تو بہت سخت امتحان لیتے ہیں،کوئی لحاظ نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

خیر بندہ ڈرتے، کانپتے دارالافتاء میں داخل ہوا، دیکھا تو حضرت مفتی صاحب تشریف فرما ہیں، ساتھ میں مولانا مفتی اقبال صاحب (فاضل دارالعلوم کراچی) تشریف فرما ہیں، بندہ نے حاضر خدمت ہوکر سلام عرض کیا،تو کیا کہنے!ایک نہایت ہی دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب عنایت فرمایا۔اس موقع پر ایک غریب الدیار، پردیسی، مسافر طالب کے جذبات کیسے احاطۂ تحریر میں آسکتے ہیں، جو اجنبی بھی ہو اور اس کو اتنا ڈرایا بھی گیا ہو، بہر حال مفتی صاحب کے شفقت بھرے انداز نے آدھی پریشانی ختم کر دی، بندہ کے کچھ عرض کرنے سے قبل ہی حضرت

مفتی اقبال صاحب نے بندہ کا تعارف کروادیا، حضرت شہیدؒ نے فرمایا: ''آپ سراجی اور دیوانِ حماسہ لے آئیں۔'' بندہ نے جب درجہ سادسہ کی کلاس میں پہنچ کر یہ کتابیں مانگیں تو طلبہ نے ایک دفعہ پھر ڈرایا...... بندہ دونوں کتابیں لیکر حاضر خدمت ہوا، حضرت نے امتحان لیا اور ایک پرچی پر کچھ تحریر فرمادیا اور فرمایا کہ آپ مولانا امداداللہ صاحب سے مل لیں، بندہ وساوس میں گھرا اور خدشات میں مبتلا حضرت مولانا امداداللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا جو دفتر اہتمام ہی میں تشریف فرما تھے، حکم کے مطابق بندہ نے پرچی استاذ جی کو دیدی، آپ نے پڑھ کر فرمایا کہ ٹھیک ہے آپ کا داخلہ ہوگیا، اب بے اختیار ہوکر بندہ نے وہ پرچی خود پڑھی تو حضرت مفتی صاحب نے لکھا تھا ''استعداد قابل اطمینان ہے، داخلہ دے دیا جائے۔'' احقر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، یہ بندہ کی حضرت سے پہلی ملاقات تھی۔

اسباق شروع ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب ہدایہ ثالث پڑھاتے ہیں، اب ہدایہ ثالث، اہل علم جانتے ہیں کہ متونِ فقہ میں کتنا اہم اور مشکل متن ہے، مگر حضرت مفتی صاحب کے پہلے سبق سے ہی اندازہ ہوا کہ حضرت نہ صرف اس مشکل کتاب کو پڑھانے کا حق ادا فرما رہے ہیں، بلکہ لگتا تھا کہ آپ ہدایہ کے حافظ ہیں۔

اب تو حضرت سے بکثرت ملاقات ہونے لگی اور یہ بات ہر ملاقات میں واضح ہوتی گئی کہ آپ نہایت ہی حلیم الطبع اور شفیق انسان ہیں، البتہ اصولوں کی پاسداری شاید آپ کی مجبوری یا فرض کا احساس بن گئی ہے، جس کی بناپر آپ کے متعلق مشہور ہوگیا کہ آپ کا مزاج جلالی ہے، مگر حقیقتاً آپ سراپا جمال ہی جمال تھے۔ بندہ نے ایک موقع پر حضرت داداجانؒ کی کتاب ''رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم'' ہدیتاً پیش کی تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور پھر فرقہ ضالہ مماتیہ پر کافی دیر بحث فرماتے رہے۔

بندہ کے سابعہ والے سال حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا، ظاہراً یہ عالمِ اسلام اور جامعہ کے لئے بہت بڑی آزمائش کا وقت تھا اور پھر ہم ابھی اس سانحہ سے سنبھل نہ پائے تھے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ پر بیماری کا شدید حملہ

ہوا۔اس موقع پر بھی مفتی صاحب نے طلبہ کونصیحتیں فرمائیں اورانتہائی عاجزی اورخشوع کے ساتھ جامعہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے لیے صحت وتندرستی اور درازیٔ عمر کی دعائیں تقریباً ہر سبق کے بعد مانگتے رہے۔

انہی ایام میں بندہ کے استاذ محترم حضرت مولانا نثار احمد الحسینی مدظلہ نے اپنی کتاب ''ذکر بالجہر کا شرعی حکم'' احقر کو بھیجی کہ حضرت مفتی صاحب کو دکھا کر ان کی رائے لے لوں، بندہ مسودہ لیکر حاضر ہوا، حسب معمول شفقتوں سے نوازتے رہے، فرمایا: بھائی! بوجھ پہلے ہی کافی ہے اورعنوان ایسا ہے کہ میں خود اس کو پڑھنا چاہتا ہوں، کچھ وقت تو لگے گا۔ بندہ نے عرض کیا جیسے آپ کا حکم۔

اب ہوا یوں کہ ایک جانب سے اصرار کہ رائے جلد از جلد بھجوائیں کتاب شائع کرنی ہے، خیر ایک دن خود ہی شفقت فرماتے ہوئے بندہ کو دارالافتاء طلب فرمایا، بندہ نے محسوس کیا کہ آپ کے مبارک چہرے پر آج انوارات معمول سے بڑھ کر ہیں، نہایت خوشی سے فرمایا کہ ''لو بھائی! اس کتاب سے ہمیں بہت فائدہ ہوا، خصوصاً صاحب ہدایہ کی عبارت کا جو حل کیا گیا ہے، وہ تو واقعی کمال ہے، بہت کمال۔''

یہ جملے اس شخص کی زبان سے ادا ہوئے جو ایک عرصے سے ہدایہ شریف کی تدریس فرما رہے ہیں، پھر استاذ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے عنایت فرمائی، تبرکاً وہ رائے یہاں درج کرتا ہوں۔

''بسم الله الرحمن الرحیم.

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم وعلیٰ اله وصحبه اجمعین.

گرامی قدر محترم حافظ نثار احمد زید مجدہ نے اپنی تصنیف لطیف ''ذکر بالجہر کا شرعی حکم'' کا مسودہ عنایت فرمایا، مقصد عنایت ظاہر ہے، بندہ ناچیز ہرگز اس قابل نہیں کہ اس عظیم الشان تصنیف کے بارے میں کوئی رائے ظاہر کرے، البتہ سعادت کے حصول کے لئے کتاب کا اول تا آخر بغور مطالعہ کیا، بندہ اپنی خوش بختی سمجھتا ہے کہ ذکر اللہ کے موضوع پر

حصن حصین جیسی پر عمدہ، بے نظیر کتاب کے مطالعے کا موقع ملا، مصنف علام نے جن جن مباحث کو شروع فرمایا تحقیق وتدقیق کے ساتھ راہِ اعتدال کا دامن تھامے رہے، اور یہی اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے، ناچیز کے خیال میں ایک عمدہ کوشش کتاب کو اکابر علماء دیوبند قدس اللہ اسرارہم کی آراء گرامی سے مزین کرنا ہے، تاکہ کوئی شخص اکابر کا نام غلط طور پر استعمال نہ کرے، کتاب میں سراج الائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب قول ''بدعت'' کی جس طرح توضیح وتنقیح کی گئی لائقِ تحسین وقابلِ تبریک ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو ہماری طرف سے اور تمام اہل حق کی طرف سے شایانِ شان اجر عطا فرمائے اور کتاب کو شرفِ قبولیت سے نواز کر زنگ آلود، دلوں کے لئے باعث صفا وموجب ہدایت بنائیں۔ وصلی اللہ علی خیر خلقه واله وصحبه اجمعین.''

جب حضرت مفتی صاحب کی رائے گرامی استاذ جی کی خدمت میں بھیجی تو آپ نے فرمایا کہ اس رائے مبارک کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب خود بھی بڑے ذاکر شاغل ہیں اور صاحب نسبت بھی ہیں۔ اور کیسے نہ ہوتے جب کہ آپ کا روحانی اور ایک اعتبار سے جسمانی تعلق سلسلۂ عالیہ قادریہ راشدیہ کی عظیم خانقاہ دین پور شریف سے تھا۔

جب حضرت استاذ جیؒ نے ترمذی شریف میں شمائل والا حصہ شروع فرمایا تو عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب ڈوب جاتے، آپ کی آنکھیں گویا کہ دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں بہہ پڑتیں، لیکن کمال ضبط کا مظاہرہ فرماتے جو ہمارے اکابر کا ورثہ ہے

ع در کفِ جام شریعت در کفِ سندان عشق

خیر بندہ نے حضرت استاذ جی کی خدمت میں منظوم شرح شمائل ''بہار خلد'' پیش کی تو مکرر ارشاد فرمایا کہ بہت قیمتی تحفہ دیا آپ نے۔

بندہ نے فراغت کے بعد بھی حضرت استاذ جیؒ سے رابطہ رکھا، جب بھی تدریس کا سنتے بہت خوشی کا اظہار فرماتے، بندہ ناچیز کی حضرت استاذ جی سے آخری ملاقات محترم جناب مفتی

خالد عباسی صاحب مدظلہ کے دعوت ولیمہ کے موقع پر ہوئی، بہت سی باتیں بہت سے سوالات لیے ہم کراچی پہنچے، لیکن حالات خراب ہونے پر یہ ملاقات بہت مختصر رہی، اب استاذ جی دار الافتاء میں کرسی پر تشریف فرما تھے، بندہ ناچیز کو دیکھتے ہی کھڑے ہوکر بڑی بشاشت کے ساتھ معانقہ کیا، بندہ شرم سے پانی پانی ہوگیا، کھڑے کھڑے ہی استاذ جیؒ سے ملاقات ہوئی، کسے معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، استاذ جیؒ چاہتے تھے کہ ملاقات تھوڑی مفصل ہو، مگر فلائیٹ کا وقت اور حالات کی خرابی، استاذ جی شاید زبان حال سے فرمارہے تھے ؎

قریب موت کھڑی ہے ذرا ٹھہر جا
لبوں پہ سانس اڑی ہے ذرا ٹھہر جا
اس کے بعد نہ ہم تم کو روکیں گے
بڑی اداس گھڑی ہے ذرا ٹھہر جا

مفتی اللہ وسایا، اوچ شریف

میرے مخدوم اور محسن

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ ایک جامع انسان تھے، وقت کے ولی، روحانی طبیب، دکھی انسانیت کا درد وغم رکھنے والے، تدریس کے شہسوار، علم کے سمندر، دارالافتاء کے نائب رئیس، خلوص اور تقویٰ کے پیکر، تکلف اور تصنع سے کوسوں دور، شہرت اور ناموری سے نفور، سفر وحضر میں تہجد کے پابند، خطابت کے میدان میں عمدہ خطیب، کئی مدارس کے سرپرست اور ان کے معاون اور خانوادہ دین پوری کے عظیم چشم وچراغ تھے۔

حضرت دین پوری شہیدؒ کی خدمت کی غرض سے ایک سفر ملتان کا ہوا، جس میں راقم نے دیکھا، حضرت مفتی صاحب شہیدؒ سحری کے وقت اٹھتے اور وضو کر کے تہجد کی نماز پڑھتے اور دعا اس انداز سے کرتے جیسے کوئی بچہ اپنے والد سے رو رو کر کوئی چیز منواتا ہے۔

خدمت کی غرض سے کراچی سے خان پور کا سفر ہوا، ٹرین جب روہڑی اسٹیشن پر رُکی رات کے تین بجے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ٹرین سے اترے اور بندہ کو سامان کے ساتھ بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ سخت سردی کا موسم تھا اور آپ ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے مسجد میں تہجد کی نماز پڑھنے لگے، بیس منٹ ٹرین رُکی، حضرت نے سارا وقت اللہ کے حضور تہجد اور دُعا میں گذار دیا۔

احقر کی سعادت تھی کہ حضرت دین پوری شہیدؒ کی خدمت مثلاً گھر کا کھانا مدرسہ سے لے جانا اور دوسرے بعض امور جیسے ریل گاڑی کا ٹکٹ وغیرہ بندہ کے ذمہ ہوتے تھے۔

فقاہت کا یہ عالم تھا کہ تخصص سال دوم میں ایک مسئلے کا حوالہ ڈھونڈنے میں کافی دیر لگی، بندہ نے اپنے مشفق اور محسن اُستاذ حضرت مفتی صاحب سے رجوع کیا تو حضرت جیؒ نے فرمایا کہ فتاویٰ قاضی خان کے صفحہ ۷۲ میں دیکھو، بندہ نے جب مذکورہ صفحہ کھولا تو اس مسئلہ کا حوالہ مل گیا۔ بندہ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ رمضان المبارک میں تدوین فتاویٰ اور تخریج کے لئے جامعہ

بنوری ٹاؤن میں مقیم تھا تو افطار کے لئے حضرت کھانا گھر سے بھجواتے تھے اور پنجاب سے آم آتے تو اس میں سے بندہ کا حصہ ضرور نکالتے تھے۔

آپ کے دو جنازے ہوئے ایک جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی میں اور دوسرا خان پور میں، خان پور کی عوام نے اپنی تاریخ میں تین بڑے جنازے دیکھے ہیں:

(۱) حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کا جنازہ

(۲) شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا شفیق الرحمٰن درخواستیؒ کا جنازہ

(۳) فقیہ وقت حضرت مولانا عبدالمجید دین پوریؒ شہید کا جنازہ

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے آمین

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

عزیزاحمد یوسف زئی، بنوری ٹاؤن کراچی

آخرآخرراہنما گم ہوگئے

دوستدارانِ وفا گم ہوگئے — وائے اربابِ وفا گم ہوگئے
راستے پُر پیچ راہی دل فگار — رہبروں کے نقش پا گم ہوگئے
ضربتِ امواج تیرا شکریہ — ناؤ ڈوبی ناخدا گم ہوگئے
پڑگئی مدھم حدی خوانوں کی لے — شہ سوارانِ وفا گم ہوگئے
اول اول منزلیں اوجھل ہوئیں — آخر آخر راہنما گم ہوگئے

[شورش کاشمیریؒ]

۱۴۳۲ھ رجب المرجب کا مہینہ ہے، وقت تقریباً پونے آٹھ بجے کا ہے، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کا دارالحدیث بڑا ہی عجیب منظر پیش کررہا ہے، رحمتوں کا نزول ہے، تمام طلباء نے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں، آہوں اور سسکیوں کے درمیان ایک شخص کی رس گھولتی آواز کانوں میں پڑرہی ہے: جولمحات یہاں گزرے ہیں اللہ قبول فرمائے............اے اللہ! ہماری مشقتوں محنتوں کو قبول فرما......اے اللہ! ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما......اے اللہ! ہم سب کو اپنے دین کے لئے قبول فرما......ہماری نیتوں کو خالص فرما......ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا......اے اللہ......امام ترمذیؒ نے کتاب کے آخر میں باب رؤیة النبی ﷺ قائم کیا ہے۔ اے اللہ ہمیں بھی اپنے حبیب ﷺ کی زیارت نصیب فرما......قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ہمارا حشر فرما......حوض کوثر کا پانی نصیب فرما......یارب محمد! **تقبل منا انک انت السمیع العلیم.**

ہر ہر جملے پر تمام طلباء بھرائی ہوئی آواز اور نم ناک آنکھوں کے ساتھ ''آمین'' کی

صدائیں بلند کرتے ہیں، پھر دعاختم ہوتی ہے اوراس شخص کے یہ الفاظ ہمارے کانوں میں پڑتے ہیں۔استودعکم اللہ دینکم واما نتکم وخواتیم اعمالکم اور پھر وہ نورانی شخصیت طلباء سے رخصت لیتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

یہ شخصیت استاذِ محترم، درویشِ زمانہ، متبعِ سنت،گلشن بنوری کا دمکتا ہوا تازہ اور چمنستان بنوری کا گل سرسبد، نائب رئیس دارالافتاء بنوری ٹاؤن واستاذِ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن حضرت مولانا مفتی عبدالمجید شہید دین پوریؒ کی ہے، جو ترمذی جلد ثانی کے اختتام پر دعا کروا رہے تھے،آج بنوری ٹاؤن کا دارالحدیث مفتی صاحب شہیدؒ کے وجود کو ترس رہا ہے، بنوری ٹاؤن کے درودیواراُن کی جدائی میں افسردہ اور پُرملال ہیں۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لیکر اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لیکر

شہرکراچی کی سرزمین نے ہزاروں شہریوں اورسینکڑوں علماء وطلباء کا خون پی کر جذب کر لیا ہے، امت کی ان برگزیدہ ہستیوں اور پاک طینت انسانوں کا خون رائیگاں نہیں جائیگا، علماء کی یہ شہادتیں ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہیں، ایک سنہرے سویرے کی نوید ہیں، اک صبح نو کی آمد کی دلیل ہیں، ان علماء کی شہادتوں سے ہمارے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ مزید بڑھ گئے ہیں، ؎

ہم سے تاریخ ہے تاریخ کا عنوان ہیں ہم وقت بھی جانتا ہے وقت کی پہچان ہیں ہم
ہم سے الجھو گے تو انجام برا ہوگا رب کعبہ کی قسم مسلمان ہیں ہم
زندگی زندہ ہے دنیامیں ہمارے دم سے موت محکوم ہماری ہے مسلمان ہیں ہم

مولانا محمد دلشاد، فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن

ہمارے استاذ جیؒ

جمعرات ساڑھے بارہ بجے میرے ہم کلاس مولانا عبدالغفار صاحب کا موبائل پیغام ملا کہ: استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری اور اُن کے دیگر دو رُفقاء شہید ہو گئے ہیں۔ یہ میسیج پڑھتے ہی دل ایک مرتبہ پھر صدمے سے لبریز ہو گیا، ابھی استاذ محترم حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب شہید کی جدائی کا زخم بھرا نہ تھا کہ ایک اور کاری زخم لگ گیا۔ ہمارے مادرِ علمی ''جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی'' کا ایک اور ستون گرا دیا گیا۔ گلستانِ بنوری کا ایک مہکتا پھول مسل دیا گیا...... ہمارے مادرِ علمی پر پے در پے ٹوٹنے والے مصائب

صُبّت علیّ مصائب لو انها صُبّت عَلَی الایّامِ صِرنَ لَیَالِیا

کا مصداق ہیں۔ لیکن ہم بحیثیت ایک مسلمان اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکار کے یہی کہہ سکتے ہیں:

والعین تدمع والقلب یحزن ولانقول الامایرضیٰ ربنا ونحن بفراقك یا عبدالمجید لمحزونون۔

استاذ محترم حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ نہایت ہی متواضع اور عاجز انسان تھے، عاجزی وانکساری گویا کہ طبیعت میں رچ بس چکی تھی۔ آپ رحمہ اللہ نے ہمیں ''ترمذی شریف جلد ثانی'' اور ''شمائل ترمذی'' پڑھائی۔

آپ کے بچپن کے زمانہ میں آپ کی تعلیم کی ابتدا (بسم اللہ) حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب رحمہ اللہ نے خان پور میں کرائی تھی۔ استاذ محترم فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے اگر کچھ تھوڑا بہت آتا ہے تو یہ حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی ہی برکت اور کرامت ہے، ورنہ میں تو کچھ نہیں۔

ایک مرتبہ بندہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں حضرت مولانا مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن مدظلہم کی خدمت میں بیٹھا تھا، تو دیکھا کہ حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ جو نائب رئیس دارالافتاء اور حضرت مفتی ابوبکر صاحب سے سینئر تھے، وہ کسی مسئلہ کے بارے میں مفتی ابوبکر صاحب سے

پوچھ رہے ہیں کہ کیا یہ جواب درست ہے؟ اور اس میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں فرمائی کہ کوئی اور بھی بیٹھا ہے۔

آپ رحمہ اللہ فضول گفتگو نہیں فرماتے تھے، ضرورت اور کام کی بات کرتے تھے، باقی وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے۔ اور وقت بالکل ضائع نہیں کرتے تھے۔ آپ کے پاس اتنا وقت تھا ہی کہاں کہ آپ اسے ضائع کرتے۔ میں نے کبھی بھی آپ رحمہ اللہ کو دارالافتاء میں فارغ بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت استاذِ محترم اپنا جوتا کسی طالب علم کو نہیں اٹھانے دیتے تھے۔ اسی طرح طلباء سے فرمایا کرتے تھے کہ: جب میں گزر رہا ہوں تو میری خاطر کھڑے نہ ہوا کرو اور نہ ہی کوئی میرے احترام میں رُکنے کی کی کوشش کرے۔ آپ سادہ سی سفید پگڑی باندھتے تھے، انداز اتنا سادہ ہوتا تھا کہ اجنبی آپ کو دیکھ کر عام انسان گمان کرتا تھا۔

صبح کی نماز پڑھانے کے لیے اکیلے ہی تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ کے صاحبزادوں نے کہا بھی کہ ہم میں سے کسی کو ساتھ لے جایا کریں، لیکن آپ نے کسی کو تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔ اسی طرح بارہا دیکھا گیا کہ گھر کے لیے اشیاء ضرورت بھی خود ہی خرید کر لے جاتے تھے۔ اخبار اور گھر کے لیے دودھ خرید کر لے جاتے ہوئے تو میں نے خود کئی بار دیکھا۔ ایک بار جمعہ کے دن حالات کچھ خراب تھے، آپ اخبار لینے نکلے تو قریبی اخبار فروش سے ''اسلام'' اخبار نہیں ملا۔ میں وہاں موجود تھا، میں نے آپ سے اجازت لے کر دوسری جگہ سے اخبار لا دیا، آپ نے اس کے دس روپے بھی عنایت فرمائے۔

گزشتہ سال ختم کتاب کے موقع پر زار و قطار روتے ہوئے دعا کرائی اور فرمایا:

ہمارا خوں بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

استاذِ محترم کے خان پور والے جنازے میں شرکت کی سعادت ملی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔ اور ہم سب کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد عثمان غنی، بہاول پور☆

وہ ملأ اعلیٰ والے

یہ دنیا بھی عجب تماشہ ہے.....کئی تماشوں کا مجموعہ، سراپا فسانہ ہے.....کئی افسانوں کا قصہ، اس تماشہ گاہ عالم میں بعض احمق، مسلمانوں کا ماضی.....اور بعض دوسرے انکا حال واستقبال پرکھ رہے ہیں..... کچھ تو کل گذشتہ کے زور وعروج پر آنسو بہا رہے ہیں اور..... کچھ آج موجودہ کے ضعف وزوال پر جشن منا رہے ہیں.....اور سر چڑھ کر اعلان کر رہے ہیں کہ..... یہ ہمارا ملک عنقریب جدت کے قالب میں تبدیل کیا چاہتا ہے، جس قالب میں مسجد ہوگی نہ مدرسہ...... درویش ہوں گے نہ ملاں، مگر.....مغرب کے مکتب میں بیٹھنے والوں کو کیا خبر، کہ..... مسجد بھی باقی رہے گی اور گونجتی اذان بھی.....مدرسہ بھی رہے گا اور اس کی صدا بھی، بوریہ نشین درویش مٹیں گے نہ بے باک ملاں.....نہ یہ مٹتے ہیں اور نہ یہ جھکتے.....نہ یہ بکتے ہیں اور نہ یہ ڈرتے..... بندوقوں کے دھانوں پر لہولہو..... قاتل انہیں مردہ تصور کرتے ہیں، مگر.....کم عقل اندھوں کی کہاں رسائی ......؟ کہ یہ اُس لہو سے کتنوں کو جنم دے جاتے ہیں۔

31 جنوری جمعرات کا ایک دن تھا.....کئی گھنٹوں سے کتابوں پر جھکا بندہ اب تھک چکا تھا، حسب معمول کچھ ستانے کے لیے آنکھیں بند کیں، مگر..... نیند آنکھوں سے کوسوں دُور رہی.....بے چینی واضطراب میں کروٹیں بدلتا آخر اٹھ کھڑا ہوا.....کیا شناسائی ؟ کہ یہ بے قراری ایک بڑے حادثے کا پیش خیمہ بنے گی، جوں ہی اٹھا.....توں ہی جامعہ بنوری ٹاؤن کے ایک رفیق کا پیغام پایا:

''جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری کو نرسری پُل کے قریب شہید کر دیا گیا'' اِنا للہ وانا الیہ راجعون، اِن للہ مااخذ

☆ فاضل: جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی.....ابن استاذ المجاہدین مولانا قاری محمد صادق مدظلہ

ولہ ما اعطی و کل شیئ عندہ باجلٍ مُسمی ۔جیسے ہی سُنا، دم بخود ساکت رہ گیا...... سانس خشک ہوگیا اور انگ انگ کانپ اٹھا، زمین گھومتی نظر آئی...... در و دیوار ہلتے معلوم ہوئے...... اور قلب وجگر پر گویا بجلی کی ضرب...... ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ملا...... ظلمت تھی اور گہرا دھواں۔

جب کچھ طبیعت سنبھلی تو تخیل کے پنہاں خانوں سے انمٹ یادوں کا ایک طوفان بھر پڑا...... اور صفحۂ دماغ پر کئی نقشے کھینچ گیا...... پھر حال کا یہ رخ ماضی کو مُڑ گیا...... جب سویرے صُبح کو بیدار ہوتا اور کتابیں سنبھالے مکتب کو چل پڑتا...... اپنی نشست پر بیٹھ جاتا اور حضرت دین پوریؒ کا انتظار کرتا۔ میں بھی ایک گلشن میں ہوتا اور...... سامنے بھی ایک گلشن لگا ہوتا۔ جہاں صبا و نسیم کی شمیم ہوائیں ہوتیں اور خوشبو و عطر کی عجیب مہک...... بُلبُلوں کے چہچہاہٹ ہوتی اور خوش آوازوں کے زمزمے...... مسحور کن شور ہوتا اور عجب پُر کیف منظر، اُس گلشن کے اِس انداز پر میں بھی مچل پڑتا اور اُس گلشن کے عندلیب کی بڑی آرزو کرتا...... تب جا بجا درختوں کے جُھرمٹ سے میرا بھی خوشنوا نکلتا۔ چمکتا دمکتا...... خوشبو سے مہکتا...... ہوا سے لہکتا مجھ تک آ پہنچتا...... اُونچے نشیمن پر بیٹھ جاتا اور پھر نغمہ پُر سوز الاپنے لگتا۔

حضرت دین پوریؒ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ترمذی شریف کی جلد ثانی پڑھایا کرتے تھے...... فجر کے بعد کچھ وقفے سے حضرتؒ تشریف لاتے اور ہم سبھی دوزانوں بیٹھ کر حضرت کو دیکھتے رہتے...... ابھی پیاس بجھتی تھی نہ...... کہ حضرتؒ چلے بھی جاتے۔

آہ...... آج میں اپنے استاد کی کن کن اداؤں کا ذکر کروں اور کون کونسی عظمتوں کا خاکہ بناؤں......؟ مجھ ناتواں میں ہمت ہی کیا......؟ بس مضمون عاشقانہ ہے...... اور گلگشتِ مستانہ...... نصیبوں کا رونا ہے اور اُمید موہوم پر خوش ہونا...... میں سمجھتا ہوں کہ...... نہ ثنا خوانی کا ڈھنگ مجھے اور...... نہ الفاظ ومطالب سے نسبت میری...... نہ تو ایسی سرگزشت زبان پر لاسکتا ہوں کہ اس کا نشتر ہر دل پر کھٹک جائے...... اور نہ ایسے خط وخال کو اُٹھا سکتا ہوں جو ہر نظر میں کُھب جائے...... نہ وسعتِ خیال اتنی...... نہ پروازِ فکر اُونچی...... مگر کیا کروں...... میرا دل بھی تو مغموم

ہے اور پھٹ جانے پر مجبور ہے...... کچھ ٹوٹی پھوٹی باتیں ہیں...... اور بے ربط بکھری یادیں۔

حضرت دین پوریؒ......لاٹھی ٹیکتے علی الصبح تشریف لاتے اور اپنی مسند پر بیٹھ جاتے......سر جھکائے عبارت بڑے غور سے سنتے......اور پھر دِلرُبا کلام فرماتے......حضرت کے الفاظ بھی میٹھے...... بیان کا انداز بھی میٹھا، سمجھانے کا ڈھنگ بھی میٹھا اور تنبیہ کا طریقہ بھی میٹھا...... حضرتؒ کی ذات مجموعۂ مٹھاس تھی، حضرت دین پوریؒ عالی کردار تھے......اور نرم گفتار بھی...... ان کی عاجزی اور دوست مزاجی نے جب مجھے قریب کیا تو میں اُن سے لپٹ گیا...... حضرت سے عقیدت بڑھ چکی تھی اور ان کی محبت رچ بس چکی تھی...... میں ہفتہ بھر تو حضرتؒ کی مصروفیت کا خیال رکھتا اور دور دور سے بس زیارت پر اکتفاء کرتا، مگر......جمعرات کے روز مغرب کے بعد مجھے بھی چھٹی ہوتی اور حضرتؒ بھی دارالافتاء میں تنہا ہوتے ......جیسے ہی دیکھتا خوشی سے جھوم جاتا...... اجازت لیکر حضرت کے قدموں میں بیٹھ جاتا اور جھک کر سلام کرتا......حضرتؒ خندہ پیشانی سے مصافحہ فرماتے...... بڑی اپنائیت سے پاس بٹھاتے......گھر کی خیریت فرماتے اور والد صاحب مدظلہ کا خاص طور پر پوچھتے...... احقر قدموں میں بیٹھا ڈھیر ساری باتیں کرتا اور پیاسی آنکھوں کو سیراب کرتا......حضرتؒ کی خدمت بھی کرتا اور لوٹتے ہوئے دعائیں بھی سمیٹتا۔

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ...... اُستاد جی سال بھر کسی پر خفا ہوئے ہوں...... طالبعلم درجہ اعدادیہ کا ہو یا دورۂ حدیث کا......طالبعلم تو طالب علم ہوتا ہے...... غلطی، خطا، لغزش، کم فہمی و کم عقلی کا پُتلا، مگر...... یہاں تو شفقت ہی کچھ اور تھی ...... نہ کسی کو ڈانٹتے ہوتے دیکھا...... اور نہ کسی کو جھڑکتے ہوئے......بس تبسم ہی تبسم تھا اور لطافت و نرمی۔

سخت گرمی کے موسم میں ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں نیند آ جانا انسان کی فطرت ہے...... بعض ساتھی صبح حضرتؒ کے گھنٹے میں جب کتاب پر جُھکتے تو جھکتے ہی چلے جاتے......حضرتؒ جب دیکھتے......تب شاگردوں کو تحمل کا مفہوم سمجھ آتا...... مشفق حضرتؒ نہ تیوری چڑھاتے نہ مروجہ

طریقے سے لٹھ دے مارتے، بلکہ بڑے ناز سے مسکرا دیتے اور پھر ایک میٹھا جملہ ارشاد فرماتے: "ارے بھائی! اپنے آس پاس والوں کو دیکھ لیا کرو کہ کوئی "ملاء اعلیٰ" میں تو نہیں پہنچا ہوا"۔ ہائے قربان جاؤں استاذ جیؒ!...... مسکراہٹ کے اُس انداز پر اور خوشبو والے اِن الفاظ پر......اب کون اس طرح سے مسکرائے گا؟......اور ایسے الفاظ کیونکر سنائے گا۔

آہ...... ماضی کا ورق ورق مجھے یاد ہے...... حضرتؒ کا چلنا پھرنا بھی یاد...... رُک کر کھڑے ہونا بھی یاد...... حضرتؒ کا درس گاہ میں آنا بھی یاد اور حدیث کا سبق پڑھانا بھی یاد...... سوتوں کو جگانا بھی یاد اور جاگتوں سے دل لگی بھی یاد۔

اگرچہ آج اخباروں کی سُرخیاں ......اور چار سو پھیلی ویرانیاں میرے حضرتؒ کو مردہ دکھاتی ہیں مگر......وہ رب عظیم خود قرآن میں اُنہیں زندہ بتاتا ہے...... ہاں ایسی بلند زندگی اور اتنی اُونچی......کہ جہاں تم نہیں۔

لاریب حضرت دین پوریؒ زندہ ہیں زندہ......مگر تم سوچو...... سیاہ رُوغنڈو!...... بد باطن کمینو!......دُنیا کے پُجاری ایمان فروشو!......تمہارے ہاتھ کیا آیا......؟ وہ ملأ اعلیٰ والے تو مر کر بھی امر ہو گئے اور حیات جاوداں پا گئے......مگر تم نے کیا پایا؟ سوائے گناہ...... معصیت...... دنیوی ذلت اور آخرت کا خسارہ۔ 

محمد عبیدالرحمٰن، جامعۃ الصابر، بہاولپور

استاذِ محترمؒ......کچھ باتیں کچھ یادیں

واقعی عالم کی موت عالم کی موت ہے۔"موتُ العالمِ موتُ العالم"

استاذ محترم حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور استاذ محترم حضرت مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ کی شہادت کو کئی مہینے بیت گئے......لیکن ابھی تک دل ان کی جدائی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں، علمی دنیا میں ایک عجیب سا خلا محسوس ہورہا ہے۔ حضرت دین پوریؒ کی شہادت سے صرف جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی مسندِ افتاء اور مسندِ حدیث، جامعہ معہد الخلیل کی مسندِ افتاء، مدرسہ درویشیہ کی مسندِ حدیث اور جامع مسجد الحمراء کے منبر ومحراب ہی یتیم نہیں ہوئے بلکہ حضرت کے ہزاروں شاگردوں کا ایک عالَم یتیم ہوا ہے۔ جہانِ علم کے مضبوط ستون گرائے گئے ہیں، ظالموں نے......اللہ ان ظالموں کو عبرتناک انجام سے دوچار فرمائے اور امتِ مسلمہ کو ان اکابرین کا نعم البدل عطاء فرمائے۔ آمین

حضرتؒ کی سوانح عمری تو لکھنے والے لکھتے رہیں گے مجھے تو آج حضرتؒ کی چند یادیں اور چند باتیں نذرِ قارئین کرنی ہیں، غرض صرف یہ ہے کہ ان باتوں میں ہم طالبعلموں کے لئے بہت سے اسباق ہیں، ممکن ہے انہیں پڑھ کر عمل کا کوئی دھنی کمر کس لے اور اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرے۔(وما ذلک علی اللہ بعزیز)

حضرت دین پوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات سے نوازا تھا، اکابرین علمائے دیوبند کی جو صفات کتابوں میں پڑھتے تھے ان کا عملی نمونہ حضرتؒ کی شخصیت میں دیکھا۔ شفقت، محبت، عاجزی وانکساری، عبادت وریاضت، للّٰہیت وخشیت، بردباری، کمالِ استغناء اور بے پناہ تفقہ فی الدین آپؒ کے وہ عمومی اوصاف تھے جن کا ہر ایک مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ بیک وقت چار اداروں کے کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود تواضع اور سادگی پورے جوبن پر تھی......

لباس صاف ستھرا اور عمدہ ضرور ہوتا تھا لیکن اس میں کہیں بھی تصنع یاریاکاری کا کوئی پہلو تلاش کرنے سے بھی کسی کو نہ ملا ہوگا۔ لباس اور وضع قطع میں جا بجا سنت کا نور چمکتا تھا۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ اس آخر عمر میں بھی دودھ اور سودا سلف لینے خود جاتے تھے، دودھ کی دکان پر اکثر رش ہوتا تو حضرت خندہ پیشانی سے انتظار بھی فرمالیتے، حالانکہ آپ کو ہر وقت سینکڑوں وفادار شاگرد میسر تھے جو صرف اشارے پر ہر خدمت بجالانے کو سعادت سمجھتے تھے لیکن شاگردوں کے اصرار کے باوجود آپؒ کام خود فرماتے اور اس میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے...... ایک بار حضرت کو غالباً کوئی سفر درپیش تھا، جامعہ سے رخصت کے لئے آپ نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے نام درخواست لکھ کر راقم الحروف کے حوالے کی کہ دفتر اہتمام میں دے آؤ، راستے میں درخواست پر نظر پڑی تو دل دھل کر رہ گیا۔ درخواست میں وہی طالبعلمانہ اور عاجزانہ انداز اور سادہ سی درخواست...... اپنے مقام اور منصب کی جھلک تک بھی درخواست کے مضمون میں نہ آنے دی...... یقیناً بڑے لوگوں کے سینے بھی بڑے ہوتے ہیں ہم جیسے تہی دست لوگوں کے لئے اس میں بڑا سبق ہے۔

حضرتؒ کی شہادت کے بعد جامعہ کے اساتذہ کا کہنا ہے کہ جامعہ میں سب سے زیادہ معمولات اور ذکر اذکار آپ ہی فرماتے تھے، فقہ وفتویٰ کے معاملے میں آپؒ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی نوازش تھی، مجال ہے کہ کوئی معمولی سے معمولی غلطی آپ کی گرفت سے بچ سکے، رات دس بجے تک تنہا دارالافتاء میں بیٹھے دن کے بچے ہوئے فتاویٰ دیکھتے رہتے، استغناء کا یہ عالم تھا کہ کوئی مالدار مستفتی اپنے مال کی وجہ سے تھوڑا سا بھی اکڑپنا دکھاتا تو اس کی شامت آجاتی، حضرت اس کی طبیعت صاف فرمادیتے اور طلباء یہ منظر دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے کہ دیوبند کا سپوت کس انداز سے گرج رہا ہے۔

آہ! استاذ جی! آپ کی کس کس ادا کا تذکرہ کروں، گذشتہ سال ایک دن جب کہ آپ رات کو دارالافتاء کا کام نمٹا کر واپس جارہے تھے تو چلتے چلتے اچانک آپؒ کے بائیں گھٹنے میں تکلیف شروع ہوگئی جو آخر دم تک موجود رہی، ایک دن کسی نے تکلیف پر دکھ کا اظہار کیا تو حضرت نے کسی بزرگ کا واقعہ سنایا کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو یہ شعر پڑھا کرتے۔

لطفِ سجن دم بدم
قہرِ سجن گاہ گاہ
ایں وی سجن واہ واہ
اُوں وی سجن واہ واہ

شعر پڑھتے ہوئے حضرت کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور فرمانے لگے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں اگر مالک کی طرف سے تھوڑی سی تکلیف آ گئی تو کیا ہوا؟، مجاہدین سے آپؒ کو بہت محبت تھی جب بھی طالبان اور امارتِ اسلامیہ کا تذکرہ ہوتا تو آبدیدہ ہوجاتے اور اپنے کچھ واقعات بھی سنا دیتے۔

آپؒ کا صحیح علمی مقام تو علماء ہی جان سکتے ہیں کیونکہ ''انما یعرف ذاالفضل من الناس ذووہ'' لیکن اتنی بات تو انکا ہر شاگرد اور ہر تعلق دار سمجھتا اور مانتا تھا کہ فقہ اور افتاء کے میدان میں آپؒ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ بنوری ٹاؤن جیسے عظیم علمی مرکز کے ''صدر مفتی'' تھے۔ دارالافتاء سے جاری ہونے والے فتاویٰ پر آخری دستخط آپ ہی کے ہوتے تھے۔ آپؒ ایک ایک فتویٰ خود پڑھتے، اگر اس میں کوئی کمزوری رہ گئی ہوتی تو اس کی اصلاح فرماتے۔ کبھی کبھار آپ فتویٰ کے آخر میں چند الفاظ ایسے لکھ دیتے کہ پورا فتویٰ ان الفاظ سے بدل کر رہ جاتا...... اساتذہ کرام اکثر طلباء کو یہ نصیحت کرتے رہتے تھے کہ ''بڑے مفتی صاحب'' اگر کسی فتویٰ کے آخر میں کچھ لکھیں تو اسے لازماً پڑھا کرو اور پوری توجہ سے پڑھ کر سمجھنے اور ذہن میں بٹھانے کی کوشش کیا کرو، کیونکہ وہ بات اپنے پس منظر میں مضبوط علم اور وسیع تجربہ رکھتی ہے اور واقعتاً ایسا ہی ہوتا تھا۔ انسان حیران ہوتا تھا کہ کہاں اتنی محبت سے لکھا گیا پورا فتویٰ اور کہاں یہ چند نپے تلے الفاظ کہ جنہوں نے فتویٰ کا رخ ہی موڑ دیا اور مسئلہ کی ایسی شق سامنے آ گئی جو نظروں سے اوجھل تھی۔ یقیناً یہ مقام اور یہ تفقہ طویل اور مسلسل محنتوں وریاضتوں سے ہی نصیب ہوتا ہے، ایسے ہی بیٹھے بٹھائے نہیں مل جاتا۔

حضرت استاذ جیؒ کی ایک لاجواب خوبی یہ بھی تھی کہ دین اور دین کے احکامات کے

بارے میں آپ کا مزاج اور طرزِ عمل بہت صاف اور دوٹوک تھا۔ بات کو گھمانا، گول مول بات کرنا یا تاویلاتِ بعیدہ کا سہارا لینے کا آپ کے ہاں تصور بھی نہ تھا۔ ہر چند کہ آپ عوام کے لئے مسائل میں آسانی اور سہولت پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، لیکن شریعت کے مزاج کو بھی نہ بگڑنے دیتے۔ صاف گوئی اور بے باکی آپ کے ممتاز اوصاف تھے۔ گزشتہ سال جب سندھ میں ایک نو مسلم لڑکی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور عدالت نے اسے دارالامان بھیجنے کا حکم صادر کیا تو اس بارے میں بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے استفسار کیا گیا تو آپؒ نے دوٹوک انداز میں عدالت کے اس فیصلے کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر اس فیصلے کو غلط قرار دیا۔ ایسے بہت سے واقعات ذہن میں گردش کر رہے ہیں۔ کاش! کہ جگہ کی قلت آڑے نہ آتی تو سپردِ قرطاس کر دیئے جاتے۔

اعتدال بھی آپؒ کی ایک نمایاں خوبی تھی، آپ شریعت کے ہر حکم کو اس مقام پر رکھتے تھے۔ تعلیم وتعلم، درس وتدریس جہاد وقتال، دعوت وتبلیغ، خطابت وسیاست الغرض دین کے ہر شعبے اور ہر کام کو آپؒ اس کا صحیح مقام دیتے تھے۔ مجھے وہ منظر کیسے بھولے گا کہ گزشتہ سال بنوری ٹاؤن کے تبلیغی احباب نے ہفتہ وار بیان حضرت استاذ جیؒ کا رکھ دیا۔ حضرت استاذ جی نے اول تا آخر پورا بیان اپنی عالمانہ شان کے مطابق کیا اور اس بیان میں دین کے تمام شعبوں کی افادیت وضرورت کو خوب کھول کر بیان فرمایا اور پھر بیان کے بعد جب تشکیل کا سلسلہ شروع ہوا تو نام لکھنے والے ساتھی کے منہ سے اس قسم کا جملہ نکل گیا کہ ''تمام طلباء سو فیصد تبلیغ میں نکلنے کی ترتیب بنائیں'' حضرتؒ اس وقت ابھی منبر پر تشریف فرما تھے، فوراً اس ساتھی کو ٹوکا اور اصلاح کرتے ہوئے فرمایا ''بھائی! اگر سو فیصد لوگ تبلیغ میں لگ گئے تو دین کے باقی کام کون کرے گا؟ یہی بات تو سمجھا رہا ہوں۔''

جگہ ختم ہو چکی ہے اور یادوں کا ایک طوفان دل ودماغ میں برپا ہے اور ادھر استاذِ محترم حضرت مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ کی بھی بے شمار یادیں دل میں بسی ہیں......لیکن کس کس بات کو لکھا جائے؟ چلیں آج تو اسی دعا پر بات ختم کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہم سب کو اس عظیم سانحہ پر صبر عطا فرما اور ہمیں بھی اپنے ان اساتذہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرما۔ (آمین)......زندگی نے وفا کی تو پھر کبھی یادوں کا دریچہ وا کریں گے۔ ان شاء اللہ ☆☆

محمد سفیان حمید، سرگودہا

اٹھ کے مئے کدہ سے چل دیا وہ ساقی

آہ! یہ کس آفتاب عالم تاب کی رحلت ہے کہ سارا جہان تاریکی میں نہاں ہے۔ یہ کس قمر منور کی فرقت ہے کہ ہر طرف ظلمت کا راج ہے اور ہاں ماضی قریب سے اب تک آسمان علم عرفان کے تابندہ ستارے بڑی بڑی تیزی سے عالم فانی سے عالم بقاء کی طرف کوچ کررہے ہیں۔ چمکتے فانوس گم ہوگئے، تاریکیوں میں اضافہ ہوا، علم وعمل اور محبت ومعرفت کے مے خانے ویران ہونے لگے ؎

یکایک جو چھاگئی ہیں غم و درد کی گھٹائیں
گیا کون اس جہاں سے کہ بدل گئی ہیں فضائیں
اٹھا سائبان شفقت بڑی تیز دھوپ دیکھی
نہیں دور دور چھاؤں کہاں اپنا سر چھپائیں

جی ہاں! آسماں بھی گریہ وزاری کررہا ہے، زمیں بھی سسک رہی ہے، سجدہ گاہیں بھی تڑپ رہی ہیں، جلوہ گاہیں اداس ہیں، مسجدوں پر گریہ طاری ہے، اب تو زندگی کا ہر لمحہ اداسی میں گزررہا ہے، ہر طرف فضا سوگوار ہے، ماحول پر ہُو کا عالم ہے، جس کے جانے سے اصحاب مدارس کی جان پر پڑی ہے، وہ چمکتا دمکتا ستارہ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ ہیں۔ موت العالم موت العالم، صحیح معنوں میں اس کے مصداق تھے۔ علمی دنیا میں ایک عجیب سا خلاء پیدا ہو چکا ہے۔ معرفت کے فلک پر سے مہر درخشاں ہٹ گیا ہے۔ طبیعتیں آزردہ ہیں۔ حضرت کی شہادت سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، جامعہ معہد الخلیل، مدرسہ درویشیہ کی ایک ایک اینٹ فراق یار کی الم ناک داستان سناتی محسوس ہوتی ہے۔ ان مدارس کی

ہر دیوار سے درد ٹپک رہا ہے۔ مسجد الحمراء کا ایک ایک انچ غم میں آکر مرثیہ پڑھ رہا ہے۔ چہار سو عالم نالہ گری کی لپیٹ میں ہے تو اس موقع پر یہ اشعار ذہن میں گونج رہے ہیں۔

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی　　اک مسافر کی راہ تمام ہوئی
شب سیہ پوش ہو گئی غم سے　　صبح کی آنکھ لالہ فام ہوئی
جب ملے دل سے دل قریب ہوا　　روح سے روح ہم کلام ہوئی
لاکھ گرہوں میں بند تھی پھر بھی　　مشک وعنبر کی موج عام ہوئی

حضرت دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت خوبصورت خوبیوں کا ایک حسین گلدستہ تھی۔ جس میں ہر قسم کے پھول جمع کر دیئے گئے تھے۔ علم، عمل، حق گوئی، اخلاص، فقاہت، ذوقِ عبادت، دلیری، محبت، شفقت اور رسوخ فی العلم، آپ شفقت کے پیکر، مجسم محبت اور ہر دلعزیزی کے مظہر تھے۔ آپ کی محفل میں محبت، پیار، اخوت، تحمل، رواداری، راحت، عجز وانکساری، فکر آخرت اور غیرت ایمان کے جام بے تحاشہ پلائے جاتے تھے اور نفرت، بغض، حسد، کینہ اور عداوت کی آگ خاکستر ہو جاتی تھی۔

اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا بندہ کہستانی

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے جامعہ مخزن العلوم خان پور سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن تک کے تعلیمی سفر کو دیکھا جائے تو اساتذہ کی توجہات حاصل کرنے، فرماں بردار اور خدمت گزار شاگرد کی حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ بچپن سے ہی بڑوں کے منظور نظر ہونے پر نظر کی جائے تو امت کی رہنمائی کے لئے خدا کا انتخاب بے مثال نظر آتے ہیں۔ فراغت سے شہادت تک تدریس کے ایسے جوہر دکھاتے ہیں کہ بڑے بڑے دانش ور مفکر حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔ پروردگار عالم نے ہر صفت کو ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، فقہ اور افتاء کے میدان میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ بنوری ٹاؤن جیسے عظیم علمی مرکز کا صدر مفتی ہونا آپ کی اعلیٰ

صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔آپ اہل حق کے جوان عزم، ولولہ انگیز اور جفاکش مجاہد کی شکل میں جلوہ گر ہوئے تھے۔مجاہدین سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ جب کبھی ذکر چھڑ جاتا تو آنکھیں پرنم ہوجاتی۔اعتدال میں آپ بہت آگے تھے۔تعلیم وتعلم، درس وتدریس، جہاد وقتال، دعوت وتبلیغ، خطابت وسیاست الغرض دین کے ہر شعبے کو آپ اس کا صحیح مقام دیتے تھے۔آپ عبادت وریاضت، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وعزم اور جہدِ مسلسل، رات کے راہب اور دن کے شہسوار، حب دنیا، طمع ولالچ سے بے پرواہ، عاجزی وانکساری، خلاصہ یہ کہ آپ شریعت کے ہر حکم میں اعتدال سے کام لیتے تھے۔خدا سے دعا ہے کہ ہمیں ان کی صفات سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

تاریخ اسلام کا یہ علم عمل کا مہکتا پھول گلشن اجل کے گل چیں کی نظر ہوگیا، اس میکدہ کی رونق اب خواب بن چکی ہے۔اسلام کا وہ نامور شہسوار موت سے ہم آغوش ہوگیا اور ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء کو دارفانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کرگیا۔ خدا ان کو کروٹ کروٹ اپنی رحمت سے نوازے۔[آمین]

اٹھ کہ میکدہ سے چل دیا وہ ساقی
وہ مے بوخم صراحی ہے ابھی باقی

مولانا محمد عمران ممتاز ☆

ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو!

خلیفہ ہارون الرشید ایک دن رقہ تشریف لائے، دیکھا کہ لوگوں کا ایک جم غفیر کسی شخص کو دیکھنے اور ان سے مصافحہ کرنے کے لیے ان کے پیچھے کھنچا چلا آرہا ہے، معلوم ہوا کہ یہ اس وقت کے عظیم محدث، مجاہد اور عابد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہیں، ہارون رشید کی زوجہ زبیدہ یہ سارا منظر اپنے محل کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی، جب اس نے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھی جو اس عالم کو صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے اس قدر مضطرب اور بے چین ہے تو حیرت واستعجاب اور جستجو کے عالم میں پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ خراسان کے ایک عالم ہیں جو رقہ تشریف لائے ہیں، انہیں عبداللہ بن مبارک کہا جاتا ہے، یہ سن کر زبیدہ کے منہ سے عقیدت واحترام کے جذبہ میں ڈوبا ہوا وہ تاریخ ساز جملہ نکلا جو برسہا برس گزر جانے کے بعد آج بھی زندہ وتابندہ ہے، فرمایا:

''ھذا واللہ الملک ،لا ملک ھارون الذي لا یجمع الناس إلا بالشرطة والأعوان''

ترجمہ: بخدا یہی حقیقی بادشاہت اور حکمرانی ہے، نہ کہ ہارون کی بادشاہت جو لوگوں کو صرف فوج اور گماشتوں کی مدد سے ہی جمع کر سکتی ہے۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اللہ تعالی آسمانی علم حاصل کرنے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کی محبت وچاہت لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں، پھر وہ **''یوضع لہ القبول في الأرض''** کا مصداق بن جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے اس عالم دنیا سے کوچ کرنے جانے کے بعد ہر خاص وعام کی آنکھیں اشک بار ہوتی ہیں، بہتیرے ایسے بھی ہوتے ہیں جو انہیں نام سے تو نہیں جانتے، لیکن اس خداداد محبت کی وجہ سے موت کی خبر سنتے ہی ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

☆ رفیق دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کی محبت اللہ تعالیٰ نے مدرسہ کے طلباء، ان کے متعلقین ومنتسبین اور عام عوام کے دلوں میں ڈال دی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب ان پر قاتلانہ حملہ کی خبر پھیلی تو ہر شخص نے ان کا حال معلوم کرنے کے لیے جامعہ کا رخ کیا، بعض تو ضبط نہ رکھ سکے اور فوراً اسپتال پہنچے، پھر موت کی خبر سننے پر آنکھوں سے جاری آنسوؤں کا سیلاب بھی دلوں میں پوشیدہ محبت کے راز افشاء کر رہا تھا، نمازِ جنازہ میں موجود ہزاروں کا مجمع دیکھ کر ہارون رشید کی زوجہ، زبیدہ کا یہ جملہ بار بار ذہن کی کھڑکیوں پر دستک دے رہا تھا کہ یہی حقیقی بادشاہت ہے، یہی! دلوں پر حکمرانی ہی اصل حکمرانی ہے!

شہادت سے پہلے بھی حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ ہر دلعزیز شخصیت تھیں، وہ متخصصین اور دارالافتاء میں نشست فرما مفتیانِ کرام کے درمیان ''بڑے مفتی صاحب'' کے لقب سے مشہور تھے، ''بڑے مفتی صاحب نے فتوی کے سلسلے میں بلایا ہے، بڑے مفتی صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق یوں فرمایا ہے'' وغیرہ وغیرہ روز سنے جانے والے جملے تھے، وہ واقعی بڑے بلکہ بہت بڑے مفتی تھے، ان کی فقاہت دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔

کسی معاملہ میں پھنسے ہوئے شخص کو اس سے کیسے نکالا جائے؟ اس کے لیے فقہاء کرام نے ''حیل'' کے زیرِ عنوان کچھ اصول ومسائل وضع کیے ہیں، اس کی اصل غرض مجبور ولاچار شخص کو اس پیچیدگی سے نکالنا ہے، جس میں وہ پھنسا ہوا ہے اور شریعت میں اس کے لیے کچھ گنجائش ہو، قاعدہ کلیہ بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا کہ آئندہ اس طرح کے معاملہ میں یوں ہی کیا جائے۔ ایسی صورتِ حال میں جب اوروں کی سوچ جواب دے جاتی تو آپ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کوئی ایسی تدبیر نکال دیتے کہ تنگی بھی دُور ہو جاتی اور شریعت کا حکم بھی پامال نہ ہوتا۔

درس وتدریس اور افتاء کی مصروفیت میں ہمیشہ انہیں مشغول ہی پایا، خاص کر افتاء کا مشغلہ تو ان کا اوڑھنا بچھونا ہی تھا، صبح دورۂ حدیث میں ترمذی شریف کے درس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوتا اور رات گئے تک یہ سلسلہ جاری وساری رہتا۔

شہادت والے روز جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن سے نکل کر مدرسہ درویشیہ ہی جارہے تھے، راقم الحروف مفتی عبدالقادر صاحب کے سامنے تصحیح کروانے کی غرض سے بیٹھا تھا کہ یکا یک مفتی صالح محمد صاحب کاروڑی شہید رحمہ اللہ کی آواز نے متوجہ کیا ''بڑے مفتی صاحب سے اس استفتاء پر دستخط کرا کے لاؤ''، سوال نامہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب ''قاموس الفقہ'' کے حوالے سے مضاربت کی تعریف اور اس کے حکم میں ظاہری تعارض کو ذکر کر کے اس کا حل طلب کیا گیا تھا، مفتی صالح محمد صاحب رحمہ اللہ نے خلافِ معمول اس سوال کا جواب اپنے ہی دستِ اقدس سے لکھا، حسنِ اتفاق سے سائل ان دونوں حضرات کو مدرسہ درویشیہ لے جانے کی خدمت پر مامور طالب علم حسان شہید تھے، بندہ وہ فتوی لیے بڑے مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ کسی مسئلہ کے متعلق مفتی محمد شفیق عارف صاحب سے بات چیت کر رہے تھے کہ مستفتی سے وضاحت لے کر جواب دینا چاہیے، مستفتی موقع پر موجود تھا، تنقیح لی گئی اور اسی کے مطابق جواب لکھنے کا حکم دیا، اتنے میں مفتی صالح محمد صاحب خود بڑے مفتی صاحب کی نشست کی طرف تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت! یہ فتوی حسان کا ہے، دستخط کرلیں تا کہ یہ فتوی ساتھ لے جائے، بڑے مفتی صاحب نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس سوال نامہ پر ڈالی، گھڑی کی سوئی اس وقت ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ سے متجاوز ہو چکی تھی، بڑے مفتی صاحب نے فرمایا کہ دماغ ابھی تروتازہ نہیں، دوپہر میں تازہ ذہن کے ساتھ دیکھ لوں گا، یہ فتوی حسان کل لے جائے، حسان شہید رحمہ اللہ نے بھی کسی اصرار کے بغیر ''ٹھیک ہے'' کہہ کر حامی بھر لی، اس کے بعد یہ قافلۂ شہیداں اپنے مقتل بلکہ مشہد کی طرف روانہ ہوا، اس طرح زندگی کے آخری لحات میں بھی یہ حضرات علمی مباحث اور مشغولیت میں مصروف رہے، پھر یہ سفر بھی تدریس وافتاء کی خدمت کے سلسلے میں مدرسہ درویشیہ جانے کے لیے تھا، یہ سب کچھ سوچ کر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا واقعہ یاد آتا ہے کہ انہوں نے اپنی حالتِ نزع میں عیادت کی غرض سے آنے والے ابراہیم بن جراح سے سوال کیا کہ ایک مسئلہ ہے، اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ جواب دیا: حضرت! اس حالت میں کسی مسئلہ کے متعلق بحث وتمحیص؟! کہا: کوئی حرج نہیں، ہم مذاکرہ کرتے ہیں، ہوسکتا ہے کسی کو فائدہ

ہو، پوچھا: اے ابراہیم! رمی جمرات، پیدل کرنا افضل ہے یا سوار ہونے کی حالت میں؟ انہوں نے یکے بعد دیگرے پیدل اور سوار جواب دیا، دونوں جوابوں کے متعلق فرمایا کہ غلط جواب دیا، پھر استفسار پر صحیح جواب بتایا کہ جس رمی کے بعد دعا ہو وہ رمی پیدل کرنا افضل ہے، جہاں دعا نہیں وہاں سوار ہو کر رمی کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یہ علمی مجلس گزار کر ابراہیم گھر کے دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ رونے کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں، جس سے انہیں امام ابو یوسف کے انتقال کا علم ہوا، رحمه الله رحمة واسعة.

آج بڑے مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ ہم میں نہیں رہے، لیکن ان کی باتیں، ان کی سنت کے مطابق ادائیں ہمیں یاد ہیں اور یاد رہیں گی۔

؎ بارے دنیا کے رہو غم زدہ، یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

مولانا غلام مصطفیٰ، کراچی ☆

مشفق ومتواضع شخصیت

باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔اس جہانِ فانی میں بے شمار لوگ آئے اور چلے گئے، زمانے کی گردش اپنی پُر فریب رفتار سے چلتی رہی اور آنے جانے والوں کا نظارہ کرتی رہی، چلے جانے والوں کا ذکر بھی ان کے وجود کی طرح مٹی میں مل گیا،لیکن اللہ ہی کی مخلوقات میں سے کچھ رفیع الصفات، باکمال ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے وجودِ مسعود سے تو لوگ محروم ہوجاتے ہیں، لیکن نہ صرف یہ کہ ان کا نام باقی رہتا ہے بلکہ وہ اپنے عظیم الشان علمی اور عملی کارناموں کی وجہ سے جوانہوں نے زمانے کے شدائد کو سہتے ہوئے اور انتھک محنت کے ذریعے عرق ریزی وجانفشانی سے سرانجام دیئے ہوتے ہیں، ہمیشہ کے لئے باقی رہ کر تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں اور بعد میں آنے والوں کے لئے نشانِ منزل ثابت ہوتے ہیں اوران کی حیاتِ مستعار دوسروں کے لئے مشعلِ راہ ہوا کرتی ہے ۔

مت سہل جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردوں سے نکلتا ہے انسان

انہی برگزیدہ وستودہ صفات ہستیوں میں سے ایک ہستی استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کی بھی تھی۔آپ کی شہادت کا سانحہ ایسا دلخراش تھا کہ دل ہرگز یقین کرنے کو تیار نہ تھا، چند منٹ قبل زیارت ہوئی اور کچھ ہی دیر بعد یہ اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ ''بڑے مفتی صاحب شہید کردیئے گئے ہیں''۔

آپ کی شہادت پر یقین بھی کیسے کیا جاتا کہ بغیر کسی سابقہ آثار وقرائن کے ایک غیر متنازع، منکسر المزاج، متواضع صفت، خالص علمی ذوق ومصروفیات رکھنے والے اور سیاسی سرگرمیوں سے کوسوں دور، ایک بے ضرر انسان کو اچانک چھین لیا گیا،لیکن قادرِ مطلق علیم وحکیم

☆ فاضل ومتخصص جامعہ بنوری ٹاؤن

ذات کے فیصلوں کے سامنے دل ودماغ کوسوائے تسلیم کے کوئی چارۂ کارنہیں،اس کے فیصلے انسانی عقل سے ماورئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کی جدائی،آپ کی شخصیت وکمالات،اوصاف ومحاسن،علمی تبحراور فقہی ذوق پر لکھنے والوں نے خوب لکھااور ہرایک نے اپنے احساسات، جذبات،حضرت سے تعلق وارادت اور عقیدت کا خوب اظہار کیا۔

حضرت استاذِ محترم شہید رحمہ اللہ میں ذاتی شخصیت کے لحاظ سے دووصف نمایاں تھے:ایک تواضع وعاجزی کااور دوسرا محبت وشفقت کا۔

آپ کی حیاتِ مبارکہ میں جب کوئی آپ کی شخصیت کاتصور ذہن میں لئے آتا اور پھر جب آپ کواپنی آنکھوں سے دیکھتا کہ چال چلن میں اتباع نبویؐ کی جھلک اور رفتار میں اس کاعکس،لہجہ محبت آمیز،گفتگو میں نرمی،ہرایک سے خندہ پیشانی سے ملنا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ شاید شہادت جیساعالی مرتبہ ملنے کے اسباب میں سے ایک حکمت یہ بھی ہواور حقیقت یہ ہے کہ ایسے ہی گوشۂ گمنامی میں رہنے والے متواضع اور درویش صفت لوگوں کواللہ تعالیٰ بامِ عروج تک پہنچاتے ہیں اور شہرت سے نواز کر ہردل عزیز بنالیتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ اپنی سادگی وبے نفسی میں حقیقتاً سلف کی تصویر تھے، آپ کی سادہ پوشی اور درویشی سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آپ جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے عالمی ادارے کے استاذِ حدیث اور دارالافتاء کے مسئول ہیں۔

ہمارے تمام اکابر دیوبند رحمہ اللہ کی یہ خصوصیت اور نمایاں امتیاز ہے کہ علم وفضل کے سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود ان کی تواضع،فنائیت اور للّٰہیت انتہاء کوپہنچی ہوئی ہوتی ہے اور وہ شہرت ونام ونمود سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

چنانچہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند،حجۃ الاسلام،قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علوم وفنون کے بحرِ ناپیدا کنار تھے،ان کی عمیق ودقیق تصانیف سے ان کے بلند رتبے کا کچھ اندازہ ہوتا ہے،لیکن ایسے بلند پایہ ووسیع علم کے باوجود بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ

خود فرماتے ہیں:

''جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے، اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے، اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا پتہ نہ چلتا، جانوروں کے گھونسلا بھی ہوتا ہے، میرے لئے یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا''۔ (ارواح ثلاثہ، ص:۱۹۱، ط:المیزان)

امام العصر، محدث وقت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ علم وفضل، وسعت مطالعہ، منقولات ومعقولات اور قوت حافظہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی زبانی سنئے، وہ فرماتے ہیں:

''ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء کا اختلاف ہوگیا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ تصفیہ کے لئے کشمیر تشریف لے گئے، فریقین کے دلائل سننے کے بعد حضرت بنوریؒ کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو آپ نے شاہ صاحب کے نام کے ساتھ ''الحبر البحر'' کے تعظیمی القاب لکھ دیئے، حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا تو قلم ہاتھ میں لیکر زبردستی یہ الفاظ مٹا دیئے اور تنبیہی لہجہ میں فرمایا: ''آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے''۔ (حیات کشمیری)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اکثر اپنی تحریرات کے اخیر میں اپنے آپ کو ''ننگِ اسلاف'' لکھا کرتے تھے، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا:

''....اپنی نفس پرستی اور کسل مندی کی بناء پر کورا ہی رہا، اس بناء پر اپنے آپ کو ننگِ اسلاف لکھتا ہوں، یہ لکھنا تکلفاً نہیں بلکہ حقیقت میں اپنے اسلاف کرام قدس اللہ اسرارھم کے لئے ننگ وعار ہی ہوں''۔ (سلوک طریقت)

محدث العصر، بانی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بھی اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کو مہتمم یا صدر مدرس یا شیخ الحدیث لکھا جائے، خود فرماتے تھے کہ:

''واللہ! میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں'' جلال میں آکر فرماتے ''اس تصور پر لعنت'' پھر فرماتے ''اگر کوئی مدرسہ کا اہتمام اور بخاری شریف پڑھانے

کا کام اپنے ذمہ لے لے تو مجھے خوشی ہوگی اور میں ایک عام خادم کی طرح سے مدرسہ کا ادنیٰ
سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کروں گا''۔ (بینات، محدث العصر نمبر)

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ بھی ان تمام صفات میں سو فیصد اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کے پیرو تھے، اکثر جامعہ کے مغربی گیٹ سے تشریف لاتے اور مسجد کے وضوخانے میں وضو فرما کر کنگھی فرماتے، رومال سے چہرہ پونچھتے، پھر راستہ کے ایک طرف ہو کر چلتے، کبھی راستہ کے درمیان یا لوگوں کے جھرمٹ میں چلتے نہیں دیکھے گئے اور نہ ہی آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔

دارالافتاء کی طرف تشریف لاتے تو بالکل دیوار کے قریب ہو کر چلتے ہوئے تشریف لاتے، آپ کی نگاہیں زمین پر جمی ہوئی ہوتی تھیں اور آخری ایام میں جب اعذار کی بناء پر عصا رکھنے لگے تو اس اندازِ چلن میں مزید عاجزی اور تواضع کا پہلو نمایاں ہوگیا تھا۔ شمائل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو روایات ملتی ہیں، حضرت مفتی صاحب شہیدؒ صحیح معنوں میں ان کا پَرتو و عکس تھے۔ آپ کی ہر ادا سے حبّ نبوی واتباع پیغمبری چھلکتی ہوئی نظر آتی تھی اور آپ اس دعائے نبویؐ کے حقیقی مصداق تھے:

''اللّٰهم اجعلني في عيني صغيراً وفي اعين الناس كبيراً''

ہمیشہ اپنے آپ کو مٹا کر گمنامی میں رکھا، ریا و نمود سے بہت دور تھے، ایک مرتبہ دورانِ درس درجہ تخصص کی کلاس میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''تخصص کر لینے سے کوئی مفتی نہیں بن جاتا، البتہ مسائل کے تلاش کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے، ہمیں خود کوئی مفتی کہتا ہے تو شرم آتی ہے، ہم اس لقب کے مستحق نہیں''۔

سبحان اللہ! کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص پاکستان بھر کے سب سے معروف اور مستند دارالافتاء کے مسئول کے عہدہ پر فائز ہو اور جن کے فتویٰ کو عوام میں حتمی فیصلہ سمجھا جاتا ہو، ان کی کسرنفسی اور فنافی اللہ کا یہ حال ہے۔

جس طرح ظاہری صفات کمالیہ سے متصف تھے اسی طرح باطناً بھی اونچے مرتبہ پر فائز تھے، ظاہر ہے کہ: **''سيرة المرء تنبئ عن سريرته''** (انسان کی ظاہری سیرت اس کے باطن

کا آئینہ ہوتی ہے)

طلباواحباب و متعلقین سے محبت بھی بے انتہا تھی، کبھی کبھار از راہِ تنبیہ واصلاح عتاب بھی فرمادیتے، مگر فوراً ہی دلجوئی کر کے مطمئن کر دیتے، اک مسکراہٹ سے ساری تلخی ختم فرمادیتے۔ اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کا رعب عطا فرمایا تھا، قریب جاتے ہر شخص گھبراتا مگر جو قریب ہوتا وہ گرویدہ ہوجاتا، بلاتفریق ہر شخص سے خندہ پیشانی ومسکراہٹ سے ملتے اور ہر ممکن تعاون فرماتے۔

بندہ تخصص سے فراغت کے بعد اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ایک مدرسہ میں خدمت کے لئے حاضر ہوا، اگرچہ وہ کوئی مشہور یا اعلیٰ تعلیمی معیار کا ادارہ نہ تھا، تاہم یہ کہا گیا کہ کسی مشہور دینی شخصیت کی تصدیق لازمی ہے، ہماری نظریں حضرت استاذِ محترم شہید رحمہ اللہ پر مرکوز ہوئیں، ساتھ ساتھ ہمت بھی نہیں ہورہی تھی کہ اتنے سے کام کے لئے حضرت کو زحمت دیں، تصدیق و دستخط لینا عجیب سا محسوس ہورہا تھا، بہر حال ہمت کر کے حاضر خدمت ہوئے اور صورتحال بتلائی، بڑے مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے نہ صرف یہ کہ تائیدی وتصدیقی کلمات تحریر فرمائے، بلکہ دستخط فرما کر مہر بھی عنایت فرمائی کہ یہ بھی اس پر لگادی جائے اور ہر ساتھی کے لئے الگ الگ تحریر لکھی، نہ انکار فرمایا نہ کسی اور کے پاس جانے کا مشورہ دیا، اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طلبا پر کس قدر شفیق ومہربان تھے اور ان کے قلب میں طلبا کے لئے وہی محبت، درد اور جذبہ موجزن تھا جو ایک مشفق والد کے دل میں اپنی حقیقی اولاد کے لئے ہوتا ہے، بلکہ یہ روحانی رابطہ اس خونی رشتے سے کہیں بڑھ کر مضبوط اور پختہ ہوا کرتا ہے۔

متعلقین، احباب اور لاتعداد شاگرد اپنے اس عظیم استاذ، مشفق ومتواضع شخصیت سے محروم ہوگئے اور حقیقت یہ ہے کہ: "تعرف النعمة عندالفقدان" نعمت کی صحیح قدر اور پہچان چھن جانے کے بعد آتی ہے۔

حق تعالیٰ حضرت استاذِ محترم مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی قبر مبارک پر اپنی رضوان ورحمتوں کی بارش برسائے اور ان کے درجات عالیہ کو مزید ارفع واعلیٰ بنائے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آمین۔ ☆☆

مفتی عبداللہ حسن زئی ☆

میدانِ افتاء کا عظیم شہسوار

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم، اپنے ممدوح ومحبوب جناب عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم کی ناگہانی موت پر اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''پہاڑ اور پہاڑی غاروں میں پتھر کے ٹکڑوں، سنگریزوں کی تعداد حد شمار سے خارج پڑی ہوتی ہے، جنہیں انسان اور جانور ہر وقت پامال کرتے رہتے ہیں، لیکن انہیں میں کوئی سنگریزہ لعل ویاقوت بن کر نکلتا ہے، جس کی قیمت پوری ایک سلطنت کی آمدنی کے برابر ہوتی ہے، اس کو اگر کوئی توڑ ڈالے تو دل پر کیا گزرے گی؟ سمندر میں بے شمار قطرے ہر سال گرتے رہتے ہیں، جو کسی حساب میں نہیں آتے، لیکن انہیں میں چند قطرے وہ بھی ہوتے ہیں جو آغوشِ صدف میں پل کر موتی بن کر نکلتے ہیں اور تاج سلطانی کا زیور بنتے ہیں، ان کو اگر کوئی سمندر میں پھینک دے تو دل کو کیوں کر صبر آئے گا؟ جنگل میں خودرو پھول اور پتے، درخت اور پودے، بوٹیاں اور پتیاں ہزاروں قسم کی ہوتی ہیں، جو جانوروں کی غذا کا کام دیتی ہیں، لیکن گلاب کی تازہ وشاداب کلی بزمِ ہستی کو معطر کرنے کے لئے ہوتی ہے، یہ کلی اگر پھول بننے کے ساتھ ہی خزاں کی دست وبرد کی نذر ہو جائے تو دل کو کیا کہہ کر سمجھایا اور قابو میں رکھا جاسکتا ہے؟

ایک چراغ جلا، لیکن قبل اس کے کہ اس کا اجالا پوری طرح پھیلے' بجھ گیا، ایک آفتاب چمکا، لیکن اس سے قبل کہ اس کی شعاعیں پورا پورا نور پھیلائیں، غروب ہو گیا، ایک پھول کھلا، معاً مرجھا گیا، سبزہ لہلہایا، مگر فوراً خشک ہو کر زمین کے برابر ہو گیا، حق کی پکار بلند ہوئی، لیکن معاً فضاء لامتناہی میں گم ہوئی''۔ حضرت دریابادی مرحوم کی مذکورہ منظر کشی کچھ ترمیم واضافہ کے ساتھ حضرت دین پوری شہیدؒ کے بارے میں بالکل حرف بحرف صادق آ رہی ہے۔ ممکن ہے کہ استعارات وتشبیہات سے بھرپور ان تعریفی جملوں پر کسی کے ہاں فرطِ محبت یا جذبۂ عقیدت کا حکم

☆ دارالافتاء ختم نبوت، کراچی

لگ جائے، لیکن بعض اشخاص کا وجود واقعۃً ان کا حقیقی مصداق بن سکتا ہے، حضرت الاستاذ حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ بھی کچھ اس قسم کی شخصیت کے مالک تھے، وہ یقیناً موتیوں میں لعل ویاقوت، پھولوں میں گلاب کی مانند تھے۔

بلاشبہ حضرت مفتی صاحبؒ علم وعمل کے پیکر، اخلاص وتواضع کے مجسمہ تھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مختلف خوبیوں سے نوازا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت زیادہ خیر کا کام لینا تھا، اس لئے ان کو خصوصی طور پر فقاہت کے اونچے درجہ پر فائز فرمایا، مسند حدیث کو رونق بخشنے کے ساتھ ساتھ فقہ کی پیچیدہ گتھیاں سلجھاتے رہے۔

جامعہ میں جہاں آپ سے ہزاروں تشنگان علوم دینیہ اور طالبان علم سیراب ہوئے، وہیں لاکھوں افراد نے مسائل کے ذریعہ سے رہنمائی حاصل کی، فیاض قدرت نے آپ کو اتنی ذہانت عطا کی ہوئی تھی کہ پیچیدہ سے پیچیدہ، مشکل سے مشکل تر مسئلہ کو منٹوں میں حل فرمادیتے تھے۔

راقم الحروف کو بشمول اپنے چھوٹے بڑے پانچ بھائیوں کے جو سب کے سب جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں، حضرت الاستاذ سے بعض کو ہدایہ ثالث اور بعض کو ہدایہ رابع پڑھنے کا موقع ملا ہے، سب بھائیوں نے حضرتؒ کا یہ وصفِ خاص یکساں طور پر محسوس کیا، ہدایہ ثالث ورابع جیسی مغلق اور معرکۃ الآراء کتاب میں سال بھر میں یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ اس میں مشکل جگہ کونسی ہے اور آسان کونسی؟

حضرت کے پڑھانے کا انداز بھی انوکھا اور عجیب کہ درسگاہ میں قدم رکھتے ہی درس شروع ہوجاتا، کتاب کی تھوڑی سی عبارت پڑھنے کے بعد تقریر شروع فرماتے، پڑھانا کیا تھا، شعلے برساتے تھے، موسلادھار بارش کی طرح تسلسل کے ساتھ الفاظ زبان سے نکلتے تھے، جس میں کبھی خطابت کی آمیزش اور جوش وجلال کا گرج ہوا کرتا تھا اور یوں ہی تسلسل کے ساتھ بغیر کسی اٹکن اور بلا انقطاع تشریح کرتے چلے جاتے تھے۔ بلا مبالغہ ایسا لگتا کہ ہدایہ آپ کو ازبر ہے، تشریح کے بعد پھر کتاب کا ترجمہ فرماتے، جو قند مکرر کے طور پر دماغ پر نقش ہوجاتا تھا:

یہ شرف تو حاصل ہے برے ہیں یا بھلے ہیں دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

حضرتؒ کی شہادت کے چند روز بعد ایک دن گھر میں سب بھائیوں میں حضرتؒ کی مختلف یادوں کا تذکرہ چل پڑا، مختلف باتیں ہونے لگیں، جب حضرت کی تدریس کا ذکر آیا، تو بڑے بھائی مولانا محمد انور صاحب (رفیق درس حضرت مولانا سید سلیمان بنوری دامت برکاتہم) نے مسکرا کر فرمایا کہ ہمارے سال میں استاذ جی نے دورانِ درس صرف ایک ہی شعر کہا تھا جو میں نے اسی وقت یاد کیا تھا، وہ شعر یہ ہے:

جب تو سربسجود ہوا حرم سے آئی یہ صدا
کیا ملے گا تجھے اس نماز پر دل ہے تیرا کہاں؟

اور یوں ہر بھائی کافی دیر تک ان کی مختلف یادوں کا تذکرہ کرتا رہا:

اُڑائے کچھ ورق نرگس نے کچھ لالے نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں تخصص کا طالب علم تھا تو ایک دفعہ میری تصحیح کی باری حضرت مفتی صاحب کے پاس تھی، مسئلہ تداخلِ کفارات سے متعلق تھا، متعلقہ حوالہ تلاش بسیار کے باوجود مجھے نہ مل سکا، حضرت مفتی صاحب نے دورانِ تصحیح حوالہ کا پوچھا، جس پر میرا جواب یہ تھا کہ حضرت! بہت تلاش کیا، مگر حوالہ نہیں ملا۔ حضرت نے فوراً فرمایا کہ البحر الرائق کی فلاں جلد میں فلاں عنوان کے تحت دیکھ لیں، چونکہ خود معذوری کی وجہ سے میرا وہاں سے اٹھنا کافی مشکل تھا، نیز بچکانہ عادت بھی تھی کہ اٹھنے کے بعد کہیں میری باری لے کر کوئی دوسرا ساتھی تصحیح کے لئے نہ بیٹھ جائے، بہر حال میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے دوسرے ساتھی کے ذریعہ کتاب منگوائی، دیکھا تو واقعۃً من وعن حوالہ وہاں موجود تھا، اس طرح کے ایک نہیں، کئی واقعات موجود ہیں۔

منصب افتاء کے نازک اور حساس ہونے کی بنا پر علماء امت نے ''مفتی'' کے لئے بہت سی شرائط اور آداب ذکر فرمائے ہیں، جن کا مفتی میں پایا جانا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ مفتی قرآن وسنت کے علم وفہم سے آراستہ ہو، مسائل پر مکمل عبور رکھتا ہو اور قواعد فقہیہ کو جانتا اور سمجھتا ہو، کسی ماہر، مشاق اور تجربہ کار استاذ کا تربیت یافتہ ہو، بلند کردار اور عفت کا حامل ہو، نرم خوئی، دوراندیش

اور بیدار مغز ہو، زمانہ کے عرف وعادت سے واقف ہو، فتویٰ دیتے وقت غور وفکر سے کام لیتا ہو اور دل میں خوفِ خدا ہو، اور بقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے کہ ''مفتی کو قوم کا نباض ہونا چاہئے، صرف وسعتِ علم یا کثرتِ مطالعہ سے کوئی شخص مفتی نہیں بن سکتا، جس طرح پنساری طبیب نہیں ہوسکتا، حالانکہ دوائیوں کے نام سے وہ زیادہ واقف ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے بھی زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔'' بلاشبہ حضرت مفتی صاحبؒ ان خوبیوں سے آراستہ تھے اور ہر اعتبار سے علمیت کے ساتھ ساتھ فقہ وحکمت اور فہم وذکاوت میں ہر اعتبار سے اس درجہ پر فائز تھے، مذاہب اربعہ جو سب کے سب برحق ہیں، ان چاروں فقہ میں فقہ حنفی کی گہرائی، عمق اور وسعت کسی سے مخفی نہیں، آپؒ صرف اس کے ماہر ہی نہیں، بلکہ اس گہرے سمندر کے زبردست، تجربہ کار غواص اور بہترین تیراک تھے۔ چنانچہ دورِ حاضر کے جید، ممتاز اور اکابر مفتیان کرام آپ کے مذکورہ جملہ اوصاف کے معترف تھے، جو ہر لحاظ سے آپ کے کامل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ بنوری ٹاؤن جیسا عالمی ادارہ جس کی مرکزیت اور عظمت صرف خواص میں نہیں، بلکہ عوام اور اغیار میں بھی مسلم ہے، تقریباً تیرہ چودہ سال سے آپ عملی طور پر وہاں دارالافتاء کے رئیس تھے، لیکن تواضع کا یہ عالم تھا کہ بڑے مفتی صاحب یعنی حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب مدظلہم کی موجودگی میں جیسے اپنے آپ کو ان کا نائب سمجھتے تھے، ان کے جانے کے بعد بھی اسی منصب پر سمجھتے رہے، چنانچہ فتویٰ کی آخری مہر تصدیق ثبت کرنے کے بعد اپنے نام کی بنائی ہوئی مہر جس پر ''نائب رئیس دارالافتاء'' کے الفاظ کندہ تھے، لگادیا کرتے تھے۔

درجہ تخصص سے فارغ ہونے کے بعد جب بندہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دارالافتاء سے منسلک ہوا تو مشکل اور عمیق مسائل میں حضرت سے مشورہ اور رہنمائی لیتا رہا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت جلال پوری شہیدؒ کی شہادت کے بعد ہمارے دفتر ختم نبوت میں ایک استفتاء آیا، کئی دن سوچ بچار اور ادھر ادھر مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب لکھا، اس پر اطمینان نہ ہوا تو بدل کر مکرر سہ کرر اس کا حتمی جواب لکھا، اپنے خیال میں سمجھ رہا تھا کہ میں نے کوئی بڑا تیر مارا ہے، اور بہت تحقیقی جواب لکھا، دیگر ساتھیوں نے بھی اس کی تصدیق فرمائی، لیکن دل میں سو فیصد اطمینان پھر بھی نہ تھا،

حضرت والا امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ بڑے مفتی صاحب کو دکھائیں، چنانچہ حسب عادت، جس کی حضرتؒ سے پیشگی اجازت لے چکا تھا، فون پر حضرت کو سوال وجواب سنایا، حضرتؒ نے فوراً فرمایا کہ اس کا جواب یہ نہیں، بلکہ معمولی ترمیم کر کے فرمایا کہ: اس کا جواب یہ ہے اور فرمایا چونکہ اس کا دارومدار عرف پر ہے،، اس لئے جواب اس طرح بنے گا، اہل علم جانتے ہیں کہ مفتی کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ علاقائی عرف وعادات سے مکمل واقفیت رکھتا ہو، زمانے کے حالات وواقعات پر اس کو دسترس حاصل ہو، ورنہ بسا اوقات معمولی غلطی یا تعبیر کی معمولی تبدیلی سے مسئلہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے، فقہاء کرام نے فرمایا کہ ''من جهل بأهل زمانه فهو جاهل '' (شرح عقود، ص:۹۸) جو آدمی اپنے اہل زمانہ کے طرزِ زندگی، ان کی معاشرت، مزاج ومذاق سے واقف نہ ہو تو وہ جاہل ہے، اسی طرح علامہ ابن عابدینؒ اس کتاب میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

إن في الشرع له اعتبار   ولذا عليه الحكم قد يدار

کہ عرف وعادت کا شریعت میں بڑا دخل ہے، کیونکہ بسا اوقات حکم کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے، حضرت شہید رحمہ اللہ کی زندگی کے اس طرح کئی ایک واقعات ہیں۔

حضرت لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہٗ کی شہرۂ آفاق کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کی تخریج کے دنوں میں بعض مسائل پر حضرت سے راہ نمائی لیتا رہا۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزیؒ اور حضرت جلال پوری شہید رحمہما اللہ کی شہادتوں کے بعد کبھی کبھار بعض مشکل سوالات پر جب کبھی ان کی طرف رجوع کیا کرتا تو وہ شفیق استاذ اور کامل مربی کی حیثیت سے مسکرا کر اس کی فہمائش کرتے۔ سالِ رواں میں راقم درس وتدریس اور دفتر ختم نبوت کی مصروفیات سے فراغت کے بعد رات کے فاضل اوقات میں ایک کتاب پر تخریج کے کام میں مصروف ہے، ساتھی کبھی کبھار پوچھتے تھے کہ آخری تصدیق اور تقریظ کن سے لکھوائیں گے؟ تو اس پر میرا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ حضرت بڑے مفتی صاحب ہیں نا! بڑے مفتی صاحب سے مراد مفتی عبدالمجید صاحب ہوتے تھے، کیا معلوم تھا کہ حضرت مفتی صاحب ہمیں لق دق صحراء میں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں گے

ے
رات دن محنت سے جس کو اس جہاں میں کام تھا
ہر گھڑی جہد و مشقت جس کا شغل عام تھا
زندگی میں اپنی جو وقفِ غم وآلام تھا
چین سے سوتا نہ تھا بے گانۂ آرام تھا
وہ گیا ہے عالم برزخ میں سونے کے لئے
رہ گئے ہم اس جہاں میں آج رونے کے لئے

سمجھ نہیں آتا کہ اب مشکل مسائل میں مشاورت کس سے کروں گا؟ لیکن بہرحال مجھے یقین ہے کہ خونِ شہیداں رائیگاں نہیں جاتا، اللہ رب العزت حضرت شہیدؒ کی نسبت کی لاج رکھتے ہوئے ہمیں بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے ۔ بڑی زرخیز ہوتی ہے بہت شاداب ہوتی ہے

گزشتہ چند سالوں سے دہشت گردی اور بدترین ٹارگٹ کلنگ کا جو عفریت شہر کراچی میں برہنہ رقص کررہا ہے، اس کی نظر میں ہر وہ شخص مجرم اور گردن زدنی ہے جو ملک وملت کے کسی کام آسکتا ہو۔ حضرت الاستاذ مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور آپ کے رفقاء ایسی ہی شخصیات کے مالک تھے اور یہی ان کا وہ جرم تھا جس کی پاداش میں انہیں ظلم وتشدد اور بربریت کا نشانہ بنایا گیا، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک وملت کے جن درخشندہ ستاروں کو اس وحشت وبربریت کا نشانہ بنایا گیا، ان میں سے کسی کے بھی قاتلوں کو نہیں پکڑا جاسکا اور نہ ہی انہیں قرار واقعی سزا دینے کی کوشش کی گئی، حضرات مفتیان کرام کے قاتلین اگرچہ ابھی تک دنیوی سزا سے بچے ہوئے ہیں، لیکن قدرت کے عذاب سے وہ کب تک اپنے آپ کو بچائیں گے۔

باندھ لیں اپنی گرہ سے یہ زمانے والے
خاک ہوجاتے ہیں سورج کو بجھانے والے

اللہ رب العزت ہم سمیت حضرت کے تمام پسماندگان اور تلامذہ ومحبین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو ان کا بہترین نعم البدل عطا فرماویں۔☆☆

مولانا عزیر اللہ جوسکی، مدیر:مدرسہ خلفائے راشدین،تربت، بلوچستان

علماء کی شہادتیں......قبولیت کی علامت

جب بات کروں تو مزہ الفت کا جاتا ہے
اور اگر خاموش رہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''اشد البلاء علی الانبیاء ثم الامثل فالامثل'' سخت ترین امتحان اور آزمائشیں پیغمبروں پر آتی ہیں، پھر اس کے بعد اس پر جس کا تعلق پیغمبروں سے زیادہ ہوتا ہے۔ جتنا تعلق زیادہ ہوگا اتنا امتحان سخت ہوگا۔علمائے کرام چونکہ پیغمبروں کے وارث ہیں، اس لیے ان پر باقی لوگوں کی بنسبت امتحانات زیادہ آتے ہیں۔کفار اور اسلام دشمنوں نے ہر دور میں اسلام کے داعیوں کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور یہ سلسلہ اب کا نہیں ہے بلکہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ وہ تو اپنے زعم میں علماء کو شہید کر کے ختم کر رہے ہیں، لیکن یہ ان کی بھول ہے، کیونکہ شہید مردہ نہیں ہوتا، بلکہ زندہ ہوتا ہے، اور جو زندہ ہوتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔ اگر ایک دین پوری کو شہید کیا گیا تو الحمدللہ پوری دنیا میں حضرت کے روحانی فرزند موجود ہیں۔

یہ تو مادرِ علمی گلشن بنوری کی عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ گلشن بنوری کے اساتذہ کو شہادت کے درجے پر فائز فرمارہے ہیں۔کیونکہ شہادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا بڑا رتبہ اور درجہ ہے جس کے انبیاء اور صحابہ بھی طلب گار رہے ہیں، حضرت دین پوری شہید محبّ رسول اور محبّ صحابہ تھے۔ان کی شہادت کے بعد حقیقی طور پر ہم روحانی یتیم ہوگئے ہیں۔اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی شہادت کی موت نصیب فرمائے۔آمین

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی شہادت تمام مسلمانوں کے لیے ایک المیہ ہے، اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور حضرت الاستاذ کے صدقے ہماری بھی مغفرت فرمائے۔آمین ☆☆

بلال نور، متعلم: جامعہ بنوری ٹاؤن

علم وعمل کے جامع

کمالات بشری کتنے بھی ہوں انہیں اصولاً سمیٹا جائے تو وہ صرف دونوعوں میں سمٹ آتے ہیں، ایک کمالات علمی اور ایک کمالات عملی، ان ہی دو سے انسان کی انسانیت اور اسکی ساری خوبیاں وابستہ ہیں، اس لیے نہ جاہل انسان کا کوئی وقار دلوں میں قائم ہوتا ہے، نہ بے عمل انسان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، گویا انسان کے پرکھنے کی یہی کسوٹی ہے کہ اسکے علم وعمل کے آئینہ میں اسے دیکھا جائے۔

اسکے ساتھ یہ بھی ایک طبعی وطیرہ ہے کہ اگر انسان پر علمی اور فکری قوتیں غالب ہوتی ہیں تو عملی قوت جوش زن نہیں ہوتی، بلکہ ایک حد تک سست اور کمزور رہتی ہے، فرائض وواجبات کو چھوڑ کر تطوعات اور تنفلات کا زیادہ ابھار نہیں ہوتا، بلکہ علمی سوچ بچار ہی اسکی جگہ لے لیتی ہے، لیکن اسکے برعکس جو عملی میدان میں آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے اوقات علمی اور فکری سوچ بچار کے لیے فارغ نہیں ہوتے اور وہ ہمہ وقت علمی تدبر اور فکری سوچ بچار ہی میں منہمک رہتے ہیں، اس فطرت کا جب کہ وہ انسان کا ایک بشری خاصہ ہے، شریعت نے بھی اعتبار کیا ہے، جن روایات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''عالم کے لیے علم عبادت سے زیادہ افضل ہے'' اور بقول امام شافعیؒ کے ''کہ عالم کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ نوافل اور تطوعات کی کثرت کے بجائے علمی تدبر اور فکری بصیرت ہی کو متحرک رکھے۔'' تو اس قسم کی روایات اسی زیادتِ علم پر محمول کی گئی ہیں کہ یہی فطرت کا قدرتی تقاضہ تھا۔ لیکن حقیقت میں جو لوگ ہمہ وقت عملی نشیب وفراز، علمی اسرار وغوامض کی کھوج میں لگے رہتے ہیں، ان کا رخ عملی قوتوں سے یکسو ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ عملی کرشموں اور خوارق سے ہمکنار ہو، ان کی عبادت ہی فکر و تدبر اور علمی تلاش وجستجو ہو جاتی ہے اور جو لوگ ہمہ وقت زہد وقناعت، طاعت وریاضت اور مجاہدہ وعبادت میں منہمک رہتے ہیں، انہیں علمی فکر وتدبر

اور حکم واسراء سے گہرا تعلق نہیں رہتا۔

لیکن حق تعالیٰ شانہ کے ایسے بندے بھی پردۂ دنیا پر نمودار ہوتے رہے ہیں جن کی جامع فطرت دونوں نوعوں کی طرف یکسوئی کے ساتھ دوڑتی ہے، جو زہد و ریاضت، طاعت وعبادت اور فرائض وتطوعات کے ساتھ ساتھ علم وفکر اور علمی گہرائیوں میں بھی اترے ہوئے ہیں، اگر مسائل کے میدان میں انہیں چھیڑا جائے تو وہ علم کا ایک ایسا دریا نظر آتے ہیں جس کا کہیں کنارہ نظر نہ آئے اور عملی میدان میں وہ فرائض وواجبات ہی نہیں سنن ومستحبات اور آداب بھی انکی گرفت سے باہر نہیں ہوتے، یوں علم وعمل کے دونوں ہی میدان یکسانی کے ساتھ ان کی جولان گاہ بنے رہتے ہیں۔ ان ہی جوامع اور چیدہ ومنتخب قسم کے افراد میں استاذ محترم مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ بھی تھے، جن کے علم کو دیکھو تو وہ ایک دریائے ناپیدا کنارہ نظر آتا ہے کہ جس مسئلہ میں بھی گفتگو کی جائے ایسا ہی محسوس ہوتا کہ شاید انہوں نے ساری عمر اسی مسئلہ کی کھوج میں گزاری ہے اور اس کے مالہ وماعلیہ میں بھی عمر بھر لگے رہے ہیں۔ بہر حال ایک طرف تو حضرت ممدوح میں علمی فکر وتدبر کی یہ وسعت تھی تو دوسری طرف عملی قدروں میں جزئی عمل کا غلبہ وہ بھی اتباعِ سنت کے ساتھ، گویا علم وعمل مندرج ہو کر انکی ذات میں سما گیا تھا، پھر اتباعِ سنت صرف عبادات ہی کی حد تک محدود نہ تھا، بلکہ انکی عام معاشرتی زندگی پر بھی پوری طرح حاوی تھا، حتی کے چال ڈھال، افعال واعمال، عوارض واحوال اور بینائی وشنوائی سب کے سب سنت میں ڈھلے ہوئے تھے۔

مگر قدرت نے جس طرح آپ کو اقلیم علم وعمل میں تاجداری عطا فرمائی تھی، اسی طرح جسمانی ہیئت اور شکل وصورت میں بھی ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا، گندمی رنگ، چوڑا چکلہ سینہ، موٹی موٹی مگر رسیلی آنکھیں، کشادہ فراخ پیشانی، بڑے بڑے کان، پُر گوشت وفربہ چہرے پر مہندی سے رنگی ہوئی گھنی داڑھی، ابریشم اور حریر کی مانند نرم وسبک جلد، سر پر عمامہ مگر تکلفات سے پاک، بدن پر بغیر کلف کے سادہ کپڑے، نیز زندگی کے ہر پہلو میں سادگی جھلکتی تھی، اسی سادگی نے طبعیت میں انکساری اور مخلوق کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کے علم پر تواضع نے اور ذہانت ومعاملہ فہمی پر سادگی نے پردہ ڈال رکھا تھا، وہ گفتگو کرتے تو سادہ سی

معلوم ہوتی، مگر جب وہ معاملہ کو حل کرتے تو انکے مخفی جوہر سامنے آتے، وہ چلتے تو نہ خادموں کا ہجوم ہوتا نہ ہٹو بچو کی آوازیں، مگر جب کسی جدید مسئلہ کو سلجھاتے تو ان کی فقاہت ظاہر ہوتی، وہ جواب تو مختصر دیتے مگر پورا دریا کوزے میں بند ہوتا، گویا حضرت کی مثال اس سمندر کی سی تھی کہ جس کی اوپر کی سطح تو ساکن ہو مگر اسکا باطن گراں قدر موتیوں سے معمور ہو، حضرت مغرب کے بعد فتاویٰ کی تصحیح کے لیے معہد الخلیل تشریف لے جاتے، پھر عشاء کے بعد جامعہ تشریف لاتے اور دس گیارہ بجے تک دارالافتاء میں مطالعہ وغیرہ میں مصروف رہتے، آپ پیرانہ سالی کے باوجود جفاکشی و جانفشانی اور شبانہ روز انتھک محنت میں اپنی نظیر آپ تھے، آپ کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ زمین و فرش پر نشست و برخاست میں گزارا، فروتنی نے آپ کو بلند مرتبہ اور فوقیت دی، عزتِ نفس نے معزز کیا، شرافتِ نفس نے شرفاء کا جلیس و ہمنشین بنایا، کبھی بھی اپنی ذات کو فائق و بالاتر جان کر ترجیح نہیں دی ،آپ طبعًا و فطرتًا تقوی دار اور حق شناس تھے، نامساعد و ناموافق مجالس و محافل سے آپ مجتنب و محترز تھے، آخری پہر میں شب خیزی، تہجد گزاری اور معمولات میں بڑے باہمت و موفق تھے، حضرت کا تبحر و کمال، فضل و ورع، تقوی و جامعیت اور استغناء و سادگی مسلم تھا، آپ بلاشبہ وقتِ حاضر کے کامل ترین عالم ربانی تھے، مخالف بھی آپ کے سامنے تسلیم وانقیاد سے سر جھکاتے تھے۔

مکارمِ اخلاق:

اخلاقِ ظاہری آپ کی سیرت باطنی کا ترجمان تھا، وسعتِ خلق نے آپ کو عندالناس مقبول اور اپنے دائرہ مقبولیت کو وسیع بنایا تھا اور پاکیزہ کردار نے آپ کو عنداللہ وجیہ بنایا تھا، باوجود مصروفیت کے ہر ملنے والے ملاقاتی سے ایسے خلوص و کشادہ پیشانی سے ملتے کہ ملاقاتی خود اطمینان و مودت، سرور و فرح محسوس کرتا تھا۔

گفتار:

حضرت کی گفتار ساحرانہ حلاوت و فصاحت پر مشتمل، آپ کی لب کشائی عقد کشا، حق نما اور سبق آموز ہوتی، گویا کہ آپ بات کرتے تو ہدایت ملتی اور سکوت فرماتے تو عبرت کے دروازے کھلتے۔

وعظ وتقریر:

آواز دھیمی مگر تلخی اور کرختگی سے خالی، اندازِ تقریر نہایت ملائم، پُر اثر اور معنی خیز ہوتا، جب بات شروع کرتے تو سامعین اس کے متمنی رہتے کہ آپ سلسلہ کلام جاری رکھیں، آپ ہمیشہ گفتگو سامع کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر فرماتے۔

حضرتؒ کا روحانی سلسلہ:

علمی میدان کے ساتھ ساتھ روحانی میدان میں بھی آپ بے نظیر تھے، آپ کا روحانی تعلق تصوف کے مشہور سلسلے سلسلہ قادریہ راشدیہ دین پور شریف سے تھا، سلسلہ قادریہ سلاسل طریقت میں وہ رفیع الشان سلسلہ ہے جو حضور محبوبِ سبحانی، قطب ربانی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نسبت سے ''قادریہ'' کہلاتا ہے، باب الاسلام سندھ، بلوچستان، راجھستان، بہاولپور اور پنجاب میں اس سلسلہ سے بہت زیادہ رشد وہدایت ہوئی، صرف اوچ شریف میں اس سلسلہ کے نو مشائخ کبار گزرے ہیں، اوچ شریف سے اِسی خانوادہ کے فرد فرید سید عبدالقادر (خامس) پیر کوٹ نے فیض حاصل کیا اور اسی چشمہ فیض نے حضرت سید بقاء کی صورت میں سندھ اور راجھستان کے ریگ زاروں کو سیراب کیا، حضرت پیر محمد راشد نے اپنے والد سے بارِ خلافت حاصل کیا اور سلسلہ روحانی کو اس قدر ترقی وفروغ دیا کہ آگے چل کر آپ کے اسم گرامی سے اسی طریقہ تصوف کا نام بھی ''قادریہ راشدیہ'' کہلانے لگا، حضرت سید محمد راشد کی وفات کے بعد آپ کے صحبت یافتہ اور نامور خلیفہ حضرت سید شاہ جیلانی (سوئی شریف) تھے، آپ نے اپنے مرشد پاک کے مشن کو خوب بڑھایا اور اس علاقہ میں سلسلہ کی رونق کو دوبالا کر دیا، حضرت کے زمانے میں ہی سید احمد شہیدؒ اور آپ کے رفقاء راجھستان اور سندھ کا دورہ کرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور حضرت جیلانی نے بھی ان کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، چنانچہ سانحہ شہادت بالاکوٹ کے بعد امارت سید حسن شاہ جیلانی کے سپرد ہوئی، انہیں لوگوں میں جو تحریک میں شامل تھے حافظ محمد صدیق بھی تھے، جنہوں نے حضرت جیلانی کے دست مبارک پر بیعت جہاد بھی فرمائی اور بطور سپہ سالار کے نمایاں حصہ بھی لیا اور آخر تک حضرت جیلانی کے ساتھ رہے اور سید العارفین حافظ محمد

صدیق (بھر چونڈوی) کے نام سے مشہور ہوئے، حضرت جیلانی کی وفات کے بعد حضرت بھورل سائیں (میاں محمد حسین) اور ان کے بعد سانول سائیں (میاں ابوبکر) مسند نشین ہوئے۔اور خود حضرت سید العارفین نے بھر چونڈوی شریف میں فیض عام کرنا شروع کر دیا اور کبھی کبھی اپنے متعلقین سے ملنے بستی مولویاں آیا کرتے تھے، ایسے ہی ایک مرتبہ موقع پا کر غلام محمد نامی لڑکے نے جو بستی مولویاں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ راشدیہ میں داخل ہو گیا، کچھ عرصہ بعد شیخ کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے راجن پور ضلع سکھر اور اسکے بعد بھر چونڈوی شریف منتقل ہو کر مستقلاً اپنے آپ کو شیخ سید العارفین کی صحبت میں وقف کر دیا، کچھ عرصہ بعد شیخ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا، اس طرح آپ سید العارفین کے اول خلیفہ قرار پائے، جب حضرت کی عمر چالیس سال ہوئی تو سید العارفین نے خلیفہ غلام محمد کے قلب کو انوارِ ولایت ومعرفت کے خزینے سے بھرنے کے بعد خان پور کے قریب جنگل میں (جو آج کل موجودہ دین پور ہے) جا کر آباد ہونے کا حکم دیا، شروع شروع میں تو حضرت کو مصائب وتنگی کا سامنا کرنا پڑا، صرف ایک سادہ سی مسجد اور نیم پختہ مکانات پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، مگر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ اللہ سیکھنے جنگل میں آپ کے پاس آنے لگے اور کچھ ہی عرصہ میں دین پور ظاہری وباطنی علوم کا مرکز بن چکا تھا، اس کے کچھ سال بعد ۱۳۵۴ھ میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری کی وفات ہوئی، آپ رشتے میں حضرت شہید کے پڑنانا لگتے تھے، اس لیے کہ حضرت شہید مولانا عبد المنان صاحب کے اور وہ خلیفہ غلام محمد دین پوری کے نواسے تھے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے میاں عبد الہادی مسند نشین ہوئے، انہوں نے اپنے والد کے مشن کو آگے بڑھایا اور دور دور تک فیض عام کیا، حضرت مفتی صاحب شہید کا روحانی تعلق قافلہ دین پور کے حدی خواں میاں مسعود احمد دین پوری سے قائم تھا، جو کہ تاحال مسند نشین ہیں۔

حضرت شہید کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت بظاہر عالم وفقیہ، محدث ومفسر، معلم ومبلغ تھے، لیکن ان کا قلب اسرار الٰہی کا گنجینہ، انوار حقائق کا ایسا منبع

تھا، جس پرانہوں نے علمِ ظاہر کے پردے ڈال رکھے تھے، وہ یقیناً ایک صاحب عرفان اور نسبت عالیہ رکھنے والے سالکین میں سے تھے، جس طرح حضرت علم حدیث میں محدث العصر حضرت سید بنوریؒ کی یادتازہ کرتے تھے، تفسیر کے معاملہ میں حضرت مولانا ادریس میرٹھیؒ کے یادگار تھے اور فقہ میں مفتی اعظم مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے جانشین تھے، اسی طرح باطنی علوم میں مشائخ دین پور کی عملی تصویر تھے، اگر آپ کا علم متقدمین کی یادتازہ کرتا تھا تو آپ کا عمل سلفِ صالحین کو زندہ کئے ہوئے تھا، گویا کہ آپ علم وعمل دونوں اعتبار سے اپنے مشائخ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ کچھ عرصہ سے شہر کراچی میں قتل وغارت بہت بڑھ چکی ہے کہ بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہاہے اور انسان جونک کی طرح دوسرے انسان کا خون چوسنے پر تلا ہوا ہے، اس کے لیے وقت کا فرمان یہ ہے کہ نفس کی خواہش پوری کی جائے، دل کی آگ بجھائی جائے، چاہے انسانوں کے خون کی نہریں بہانی پڑھیں، یا انسانوں کی لاشوں کو روند کر گزرنا پڑے، اب اگر اس ظلم وبربریت، دہشت ووحشت کے دور میں چاروں طرف نظر دوڑائی جائے تو بہت کم لوگ ایسے ملتے ہیں جو انسانیت کا احساس رکھتے ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو صرف ایک معدہ اور پیٹ ہی نہیں بلکہ اللہ نے ہمیں دل، روح، دماغ اور زبان وغیرہ بھی عطا کیا ہے، جن کو ہم ہمیشہ نظر انداز کر کے ان کے صحیح استعمال سے بچتے ہیں، مگر اکثروں کا حال دیکھ کر انسان انسانیت کے مقام سے گرا، پستیوں میں بیٹھا، مادی ضروریات اور خواہشات کے ریلے میں بہتا ہوا نظر آتا ہے، گویا ایسا لگتا ہے کہ زمین چپٹی اور گول نہیں بلکہ ڈھلوان ہے اور انسانیت کی سائیکل اس پُل پر سے پھسل رہی ہے، اس میں نہ گھنٹی ہے نہ بریک، نہ اس کے ہینڈل پر کسی کا ہاتھ ہے، ساری قومیں اور ان کے تمام افراد اخلاقی بلندی سے حیوانی پستی کی طرف لڑھکتے چلے آرہے ہیں اور روز بروز ان کی رفتار تیز ہورہی ہے، ہماری زمین کا یہ کرہ ضرور آفتاب کے گرد گردش کررہا ہے، مگر اس کرہ ارض پر بسنے والا انسان مادیت اور معدہ کے گرد چکر لگا رہا ہے، زمین کی گردش کا

انسانون کے اخلاق ومعاملات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن انسانوں کی اس گردش کا تمام دنیا کے اخلاق اور معاملات پر اثر پڑ رہا ہے، نظامِ شمسی میں حقیقی مرکز آفتاب ہو یا زمین، لیکن عملی زندگی میں انسانوں کا حقیقی مرکز معدہ یا پیٹ بنا ہوا ہے، ساری انسانیت اس کے گرد چکر لگا رہی ہے، آج دنیا میں سب سے وسیع رقبہ معدہ کا ہے، یوں کہنے کو تو وہی انسان کے جسم کا ایک مختصر سا حصہ ہے، لیکن اس کا طول وعرض وعمق اتنا بڑھ گیا ہے کہ ساری دنیا اس میں سمائی چلی جا رہی ہے، آج سب سے بڑا ذہن اور فلسفہ معدے کی عبادت ہے، آج سب سے بڑا ہنر یہ ہے کہ کس طرح لوگوں کی جیبوں سے پیسے نکال کر اپنی جیب بھری جائے، مگر یاد رکھیں! دولت مند بننے کی کوشش تمدن اور سو سائٹی کے لیے اتنی مضر نہیں ہے جتنی جلد دولت مند بننے کی ہوس مضر ہے، پھر یہی ہوس دفتروں میں طوفان، منڈیوں میں قیامت، معاشرے میں رشوت، بھتہ خوری، قتل وغارت اور حصول دولت کے دوسرے مجرمانہ ذرائع پر آمادہ کرتی ہے۔

اسی ہوس کے شکار کچھ سفاک درندوں نے دن دھاڑے ایک ہائی روف پر فائرنگ کی جسکے نتیجے میں نائب رئیس دار الافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن مفتی عبدالمجید دین پوری سمیت مفتی صالح محمد کاروڑی اور طالب علم حسان علی شاہ نے جام شہادت نوش فرمایا، ۴۰ سال کی محنت سے تیار ہو نے والے ایک پھل دار درخت کو ان ظالموں نے ۲۰ سیکنڈ میں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا، گویا کہ آندھی طوفان کے ستائے ہوئے اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو نشانِ منزل بتانے والے ایک جلتے چراغ کو پھونک مار کر گل کر دیا، مادیت کے نشے میں سرشار درندوں کے پیٹ کو تو عارضی سہارا مل گیا، مگر امت ہمیشہ کے لیے ایک اور جبالِ علم سے محروم ہوگئی۔

یہ جمعرات کا دن تھا، جامعہ میں انجمن اپنے آب وتاب سے جاری تھی کہ آنے والے نے خبر دی کہ قوتِ علم وعمل کے عظیم ورفیع علمبردار، راہ حق میں اپنی جان لٹا کر اور خاک وخون میں لوٹ کر جنت الفردوس کی طرف رخصت ہو چکے ہیں، اس خبر کا پھیلنا تھا کہ فضائے بنوری ٹاؤن میں سنسناہٹ چھا گئی، غم وحزن کی لہریں طلبہ کے قلب میں رہ رہ کر اٹھ رہی تھیں، شفیق باپ کی جدائی کے غم میں ان کے چہرے اور آنکھوں کے آنسو کہہ رہے تھے کہ: ''یا اللہ! اب تیرے دین

کے سپہ سالاروں کا کیا ہوگا؟ یہ ظالم ایک ایک کر کے ان کو ہم سے جدا کر رہے ہیں۔'' تقدیر نے کہا: گھبراؤ نہیں، تم پر کوہِ غم تو ضرور ٹوٹا ہے، مگر رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، ان شہداء کی قربانیاں ضرور لائیں گی، تمہیں کیا معلوم کہ شہید کا خون کتنوں کو متحرک کرے گا، کتنی روحوں کو گرمائے گا۔

دوسری طرف رشک کا یہ عالم تھا کہ اللہ۔۔۔اللہ۔۔۔کتنے خوش نصیب تھے، مولوی عظیم مرحوم جنکا نورِ نظر اور لختِ جگر پیدائشی باکمال انسان تھا، جس نے ایک بار پھر دین پور شریف کی یاد تازہ کر دی، پورے علاقہ کو جگمگا دیا اور مرتبہ شہادت پا کر دین پور کی تاریخ میں ایک نئی روح پھونک دی، یہ فرزند کچھ زیادہ عمر لے کر نہیں آیا تھا صرف ۶۲ سال عمر تھی، مگر اس نہج پر کام کر دکھایا کہ سلف کی یاد تازہ کر دی، پوری زندگی اتباعِ سنت، خدمت اسلام و مسلمین اور انسانیت کی خیر و خواہی میں نہایت گمنامی اور سادگی کے ساتھ گزاری اپنے کمالات کو بے انتہا چھپایا، اپنی زندگی کو شہرت کے ذرائع سے کوسوں دور رکھا، مگر کوئی باکمال بھی چھپا رہ سکتا ہے؟ پھول پتوں میں نہاں ہو کر بھی پوشیدہ نہیں ہوتا، مگر یہ تو ان لوگوں میں سے تھے جن کے اسمائے گرامی اس سرزمین کے آسمان پر ان درخشاں ستاروں میں ہیں، جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندروں میں ملاحوں کو راستہ بتاتے ہیں، وہ اپنی زندگیوں میں علم وہدایت کے مشعلِ برادر تھے اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے پاکیزہ زندگی اور عملی نمونہ چھوڑ گئے، جو دلوں اور روحوں میں برابر دینِ حق کے ولولے پیدا کرتے رہیں گے۔

نورِ خدا ہے باطل کی قربت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

محمد انس پٹیل: متعلم جامعہ بنوری ٹاؤن

ایک مجموعۂ محاسن شخصیت

سن عیسوی کے آغاز میں علمی دنیا کی ایک اور ممتاز شخصیت، جامعہ کے استاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ بھی شہادت کے بلندو بالا مرتبہ سے سرفراز ہوکر ہم سے جدا ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ علماء علم وعمل کا مجموعہ ہوا کرتے ہیں، ان کے اقوال واعمال سے انسانیت کو زندگی کی راہیں ملتی اور الجھی ہوئی گتھیاں سلجھتی ہیں، وہ روشنی کا مینار اور ہدایت کی کرنیں بکھیرنے والے آفتاب ومہتاب ہوا کرتے ہیں، اسلئے ان کے اٹھنے کو علم کا اٹھنا قرار دیا گیا۔ اور کسی عالم کی موت کو عالمِ انسانی کی موت کے مترادف کہا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے جانے سے یہی کچھ ہوا، اوصاف وکمالات کا مجسم انسان پل بھر میں ظالموں کا نشانہ بنا اور دلوں کو خون کر گیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بلاواسطہ شرف تلمذ تو بندہ کو حاصل نہیں ہوا، لیکن مادر علمی جامعہ علوم اسلامیہ کی دہلیز میں ہر روز صبح قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے انہی کی رس گھولتی آواز کانوں میں پڑتی تھی، اور قال اللہ وقال الرسول کی انہی بابرکت صداؤں سے دن کا آغاز ہوتا تھا، ان سے باقاعدہ تلمذ کی سعادت نہ حاصل ہونے کے باوجود طلبہ واساتذہ مجالس میں ان کے تذکرے سننے کو ملتے تھے، ہم ان کو چلتے پھرتے یا دارالافتاء میں بیٹھا دیکھا کرتے تھے، کبھی کبھار جامعہ کی ترتیب کے مطابق مسجد میں ان کے نصائح آمیز بیان سے استفادہ کا موقع بھی نصیب ہوجاتا تھا۔

حق جل مجدہ نے حضرت کو زبان وبیان کا جداگانہ انداز اور افہام وتفہیم کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ زبان ایسی شستہ اور جملے ایسے نپے تلے ہوتے کہ گویا کسی کتاب کی عبارت پڑھ کر سنا رہے ہوں، غبی سے غبی طالب علم بھی ان کی مجلس سے اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کئے بغیر نہ رہتا تھا، امور انتظامیہ میں دستگاہ کا اعتراف خود جامعہ کے اکابر نے کیا کہ اس عظیم ادارے کے عوام

وخواص کے درمیان اعتماد یافتہ دارالافتاء کے نائب رئیس نامزد کئے گئے، یہ ان کی انتظامی صلاحیتوں کا عملی اقرار تھا۔

ہماری جامعہ کے ترجمان ماہنامہ بینات کے ناظم مولانا فضل حق صاحب مدظلہ ان کے پرانے رفیق اور بے تکلف دوست رہے ہیں، بندہ ان کے تاثرات معلوم کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوا، تو وہ کچھ یوں گویا ہوئے کہ ''مفتی صاحب کی شہادت کو ایک عرصہ ہوگیا ہے، مگر اب بھی وہ تخیل میں یہیں جامعہ میں گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں، میں اپنے دفتر کے دروازے کی طرف نگاہ اٹھاتا ہوں تو ذہن ان کی طرف منتقل ہوجاتا ہے کہ ابھی یہاں سے گزریں گے، اگر تشریف نہ لاسکے تو اشارہ سے علیک سلیک کریں گے، لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے ان تصورات وخیالات سے وہ واپس تو نہیں آجائیں گے، اور آئیں بھی کیوں کہ وہ اپنے محبوب رب کے پاس اس کی ضیافتوں کا لطف اٹھا رہے ہوں گے، میں ابھی چند دن قبل بستی دین پور کے قبرستان ''مدینۃ الاولیاء'' میں حاضری دے کر آیا ہوں، جس کے بارے میں مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ''مجھے اس قبرستان سے جنت کی خوشبو آرہی ہے''۔ حضرت جب اس قبرستان میں تشریف لے گئے تو سکون محسوس ہوا، رفقاء سے فرمانے لگے کہ ''بھائی! مجھے یہیں چھوڑ دو''، خدا کی تقسیم دیکھئے کہ مفتی صاحب کے والد ماجد تو جنت المعلی میں مدفون ہیں اور مفتی صاحب یہاں دین پور میں اولیاء اللہ کے درمیان آرام فرما ہیں، گویا:

؎ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

جامعہ کے استاذ اور رفیق شعبۂ محاسب مولانا سلطان الدین صاحب دامت برکاتہم کو بھی عرصہ دراز تک مفتی صاحب کی رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے، ان کا کہنا تھا: ''کہ اس طویل عرصہ میں ان کا کسی سے کبھی جھگڑا نہیں ہوا، وہ طبعاً خوش مزاج تھے، ہمیشہ ہنستے ہوئے ملتے اور خوش طبعی فرماتے، معاملات کے ایسے صاف کہ سلف واکابر کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، ہر ماہ پانچ سو روپے جمع کروا کر رسید کٹواتے تھے کہ رات کو دارالافتاء میں اضافی وقت دے کر جامعہ درویشیہ کے لئے بخاری کا مطالعہ کرتا ہوں، ابھی چند دن قبل ان کے صاحبزادے نے بھی پانچ سو روپے جمع کروائے''۔

میں نے استاذ محترم مفتی شعیب عالم صاحب سے حضرتؒ کے اخلاق وعادات کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ: ''تم درجہ ثالثہ میں ہو تمہارے لئے حضرت کا پیغام یہ ہے کہ پڑھائی کے وقت

پڑھائی اور آرام کے وقت آرام کرو، اگر آرام کے وقت پڑھو گے تو پھر پڑھائی کے وقت سوؤ گے، چونکہ تم اس سال ''کنز'' پڑھ رہے ہو اور ''کنز'' کے طلبہ کو حضرت نصیحت بلکہ تاکید فرماتے تھے کہ وہ فارغ اوقات میں یا چھٹیوں میں ''کنز'' کا دوسرا حصہ بھی پڑھ لیا کریں، تاکہ اگلے سال ''شرح وقایہ'' پڑھنے میں دقت نہ ہو، خود حضرت رات کو گھر تشریف لے جانے سے پہلے کنز کا تکرار کراتے تھے، مجھے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اچھی کتاب ملنے کا انتظار نہ کرو، بلکہ طلبہ کو تکرار کراؤ اس سے دونوں کو فائدہ ہوگا۔

''کنز'' کی تدریس سے متعلق حضرت کا طریقہ کار یہ تھا کہ تھوڑی عبارت پڑھی جائے، اور جو عبارت پڑھی جائے وہ سب طلبہ سے درست سنی جائے، اس کا درست ترجمہ طلبہ کو آنا چاہئے، اور تحت اللفظ ترجمہ کرنے کے بعد اس کا وضاحتی اور تفصیلی ترجمہ کیا جائے، اگر صورت مسئلہ بیان کردے تو طلبہ آسانی سے سمجھ لیتے ہیں، عبارت کے تحت جو مسائل ہوں وہ بیان کردیئے جائیں، مگر ''بحر'' میں طلبہ کو نہ ڈبویا جائے، مطلب یہ تھا کہ طلبہ کے سامنے ''البحر الرائق'' کی جزئیات نہ بیان کی جائیں، اختلافات بھی دلائل کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، صرف ائمہ کرام کے مذاہب بیان کردینا کافی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ کے یہ ارشادات اساتذہ کے متعلق ہیں، مگر مقصود تو طلبہ کا فائدہ ہے، اس لئے تمہارے لئے حضرت کا یہی پیغام ہے''۔

جامعہ کے استاذ مولانا عمران ولی صاحب بھی حضرت مفتی صاحب کے شاگرد رہے ہیں، انہوں نے مفتی صاحب کے نمایاں اوصاف گنواتے ہوئے فرمایا کہ: ''نظم وضبط ان کی صفت ثانیہ بن چکی تھی، اسی کا اثر تھا کہ ان کے معمولات میں بہت یکسانیت نظر آتی تھی، وقت پر درس گاہ آنا، وقت پر جانا، نماز با جماعت اور اس کے بعد معمولات کی پابندی، بلا عذر سبق کے ناغے سے گریز اور فارغ اوقات میں بھی دارالافتاء میں بیٹھ کر کام کرنا یا تلاوت وغیرہ معمولات میں مشغول رہنا ہر ایک کو دکھائی دیتا تھا، وہ وقت کو بالکل ضائع نہ کرتے تھے، فضول مجلس بازی سے مجتنب تھے''۔

مولانا عمران ولی صاحب ان کی ''وقت کی قدر شناسی'' کا ذکر کر رہے تھے اور میرے تخیل میں خیالات کا ہجوم تھا، میں سوچ رہا تھا کہ دنیا میں اگر کسی انسان نے ترقی کی ہے تو اس کی کامیابی میں بہت بڑا سبب ''وقت کی قیمت شناسی'' بھی رہا ہے، ایک صاحب عزیمت انسان ہمیشہ وقت کی اہمیت کو جانتے ہوئے اس کو کام میں لاتا ہے، ضیاع وقت کا عادی نہیں ہوتا کہ اس سے اس کے مقاصد خاک

میں مل جاتے ہیں، وہ ایک ایک لحہ کو کسی مفید مشغلے میں صرف کرتا ہے، حضرت مفتی صاحب کے بڑاانسان، عظیم مفتی، لائق وفائق مدرس بننے میں ان کے اس وصف کا بھی ضرور دخل ہے۔

مفتی صاحبؒ کے ایک اور شاگرد کا کہنا تھا کہ فقہ کی معروف کتاب ''بدائع الصنائع'' کا تعلیق شدہ نیا نسخہ مارکیٹ میں آیا تو میرا خریدنے کا ارادہ ہوا، ازراہِ مشورہ ایک جلد لے کر حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے ایک اصولی بات ارشاد فرمائی کہ ''بھائی! دیکھو کہیں ''تحقیق'' کے نام پر ''تشکیک'' کا کارنامہ تو سرانجام نہیں دیا، بعض لوگ اس راہ سے بھی شکوک وشبہات کے کانٹے دماغوں میں بودیا کرتے ہیں''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے علمی وفکری فتنوں سے حضرت مفتی صاحب بخوبی واقف اور ان کی رگوں کے شناسا تھے۔ گویا علم طب کے ساتھ ان کی جو مناسبت تھی، وہ طب کی دونوں اقسام (طب جسمانی وطب روحانی) پر پھیلی ہوئی تھی اور وہ روحانی امراض، فکری ونظریاتی بیماریوں کے بھی گہرے نباض تھے۔ مفتی صاحب کے تمام سوانح نگاران کی ایک ممتاز صفت کا ضرور ذکر کریں گے، وہ ہے ان کی ''تواضع وفروتنی اور عاجزی وانکساری''۔ ان کی چال ڈھال تکبر سے عاری تھی، چلتے تو راستے کے ایک طرف ہو کر چلتے، تاکہ پیچھے آنے والے گزر جائیں، ان کی چال وحال سے یہ اندازہ ہوتا ہی نہ تھا کہ وہ اتنے بڑے مفتی ہیں۔ گھٹنوں کی تکلیف کے باوجود دارالافتاء میں زمین پر بیٹھ کر کام کرتے تھے، اور دارالافتاء کے اساتذہ کے اصرار کے باوجود کرسی اور میز پر بیٹھنا پسند نہ کیا، آخری کچھ عرصہ میں جب تکلیف بڑھ گئی تو مجبوراً اونچی نشست اختیار کرنی پڑی۔ بہرکیف حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ تو اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے، حق تعالیٰ شانہ نے موت کے لئے جو وقت مقرر فرمایا ہو، اس میں ایک لحہ کی تقدیم وتاخیر ناممکن ہے۔ ''بے وقت کی موت'' تو ہمارے ہاں کا ایک محاورہ ہی ہے اور بس۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو وہی وقت مقرر ہوتا ہے، جس پر فرشتۂ اجل روح قبض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات عالیہ میں مزید اضافہ فرمائے، اور ان کی تعلیمات اور اوصاف وکمالات کو تادم قیامت جاری وساری رکھے۔ اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مزید عطا فرمائے۔ آمین۔

☆......☆......☆......☆

......دارالامین [لاہور] کی مطبوعات......

ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟......مؤلفہ: قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ......

رعائتی قیمت:15

سنی مؤقف (عقائد وافکار کے لیے راہ نما اصول)......مؤلفہ: مولانا قاضی مظہر حسینؒ......

رعائتی قیمت:25

میری امی جان حفصہؓ (ام المؤمنینؓ کی منقبت پر سیکڑوں اشعار)......انجم نیازی............

رعائتی قیمت:100

ہفت اولیاء (صحابہ کرام کے سات دیوانوں کا ایمان افروز منظوم تذکرہ)......انجم نیازی

رعائتی قیمت:140

حسین یادیں (گوشۂ حیات: قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ)......نثار معاویہ

رعائتی قیمت:140

عمار خان کا نیا اسلام (اجماع امت، توہین رسالت، مسجد اقصی اور جہاد کے بارے عمار خان کے ملحدانہ نظریات کا تحقیقی جائزہ)......مولانا مفتی عبدالواحد، مولانا مفتی شعیب احمد......

صفحات:428......رعائتی قیمت:200

عقیدہ حیات النبی اور مولانا سخی داد خوستی کے فکری تضادات، افادات: مولانا عبدالحق خان بشیر

رعائتی قیمت:35

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ (ام المؤمنینؓ کی منقبت ومدحت پر سیکڑوں اشعار)......انجم نیازی

(زیر طبع)

حیات النبی کی خوشبوئیں (عقیدہ حیات النبی کے موضوع پر پہلی منظوم کتاب)......انجم نیازی

(زیر ترتیب)

رابطہ: مکتبہ صفدریہ، بہاول پور......0302-6505022

مولانا عبدالرؤف نعمانی، جامع مسجد برکت علی، اچھرہ، لاہور

......باب نمبر ۶......

رشحاتِ قلم

حضرت شہید رحمہ اللہ کے مقالات......اہم فتاویٰ جات کے اقتباسات......مختلف کتب پر حضرت رحمہ اللہ کے قلم سے لکھی گئی تقاریظ......اور......مکتوبات

''ترمذی شریف کی روایت ہے ''مثل امتی مثل المطر لایدری اولہ خیر ام آخرہ'' (یعنی میری امت کی مثال بارش کی مانند ہے، یہ نہیں معلوم کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر) جس طرح خشک سالی کے موسم میں زمین کی زرخیزی، کھیتوں کی ہریالی اور باغوں کی شادابی کے لئے بارش مفید ہے، اسی طرح دین وشریعت کے حساب سے اس امت کے اگلے پچھلے سلف سمیت پوری امت اچھی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ امت، امت مرحومہ ہے، اس امت کا کوئی دور خیر سے خالی نہیں ہوسکتا، دوراول کی بزرگ ہستیوں کو اگر صحابیت ورفاقت، مددوحمایت تبلیغ ودعوت، اعانت وتقویٰ کا شرف حاصل ہے تو بعد کے امتیوں نے نبوت ورسالت کو جوں کا توں تسلیم کیا، دین کو استحکام ورواج بخشا اور چار دانگِ عالم میں اس کا پرچار کیا۔

مجتہدین کرام کو شریعت کی تدوین وتاسیس کا شرف حاصل ہے تو متاخرین کو تسہیل وترتیب، تہذیب وتنقیح اور توسیع، تاکید وتلخیص کی فضیلت حاصل ہے، لیکن مجموعی فضیلت اسلاف کو حاصل ہے، جو برکت ونورانیت ان کے علوم میں ہے وہ بعد میں آنے والوں کے علوم میں نہیں، آج کے علماء کا امت پر یہی بڑا احسان ہوگا کہ وہ اسلاف کے علمی جواہر پاروں کو امت کے سامنے ان کے مزاج وذوق کے مطابق پیش کردیں''

امام عبداللہ بن مبارکؒ

محدث کبیر علامہ نوویؒ نے ان کا تذکرہ بایں الفاظ شروع کیا ہے: ''وہ امام جس کی امامت وجلالت پر عموماً ہر باب میں اجماع کیا گیا ہے، جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے، جس کی محبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔''(۱)

ولادت:

سن ولادت کے بارے میں دو قول ہیں، ۱۱۸ھ، ۱۱۹ھ۔ اول کی صحت پر چند قرائن موجود ہیں۔ سن وفات پر اتفاق ہے، کہ آپ کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی، اور آپ نے انتقال سے چند دن پیشتر حسن بن الربیع کے سوال کے جواب میں اپنی عمر تریسٹھ سال بتائی۔(۲) اس لحاظ سے آپ کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی۔

نام ونسب:

عبد اللہ بن المبارک بن واضح المروزی، کنیت ابوعبد الرحمٰن، لقب امیر المؤمنین فی الحدیث۔ آپ کی والدہ خوارزمہ اور والد ترکی تھے۔ ہمذان میں سکونت پذیر بنی حنظلہ قبیلہ کے ایک تاجر کے غلام تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ بنی سعد تمیم کی ایک شاخ بنی عبد شمس قبیلہ کے کسی فرد کے غلام تھے۔(۳)

ابتدائی تعلیم:

آپ کی توجہ الی العلم کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا: ''آپ علم و زہد کی طرف کیونکر متوجہ ہوئے؟ فرمایا: ''میں شروع شروع میں گانے بجانے کا شوقین تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ بھائیوں کے ہمراہ میں اپنے ایک باغ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ باغ بالکل تیار تھا۔ سارا دن کھانے پینے میں گزرا، رات کو طنبور سنبھالا اور اس پر وار دستان کا راگ چھیڑ دیا اور اس پر یہ شعر گانے شروع کیے:

الم یان لی منک ان ترحما

وتـعـصـى الـعـواذل والـلـومـا
وتـرنـى بـصـب مـغـرم
أقـام عـلـى هـجـركـم مـاثـمـا
يبيـت اذا جـنـه ليـلـة
يـراعـى الـكـواكـب والأنـجـمـا
ومـا ذا عـلـى الـصـب لـو أنـه
أحـل مـن الـوصـل مـا حـرمـا

اچانک دیکھتے ہیں کہ اوپر پرندہ بیٹھا ہوا عجیب وغریب آوازیں نکال رہا ہے، طنبور ہاتھ میں اچھی طرح بج رہا تھا۔ اچانک طنبور سے انسانی آواز میں یہ صدا نکل رہی ہے: **ألم يأن للذين آمنوا أن تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل من الحق** ۔ فوراً جواب میں کہا: ہاں وہ وقت آچکا ہے۔ فوراً اٹھے اور طنبور اور عود وغیرہ سب کو توڑ ڈالا اور ان امور کو بالکل ترک کر دیا۔ اس طرح زہد وعلم کی طرف اول بار توجہ ہوئی۔ اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے شاگرد و معتمد خاص فضیل بن عیاض کی توبہ کا سبب بھی یہی آیت بنی۔ (۴)

اساتذہ:

آپ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے، کئی ممتاز تابعین اور تبع تابعین سے روایت حدیث کر کے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں سے چند مندرجہ ذیل کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ ہشام بن عروۃ، یحیٰ الأنصاری، سلیمان التیمی، حمید الطّویل، اسماعیل بن أبی خالد، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، أعمش بن عون، موسیٰ بن عقبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، مالک، شعبہ، حماد بن یزید، مسعر بن کدام۔

تلامذہ:

آپ سے روایت حدیث کر کے شرف تلمذ حاصل کرنے والوں کا شمار ائمہ کبار میں ہوتا ہے۔ آپ نے سفیان ثوری سے روایت کی اس طرح سفیان نے بھی آپ سے روایت کر کے سند

حاصل کی۔ یہ اصطلاحِ اصولِ حدیث میں روایۃ الأ قران عن الأ قران سے موسوم ہے۔ ممتاز طلباء میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں: جعفر بن سلیمان، داؤد العطار، أبوالأ حوص، فضیل بن عیاض، أبواسحاق الفرازی، أبوداؤدالطیالسی، محمد بن الحسن۔

علم الفقہ:

علم فقہ آپ نے وقت کے ممتاز ائمہ خصوصا امام اعظم ابوحنیفہ، اور امام دار الہجرۃ امام مالک سے حاصل کیا۔ امام اعظم سے خصوصی تعلق تھا اور ان کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ بعض محدثین غلط فہمی کی بنا پر امام صاحب سے کشیدہ رہتے تھے اور بعض تو نازیبا الفاظ بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن المبارک جو خود محدث کبیر تھے اور امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، ہمیشہ امام صاحب کے فضل وکمال کے معترف رہے اور ہمیشہ ان کا ذکر بالخیر کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص امام صاحب کے بارے میں لب کشائی کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ اسماعیل بن داؤد سے روایت ہے کہ ابن مبارک ہمیشہ امام ابوحنیفہ کا ذکر بالخیر اور تعریف کیا کرتے تھے۔ ابوالحسن الفز اری امام ابوحنیفہؒ سے کبیدہ تھے اور کچھ ایسے ویسے کلمات بھی کہے جاتے تھے، لیکن جوں ہی دونوں کسی ایک مجلس میں جمع ہوجاتے تو ابوالحسن کو یہ جسارت نہ ہوتی کہ عبداللہ بن مبارک کے سامنے امام صاحب کے بارے میں کوئی نامناسب لفظ استعمال کرے۔(۵)

اقوال ائمہ:

جو شخص اطاعت ومحبت الہی میں مقربین کے درجے تک پہنچ جائے تو اللہ تعالی اپنے دیگر مقبول بندوں کے دلوں میں اس کی محبت اور اس کی طرف رغبت پیدا فرمادیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا. سورہ مریم ،آیت

خاتم المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی اللہ کی پاک بارگاہ میں محبوب ہوتا ہے تو اللہ تعالی جبریل امینؑ کو طلب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں ہمیں اپنے فلاں بندے سے محبت ہے، تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریل بھی تعمیل حکم میں اس سے محبت کرتے ہیں۔ بعدہ جبریل آسمان کے فرشتوں کو

مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو تو تمام آسمان والے اس شخص سے محبت کرتے ہیں۔ثم یوضع له القبو ل في الأرض ۔پھر زمین والوں کے قلوب میں اس کی قبولیت ڈال دی جاتی ہے اور ان کے دل اس شخص کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔اور اس کے آثار زندگی اور موت کے بعد بھی دیکھنے میں آتے ہیں، اور ان کا فضل وکمال، زہد و تقوی اور محبت واطاعت الٰہی قلوب کو اس قدر مسخر کر لیتا ہے کہ بڑے بڑے امراء وسلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ایک مرتبہ امیر المؤمنین خلیفہ عادل ہارون الرشید ''رقہ'' میں تھے، اسی زمانہ میں اتفاقاً حضرت عبداللہ بن مبارک بھی پہنچے۔آمد سے قبل لوگوں کو آپ کی تشریف آوری کے متعلق معلوم ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ گروہ در گروہ آپ کے استقبال کے لیے دوڑے، کثرت انبوہ اور بھیڑ کی وجہ سے اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں، گرد وغبار کے بادل اڑنے لگے، شاہی محل کے بالا خانے سے ہارون الرشید کی ایک حرم یہ تماشہ دیکھ رہی تھی، تو اس نے پوچھا: ''یہ کیا معاملہ ہے کون نو وارد شہر میں داخل ہو رہا ہے؟'' لوگوں نے کہا: خراسان کا ایک عالم کبیر عبداللہ بن مبارک کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ تشریف لائے ہیں۔بولی کہ حقیقی سلطنت تو یہ ہے۔ہارون کی بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے ڈنڈے کے بغیر کوئی بھی حاضر نہیں ہوتا۔(۶)

موت کے بعد اس محبت عامہ کا مظاہرہ دیکھنے میں یوں آتا ہے کہ جب امام احمد بن حنبلؒ کا انتقال ہوا تو آپ کے جنازے میں اتنی کثرت سے حاضری ہوئی، گویا انسانوں کا سیلاب تھا۔اس وقت کے حکمران خلیفہ متوکل نے حکم دیا کہ جہاں جنازہ پڑھایا گیا ہے اس زمین کی پیمائش کی جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کتنے افراد جنازہ میں شریک ہوئے۔زمین کو ناپنے سے معلوم ہوا کہ یہاں پر ۲۳ لاکھ افراد سما سکتے ہیں۔جب آپ کی وفات کی خبر اطراف عالم میں پھیلی تو کئی دن تک لوگ آپ کی قبر پر آکر نماز پڑھتے رہے اور بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ اس دن تیس ہزار یہودی وعیسائی خلقت کی کثرت اور اس دن کے عجیب وغریب مناظر کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔(۷)

مقربین ومخصوصین کے جنازے میں آسمان کے فرشتے بھی شرکت کرتے ہیں، لیکن ان کا احساس خال خال ہوتا ہے۔عہد نبوی میں سعد بن معاذؓ کا واقعہ مشہور ہے۔بعد کے دور میں بھی یہ

مناظر کہیں کہیں دیکھنے میں آئے۔ جب سہل بن عبداللہ التستری کا انتقال ہوا، ہر طرف سے خلقت آپ کے جنازے میں شریک ہوئی، شہر میں چیخ وپکار تھی۔ یہودیوں کا ایک بوڑھا عالم اپنے گھر میں تھا، اس نے چیخ وپکار سنی تو باہر نکلا جوں ہی اس کی نظر جنازہ پر پڑی اس نے چیخ ماری اور کہا کیا تم بھی کچھ دیکھ رہے ہو جو مجھے نظر آ رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟ کہنے لگا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان سے ملائکہ نازل ہو رہے ہیں اور جنازہ کو کندھا دے رہے ہیں اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔

عبداللہ بن المبارک کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس ''مقام خاص'' پر فائز فرمایا تھا، چنانچہ ائمہ کبار نے آپ کی شان میں جو کچھ کہا ہے چند اقوال بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

حسن بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ ایک بار عبداللہ بن المبارک کے چند شاگرد یکجا ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ اپنے شیخ کے کمالات کا تذکرہ کیا جائے۔ انہوں نے جو کچھ بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن المبارک علم وادب، زہد وتقوی، فقہ ولغت، نحو، شعر وفصاحت، انصاف، قیام اللیل وعبادت، اپنی رائے پر شدت سے قائم رہنا، لایعنی باتوں سے احتراز کرنا، دوستوں سے کم اختلاط رکھنا، ان سب خوبیوں کے مالک تھے۔ اکثر وبیشتر ان دو اشعار کو گنگناتے رہتے:

اذا صاحبت فاصحب صاحبا

ذا حیاء وعفاف وکرم

قائلا للشیء: لا ان قلت :لا

واذا قلت : نعم قال: نعم (۸)

اس رباعی کا مفہوم یہ ہے کہ مصاحبت ایسے رفیق کی اختیار کرو جو عفت، حیا اور جوان مردی کی صفات کا جامع ہو، نیز تمہارے اور اس کے مزاج میں ایسی یگانگت ہو کہ تم سے کسی چیز میں اختلاف نہ کرے۔

عباس بن مصعب نے ان الفاظ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا: ''حدیث وفقہ کی جامعیت، عربیت وتاریخ پر عبور، شجاعت وسخاوت میں یکتائی، تجارت میں مہارت تامہ، اور تمام لوگوں میں یکساں احترام، ان سب امور کے مجموعے کا نام عبداللہ بن المبارک تھا۔

جب آپ کے انتقال کی اطلاع حضرت سفیان بن عیینہؒ کو ہوئی تو فرمایا: زہد و سخاوت، عبادت وشجاعت جیسے اوصاف حسنہ ان میں پائے جاتے تھے۔

عمار بن الحسن نے اپنی عقیدت کا نقشہ ان دو اشعار میں کھینچا ہے:

اذا سار عبد اللہ من مرو لیلة

فقد سار منھا نورھا و جمالھا

جب کسی رات عبداللہ بن مبارک مرو سے چل دیں تو وہاں کا نور و جمال بھی رخت سفر باندھ لیتا ہے۔

واذا ذکر الأحبار من کل بلدة

فھم أنجم فیھا وأنت ھلالھا (۹)

جب ہر شہر کے علمائے ربانی کا تذکرہ ہو تو یہ حضرات وہاں کے ستارے ہیں اور آپ ان کے چاند ہیں۔

معتمر بن سلیمان کہتے ہیں ابن مبارک جیسا کوئی نہیں دیکھا گیا، ان کے ہاں جو کچھ حاصل ہوسکتا ہے وہ دوسروں کے ہاں کہاں! محدث کبیر امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں: وہ خصال حسنہ میں منفرد تھے ان کی مثل کوئی نہیں تھا اور سفیان ثوری سے افضل تھے۔ امام اوزاعی نے عثمان کلابی کو مخاطب کر کے فرمایا، اگر تم عبداللہ بن مبارک کو دیکھ لیتے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرتیں۔ ابوسامہ فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث میں آپ کو امیر المؤمنین کا مقام حاصل ہے، اسی بنا پر عموماً آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کے خطاب سے ذکر کیا جاتا ہے۔

ان کے زمانہ میں طلب علم میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا، انہوں نے تحصیل علم کے لیے یمن، مصر، شام، بصرہ وکوفہ کا سفر کیا، ان کا شمار رواۃ علم میں ہوتا ہے، انہوں نے صغار وکبار سے علم جمع کیا اور وہ حافظ الحدیث تھے۔

ایک مجلس میں ایک شخص نے آپ کو ''یا عالم المشرق'' کہہ کر خطاب کیا، سفیان ثوری بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے کہا عالم المشرق نہیں بلکہ ''یا عالم المشرق والمغرب

و ما بینھما'' کہہ کرمخاطب کرو۔

ایک مشرقی شخص نے سفیان ثوری سے ایک مسئلہ پوچھا، فرمایا: کیا تمہارے ہاں مشرق ومغرب کا عالم کبیر نہیں ہے؟ یعنی جب وہ موجود ہیں تو مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو!

اسحاق کہتے ہیں کہ شوق جہاد، زہد وعبادت، طلب علم اور مروت وسخاوت میں عبداللہ بن مبارک ٹھیک صحابہ کا نمونہ تھے، بس فرق یہ تھا کہ صحابہ کرام نے وجہ انور وچہرہ اقدس کا دیدار کر کے شرف صحابیت پایا اور یہ بعدزمانی کی وجہ سے اس کو حاصل نہ کر سکے۔

عبدالرحمان بن مہدی فرماتے ہیں: میں نے سادگی میں شعبہ جیسا، عقلمندی میں امام مالک سے بڑھ کر اور امت کی خیر خواہی میں عبداللہ بن مبارک سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔(۱۰)

ابوعمرو کہتے ہیں: فقہاء میں، میں نے صرف عبداللہ بن مبارک ہی کو ایسا پایا کہ لوگوں نے ان کے بارے میں لب کشائی سے پرہیز کیا۔(۱۱) احمد بن سنان سے روایت ہے کہ جب پہلے پہل عبداللہ بن مبارک حماد بن زید کی مجلس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بنظر تعجب ان کو دیکھا، اور پوچھا کہاں سے آئے؟ عبداللہ نے جواب دیا خراسان سے۔ پوچھا: خراسان کا کون سا شہر؟ جواب عرض کیا: خراسان مرو۔ پوچھا: کیا تم عبداللہ بن مبارک کو جانتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: وہ کس حال میں تھے؟ عرض کیا: آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ حماد نے یہ سن کر انہیں خوش آمدید کہا، اوران کو عزت واحترام سے رکھا۔ اسماعیل بن عیاض کہتے ہیں، اس وقت روئے زمین پر عبداللہ بن مبارک کی مثال نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی خصلت حسنہ ایسی نہیں جو عبد اللہ بن مبارک میں نہ پائی جاتی ہو۔(۱۲)

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن مہدی اپنا ایک مکان فروخت کرنے کے سلسلے میں بغداد تشریف لائے تو ارباب حدیث ان کے گرد جمع ہو گئے، اور سوال کیا آپ نے سفیان ثوری کی خدمت میں رہ کر ان سے روایت کی ہے، اور عبداللہ بن مبارک سے بھی حدیث کا سماع کیا ہے، تو آپ کے نزدیک ان دونوں میں بڑا کون ہے؟ جواب میں فرمایا: عبداللہ اور سفیان! اگر سفیان اپنی پوری جدوجہد خرچ کر کے چاہیں کہ صرف ایک دن کے لیے ان کو عبداللہ جیسی شان حاصل

ہو جائے تو وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔(۱۳)

حافظہ:

اس نعمت عظمی سے بھی آپ کو حظ وافر عطا ہوا تھا، جب کوئی چیز سنتے یاد ہو جاتی تھی، آپ کے بچپن کے ساتھی صخر کا بیان ہے کہ بچپن میں جب کہ ہم قرآن مجید پڑھتے تھے، ایک بار ہمارا گزر ایسے مقام سے ہوا جہاں ایک شخص تقریر کر رہا تھا، ہم لوگ وہاں ٹھہر گئے، اس نے کافی طویل تقریر کی، جب فارغ ہوا تو عبداللہ بن مبارک نے مجھے کہا کہ یہ خطبہ مجھے یاد ہو گیا ہے۔ قریب ہی ایک آدمی کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا، اس نے کہا تو پھر سنا دو، انہوں نے وہ خطبہ اسی طرح سنا دیا۔ نظر بن مساور نے ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا آپ حدیث کو حفظ کرتے ہیں، یہ سنتے ہی چہرے پر جوش کے اثرات نمایاں ہوئے، اور فرمایا: میں نے کبھی حدیث کو یاد کرنے کی کوشش نہیں کی میں تو یوں کرتا ہوں کہ کتاب لے کر اس میں دیکھتا رہتا ہوں، جس حدیث کو چاہوں وہ میرے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔(۱۴)

زہد وتقوی:

زہد وتقوی میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا، کسی ادنے سی مشتبہ چیز سے اس طرح پرہیز کرتے گویا اس کے فعل سے ارتکاب کبیرہ لازم آجائے گا۔ حسن بن الربیع سے روایت ہے مرض الموت میں ستو پینے کی خواہش کا اظہار کیا، خدام نے فوراً تلاش شروع کر دی، آخر کار ایک ایسے شخص کے پاس ملے جو دربار شاہی میں ملازم تھا، اس سے لے کر حاضر کیا گیا، لیکن آپ نے پینے سے انکار کر دیا اور تکمیل خواہش سے قبل ہی راہی ملک عدم ہو گئے۔(۱۵) ایک بار اپنے وطن مالوف مرو سے شام کا سفر کیا، وہاں کچھ عرصہ قیام کیا، دوران قیام ایک آدمی سے عاریۃً قلم لیا، جب وطن واپس ہوئے تو قلم واپس کرنا بھول گئے، مرو پہنچے تو قلم یاد آیا، وہاں سے شام واپس آئے اور قلم واپس کیا۔(۱۶)

صاحب حلیۃ الاولیا نے نقل کیا ہے کہ سرخس سے ایک آدمی نے آپ کے پاس کچھ ہدیہ بھیجا اس پر ایک دھاگہ لپٹا ہوا تھا آپ نے وہ ہدیہ قبول فرمالیا اور دھاگہ واپس کر دیا اور فرمایا میرے پاس دھاگے کے متعلق کچھ نہیں لکھا، اور فرمایا چھوٹا سا عمل اللہ کے ہاں قبولیت حاصل کر کے بڑا بن جاتا ہے اور بڑا عمل کسی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔(۱۷)

ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک نابینا شخص کے پاس سے ہوا، اس نابینا نے درخواست کی کہ دعا کیجیے کہ میری بینائی بحال ہو جائے، آپ نے اسی وقت دعا فرمائی۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ میرے دیکھتے دیکھتے اس شخص کی بینائی بحال ہوگئی۔(۱۸)

صبح کے وقت ایک مرتبہ آپ نے ماء زمزم کا برتن بھر کر قبلہ رخ ہو کر دعا کی ''اے اللہ مجھے سے منہال نے اور ان سے ابن منکدر نے اور ان سے حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: ماء زمزم جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ حاصل ہوگا۔ اے اللہ میں اس کو قیامت کے دن کی پیاس بجھانے کے لیے پیتا ہوں۔(۱۹)

عبداللہ بن سنان روایت کرتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن مبارک معتمر بن سلیمان کے ہمراہ طرسوس کی طرف جہاد کے لیے گئے، جب فوجوں کی صف بندی ہوئی تو ایک آتش پرست آدمی دشمن کی صفوں سے ''ھل من مبارز'' کا نعرہ لگا کر میدان میں آیا۔ ایک مسلمان اس کے مقابلے کے لیے نکلا لیکن وہ شہید ہو گیا، پھر دوسرا مسلمان مقابلے کے لیے بڑھا وہ بھی شہید ہو گیا، اسی طرح چھ مسلمان شہید ہو گئے۔ اب کسی کو مقابلے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جب ابن مبارک نے یہ دیکھا تو مجھے چند امور کی وصیت کی اور دشمن کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میدان میں نکلے، مقابلہ ہوا، پہلے وار میں اس کو جہنم رسید کیا، اس کے بعد دوسرا کافر بڑھا، اس کو بھی واصل جہنم کیا، اسی طرح یکے بعد دیگرے چھ کافروں کو ٹھکانے لگایا، پھر کسی کافر کو مقابلے کی جرأت وہمت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ایسی جنگ چھڑی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے، اچانک ایک بار نظر پڑی تو دیکھا کہ اسی پہلے مقام پر موجود تھے، جب جنگ کا وقت ہوتا تو بڑی بے جگری اور شجاعت سے اس میں حصہ لیتے، لیکن جوں ہی تقسیم غنائم کا وقت آتا آپ غائب ہو جاتے، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا، جس ذات کی رضا کے لیے جہاد کرتا ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ تقسیم غنائم کے وقت اپنے آپ کو مجاہد کہلاؤں۔(۲۰)

فیاضی وسخاوت:

آج کون کہہ سکتا ہے کہ علماء ربانی کی فیاضیاں، شاہانہ فیاضیوں سے کم تھیں؟ ربیعہ نے اپنی

تعلیم پر۳۲ ہزار دینار صرف کر دیے، امام ابو حنیفہؒ طلبہ کو درہم و دینار کیسے حوالے کر دیتے تھے، امام مالکؒ ایک بار امام شافعیؒ کو لے کر اصطبل کا معاینہ کر رہے تھے، امام شافعیؒ نے بعض گھوڑوں کی تعریف کی۔ امام مالکؒ نے تمام اصطبل ان کو ہبہ کر دیا۔ ہر سال امام شافعیؒ کو گیارہ ہزار دینار مرحمت فرماتے۔ عبداللہ بن المبارک کی فیاضی بھی کم نہ تھی، علم و زہد، ورع و تقوی اور فضل و کمال کے ساتھ آپ اقلیم جود و سخا کے بھی بادشاہ تھے، ایک بار لشکر اسلام کے ساتھ بغرض جہاد مصیصہ روانہ ہوئے، چند صوفیا کرام بھی ہمسفر بن گئے، عبداللہ بن المبارک نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تم صوفی حضرات اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ دوسرا کوئی شخص آپ کا خرچہ برداشت کرے، لہٰذا جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لاؤ تاکہ مل جل کر خرچ کیا جائے۔ آپ نے غلام کو ایک طشت حاضر کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے اس پر رومال ڈال دیا، اور فرمایا جو کچھ کسی کے پاس ہو، اس میں ڈال دو۔ کسی نے دس، کسی نے بیس درہم حسب استطاعت اس میں ڈال دیے۔ آپ ان سب کو جمع کر کے مصیصہ تک ان سب پر خرچ کرتے رہے، جب شہر کے قریب پہنچے تو فرمایا: کیونکہ یہ شہر اجنبی ہے اور دشمن کا مقابلہ بھی ہونا ہے، اس لیے جو کچھ زاد سفر بچ گیا ہے اس کو تقسیم کر لیویں۔ آپ نے ہر شخص کو بیس درہم کے بجائے بیس بیس دینار تقسیم کرنا شروع کر دیے۔ وہ شخص کہتا حضرت میں نے تو فقط بیس درہم دیے تھے، اور پورے راستے میں خرچ بھی ہوا، پھر بھی درہم کے بجائے بیس دینار واپس کر رہے ہیں، فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالی مجاہدین کے نقصانات میں برکت فرما دیتے ہیں۔ (۲۱) ممکن ہے آپ نے یہ طریقہ اپنی اس نیکی کو مخفی رکھنے کے لیے کیا ہو، کیونکہ سلف کا طریقہ تھا کہ وہ اخفائے احسان کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی پر واجب الاداسات سو درہم قرضہ کی ادائیگی کے لیے آپ کے پاس سفارش کی گئی، آپ نے فوراً اپنے مختار کار کو لکھا کہ فلاں شخص کو سات ہزار درہم ادا کر دو۔ جب نامہ مختار کے پاس پہنچا اور اس کو پورے واقعہ کا علم ہوا تو اس نے واپس لکھ کر بھیجا کہ شاید سبقت قلم کی وجہ سے سات سو کے بجائے سات ہزار لکھے گئے ہیں۔ آپ نے جواباً لکھ بھیجا کہ چودہ ہزار درہم ادا کر دو۔ مختار نے جواب میں لکھا اگر یہی سلسلہ رہا تو بعید نہیں کہ پورا مال ہلاک ہو جائے۔ آپ نے اس کو جواب میں لکھا، اگر تم میرے وکیل ہو تو جو کچھ میں کہوں لکھوں اس پر عمل کرو، وگرنہ تم میرے مقام پر آجاؤ۔ میں تمہارا

وکیل بن جاتا ہوں، جو کچھ تم مجھے حکم دو گے میں اس کو پورا کروں گا۔ میں نے یہ حکم اس لیے دیا کہ مجھے حضور ﷺ کا فرمان بواسطہ راوی پہنچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو اچانک غیر متوقع طور پر خوشی پہنچاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ اس لیے میری خواہش یہی تھی کہ اس کو خوشی پر خوشی حاصل ہو۔ (۴۲)

جب حج کا زمانہ قریب آتا اور آپ حج کا ارادہ کرتے تو آپ کے شہر مرو کے باشندے آپ کے پاس جمع ہو جاتے، اور کہتے کہ ہم بھی حج کرنے کے لیے آپ کی معیت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ان سے زادِ سفر وصول کرتے اور ہر ایک کی تھیلی پر اس کا نام لکھ کر اس کو ایک صندوق میں مقفل کر دیتے۔ جب روانگی کا وقت قریب آتا تو سواری کا انتظام کرتے اور براستہ بغداد حج کے لیے روانہ ہو جاتے۔ دوران سفر ان کی اچھے سے اچھے کھانوں سے تواضع کرتے اور ہر قسم کے اخراجات برداشت کرتے۔ بغداد پہنچنے کے بعد چند دن قیام کر کے قافلہ عازم مدینہ ہوتا۔ راستہ میں وہی مروت و مودت، حسن سلوک اور عمدہ طعام کا انتظام ہوتا۔ قافلہ جب مدینہ طیبہ پہنچتا، چند دن قیام کرتے۔ انہی دنوں میں ہر شخص سے فرداً فرداً پوچھتے کہ تمہارے اہل خانہ نے تمہیں مدینہ سے کیا تحائف لانے کے لیے کہا تھا؟ وہ شخص جن چیزوں کی فرمائش کرتا آپ فوراً خرید کر اس کو دے دیتے۔ پھر قافلہ مکہ مکرمہ روانہ ہوتا۔ حج سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہی سوال فرداً فرداً پھر پوچھتے اور حسب ضرورت تمام اشیاء کا انتظام فرماتے، پھر وطن روانہ ہوتے۔ دوران سفر اسی طرح آپ خرچ برداشت کرتے یہاں تک کہ مرو پہنچ جاتے۔ مرو پہنچنے کے بعد سب سے پہلے شرکائے سفر کے گھروں کو سفیدی کراتے، دروازوں کو رنگ و روغن کراتے، تین دن بعد ان کے لیے پرتکلف دعوت کا انتظام فرماتے اور ساتھ ہی ہر ایک کے لیے ایک پوشاک کا انتظام فرماتے۔ جب ہر شخص کھانے سے فارغ ہو جاتا اور اس لباس کو زیب تن کر لیتا تو صندوق منگواتے اور ہر شخص کو اس کی تھیلی جس پر اس کا نام لکھا ہوا ہوتا تھا اسی طرح لوٹا دیتے تھے۔ اس طرح ہر سال کئی افراد کو اپنے خرچ پر حج کراتے۔ **ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء**

ہمدردی و تعلق کا لحاظ:

ایک مرتبہ مکہ جاتے ہوئے ابو علی الروذباری آپ کے ہم سفر ہوئے۔ جب ایک گاؤں کے

قریب پہنچے تو آپ نے ابوعلی کو مخاطب کر کے فرمایا، دونوں میں سے کسی کو امیر منتخب کرنا چاہیے۔تم امیر بننا پسند کرتے ہو؟ ابوعلی نے کہا: نہیں آپ ہی امارت کے لائق ہیں۔آپ خود امیر بن گئے اور ان کے سامان کی گھڑی اپنے کندھے پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ابوعلی نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا یہ مجھے دے دیں۔ آپ نے فرمایا میں امیر ہوں، میری اطاعت تم پر لازم ہے، تم آرام سے چلو، یہ تمہیں نہیں ملے گا۔ جب رات کا وقت ہوا اتفاقا بارش شروع ہوگئی اور بارش سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔آپ نے ایک چادر لے کر ابوعلی کے اوپر پھیلا کر اس کو پکڑے رکھا اور تمام رات اسی طرح گزار دی۔ابوعلی کہتے ہیں کہ کاش میں مرجاتا اور یہ نہ کہتا کہ آپ امیر ہیں۔جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے تو فرمایا جب کسی کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا کریں تو یوں ہی اپنے ساتھی کے ساتھ پیش آیا کرو۔(۴۳)

محمد بن عیسی کا بیان ہے کہ جب آپ کا طرسوس آنا جانا ہوتا تو رقہ کے ایک مسافر خانہ میں قیام ہوتا تھا۔ایک نوجوان آپ سے سماع حدیث کرتا اور آپ کے ضرورت کے امور کو سر انجام دیتا۔ایک مرتبہ کسی غزوے میں لشکر اسلام کے ساتھ جاتے ہوئے رقہ آئے، نوجوان نظر نہیں آیا۔جلدی کی وجہ سے کچھ معلومات نہ کرسکے۔جب جہاد سے فارغ ہوکر دوبارہ رقہ تشریف لائے تو آپ کو جستجو ہوئی کسی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قرضہ کی عدم ادائیگی کی بناء پر قید میں ہے۔دریافت فرمایا کہ کتنا قرضہ واجب الاداء ہے؟ لوگوں نے بتایا دس ہزار درہم۔اس کے بعد آپ نے قرض خواہ کی جستجو کی اور اسے تلاش کرلیا۔رات کو اس کو اپنے پاس بلایا، دس ہزار درہم ادا کیے، اور اس سے قسم لی کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی کو نہیں بتانا اور صبح اس نوجوان کو قید سے رہا کرادینا۔آپ اس کے بعد علی الصبح وہاں سے روانہ ہوگئے۔صبح جب نوجوان قید سے رہائی پاکر باہر آیا تو لوگوں نے اس کو بتایا کہ عبداللہ بن المبارک تشریف لائے تھے، اور تمہیں یاد کر رہے تھے۔رات یہاں سے روانہ ہوگئے۔وہ نوجوان آپ کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا، آخر دو تین کوس پر ان سے جاملا۔آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم کہاں تھے؟ میں نے تمہیں نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنا واقعہ بیان کیا، پوچھا رہائی کیسی ہوئی؟ اس نے کہا میری طرف سے کسی شخص نے ادائیگی کردی اور مجھے خلاصی مل گئی۔نہ معلوم وہ شخص کون تھا۔فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے

تیرے قرضے کی ادائیگی کا سبب مہیا فرمایا۔ جب تک آپ بقید حیات رہے قرض خواہ نے کسی سے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔(۴۴)

حکیمانہ اقوال:

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا تعلم قرآن افضل ہے یا تعلم علم؟ آپ نے پوچھا کہ تمہیں اتنا قرآن آتا ہے کہ نماز ادا کرسکو؟ اس شخص نے جواب اثبات میں دیا، تو آپ نے فرمایا: علم حاصل کرو اس سے معرفت قرآن بھی حاصل ہوگی۔

ایک مرتبہ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ پاس سے حضرت ابواسامہ کا گزر ہوا، تو انہوں نے کہا کہ میں اس تدریس وتصنیف کو پسند نہیں کرتا ہوں، اس کے بعد آپ نے بیس دن تک درس و تدریس کا مشغلہ ملتوی رکھا۔ بیس دن کے بعد پھر اس سلسلے کو جاری فرمایا۔ ابواسامہ کا پھر گزر ہوا تو آپ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جو شخص اشاعت حدیث میں بخل سے کام لے گا وہ ان تین امور میں سے کسی ایک میں ضرور مبتلا ہوگا:

(۱) جلد موت واقع ہوجانے کی وجہ سے سلسلہ عمل منقطع ہوجائے گا۔

(۲) اس پر نسیان کا غلبہ ہوگا جس سے تمام علم بھول جائے گا۔

(۳) بادشاہوں کے دروازوں کے گرد چکر کاٹتا پھرے گا، اس سے بھی اس کا علمی سلسلہ وربط منقطع ہو جائے گا۔

فرمایا: علم کے چند مراحل ہیں: اول نیت کی درستگی، دوم: فہم، سوم: عمل، چہارم: عمل کے بعد حفظ، پنجم: اس کی نشرواشاعت اور دوسروں تک پہنچانا۔(۴۵)

فرمایا اگر ایک شخص سو بری چیزوں سے اجتناب کرتا ہے اور ایک برائی کو کرتا رہتا ہے تو اس کو متقی نہیں کہا جائے گا اور جس میں جاہلوں والی ایک خصلت بھی پائی جائے وہ جاہل ہی ہے، اور دلیل میں یہ آیت پڑھی، **قال اللہ تعالی: انی أعظک أن تکون من الجاهلین**۔(۴۶)

ایک شخص آپ کی مجلس میں بیٹھا تھا اس کو چھینک آئی اس نے الحمدللہ کہا آپ نے اس سے پوچھا جب چھینک آئے تو کیا کہنا چاہیے؟ اس نے کہا الحمدللہ آپ نے کہا یرحمک اللہ۔ حاضرین آپ

کی اس حسن تدبیر سے حیران رہ گئے۔

ایک شخص نے آپ سے استفسار کیا کہ آپ اپنا مال متفرق شہروں میں تقسیم کرتے ہیں، کسی ایک شہر کے باشندوں پر کیوں نہیں خرچ کرتے؟ فرمایا مجھے ان لوگوں کی فضیلت اور مقام معلوم ہے جو احسن طریقے سے طلب حدیث میں مصروف ہیں۔ اگر ان لوگوں کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے اور ان کی امداد نہ کی جائے تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر ان کو نان ونفقہ سے مستغنی کر دیا جائے تو وہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو علوم نبویہ سے آشنا کریں گے، نبوت کے بعد نشر علوم دینیہ سے بڑھ کر کوئی چیز افضل نہیں۔ فقراء ومساکین وطلبا پر سالانہ ایک لاکھ درہم خرچ کرتے۔(۲۷)

آپ کے شاگرد خاص ابوعلی فضیل بن عیاض نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا: آپ ہمیں زہد واعراض عن الدنیا اور تھوڑے مال پر قناعت واکتفا کا حکم دیتے ہیں، اور آپ کو دیکھا گیا ہے کہ حج کو جاتے ہوئے خراسان سے بلد الحرام کو مال کثیر ساتھ لے کر چلتے ہیں، یہ کیوں؟ فرمایا: ابوعلی! میرے ایسا کرنے کی یہ وجہ ہے کہ میں اس مال کے ذریعہ اپنی عزت ووجاہت کو سوال کی ذلت سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اسے اطاعت خداوندی میں معین کی حیثیت سے ساتھ لیتا ہوں، اور جونہی مجھے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اس کے خرچ کرنے کا موقعہ میسر آتا ہے میں بلا دریغ اسے خرچ کر ڈالتا ہوں۔(۲۸)

وفات:

ساحل فرات پر ''ہیت'' نامی ایک مشہور شہر تھا، ایک غزوہ سے واپسی پر وہاں پہنچے تو زہد و تقوی، علم وفضل اور جود وسخاوت کا یہ آفتاب ہیت کے افق میں ۱۰ ررمضان المبارک ۱۸۱ھ کو غروب ہو گیا۔ تریسٹھ سال کی عمر ہوئی، اور وہیں مدفون ہوئے۔ اگرچہ آپ اس وقت سفر میں تھے، مگر پھر بھی آپ کے جنازے میں بے پناہ ہجوم ہوا۔ زندگی میں محبوبیت ومقبولیت کا جو تاج انہیں عطا ہوا تھا، وفات کے بعد اس کی تابانی میں اضافہ ہوتا گیا۔

فضیل بن عیاض کو جب آپ کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: انہوں نے اپنی مثال نہیں چھوڑی۔(۲۹) ہیت کے حاکم کے ذریعہ جب آپ کے انتقال کی اطلاع خلیفہ وقت ہارون الرشید کو ملی تو

خلیفہ نے اپنے وزیر فضیل کو بلا کر حکم دیا کہ لوگوں کو کہو کہ آج ہم سے تعزیت کریں۔(۳۰) محمد بن فضیل نے انتقال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ جواباً کہا: اللہ تعالی نے میری مغفرت پر مغفرت فرمائی، اور حور عین نے مجھ سے گفتگو کی۔ پھر پوچھا: آپ نے سب سے افضل کس عمل کو پایا؟ فرمایا: وہ ایام جو جہاد میں گزارے تھے۔(۳۱) فریابی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہیں حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، تو عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالی نے ابن مبارک کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ ارشاد فرمایا: ذاک مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین(۳۲) "ان کو نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت کا شرف حاصل ہے"۔

حوالہ جات:

(۱) تہذیب الاسماء واللغات ص ۱۸۵ ج ۱
(۲) تاریخ بغداد ص ۱۶۸ ج ۱
(۳) ایضاً ص ۱۵۳ ج ۱
(۴) مناقب موفق ص ۱۶۸ ج ۱
(۵) الانقاء لابن عبد البر ص ۱۳۳
(۶) مناقب موفق ص ۱۷۳ ج ۱
(۷) ایضاً ص ۱۷۰ ج ۱
(۸) ایضاً ص ۱۷۰ ج ۳
(۹) تہذیب الاسماء واللغات ص ۲۸۵ ج ۱
(۱۰) مناقب موفق ص ۱۷۹ ج ۲
(۱۱) تہذیب الاسماء واللغات ص ۱۸۷ ج ۱
(۱۲) مناقب موفق ص ۱۷۳ ج ۱
(۱۳) جواہر المضیہ ص ۲۸۲ ج ۲
(۱۴) تاریخ بغداد للخطیب ص ۱۵۵ ج ۱۰
(۱۵) ایضاً ص ۱۵۷ ج ۱۰
(۱۶) ایضاً ص ۱۶۵ ج ۱۰
(۱۷) مناقب موفق ص ۱۷۶ ج ۲
(۱۸) ایضاً ص ۱۷۸ ج ۲
(۱۹) مناقب موفق ص ۱۷۵ ج ۱
(۲۰) ایضاً ص ۱۷۲ ج ۲
(۲۱) ایضاً ص ۱۸۱ ج ۲
(۲۲) توالی التاسیس معالی ابن ادریس
(۲۳) مناقب موفق ص ۱۷۵ ج ۲
(۲۴) ایضاً ص ۱۷۷ ج ۲
(۲۵) تاریخ بغداد ص ۱۵۸ ج ۱۰
(۲۶) مناقب موفق ص ۱۷۲ ج ۲
(۲۷) تاریخ بغداد ص ۱۵۹ ج ۱۰
(۲۸) مناقب موفق ص ۱۷۹ ج ۲
(۲۹) ایضاً ص ۱۷۶ ج ۲
(۳۰) ایضاً ص ۱۷۵ ج ۲
(۳۱) تاریخ بغداد ص ۱۶۰
(۳۲) مناقب موفق ص ۱۷۱ ج ۲

(بشکریہ ماہنامہ بینات، محرم ۱۳۹۵ھ/فروری ۱۹۷۵ء/جلد: ۲۶/شمارہ: ۱)

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

انسانی کلوننگ کا شرعی حکم

مذکورہ بالا عنوان پر حضرت مرحوم شہیدؒ نے بنوں کی فقہی کانفرنس میں ایک مقالہ پیش کیا تھا جو سولہ صفحات پر مشتمل ہے، ذیل میں اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔ اختصار کے پیش نظر عنوانات، اقتباسات اور حوالہ جات بھی حذف کردیے گئے ہیں اور مقالے کو ایک رواں اور مسلسل مضمون کی شکل دے دی گئی ہے، تاہم اصل کی روح کو مجروح ہونے اور اس کے پیغام کو متاثر ہونے سے بچایا گیا ہے۔ مقالے کی زبان شستہ اور شگفتہ ہے، طرز استدلال عالمانہ اور منطقیانہ اور بیان میں سادگی اور برجستگی ہے، جس میں روانی، سادہ بیانی اور تشبیہات واستعارات کے استعمال نے مزید لطف اور چاشنی پیدا کردی ہے۔ مقالہ اگرچہ مختصر ہے اور اپنے موضوع کے جامع تعارف اور تبصرے پر مشتمل ہے، مگر زیادہ اہمیت کے لائق وہ اصول ہیں جن سے کام لے کر موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ اصولوں کو دوام اور ثبات حاصل ہے اور وہ ہر زمانے میں رعنا، تروتازہ اور شاداب رہتے ہیں، جزئی واقعہ سے کوئی قاعدہ کلیہ تشکیل دیا جاسکتا ہے نہ ہی کوئی ضابطہ شرعیہ مستنبط ہوسکتا ہے۔ جزئیات پر توقتی چھاپ غالب رہتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کا حسن وجمال گہنا جاتا، ان کی افادیت کم اور نافعیت ختم ہوجاتی ہے اور نتیجۃً وہ کشش اور رونق کھودیتے ہیں۔ شعیب عالم

کلوننگ کے تجزیاتی مطالعے اور شرعی جائزے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلیے کی تعریف اور اقسام کو بیان کردیا جائے تاکہ فہم میں سہولت ہو اور ہم بصیرت کے ساتھ کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

جس طرح سمندر قطروں کا اور پہاڑ ذروں کا مجموعہ ہے، اسی طرح انسانی جسم بہت سی خلیات کا مجموعہ ہے۔ اینٹیں مل کر دیوار بناتی ہیں تو خلیے مل کر جسم کو ترکیب دیتے ہیں۔ جسم کی حیثیت کل کی ہے اور خلیے کی حیثیت جزء کی ہے۔ کل ہو تو اجزاء کا وجود بھی ماننا پڑتا ہے، اس لیے جس دن سے انسان کا جسم

اور پودے کا وجود ہے اس دن سے خلیہ بھی موجود ہے، مگر جیسے ہر موجود کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح خلیہ موجود ہوتے ہوئے بھی انسان کو معلوم نہ تھا۔ انسان پر خلیے کا باقاعدہ انکشاف سترہویں صدی میں ہوا، رفتہ رفتہ اس تصور میں وسعت آتی گئی اور انیسویں صدی کے نصف اول کے اواخر میں اس تصور کو خلیاتی نظام کا نام دے دیا گیا۔

انسان ایک مکمل وجود رکھتا ہے اور اس کے جسم میں اہم عضو دماغ ہے، جو معلومات کا خزانہ ہے اور انسانی افعال کو کنٹرول کرتا ہے۔ جسم کی طرح خلیے میں بھی ایک دماغ ہوتا ہے، جسے نیوکلس اور مرکزہ کہتے ہیں، اس مرکزے میں کروموسومز (مادہ حیات) ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک دھاگہ نما مادہ ہوتا ہے، جو کسی بہت ہی عمدگی سے تہہ کی ہوئی شی کی شکل میں ہوتا ہے، اسی مادے کو سائنسی اصطلاح میں ڈی این اے کہتے ہیں۔ ڈی این اے کے اندر خلیے کے متعلق ایسی تمام معلومات اور تفصیلات ہوتی ہیں جو اس کے افعال کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ الحاصل جسم میں خلیہ اور خلیہ میں دماغ اور دماغ میں ایک خاص مادہ ہوتا ہے، جس میں خلیے کے متعلق معلومات بھی ہوتی ہیں اور وہ خلیے کے افعال کو کنٹرول بھی کرتا ہے۔

انسان کے تمام اعضاء بال، ناخن اور ہڈی وغیرہ میں خلیے ہوتے ہیں۔ مرد کے مادہ منویہ میں بھی خلیے ہوتے ہیں، ان میں سے جو تولیدی جرثومے ہوتے ہیں، انہیں جنسی خلیے کہتے ہیں، ان کی تعداد نصف ارب تک بتائی جاتی ہے مگر ان میں سے صرف ایک تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ دوسری طرف عورت کے رحم میں چار لاکھ غیر پختہ انڈے ہوتے ہیں مگر ان میں سے صرف ایک انڈہ وقت پر پختہ ہو کر نمودار ہوتا ہے۔ اب اگر مرد کا وہ خاص جرثومہ عورت کے اس مخصوص بیضے میں آ کر داخل ہو جائے تو تخلیق کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

کلوننگ کے متعلق ان ابتدائی گزارشات اور تعارفی کلمات کے بعد اب ہم اس کی تعریف کرنے کی پوزیشن میں آگئے ہیں۔ کلون کا لفظی معنیٰ: ''شکل اور مثل'' کا ہے، جبکہ کلوننگ ایک سائنسی اصطلاح کا نام ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان یا جانور کے خلیے لے کر مصنوعی طریقے سے ان کی افزائش کی جائے، یہاں تک کہ ایک نقل بمطابق اصل تیار ہو جائے۔

انسان کا ذہن کچھ سے بہت کچھ کی طرف منتقل ہوتا ہے، حیاتیات کے ماہرین نے جب دیکھا کہ ریڑھ کی ہڈی نہ رکھنے والے بعض جانور جنسی اختلاط کے بغیر بچے پیدا کرتے ہیں تو انہوں نے سوچا کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا چاہیے کہ ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے جانور بھی بغیر جنسی اختلاط کے بچوں کو جنم دیں، چنانچہ پہلے مینڈک سے مینڈک اور پھر ایک بھیڑ ڈولی نام کی تیار کی گئی۔ غیر جنسی خلیوں سے بھیڑ بنانے کے بعد انسان سوچنے لگا کہ غیر جنسی خلیوں سے کلوننگ کے ذریعے انسان کا بنانا بھی ممکن ہے اور جب ایسا ہو جائے گا تو مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔

یہ تصور محض نظری ہے یا عملی طور پر بھی ایسا ممکن ہے؟ اس بارے میں آراء متضاد ہیں۔ اگر ایسا ممکن ہو گیا تو طریقہ بظاہر یہی ہوگا کہ ایک خلیے کا مرکزہ لے کر دوسرے خلیے سے ملا دیا جائے گا اور پھر کچھ عرصہ عورت کے رحم میں نشو و نما کے لیے رکھ دیا جائے گا۔

آگے بڑھنے سے پہلے چند غلط فہمیوں کا ازالہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مغربی میڈیا نے کلوننگ کا صور اس زور سے پھونکا تھا کہ گویا کہ انسان خدا بن گیا، خدا کی خدائی پر حرف آ گیا اور تخلیق اس کا خاصہ نہ رہا، حالانکہ انسان بے چارا تحلیل و ترکیب سے کام لے کر اشیاء کی شکلیں بدل سکتا ہے مگر کوئی چیز عدم سے وجود میں نہیں لا سکتا۔ کلوننگ کا مدار خلیہ پر ہے مگر سوال یہ ہے کہ خلیہ کس کی پیدائش ہے؟ اور اس کی افزائش کون کرتا ہے؟ پیدائش اور پھر افزائش دونوں انسان کی قدرت اور طاقت سے خارج ہیں۔ اس کے علاوہ سائنس خلیے کے اندر ڈی این اے کو مرکز حیات قرار دیتی ہے جبکہ خلیے کو حیات عطا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

ہم مسلمانوں کے لیے تو کلوننگ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں، ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کسی جنسی اختلاط اور مرد اور عورت کے کردار کے بغیر ہوئی ہے۔ اس لیے ہمیں مرعوب یا خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں اور ویسے بھی انسانی کلوننگ ابھی تصور اور خیال کے درجے میں ہے، امریکی سائنسدانوں کو اعتراف ہے کہ انسانی کلوننگ ممکن نہیں ہے۔ بعض نے کلوننگ کے دعوی کو ایک دھوکہ قرار دیا ہے، جب کہ کچھ کا کہنا ہے کہ عورت کے رحم سے اتنے بیضے حاصل کرنا ممکن ہی نہیں جس سے انسان کلون ہو سکے۔ اس تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انسانی کلوننگ کوئی فوری حل طلب مسئلہ بھی نہیں، مگر

چونکہ حکومتی رکاوٹوں کے باوجود بعض سرپھرے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور از روئے عقل بھی یہ کوئی ناممکن نہیں اور نقل بھی اس کے بطلان پر قائم نہیں، اس لیے اس پر لب کشائی کوئی نامناسب اور غیر معقول بھی نہیں اور یوں بھی حادثے سے پہلے اس کا حکم معلوم کر لینا فقہ حنفی کی خاص خصوصیت ہے۔اس خصوصیت کے پیش نظر گفتگو کا سلسلہ اگر کچھ دراز ہو جائے تو امید ہے کہ سامعین کو گراں نہیں گزرے گا۔

خلیے کے اندر جو مخصوص مادہ ہوتا ہے جسے ڈی این اے کہتے ہیں، اس کے متعلق تصور یہ ہے کہ ہر انسان کو ورثے میں جو خصوصیات ملتی ہیں، وہ اسی کے اندر پوشیدہ ہوتی ہیں اور اسی کے ذریعے ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی ہیں۔ایک سائنس داں مینڈل نے اپنے تجربات سے ثابت کیا کہ جب دو مختلف پودوں یا بیجوں کو آپس میں گزارا جاتا ہے تو کسی ایک کی خصوصیات دوسری میں منتقل ہو جاتی ہیں، اس پر مزید انکشاف ہوا کہ جان داروں میں ایک نسل سے دوسری میں خصوصیات منتقل کرنے کے لیے کچھ مخصوص اجسام کام کرتے ہیں، جسے اس نے فیکٹرز کا نام دیا اور ان ہی فیکٹرز کو آج جینز کہا جاتا ہے اور جینز کی بنیاد پر سائنس کی جو شاخ ابھر کر سامنے آئی، اسے جینیات یا جینیٹکس کہتے ہیں۔

یہ تو تسلیم ہے کہ آباء واجداد سے بعض خصوصیات آنے والی نسلوں میں منتقل ہوتی ہیں خصوصیات کے علاوہ بعض بیماریاں بھی منتقل ہوتی ہیں، جنہیں موروثی بیماریاں کہتے ہیں۔حدیث میں موروثی بیماریوں کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ غیر خاندان میں شادی کی جائے۔موجودہ سائنس اس کا یہ حل تجویز کرتی ہے کہ خلیات میں بعض نارمل چیزیں داخل کر کے موروثی بیماریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے، نیز اولاد کی صلاحیت کے لیے مادہ منویہ میں تولیدی صلاحیت کے حامل جین داخل کیے جا سکتے ہیں لیکن اس طرح اولاد کے حصول کا کیا حکم ہے؟

اب ہم بحث کے مقصودی مرحلے میں داخل ہوتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ انسانی کلوننگ کے فوائد اور نقصانات کیا ہیں؟ اور اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

انسانی کلوننگ کے فوائد میں کہا جاتا ہے کہ بے اولاد جوڑوں کو اولاد نصیب ہو جائے گی اور اولاد نہ ہونے کی وجہ سے جو معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے اور اس کے نتیجے میں اولاد کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے، کلوننگ کے ذریعے اس معاشرتی فساد کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔اس کے

ساتھ حسب خواہش لڑکے یا لڑکی کو پیدا کیا جا سکے گا اور کوئی انسان جو غیر معمولی صلاحیت کا حامل ہو اس کی کاپی بنائی جا سکے گی اور اس طرح ذہانت، طاقت اور مہارت کو محفوظ کیا جا سکے گا، مزید یہ کہ کلوننگ کو انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے لیے استعمال کیا جا سکے گا۔

اگر جینیاتی تبدیلی محض دفع مضرت کے لیے ہو مثلاً: کوئی بیماری دور کرنا مقصود ہو اور یہی اس کا علاج ہو اور مسلمان، دین دار طبیب اس کا یہی علاج تجویز کرے تو متاثرہ حصے میں جین داخل کیے جا سکتے ہیں۔اور اگر جین کی تبدیلی جلب منفعت کے لیے ہو مثلاً: تولیدی صلاحیت کے جراثیم داخل کرنا مقصود ہو تو اگر ایسی صورت میں غیر محرم کے سامنے ستر کھولنے کی نوبت آتی ہو تو یہ طریقہ علاج ناجائز ہوگا کیونکہ دفع مضرت، جلب منفعت سے مقدم ہے۔اگر ستر کا دیکھنا لازم نہ آتا ہو تو چونکہ یہ صورت اضطرار کی نہیں اس لیے قواعد فقہ کی رو سے اسے ناجائز ہونا چاہیے لیکن جو جین داخل کیے جاتے ہیں وہ بہت چھوٹے اور کم ہوتے ہیں حتیٰ کہ خورد بین سے بھی بہ مشکل نظر آتے ہیں، اس لیے دفع مضرت کے جواز کے ساتھ اس صورت کا بھی جواز ہونا چاہیے کیونکہ فقہاء بہت قلیل نجاست کو معاف لکھتے ہیں۔

لیکن انسانی کلوننگ کا مسئلہ دوسرا ہے، اسے ایک مختلف زاویہ نظر سے دیکھنا چاہیے۔اول تو اس میں کوئی فائدہ نہیں اور اگر کوئی فائدہ ہو تو ہر فائدہ قابل حصول نہیں ہوتا ہے اور اگر قابل حصول ہو تو کلوننگ کے نقصانات کا پلہ اس کے فوائد پر بھاری ہے۔یہی وجہ ہے کہ اخباری خبروں کے مطابق امریکی صدر بل کلنٹن نے انسانی کلوننگ کے لیے مختص فنڈز روک دیے ہیں۔اس عمل سے مخلوق میں یکسانیت ہوگی جبکہ خالق حقیقی نے تنوع کو پسند کیا ہے بلکہ قرآن کریم میں اسے جتلایا ہے۔علاوہ ازیں کلوننگ سے آپس کا ظاہری فرق ختم ہو جائے گا جس سے متعدد مسائل جنم لیں گے اور محرم اور غیر محرم کا فرق ختم ہو جائے گا اور جب انسان بھی مصنوعی طور پر بننے لگیں گے تو مشین سے بنی پروڈکٹ اور اشرف المخلوقات میں کیا فرق رہ جائے گا؟ یہ انمول موتی منڈیوں کی جنس بن جائے گا، اس کی کھپت اور تجارت ہوگی، کارخانے اس کی پیداوار میں سبقت کریں گے، غذائی اجناس اور بکاؤ مال کی طرح اس کے بھاؤ لگیں گے اور انسان خود انسان کے ہاتھ میں مال تجارت بن کر ذلیل ہوگا اور یوں انسان اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا اور اپنے اعزاز و اکرام کو کھو دے گا جو حق تعالیٰ شانہ نے اسے بخشا ہے۔

مولانا محمد یاسر عبداللہ ☆

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے چند تحریری نقوش وآثار

استاذ محترم مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ نے اپنی حیات مستعار کا اکثر حصہ درس وتدریس اور افتاء جیسی عظیم دینی خدمات میں گزارا ہے، ان کے شب وروز کے معمولات سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ وہ کس قدر مصروف زندگی کے عادی تھے، علی الصبح ترمذی شریف کا درس، پھر دارالافتاء میں فتاوی کی تصحیح، مستفتیوں کے بالمشافہ سوالات وجوابات، جامعہ درویشیہ میں درس بخاری، جامعہ کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلبا کا سبق، دارالافتاء معہد الخلیل الاسلامی میں خدمت افتاء اور پھر مسجد الحمراء جمشید روڈ میں امامت وخطابت، نیز ضمناً وقتی مصروفیات اور تقریبات میں شرکت اور اسفار مزید برآں۔

ان گوناگوں مشاغل سے نبرد آزما شخصیت کے لئے کسی تصنیفی وتالیفی کام کے لئے وقت نکالنا دشوار ہی نہیں، عمومی احوال کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ناممکن تھا، اس لئے کہ تصنیف وتالیف کا میدان یکسوئی اور استجماع کا طالب ہے۔

دورِ حاضر ہی کے معروف محقق اہل علم وقلم کو دیکھ لیجئے کہ وہ اس تیز رفتار زمانے میں اپنی متاع وقت کو بچانے اور اسے صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی کتنی تگ ودو کرتے ہیں، بلاشبہ ضیاع وقت کے عادی شخص کے لئے کسی خالص علمی وتحقیقی کام میں کامیاب شرکت ناممکن ہے، نیز ہمارے دور کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنی وقتی تقریبات، ذاتی خوشیوں اور شوق زیارت وملاقات کی خاطر اکابر اہل علم کے قیمتی لمحات کے ضیاع کی بھی فکر نہیں کرتے اور نہ ان کے اوقات ومعمولات کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔نتیجتاً ان کی شرکت سے ہماری محفلوں کو رونق تو مل جاتی ہے اور اس طرح ہمارے شوق کی تسکین تو ہوجاتی ہے، لیکن اس سے ان کے عظیم علمی کاموں میں جو خلل واقع ہوتا ہے اس کی تلافی

☆ استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

نہیں ہو پاتی، بعض نامور اہل علم کی اہم تحقیقی خدمات کی عدم تکمیل کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

بہر کیف استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے روزمرہ مشاغل و معمولات اور دیگر دینی مصروفیات کی بنا پر ان کے چھوڑے ہوئے علمی ترکہ میں کوئی مستقل تصنیف یا تالیف تو نہیں ملتی، لیکن افتاء اور تحریر کے درمیان جو چولی دامن کا ساتھ ہے، اس کی بنا پر حضرت کے لکھے ہوئے فتاویٰ اور مختلف کتابوں پر ان کی تقریظات اس خلا کو کسی قدر پُر کرتی ہیں۔

ان کے فتاویٰ کی زبان پر تبصرہ تو مجھ جیسے نوآموز اور کم سواد طالب علم کے دائرہ سے خارج ہے، اس سلسلے میں عصر حاضر کے اکابر مفتیان کرام ہی اپنی آراء کا اظہار فرما سکتے ہیں، البتہ ان کے فتاوی کے عمومی مطالعہ سے تحریر کی پختگی، وسعت ظرفی، جرأت وہمت اور مطالعہ کی وسعت کا اندازہ فتوی کے میدان سے وابستہ ہر طالب علم کو ہوتا ہے، ذیل میں بعض اہم فتاویٰ کے اقتباسات اسی نقطہ نظر کے تحت پیش کئے جا رہے ہیں۔''

یک طرفہ خلع خلاف شرع:

تقریباً تمام ائمہ مجتہدین اس نقطے پر متفق نظر آتے ہیں کہ خلع میں میاں بیوی دونوں کی اجازت و مرضی ضروری ہے، نہ شوہر بیوی کو زبردستی خلع لینے پر مجبور کرسکتا ہے، نہ بیوی بزورِ قانون خلع حاصل کرسکتی ہے اور نہ ہی کوئی تیسرا فرد یا ادارہ ان دونوں کے درمیان زبردستی خلع واقع کرسکتا ہے۔

ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء کے درمیان اس مسلمہ مسئلہ پر ہمارے ملک کی بالا عدالت نے نکتہ آفرینی کرتے ہوئے یکطرفہ خلع کی درستگی کا مؤقف اختیار کیا اور آج بھی ماتحت عدالتیں اسی کے موافق فیصلے کئے جا رہی ہیں، ملک بھر کے علماء کرام و مفتیانِ عظام نے اس رائے سے اختلاف کا اظہار کیا اور اس پر مدلل تحریریں سامنے آئیں، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر ایک مختصر لیکن ایک مفتی ہونے کی حیثیت سے مدلل اور ناپا تلا مضمون تحریر فرمایا، جو

ماہنامہ ''بینات'' کے جمادی الاولیٰ وجمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ کے شماروں میں شائع ہوا، ابتدا میں اپنے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''غیر منقسم ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں ۱۹۵۹ء سے پہلے تک جس اصول کے تحت مقدمات کا فیصلہ کرتی آئی تھیں کہ ''خلع زوجین کا باہمی رضامندی کا معاملہ ہے اور عورت یکطرفہ طور پر عدالت سے استغاثہ کے باوجود حق خلع بروئے کار نہیں لاسکتی''۔

ہمارے نزدیک یہی نقطہ نظر قرآن وسنت کی رو سے درست ہے، جبکہ ۱۹۵۹ء میں عدالت عالیہ لاہور کا یہ مؤقف کہ ''اگر عدالت تحقیق کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ پائیں گے تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کر سکتی ہے اور ۱۹۶۷ء میں عدالت عظمیٰ پاکستان کا اسی نقطہ نظر کو اختیار کر لینا نادرست اور خلافِ شرعِ اسلام اور جمہور امت کے اختیار کردہ مؤقف کے خلاف ہے''۔

آگے آیتِ خلع (بقرہ:۲۲۹) پر بحث کرتے ہوئے معتبر تفاسیر کے حوالہ جات، مفسرین کے اقوال اور مذاہب اربعہ کے مستند مآخذ سے عبارات پیش فرمائی ہیں، نیز حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ، جس سے یکطرفہ خلع کے مجوزین اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں، اس پر بھی روشنی ڈالی ہے، اور آخر میں شرعی اصولوں کے مطابق تفریق اور تنسیخ نکاح کی بعض جائز صورتوں کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو حقوق بیوی کے شوہر پر واجب ہیں وہ دو قسم پر ہیں:

ایک وہ ہیں جو قانونی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر نکاح کے مقاصد اور مصالح حاصل نہیں کئے جاسکتے، مثلاً نان ونفقہ کی ادائیگی، وظائف زوجیت وغیرہ۔ یہ حقوق بزورِ عدالت حاصل کئے جاسکتے ہیں، بعض اوقات عورت بہت مشکل سے دوچار ہوجاتی ہے، ظالم شوہر نہ آباد کرتا ہے اور نہ خوش اسلوبی سے رہائی دیتا ہے، کبھی لاپتہ ہوجاتا ہے، کبھی پاگل ہوجاتا ہے، کبھی نامرد ہوتا ہے اور کبھی جان بوجھ کر نان نفقہ ادا نہیں کرتا، ایسی صورتوں میں شوہر پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ طلاق دیدے، اگر وہ طلاق سے

انکار کرے تو عدالت اس کی مرضی کے بغیر تنسیخ نکاح کر سکتی ہے۔

اس کے برخلاف بعض حقوق ایسے ہیں جن کی ادائیگی شوہر پر دیانۃً ضروری ہے لیکن وہ قانونی حیثیت نہیں رکھتے اور انہیں بزورِ عدالت حاصل نہیں کیا جاسکتا، مثلاً شوہر، بیوی کے ساتھ حسن سلوک یا خوش اخلاقی کے ساتھ پیش نہ آتا ہو ایسے حقوق کو بذریعہ عدالت نہیں منوایا جاسکتا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر یک طرفہ طور پر خلع کی ڈگری صادر کرنا ازروئے شرع درست نہیں''۔

ذخیرہ فقہ کے ایک طالب علمانہ مطالعہ کے بعد اس عبارت کو دیکھا جائے تو تلخیص واختصار کا ایک نمونہ اور طویل مطالعہ کا نچوڑ دکھائی دیتی ہے، یوں ہم جیسے طالب علموں کو دسیوں صفحات کا خلاصہ چند جملوں میں مل جاتا ہے، اس نوع کی ان گنت عبارات حضرت استاذ محترم کے فتاویٰ کی زینت ہیں۔

حقوق طبع محفوظ کرنا اور ان کو فروخت کرنا:

جدید طباعتی آلات کی ایجاد نے سہولیات کے ساتھ ساتھ جن مسائل کو جنم دیا ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ حقوق طبع کی رجسٹریشن اور ان کی خرید وفروخت بھی ہے، معاصر اہل علم میں سے بعض نے حقوق کی اس قسم کو ''حقوق مقررہ'' میں شامل قرار دیکر جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن بعض دیگر اہل افتاء کی طرح حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس مسئلے کی قدرے تفصیل بیان فرماتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

''حقوق طبع سے متعلق ابتداءً عرض ہے کہ تصنیفات دو قسم کی ہیں:

۱۔ ایک قسم جو خالصتاً علوم وفنون سے متعلق ہیں۔

۲۔ دوسری قسم میں وہ تصنیفات شامل ہیں جن میں خالصتاً دینی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ اور اصلاحی مضامین درج ہیں۔

استفتاء اسی قسم ثانی سے متعلق ہے لہٰذا جواب بھی اس قسم کی کتابوں کے حقوق طبع کے متعلق ہے۔ حقوق طبع کو محفوظ یا ان کو فروخت کرنے سے متعلق اکثر علمائے سابقین کی رائے عدم جواز کی ہے، جبکہ معاصر علماء میں سے اکثر کی رائے اس کے برعکس جواز کی

ہے، ہمارا مقصود اس بحث میں الجھنا نہیں کہ حقوق طبع ''حقوق مجردہ'' ہیں کہ ان کی بیع شراء ناجائز ہو، یا ''حقوق مقررہ'' میں سے تا کہ ان کی بیع وشراء کو جائز قرار دیا جائے''۔

آگے مسئلے کے متعلق فقہی بحث سے قطع نظر ایک اہم پہلو کی طرف توجہات کو مبذول کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہمارا مقصود اس مسئلے کے ایک خاص پہلو کی طرف توجہ دلانا ہے، مجوزین کی نظر ان حقوق کے دنیوی مفاد کے پہلو کی طرف ہے اور اسی اعتبار سے ان حضرات نے قرآن پاک کی تفسیر، حدیث کی شرح اور کتب فتاویٰ جیسی خالصتاً دینی، تبلیغی و اصلاحی کتب کو بھی دنیوی علوم وفنون اور مادی ایجادات میں شامل کر دیا''۔

اس نقطہ نظر پر مجوزین کی دو عبارات نقل کر کے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''حقوق طبع کو محفوظ کرنے کے محرکات بھی محض مالی مفادات ہیں''

زیرِ نظر فتوی کی درج ذیل عبارت بھی قابل غور ہے:

''مصنف نے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے علمی سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالنے کی جو سعی بلیغ کی ہے اس کا مقصود رضائے الٰہی، دین حقہ کی اشاعت اور اوامر ونواہی الٰہیہ کی تبلیغ ہے تو حق تصنیف جتلا کر اس کی اشاعت بلا معاوضہ میں رکاوٹ کیوں بن رہا ہے؟ کتاب کی دینی، اصلاحی اور تبلیغی نوعیت کے اعتبار سے تصنیف کے حق سے زیادہ تبیین کی ذمہ داری مصنف پر عائد ہوتی ہے اس کے لئے نہ شہادت حق کا کتمان جائز ہے اور نہ علم دین کے پھیلاؤ اور اصلاح کے لئے مفید بننے والی چیزوں میں رکاوٹ بن کر ''مناع للخیر'' کے زمرہ میں شامل ہونا جائز ہے''۔

نیز اس مسئلے کے حوالے سے ایک افسوسناک زمینی حقیقت کی طرف یوں توجہ دلائی ہے:

''آج کل عموماً کتاب کے اصل اخراجات سے کئی گنا زیادہ قیمت مقرر کی جاتی ہے، درمیانی تاجر کو بہت زیادہ نفع کا استحقاق دیا جاتا ہے، لیکن اصل استفادہ کرنے والے قاری کا خون نچوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ غلاء ثمن، غبن فاحش اور ضرورت مند طالب علم پر ظلم وزیادتی ہے، تاجروں کو اس طرح کھلی زیادتی کرنے کی کسی طرح

اجازت نہیں دی جاسکتی''۔

اور اخیر میں فتویٰ کا خلاصہ:

''حاصل کلام یہ ہے کہ دینی امور سے متعلق تصنیفات کو 'رائلٹی' کی صورت میں اجارہ دینا یا مصنف کا اس کے حق اشاعت کو محفوظ کرنا درست نہیں ہے''۔

یہ فتویٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت، دینی تصلب اور معاشرہ کے ذہنی رخ پر گہری نگاہ رکھنے کی واضح دلیل ہے۔

عورتوں کے لئے مساجد اور ان کی امامت:

کچھ عرصے سے عورتوں میں دینی تعلیم کے حصول اور حفظ قرآن کا شوق غیر معمولی طور پر بڑھتا نظر آرہا ہے، بنا بریں مدارس البنات کی تعداد میں بھی روزافزوں اضافہ ہورہا ہے اور ہر سال حافظات و عالمات کی ایک بڑی تعداد تیار ہورہی ہے، اس حوالے سے دارالافتاء میں ایک سوال آیا جس میں بعض شہروں میں خواتین کی الگ مساجد قائم کرنے اور ان میں باجماعت نماز ادا کرنے کا خیال پیش کیا گیا تھا اور فقہائے احناف کے اقوال میں اس کی گنجائش بتائی گئی تھی، نیز یہ کہ اس موضوع پر ایک مذاکرہ و مباحثہ منعقد کیا جارہا ہے جس کے لئے دارالافتاء جامعہ کی رائے مطلوب ہے، یہ صورت حال واقعتاً تشویش ناک اور مستقبل میں ان گنت فتنوں کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی، اس لئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر ایک مفصل و مدلل فتوی تحریر فرمایا، جس میں ابتداء عورتوں میں حصول علم کے شوق کی اس لہر کو تابناک مستقبل کی امید قرار دیتے ہوئے تعلیم النساء اور مدارس البنات کے متعلق رائے ظاہر فرمائی:

''اس عاجز کے خیال میں عورتوں کے لئے مکمل حفظ قرآن کے بجائے (کہ جس کا باقی رکھنا عورتوں کے مخصوص حالات کی بناء پر انتہائی مشکل ہے) بقدر ضرورت حفظ کے بعد دینی تعلیم (جو کہ زیادہ انفع ہے) کی طرف توجہ دینا زیادہ بہتر ہے، اس سے جہاں موجودہ قسم کے مسائل (مثلاً موضوع مذاکرہ) بھی پیدا نہیں ہونگے اور دین کی پختہ تعلیم کی بناء پر گھریلو ماحول کو زیادہ بہتر طریقہ اور سرعت کے ساتھ دینی بنایا جاسکے گا اور یہ سب کچھ اس صورت میں ممکن ہوگا جب کہ ان مدارس میں لڑکوں کے مدارس کی طرح غیر ضروری

پھیلاؤ نہ ہو اور سخت احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں ذرا بھی تساہل سے کام نہ لیا جائے، ورنہ خاکم بدہن یہ مدارس البنات دنیوی تعلیم کے گرلز اسکول اور گرلز کالجوں سے محض نام میں مختلف ہوں گے اور عملی طور پر ان کی طرح محض وقت گزاری اور عشق ومحبت کی رسمیں زندہ کرکے دین حنیف کی بدنامی کا باعث ہونگے، ولا فعله اللّٰهُ''۔

اس اقتباس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تعلیم النساء کے متعلق جس رائے کا اظہار فرمایا ہے، یہی بات تقریباً حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب میں ملتی ہے اور حضرت رحمہ اللہ نے خواتین کے لئے ایک دینی نصاب بھی متعین فرمایا تھا، جو ضروری دینی معلومات پر مشتمل ہے۔

مذکورہ تمہیدی امور کے بعد جماعت نساء کے متعلق روایات کا تتبع کرکے دفعِ تعارض کی صورت یوں بیان فرماتے ہیں:

''تعارض ادلہ کی بناء پر اکثر فقہاء احناف نے دوسری قسم کی روایات کو ترجیح دی، چنانچہ عام متداول متون، شروح اور کتب فتاویٰ میں جماعت نساء کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، جبکہ چند حضرات علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر، علامہ عینی، صاحب بنایہ شرح ہدایہ اور قریبی کے زمانے کے علاوہ عبدالحی لکھنوی رحمہم اللہ نے کراہت کا انکار کیا ہے''۔

ازاں بعد دونوں آراء کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کراہت کے قول کو عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں ترجیح دینے کے بعد مسئلہ کے ایک اور پہلو کی طرف یوں توجہ مبذول کرائی ہے:

''اگر ان دلائل کی بحث سے صرف نظر بھی کرلیا جائے تو بھی عملی طور پر عورتوں کے لئے مساجد کا قیام فتنوں کا دروازہ کھولنے کے علاوہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جب ایک مسجد قائم ہوگی تو اس کے لئے مؤذن، خادم اور امام کی ضرورت ہوگی، عورتوں کے لئے مخصوص ایام میں ان امور کی انجام دہی ممکن ہی نہیں، اگر ان کے نائب بھی مقرر کئے جائیں تو اگر دونوں کو عذر لاحق ہوگیا تو کیا ہوگا؟ مزید یہ کہ علیحدہ خصوصی مساجد میں اہتمام سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے کی بات ''ویتخذنه دولاً'' کے امکانات بھی رد نہیں کئے جاسکتے''۔

البتہ حافظات کے حفظ کے بقا کے لئے (جو ایک واقعی حقیقت اور قابل غور مسئلہ ہے)

صورتِ حال کا ادراک کر کے فقہ حنفی کے دائرہ میں موجود گنجائش کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے دین حنیف کا سہل ہونا واضح فرمادیا، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"البتہ حفظ کے بقا کی ضرورتِ شدیدہ کے پیش نظر ان حضرات کی رائے سے (جو کہ عدم کراہت کے قائل ہیں) اس حد تک استفادہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ دو تین حافظات مل کر اپنے قرآن کی حفاظت کی غرض سے تراویح کی جماعت کرالیں، جس میں دعوت عامہ تراویح کے لئے بھی نہ ہو، نہ اس کا اہتمام ہو نہ اشتہار و اعلان ہو، ورنہ گنجائش نہ رہے گی"۔

نیز مدارس میں جہاں بوقت نماز خواتین کا اجتماع ہو الگ جماعت کی بجائے:

"یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ بڑا ہال جہاں نماز پڑھی جائے باپردہ جگہ پر امام کے ساتھ دو تین مرد جماعت کریں اور طالبات (پردہ کے پیچھے) اس جماعت میں شریک ہوجائیں"۔

اس فتویٰ میں جہاں ایک جانب فقہی تصلب دکھائی دیتا ہے وہیں حقیقی ضرورت کے پیشِ نظر حدودِ شریعت اور فقہ حنفی کے دائرہ میں رہتے ہوئے عوام الناس کے لئے یسر و سہولت پیدا کرنے کا جذبہ بھی کارفرما نظر آتا ہے، ایک مفتی کے لئے ان دونوں اوصاف کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ اللّٰهم فقهنا في الدين وعلمنا التاويل.

افتاء کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا تعلق کئی عشروں پر محیط ہے، اس عرصے میں ہزاروں فتاویٰ ان کے قلم سے نکلے، اور ان کی تصحیح و تصویب کے بعد جاری ہوئے ہیں، اس مختصر تحریر میں ہر فتویٰ کا تجزیہ و تبصرہ مقصود ہے نہ اس کی استطاعت، بطور نمونہ چند اہم فتاویٰ پیش کر دیئے گئے ہیں، آگے حضرت رحمہ اللہ کی تحریروں اور تقریظات کے چیدہ وچنیدہ اقتباسات محض عنوانات کے اضافے کے ساتھ پیش کئے جارہے ہیں:

عقیدہ کی اہمیت:

"انسان کی عملی زندگی میں اس کے عقیدے کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے، عقیدے کی بنا پر انسان مومن یا کافر ہے، عمل کی درستگی اور قبولیت عقیدے کی درستگی پر

موقوف ہے، عقیدہ درست نہ ہو تو اعمال مردود ٹھہریں گے، قبر میں پہلا سوال ہی عقیدہ کے متعلق ہوگا، عقیدہ ہی کی بناء پر مومن ہمیشہ جنت میں اور کافر جہنم میں رہے گا، جب عقیدہ میں بگاڑ آتا ہے تو انسانیت پستی کی آخری حدوں کو چھونے لگتی ہے، حد یہ ہے کہ انسان درختوں اور پتھروں کو مسجود ورگائے اور بندروں کو معبود بنالیتا ہے، آج کی متمدن دنیا میں بھی اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، اسی اہمیت کی بنا پر اسلام سب سے پہلے عقیدہ کی اصلاح کرتا ہے'' (تقریظ بر کتاب ''مومن کا عقیدہ'' تالیف مفتی مطیع الرحمٰن)

سلف وخلف کا مقام اور باہمی امتیاز:

''ترمذی شریف کی روایت ہے "مثل امتی مثل المطر لایدری اولہ خیر ام آخرہ" (یعنی میری امت کی مثال بارش کی مانند ہے، یہ نہیں معلوم کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر) جس طرح خشک سالی کے موسم میں زمین کی زرخیزی، کھیتوں کی ہریالی اور باغوں کی شادابی کے لئے بارش مفید ہے، اسی طرح دین وشریعت کے حساب سے اس امت کے اگلے پچھلے سلف سمیت پوری امت اچھی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ امت، امت مرحومہ ہے، اس امت کا کوئی دور خیر سے خالی نہیں ہوسکتا، دور اول کی بزرگ ہستیوں کو اگر صحابیت ورفاقت، مدد وحمایت، تبلیغ ودعوت، اعانت وتقویٰ کا شرف حاصل ہے تو بعد کے امتیوں نے نبوت ورسالت کو جوں کا توں تسلیم کیا، دین کو استحکام ورواج بخشا اور چاردانگِ عالم میں اس کا پرچار کیا۔

مجتہدین کرام کو شریعت کی تدوین وتاسیس کا شرف حاصل ہے تو متاخرین کو تسہیل وترتیب، تہذیب وتنقیح اور توسیع، تاکید وتلخیص کی فضیلت حاصل ہے، لیکن مجموعی فضیلت اسلاف کو حاصل ہے، جو برکت ونورانیت ان کے علوم میں ہے وہ بعد میں آنے والوں کے علوم میں نہیں، آج کے علماء کا امت پر یہی بڑا احسان ہوگا کہ وہ اسلاف کے علمی جواہر پاروں کو امت کے سامنے ان کے مزاج وذوق کے مطابق پیش کردیں''

(تقریظ بر کتاب ''قربانی کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا'' مفتی محمد انعام الحق قاسمی دامت برکاتہم)

نزاعات کو نمٹانے کے دو اصول اور غیر مقلدین:

''دنیا عجائب خانہ ہے اور رنگارنگ نظریات کا طلسم خانہ ہے، عجیب بات یہ

ہے کہ ہر شخص چاہے یہودی ہو یا نصرانی، سکھ ہو کہ مجوسی اپنے نظریات پر نازاں اور اس پر شاداں فرحاں ہے اور اسی پر سجدۂ شکر بجالاتا ہے، ''کل حزب بما لدیھم فرحون'' لیکن اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ جو فرقے اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں وہ بھی اپنے نظریات کی سند قرآن وحدیث سے لاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر ہم معلوم کرنا چاہیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ تو اس کے لئے کیا طریقہ اختیار جائے؟

پہلا اصول: یہی ہے کہ قرآن وحدیث کو سلف صالحین کی تشریحات کے مطابق سمجھا جائے اور اکابر پر اعتماد کیا جائے۔ لیکن غیر مقلدین کی سلف بیزاری کا یہ حال ہے کہ صحابہ (معاذاللہ) فاسق اور بدعتی تھے، اس گروہ کے نزدیک نہ ان کا قول وفعل معتبر ہے اور نہ ان کی اجماعی رائے شرعی حجت ہے۔

دوسرا اصول: قرآن وحدیث کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں جو چودہ صدیوں سے نعوذ باللہ کہیں خلا میں گھوم رہی تھی اور اب اس صدی کے لوگوں کے ہاتھ لگی ہے، بلکہ ہمارا دین سینوں اور سفینوں کے ذریعے منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے، اس لئے جو فرقہ جو عقائد ونظریات رکھتا ہو تاریخی حیثیت سے یہ جائزہ لیا جائے کہ کسی اسلامی جماعت کے یہ عقائد ونظریات رہے ہیں یا نہیں؟

اس معیار پر غیر مقلدین ہمیں اپنا وجود نظر کھوتے ہوئے نظر آتے ہیں، آپ ذخیرہ احادیث چھان لیجئے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی سوانح عمریاں ملاحظہ کیجئے، شافعیوں، مالکیوں، حنبلیوں اور حنفیوں کی کتابوں کی ورق گردانی کر لیجئے، کہیں اس فرقے کی جھلک نظر نہیں آئے گی، خیر القرون تو کجا کسی اسلامی سلطنت میں بھی اس فرقے کا نام ونشان نہیں ملتا۔ ہند پر ہزاروں سال اسلامی حکومت رہی ہے اور یہاں سب کے سب لوگ سنی حنفی تھے، نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

''خلاصہ ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقے اور مذہب کو پسند کرتے ہیں اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے ہیں اور اسی مذہب کے عالم فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم

ہوتے رہے''۔(ترجمان وہابیہ:۱۰)

انیسویں صدی کے آغاز میں مشہور محدث ومورخ مولانا شاہ جہانپوری نے ''کتاب الارشاد الی سبیل الرشاد'' لکھی، اس میں لکھتے ہیں:

''کچھ عرصے سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں، پچھلے زمانے میں شاذونادراس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگراس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کوتو وہ ''اہل حدیث'' یا ''محمدی'' یا ''موحد'' کہتے ہیں مگرمخالف فریق میں ان کا نام ''غیر مقلد'' یا ''وہابی لا مذہب'' لیا جاتا ہے''۔(الارشاد:۱۳)

ملکہ وکٹوریا کے چشم ابرو پراس فرقے نے جنم لیا، انگریز نے اپنے اس خودکاشتہ پودے کی آبیاری کی اوراس کو پروان چڑھانے کے لئے ایک ضمنی ریاست بھوپال ان کے حوالے کی، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''فرمان روایانِ بھوپال کو ہمیشہ آزادگی مذہب میں کوشش رہی ہے جو منشأ گورنمنٹ انڈیا ہے''۔(ترجمان وہابیہ:۳)

(تقریظ بر کتاب ''ارمغانِ حق'' از مولانا ابوبکر غازی پوری رحمہ اللہ)

''الہدیٰ انٹرنیشنل'' ایک گمراہ کن ادارہ:

''دشمنان اسلام شروع دن سے دین اسلام کومٹانے کے درپے رہے اورجب وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں ناکام ہوئے توانہوں نے اپنا طریقہ کارتبدیل کردیا، کبھی علمی انداز میں فلسفیانہ طرز پر عقائد اسلامیہ میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی، علمائے اسلام نے اسی انداز میں ان کا تعاقب کرکے ان کی سازش کوناکام بنادیا اور بھی کئی حربے آزمائے، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے علمائے اسلام نے ان کی تمام کوششوں کو بے اثر بنادیا، اب ہمارے دور میں دشمنان اسلام نے دین دوستی اورخدمت اسلام کا لبادہ اوڑھ کراسلامی تعلیمات کومسخ کرنے اوراس میں تحریف وتبدیل کی راہ اپنائی ہے۔انہیں فتنوں میں سے فہم قرآن اورتعلیم دین کے عنوان سے ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' نے مسلمانوں کے درمیان اپنی راہ بنانے کی کوشش کی ہے، علمائے امت نے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق اس کا تعاقب کیا''۔

(تقریظ بر کتاب ''ہدایت یا گمراہی'' از مفتی مطیع الرحمٰن)

مسئلہ رؤیت ہلال اور تجدد پسندوں کے افکار:

''شریعت مطہرہ میں عبادات اور خوشی کے تہواروں کا مدار قمری حساب پر ہے، قمری حساب نہ تو سائنسی آلات کا محتاج ہے اور نہ لگے بندھے حساب پر اس کا مدار ہے، اعلم خلق اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''نحن امة امية'' تا قیامت ہے، جس میں مدار رؤیت پر رکھا گیا ہے۔ امت سائنسی علوم میں مہارت کر کے قمر و مریخ پر پہنچ جائے، فلکیات میں حیرت انگیز انکشافات کر کے دنیا کو حیرت زدہ کر دے تو بھی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کی صداقت تا ابد رہے گی، آج کل کچھ تجدد پسند حضرات اتحاد عید واتحاد صوم وغیرہ کو اسلام کی صداقت کے لئے لازمی سمجھتے ہیں اور یہ مفروضہ تصور کر لیا ہے کہ اس کے بغیر اسلام دنیا کے سامنے اپنی حیثیت تسلیم نہیں کرا سکتا۔ جب کہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اسلام اپنی صداقت وحقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اس مفروضہ کا ذرہ بھر محتاج نہیں، اسلام تو ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کا مصداق ہے''۔

(تقریظ بر ''رؤیت ہلال سائنسی اور فقہی تحقیق کی روشنی میں'' از مفتی عظمت اللہ بنوی)

ڈیجیٹل تصویر کی حرمت:

مولانا مفتی نجم الحسن مدظلہ کی کتاب پر حضرتؒ کی تقریظ ملاحظہ ہو:

''الحمدلله و كفىٰ و سلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ، امابعد!

زمانے کی جدت نے فکری تجدد کا گھمبیر مسئلہ کھڑا کر دیا ہے، تجدد پسندی نے کئی مسلّمہ احکام کو مختلف فیہ بنانے کا چسکا ہمارے کئی روایت پسند علماء کرام کو بھی عطا کر دیا ہے، زیر بحث مسئلے میں بحث ومباحثہ کے لیے جو جو دروازے کھولے گئے ہیں، اگر اکابر پر اعتماد کو کافی سمجھا جاتا تو یہ نوبت ہرگز نہ آتی۔

مزید افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے جن اکابر نے زیر بحث مسئلہ میں جدت کی حامل فکر

کے رد میں سب سے نمایاں کردار ادا فرمایا تھا، آج انہی بزرگوں کے قائم کردہ اداروں میں بیٹھ کر تجدد پسندانہ رائے کو پروان چڑھایا جارہا ہے، اور زیرِ بحث مسئلے کے متعلقہ نصوص کے بارے میں یا تو ان متروک و مرجوح اقوال کے ذریعے مغالطہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے، جنہیں چودہ صدیوں کے محدثین اور فقہاء نے اپنے فتووں کے لیے قابل قبول نہیں جانا تھا، یا پھر ان نصوص کی ایسی تاویلات کی جاتی ہیں جو اس سے پہلے کے مجتہدین امت کو معلوم نہیں ہوسکیں، ہمارے ان مقتدر مجوزین کا اہم استدلال اور بڑا عندیہ یہ ہے کہ تصویر کی جدید شکلوں کو حرام قرار دینا زمانے کے حالات اور آلات کی وجہ سے مشکل ہے۔

واضح رہے کہ اگر کوئی صاحب علم اپنی دیانت پر مبنی تحقیق کی بنیاد پر تصویر (بانواعہٖ) کو جائز قرار دے چکا ہو اور وہ اپنی رائے کو حتمی فیصلہ سمجھنے پر بضد نہ ہو، واضح نصوص کے سامنے اپنے اجتہاد کو پس پشت ڈالنے کا قابل ستائش حوصلہ رکھتا ہو، اس قسم کے معاملات میں اپنے اکابر کے مسلک و مشرب سے ہم آغوش ہونے میں نجات سمجھتا ہو اور دین میں شبہ، شبہات اور اغلوطات سے اپنا دامن بچا کر مصورِ کون ومکان کے دربار میں حاضری کے تصور سے آراستہ ہوکر اگر تصویر (بتفصیلہ) کی حقیقت اور اس کا حکم جاننا چاہے تو اس کے لیے اب تک علماء کی طرف سے جو کچھ مواد سامنے آیا ہے، وہ کافی ہونا چاہیے، کیونکہ اب حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب یا حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہما اللہ جیسے بزرگ واپس نہیں آئیں گے، مجوزین کے معاصر علماء جو کچھ کہہ رہے ہیں، اسی میں غور وفکر کرنا ہوگا۔

زیرِ بحث مسئلے کے متعلق ممکنہ سوالوں کے کافی وافی جوابات حضرت مولانا مفتی نجم الحسن صاحب نے بہت عمدہ انداز میں دیدیئے، ہماری رائے یہ ہے کہ مفتی صاحب موصوف کی تحریر کے اندر تقریباً ان تمام مغالطوں کا ٹھوس علمی جواب دیدیا گیا جو عام طور پر ہمارے قابلِ احترام اہل علم کی طرف سے عام کیے جاتے ہیں۔ اور یہ کہ کسی روایت پسند عالم دین کے لیے عذر کی گنجائش بظاہر نہیں چھوڑی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

اس ضروری گزارش پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ تصویر اور ٹی وی کو جس درجے میں جائز قرار دیا جارہا ہے، یہ انتہائی خطرناک بات ہے، جو عوام وخواص تصویر اور ٹی وی کو مجوزین کے فتووں کی بنا پر جائز سمجھ کر کھلے عام تصویریں بناتے، بنواتے اور ٹی وی دیکھتے ہیں، ان کو چاہیے

کہ کم از کم ناجائز سمجھتے ہوئے ایسا کریں، تاکہ کسی حرام کام کو حلال سمجھ کر کرنے کا شائبہ نہ رہے، کیونکہ یہ ایمانی لحاظ سے خطرناک بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور دنیا وآخرت دونوں اچھی بنائے۔ آمین۔''

مندرجہ بالا اقتباسات مختلف کتب پر لکھی گئی حضرت کی تقریظات سے منتخب کئے گئے ہیں، یہ تحریریں سادگی و پرکاری اور سلامت فکری کا نمونہ، لیکن بے جا عبارت آرائی اور لفظی جکڑ بندی سے کوسوں دور ہیں، موقع اور مسئلہ کے مناسب کہیں قلم کی سختی نظر آتی ہے اور کہیں طرزِ تحریر مشفقانہ اور مصلحانہ محسوس ہوتا ہے۔ یہ تحریریں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تعلیمات اور افکار وخیالات کی عکاس ہیں، انہیں خطوط پر وہ زندگی بھر گامزن رہے اور اپنے متعلقین تلامذہ اور عوام کی راہنمائی فرماتے رہے۔

فہرست:

ذیل میں ان کتب کی فہرست دی جارہی ہے، جن پر حضرت شہیدؒ نے تقریظات تحریر فرمائیں یا پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

۱......ارکانِ اسلام اور جہاد — اہلیہ عبدالرؤف عیسیٰ — ایم، آئی، ایس
۲......قربانی کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا — مفتی انعام الحق — بیت العمار
۳......ہدایت یا گمراہی، مع اضافہ جات ''جواب خیر خواہی — مفتی مطیع الرحمٰن
۴......مومن کا عقیدہ — مفتی مطیع الرحمٰن — ادارۃ النصیحہ
۵......فضائل ومسائل قربانی — محبوب الرحمٰن قاسمی — جامعہ مفتاح العلوم (ٹرسٹ)
۶......گستاخ رسول کا شرعی فیصلہ — محمد شعیب حقانی
۷......صحیح اسلامی عقیدہ (خطبات شیخ بن بازؒ) — مرتب: اسرار احمد شیخ — جامعہ رشیدیہ
۸......موافقات سیدنا عمرؓ — مولانا لیاقت علی شاہ — مکتبہ غفوریہ
۹......تصوف کی شرعی حیثیت — مولانا لیاقت علی شاہ

کتاب	مصنف	ناشر
۱۰......دعوت دین کے شرعی اصول وضوابط	مفتی عظمت اللہ بنوی	
۱۱......رویت ہلال، سائنسی اور فقہی تحقیق	مفتی عظمت اللہ	ادارہ تحقیقات اسلامیہ (بنوں)
۱۲......غیر سودی بینکاری، منصفانہ جائزہ	مفتی احمد ممتاز	جامعہ خلفائے راشدین
۱۳......نماز کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا	مفتی انعام الحق	بیت العمار
۱۴......احکام المساجد	مفتی مطیع الرحمٰن	ادارۃ النصیحہ
۱۵......ارمغان حق	مولانا ابوبکر غازی پوریؒ	بیت العمار
۱۶......ذکر بالجہر کا شرعی حکم	مولانا نثار احمد	جامعہ حنفیہ، اٹک
۱۷......اصلاح معاشرہ کے راہ نما اصول	مولانا ہارون معاویہ	دارالاشاعت
۱۸......جنت اور جنت......والے اعمال	مولانا ہارون معاویہ	دارالاشاعت
۱۹......خصوصیات مصطفیٰ ﷺ	مولانا ہارون معاویہ	دارالاشاعت
۲۰......زکوٰۃ کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا	مفتی انعام الحق	بیت العمار
۲۱......تعمیرِ معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں	مولانا ہارون معاویہ	دارالاشاعت
۲۲......قدوری کے مفتیٰ بہا اقوال کی تعیین	مولانا عبدالقادر	مکتبہ عمر فاروق
۲۳......ڈیجیٹل کیمرے کی حرمت	مفتی نجم الحسن	جامعہ یاسین القرآن
۲۴......تحفۂ اعتکاف، فضائل، مسائل	مولانا عمران عثمان	مدرسہ ابراہیم الاسلام
۲۵......وعدہ اور وعید	معلمات جامعہ مریم	جامعہ مریم للبنات
۲۶......موبائل فون کا استعمال	مفتی بلال بابر	مکتبہ عمر فاروق
۲۷......اہل علم کی طلبہ کے لیے قیمتی نصائح	مولانا روح اللہ	مکتبۃ الشیخ
۲۸......تسہیل الفلکیات	پروفیسر عبداللطیف	مکتبہ خالد وعابد
۲۹......حقیقتِ ایمان	مولانا لیاقت علی شاہ	مکتبہ غفوریہ
۳۰......جہنم اور جہنم......والے اعمال	مولانا ہارون معاویہ	دارالاشاعت

☆......☆......☆......☆

مکتوبات حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ

(۱)

۱۳/صفر ۹۷ھ ۲/۲/۱۹۷۷ء

عزیز محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ!

سیاسی حالات قومی اتحاد کے حق میں کافی سازگار ہیں۔کراچی کا جلسہ بہت کامیاب ہوا، میں خود اس میں شریک ہوا تھا،اس کے خلاف بھٹو کے جلسہ کی پبلسٹی بہت ہوئی، مجمع اس سے کم تھا اور لوگوں نے اطمینان سے بیٹھ کر تقریر بھی نہیں سنی، جب حزبِ اختلاف کہنا شروع کیا تو کئی ہزار لوگ اٹھ کر چلے گئے، بھٹو بہت بوکھلایا ہوا تھا،تقریر میں اس نے گالیاں بھی دیں، جس سے بہت برا اثر ہوا، قومی اتحاد والے جلسے کر رہے ہیں اور ان کے جلسے کامیاب ہو رہے ہیں۔آپ وہاں کے حالات سے مطلع کریں۔

(۲)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بگرامی قدر حضرت والد ماجد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ابھی پچھلے دنوں معلوم ہوا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونیورسٹی میں کوٹہ سسٹم ختم کر دیا گیا ہے،اب اگر کوئی کوشش کرے تو داخلہ مل سکتا ہے۔جب سے یہ بات معلوم ہوئی ہے بہت شوق ہو گیا ہے، ارادہ ہے کہ پاسپورٹ بنوا کر سندات کی نقول وغیرہ اور دیگر تمام کاغذات مکمل کر کے وزارت تعلیم سے تصدیق کرا کے یونیورسٹی بھیج دوں۔کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟ دیگر حالات بدستور ہیں۔آپ اپنے حالات سے مطلع فرمادیں، تمام اہل خانہ کو درجہ بدرجہ

تسلیمات۔والسلام۔محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ

(۳)

بگرامی خدمت عالی مرتبت محترم المقام حضرت مولانا المخدوم بنوری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی، بعد اشتیاق اقدام بوسی معروض اینکہ برخورداری عبدالسمیع زید سعادتہ حصول فیض سے محروم رہا ہے (بعض مجبوریوں کے سبب) اور برخورداری عبدالمجید کو خدمت اقدس میں بھیج چکا ہوں۔ احقر کے خیال میں عزیز کا داخلہ درجہ سادس میں ہونا تھا، مگر اس کا داخلہ درجہ خامس میں ہوا ہے، آنحضرت بطور خاص عزیز کی لیاقت کا جائزہ لے کر اس فیصلہ پر نظر ثانی فرماتے ہوئے اور عزیز کے وقت کا لحاظ فرماتے ہوئے اپنی صوابدید پر فیصلہ فرمادیں، بہرکیف آنحضرت کا فیصلہ ثانی خواہ جو بھی ہو فقیر کے لئے موجب تسلی ہوگا، عزیز عبدالمجید کو احقر کی طرف منسوب نہ فرماویں، بلکہ اعلیٰ حضرت دین پوریؒ کے خاندان کا ایک فرد سمجھ کر اس کو فقط اپنا شاگرد نہ خیال فرماویں، بلکہ ساتھ ہی اس کو اپنا برخوردار خیال فرماتے ہوئے ہر طرح سے تربیت اور تعلیم کا خیال فرمائینگے۔ اور عزیز کو انسان بلکہ عالم باعمل بنا کر واپس فرمائیں گے۔

تا آنکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشم بما کنند

؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔

امید ہے کہ آنحضرت بمع جمیع متعلقین بخیریت ہونگے اور مزاج گرامی کی خیریت سے مطلع فرما کر مشکور فرماویں گے۔

(نوٹ) یہ مکتوب حضرت دین پوری شہیدؒ کے نانا حضرت مولانا عبدالمنان صاحبؒ نے حضرت بنوریؒ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا۔ چونکہ اس سے حضرت شہیدؒ کے تعلیمی کیفیت و احوال پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے مکاتیب کے اس سلسلے میں شامل اشاعت کر دیا گیا ہے۔

(۴)

۵رذوالحجہ ۶۶ھ۔ ۲۷/۱۱/۶۷ء

باسمہ تعالیٰ

عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

......نیوٹاون میں بلا معاوضہ کام کرنے کی درخواست حضرت مولانا سے منظور کرالی ہے، مفتی عبدالسلام صاحب منگل کے دن روانہ ہوں گے، وہ بھی فی الحال دوماہ کی رخصت پر جارہے ہیں، بہرحال میں سردست کسی مسجد کی تلاش میں ہوں، بن گئی تو ان شاء اللہ گھر والوں کو بھی بلالوں گا، میری طرف سے بھابھی۔۔۔۔۔۔سے تعزیت کردیں، دراصل یہ معاملہ خود اپنا ہے گویا کہ خود اپنے آپ سے تعزیت کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا کریں۔

والسلام۔ محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ۔ یوم السبت بعد نمازِ مغرب

(۵)

۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ۔ ۸۳/۴/۱۱ء

برادر عزیز زید لطفہٗ

۔۔۔۔آپ نے کیسٹ میں چند چیزوں کا استفسار کیا ہے تو جواب حاضر ہے:

آپ جو نمازیں گھر پر ادا کرتے ہیں ان کو اول وقت پر پڑھیں، البتہ نماز عصر چونکہ وہاں پر مثل ثانی میں ہوتی ہے اس میں تاخیر کریں، مغرب کے وقت سے تقریباً سوا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ادا کیا کریں۔

علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ بنک ملازم کو جب تک متبادل روزگار مہیا نہ ہو اس وقت تک ملازمت نہ چھوڑے، ٹی وی کی دوکان پر ملازمت اس سے کم درجہ رکھتی ہے، خصوصاً جب کہ آپ خود اس کے دیکھنے سے مجتنب رہتے ہیں اور وہ بھی بقول شما دوماہ تک تکلیف ہے، اس لئے صبر کریں، ان شاء اللہ ضرور مدد ہوگی، اللہ تعالیٰ نے موقعہ عطا فرمایا ہے، حرم میں اگرچہ کبھی کبھی نماز تو مل جاتی ہے، بیت اللہ کی زیارت بھی ہوتی ہے، آب زمزم بھی پینے کو مل جاتا ہے، ملتزم اور حجر اسود کے بوسے تو مہیا ہوجاتے ہیں، ان سعادتوں کے حصول کے لئے اگر کچھ مشقت ہے تو اس کو

برداشت کریں۔

(۶)

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ۔ ۱۶/۲/۸۳ء

عزیز محترم زید سعادتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

...... میری تجویز ہے کہ آپ کی طرف سے جب تک آپ سعودی عرب میں ہیں روپے اپنی مسجد کیلئے ماہانہ دیئے جائیں، بلکہ اس پر عملدرآمد بھی شروع کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ آپ اس تجویز سے کلی اتفاق کریں گے، اگر جواب نفی میں ہو تو بھی مطلع کریں تاکہ اس کی تلافی کی جا سکے، ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر کوئی اچھے ساتھی مل جائیں تو کم از کم ایک ہزار ریال مسجد کی دریوں کے لئے جمع کرنے کی کوشش کریں، اگرچہ آپ وصول دوسروں سے کریں گے لیکن آپ کو بھی اس میں ضرور ثواب ملے گا۔ آج کل حَرم جانا کیسا ہوتا ہے، کہیں نماز میں پھر تو غفلت شروع نہیں کر دی، اس بارے میں خصوصی خیال رہے ورنہ واپس آجانا بہتر ہے۔

والسلام : محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ

(۷)

واجب العزۃ والاحترام حضرت والد ماجد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از آداب فرزندانہ المرام اینکہ:

اس سے پہلے میں ایک عریضہ لکھ چکا ہوں، برادرم اختر صاحب کے پاس خط لکھا تھا، اس میں آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا معلوم نہیں کہ آپ کو ملا یا نہیں، امید تو یہی ہے کہ آپ کو مل گیا ہوگا، لیکن تاحال آپ کی طرف سے عرصہ ہوا کوئی شفقت نامہ موصول نہیں ہوا، شاید مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں ملا ہوگا، دیگر امتحان کا نتیجہ آؤٹ ہو چکا ہے اور نمبر حسب ذیل ہیں:

بخاری: ۶۵، ترمذی: ۷۵، ابوداؤد: ۶۰، سنن نسائی: ۵۵، شرح معانی الآثار: ۶۸، مسلم شریف: ۴۱، مؤخر الذکر کتاب ایک ایسے استاذ کے ہاں ہے کہ جن کے ہاں پاس ہوجانا بہت مشکل ہوتا ہے، الحمدللہ کسی کتاب میں بھی ناکام نہیں رہا، کل نمبر ۳۶۴ حاصل کئے ہیں، اور نتیجہ ۶۰ فیصد رہا۔

اور اپنے ساتھیوں میں تیسری پوزیشن حاصل کی، دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آئندہ بھی ہر دینوی واخروی امتحانوں میں کامران وکامیاب بنادے، آمین۔ دیگر پچھلے دنوں اٹیچی کیس سے کچھ رقم چوری ہوگئی ہے جو ایک ضروری کام کے لئے میں نے رکھی ہوئی تھی، دعا کریں اللہ تعالیٰ آئندہ اس شر سے محفوظ فرمادیں......

صحت فی الحال تو الحمدللہ ٹھیک ہے لیکن کچھ کچھ پیٹ کی گڑبڑ رہتی ہے، پھر بھی اللہ کے فضل سے تعلیم سے مانع نہیں ہوتی، تعلیم پوری طرح جاری ہے، بخاری شریف جلد ثانی امتحان سے پہلے شروع کی تھی، ایک پارہ ہوگیا تھا، امتحان کے بعد بند ہوگئی تھی، اب چند دنوں میں عشاء کے بعد دوبارہ شروع ہونے والی ہے، باقی اسباق ٹھیک ہو رہے ہیں، آپ اپنے حالات سے مستفیض فرمادیں۔

فقط والسلام

محمد عبدالمجید دین پوری،

متعلم مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵، کمرہ ۱۱

(۸)

۹رربیع الاول ۱۳۹۹ھ۔ ۶/۳/۱۱ ۷۷ء

بگرامی قدر ذوالمجد والکرم حضرت والد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا گرامی نامہ ملا، حالات سے آگاہی ہوئی، عریضہ نہ لکھنے کی ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ میرے آنے کے بعد عزیزی عبداللہ سلمہ گھر آیا تھا، اس کے بعد برادرم عبیداللہ صاحب خان پور گئے، اس سے حالات کا علم ہوگیا ہوگا، دوسرے کچھ سستی بھی ہوگئی، اب بھی عزیزی عبداللہ کراچی

والے حضرات کے ہمراہ خان پور پہنچ گیا ہوگا، حالات ان کی زبانی معلوم ہوجائیں گے، تاہم تعمیل حکم کے لئے عریضہ لکھ رہا ہوں، رجسٹریشن کرائی تھی، اب امتحان کا داخلہ ہو رہا ہے، کل بروز جمعہ وہ بھی ان شاء اللہ بورڈ میں سے کرادوں گا، تقریباً۔۔۔۔۔روپے خرچہ آئے گا، رقم کا بندوبست ہوگیا ہے، فی الحال مقالہ کا کام روک دیا ہے، کیونکہ امتحان میں اب کوئی دو ماہ رہ گئے ہیں، امتحان دینے کے بعد ان شاء اللہ پوری توجہ اس پر صرف کروں گا، آپ کی دعاوں کی ضرورت ہے۔

والسلام محمد عبدالمجید عفی عنہ

(۹)

۱۸ر صفر ۱۳۹۳ھ۔ ۲۴ر۳ر۷۳ء

بگرامی قدر محترم المقام حضرت والد ماجد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزشتہ جمعہ ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا اور اس سے قبل بھی دو عریضے ارسال کر چکا ہوں، امید ہے کہ شرف حاضری حاصل کر چکے ہوں گے، آپ کا بھی جمعہ کے دن کا لکھا ہوا شفقت نامہ بروز پیر ملا، حالات کا علم ہوا، میرے ایک کام کی وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے، جس کے لئے میں معافی کا خواستگار ہوں، امید ہے کہ ضرور نظر کرم فرماویں گے۔

آج ہی آپ کے پرانے دوست جن کو آپ نے میرا نام بتا کر بھیجا تھا کہ خیریت پہنچا دیویں، آئے تھے، ان کی زبانی معلوم ہوا کہ اب پھر دوکان کے کام بننے کی امید ہے، خدا کرے یہ کام آسانی سے ہوجائے، آپ نے مقالہ کے بارہ میں استفسار فرمایا ہے تو فی الحال تو ابھی نصاب کی کتب باقی ہیں، جن میں مزید چند مہینے لگیں گے، جب مقالہ ملے گا اور جس عنوان پر ملے گا میں آپ کو مطلع کروں گا۔۔۔۔ماہ فروری کا وظیفہ نہیں بھیجا تو کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اب آپ ادھار وغیرہ لے کر ارسال کریں، بعد میں دیکھا جائے گا، کیونکہ اس سے آپ کو تکلیف ہوگی۔

والسلام محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ، متعلم مدرسہ عربیہ نیوٹاون کراچی نمبر

(۱۰)

۱۱رذوالقعدہ۱۳۹۲ھ۔۱۸؍۲۱؍۲؍۷۲ء

بگرامی قدر محترم المقام حضرت والد ماجد صاحب زید عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی، خیریت طرفین مطلوب من اللہ۔

بندہ بھی اپنی تعلیم میں پوری طرح مصروف ہے، اس سہ ماہی میں کتابیں دیکھنی ہوں گی، القواعد ابن رجب حنبلیؒ، کتاب الاحکام لعزالدین بن عبدالسلام، شرح الاشباہ والنظائر، موافقات شاطبی، یہ کتب اصول مذہب اربعہ پر مشتمل ہیں، اس وقت شرح الاشباہ والنظائر علامہ حموی حنفی زیر مطالعہ ہے، اوراس کے ساتھ ہی انگلش کا کام بھی جاری ہے، بندہ یہاں پہنچنے کے بعد کھانسی، زکام میں مبتلا ہوگیا تھا، کھانسی بہت سخت ہوگئی تھی، رات کوبعض اوقات نیند بھی نہیں ہوسکتی تھی، لیکن الحمدللہ آرام ہے کھانسی ختم ہوگئی ہے، البتہ کچھ زکام باقی ہے، خیر یہ تو کراچی کا خصوصی تحفہ ہے، جس سے بچنا بہت مشکل ہے، باقی ہرطرح سے خیریت ہے، آپ اپنے جمیع حالات سے مطلع فرمادیں، جمیع اہل خانہ کودرجہ بدرجہ تسلیمات۔

والسلام مع الاکرام۔ محمد عبدالمجید دین پوری درجہ تخصص فی الفقہ، مدرسہ عربیہ نیوٹاون، کراچی نمبر۔

(۱۱)

۲۲ررجب ۹۶ھ۔۳؍۸؍۷۵ء

ذوالمجد والکرم حضرت والد ماجد زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ کل ۲۲ررجب کوموصول ہوا، اطمینان قلبی حاصل ہوا، کل آپ کے گرامی نامہ کے ساتھ ہی رشید کا خط بھی موصول ہوا ہے، ابھی اس کوبھی جواب لکھوں گا، میں پہلے بھی اس کوان چیزوں کی طرف توجہ دلاچکا ہوں، لیکن مزید پھر تحریر کروں گا، باغ کے فروخت کرنے سے

بقایا جو دوسو روپے بچ گئے ہیں اس کے بارے میں میری ناقص فہم کے مطابق میری تجویز یہ ہے کہ آپ بجائے علی عدد الرؤس تقسیم کرنے کے اس میں سے نصف یا کچھ کم عزیزی محمد عبداللہ سلمہ کو دے دیویں، تاکہ وہ اس سے اپنے گھر کے کام میں لاسکے، کیونکہ وہ دوکان سے اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا، اس لئے وہ بقایا سے زیادہ مستحق ہے، اور بقایا سے عبدالکریم وعبدالعزیز ومریم وفاطمہ وعبدالحی وغیرہ کے کپڑے خرید لیں ویسے بھی عید قریب ہے، آگے آپ کی مرضی، اگر آپ علی عدد الرؤس تقسیم کرنا بھی چاہیں تو میرا حصہ عزیزی عبداللہ کو دے دیویں، دیگر حالات بحمداللہ ٹھیک ٹھاک ہیں، عزیزان بخیریت ہیں، تمام اہل خانہ کو درجہ بدرجہ تسلیمات۔

والسلام

محمد عبدالمجید دین پوری

دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ

(۱۲)

۲۷رمحرم ۱۳۹۷ھ۔۱۸؍۱؍۷۷ء

عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دیگر اینکہ نارتھ ناظم آباد (حیدری) میں ایک مسجد میں خطابت مل گئی ہے، پانچوں نمازیں بھی ساتھ ہیں، (۳۵۰) روپے مشاہرہ طے ہوا ہے، فی الحال تو مکان نہیں ہے، جلد ہی مکان بھی بنوادیں گے، مسجد ابھی نئی جگہ پر قبضہ کر کے بنائی گئی ہے، کچھ عرصہ بعد الائمنٹ ہونے کے بعد پختہ تعمیر ہوگی۔

(۱۳)

۱۷فروری ۱۹۷۷ء

پیارے عبدالمجید سلامت باکرامت۔

آپ خود بھی تسلی کریں اور گھر بھی بچوں کو تسلی دیں، بحمدہ تعالیٰ میں تندرست ہوں، حضور کی حاضری

دیکر آؤں گا۔

فہرست کتب حاصل شدہ از مدینہ ومکہ مکرمہ شرفہما

۱۔محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم و......نام مصلح (اردو)

۲۔ریاض الصالحین من کلام المرسلین (عربی) ۳۔ جادہ حق علامہ ابن تیمیہ (اردو ترجمہ)

۴۔فتوی سماحۃ مفتی الدیار السعودیۃ ۵۔مرزائیت اور اسلام (اردو)

۶۔حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (عربی) ۷۔رسالہ اقدام عبدالعزیز ثانی

۸۔جادہ ومنزل (اردو) ۹۔بدائع الزہور فی وقائع الدہور (عربی)

۱۰۔الدین والادب (عربی) ۱۱۔اسلام کا نظام حیات (اردو)

۱۲۔الدرر الشمیۃ فی الفرائض (عربی) ۱۳۔کشف الشبہات (عربی)

۱۴۔رسالہ الامام ۱۵۔القادیانیہ (عربی)

۱۶۔الشیخ محمد بن عبدالوہاب (عربی) ۱۷۔قرآن مجید مع جلالین

۱۸۔روضۃ الفائق ۱۹۔مناہل العرفان

(۱۴)

۱۶ جمادی الاول ۹۶ھ۔۱۷/۵/۷۶ء

بگرامی قدر ذوالمجد حضرت والد ماجد زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عریضہ روانہ خدمت کرنے کے لئے کئی بار خیال ہوا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ارادہ ملتوی ہوتا رہا، تا آنکہ آپ کا عنایت نامہ باعث مسرت ہوا، آئندہ انشاء اللہ العزیز ہر ہفتہ کم از کم ایک عریضہ ضرور ارسال کیا کروں گا۔

امتحانات ۵؍جولائی کو شروع ہوں گے.....تیاری کا تو اچھا موقع مل گیا ہے لیکن اس طرح مقالہ کے کام میں تاخیر ہو جائے گی، جولائی کا مہینہ اسلامی مہینہ کے حساب سے رجب ہوگا، دعا کریں اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں، تیاری کر رہا ہوں، انگلش اپنے پہلے استاذ جن سے

مدرسہ میں انگلش پڑھی تھی پڑھ رہا ہوں، اور خود بھی تیاری کر رہا ہوں، مدرسہ کے حالات بھی ٹھیک ہیں، اسباق جاری ہیں، کوشش میں ہوں کہ کچھ سبق جلدی ختم ہو جائیں تا کہ اس طرح تیاری کا موقع ملے،، ادویہ موصول ہو چکی ہیں لیکن طریقہ استعمال معلوم نہیں ہ، اطریفل اسطخو دوس تو رات کو کھاتا ہوں، باقی دوسرا معجون جوڈبی میں تھا، صبح نہار منہ کھاتا ہوں۔ گولیاں کس لئے ہیں اور طریقِ استعمال کیا ہے؟ فی الحال مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں، ہاں اطریفل اسطخو ردوس تھوڑا ہے، یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا، کیونکہ اس کے استعمال سے فائدہ ہوتا ہے......

والسلام......محمد عبدالمجید

۸/۹سی ایریالیاقت آباد کراچی ۱۹

(۱۵)

۲۴رمحرم ۱۳۹۶ھ۔ ۲۷/۱/۷۶ء

بگرامی قدر ذوالمجد والکرم قبلہ حضرت والد ماجد صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

...... بندہ بفضلہٖ تعالیٰ خیریت سے ہے، مقالہ کا کام بھی شروع کر دیا ہے، شام کو اسباق سے فارغ ہو کر سید ھا نیوٹاون جاتا ہوں وہاں عشاء تک کام کرتا ہوں، پھر وہاں سے گھر جا کر کھانا کھاتا ہوں، انگریزی کی کتابیں بھی دیکھتا ہوں، معلوم ہوا ہے کہ امتحان مئی یا جون میں ہوں گے، کام کی زیادتی کی وجہ سے بعض اوقات سر میں درد محسوس ہوتا ہے، آپ کی عدم موجودگی کی وجہ سے میں دوائیں نہیں لا سکا تھا، پھر برادرم اختر صاحب بھی بھول آئے، برادرم عبیداللہ صاحب کو خط لکھا تھا وہ ایک بار آپ کے ہاں آئے بھی، لیکن ملاقات نہیں ہوسکی، میری دوائیں جو نسخہ آپ نے تجویز کیا تھا وہ لفافہ میں بند کر کے رکھا ہوا تھا، اگر قریب کوئی آنے والا ہو تو ارسال کریں، آپ اپنے احوال سے مفصل مطلع فرمائیں۔

والسلام محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ

۸/۹سی ایریالیاقت آباد کراچی نمبر ۱۹۔

(۱۶)

۴صفر ۱۳۹۷ھ ۲۲/۱/۷۷ء

برادرم عزیز محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محبت نامہ آج ہی موصول ہوا،...... بھابھی کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا، اب ہم بھی تو سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ جو خدا کی مرضی تھی وہی ہوا، بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، اور اسے جوار رحمت میں جگہ عطا کرے، اگر بردارم مشتاق احمد صاحب تشریف لاویں تو بطور خاص میری طرف سے تعزیت کریں، نیز بھابھی...... صاحبہ سے بھی تعزیت کریں۔

...... مسجد کا مسئلہ بحمد اللہ ٹھیک چل رہا ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ٹھیک رکھیں، کل قومی اتحاد کا کراچی میں جلسہ عام تھا، جس میں تقریباً دو لاکھ کا مجمع تھا، جلسہ سے تمام مرکزی رہنماؤں نے خطاب کیا، مفتی صاحب مدرسہ میں مقیم تھے، آج حیدرآباد چلے گئے ہیں، کل صبح ملتان بذریعہ طیارہ روانہ ہوجائیں گے، چونکہ مفتی صاحب کی طبیعت خراب ہے، اس لئے دیگر پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔

والسلام محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ

دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی۔ بروز پیر

(۱۷)

۸محرم ۱۴۰۳ھ۔ ۱۶/۱۰/۱۹۸۲ء

برادر عزیز زید سعادتہٗ۔

خیریت طرفین مطلوب من اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

......آپ کے پروگرام کے بارے میں متضاد اطلاعات مل رہی ہیں، آپ اپنے بارے میں حتمی فیصلہ کریں، پھر اللہ پر توکل کر کے اسی پر پختہ رہیں، بیت اللہ میں دعا مانگ کر اپنے فیصلہ پر عملدرآمد کریں، ان شاء اللہ، اللہ کے کرم وفضل سے تمام کام باحسن طریق طے ہوجائیں گے۔

جیسا کہ آپ نے لکھا ایک موقعہ ملا ہے پھر ملے یا نہ ملے، اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، جیسا کہ اب تک ٹوٹی پھوٹی خدمت کرتا رہا ہوں آئندہ بھی ان شاء اللہ حسب الوسع کرتا رہوں گا، کمیٹی کی وصولی ۔۔۔اور دیگر مشورہ جات اور عملی کاموں میں ہاتھ بٹاتا رہتا ہوں، اور الحمد للہ کام اچھا چل رہا ہے۔

(۱۸)

۱۹ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ۔۲/۷/۷۵ء۔

ذوالمجد والکرم حضرت والد ماجد زید معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

۔۔۔۔خداوند قدوس کی دربار میں احقر ہر وقت دست بدعا ہے کہ آپ کو صحت کاملہ، عاجلہ، مستمرہ عطا فرمادیں، اور آپ کے سایہ عاطفت کو تادیر سلامت رکھیں، آمین۔ لا ارضی حتی اقول الف آمین

۔۔۔۔خدا کرے مکان کی مرمت کا کام صحیح طور پر بخیر وخوبی انجام پائے، دشمنوں کی تدبیروں کو ناکام کرنے کے لئے کسی نماز کے بعد وقت مقرر کر کے گیارہ مرتبہ سورہ قریش پڑھیں، نیز دشمن کی یورش کے وقت ایک سو گیارہ مرتبہ سورہ قریش اول آخر درود شریف پڑھ کر ثواب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بخش دیں اور دعا کریں، نیز دیگر عمل یہ ہے کہ روزانہ فجر کے بعد سر بسجود ہو کر یہ دعا سات مرتبہ پڑھیں: اللّٰھم انا نسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرۃ۔ اس کے بعد سجدہ سے سر اٹھا کر درود شریف پڑھیں، انشاء اللہ دشمن چند دنوں میں ذلیل وخوار ہوگا، نیز روزانہ سورہ الم تر بلا ناغہ پڑھی جائے، تو بھی ان شاء اللہ دشمن ذلیل وخوار ہوں گے۔

میری دماغی قوت کی افزائش اور اس کی فرحت اسی میں ہے کہ میں کم از کم آپ کی اتنی خدمت کیا کروں، آگے آپ کی مرضی، آپ اسے جس مصرف میں خرچ کریں، آپ اپنے ہاتھ سے خرچ کریں۔

بندہ کے حالات بحمد اللہ معمول پر ہیں، اسی ہفتہ امتحانات شش ماہی ہو رہے ہیں، اساتذہ کرام کی رائے سے بندہ کو ناظم امتحان مقرر کیا گیا، چند کتابوں کا امتحان تحریری ہوگا اور چند کا

تقریری، نیز امتحان پر چند کتابیں ختم ہو رہی ہیں، ان کی جگہ مزید کتابیں شروع کرائی ہیں، دیوان حماسہ ختم کرا کر شرح عقائد اور هداية النحو ختم کرا کر روضة الادب پڑھائی ہے۔

بندہ کے پروگرام میں یہ بات شامل ہے کہ ان شاء اللہ العزیز معاشرتی علوم کو ایم اے تک پہنچاؤں گا، اس سال تو میں کثرت مشاغل کی بناء پر توجہ نہیں دے سکا۔ آئندہ سال ان شاء اللہ العزیز ضرور کوشش کر کے ایف اے کا امتحان دوں گا، آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے، جمیع عزیزان بخیریت ہیں، بحمد اللہ اچھی طرح پڑھتے ہیں محنت کرتے ہیں۔

ماڈل ٹاؤن کے مکان میں جنات کے اثر سے زیادہ مجھے سحر کا شبہ ہے، کیا وہ شخص جس کو یہ معلوم ہو کہ آسیب کی وجہ سے فروخت کیا جاتا ہے، اسے اچھی قیمت پر خریدنے پر تیار ہوگا؟ بہرحال اس میں مزید غور کریں، مکان کی مرمت کا کام کہاں تک ہوا؟ دوکان منتقل ہوگئی یا نہیں؟ جمیع حالات سے مطلع فرماویں۔

والسلام محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ۔ دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ

(۱۹)

مخدومی و مولائی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب زید فیضکم الساری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کی مصروفیت ومشاغل کثیرہ کے پیش نظر خط بے جا تو ضرور ہے، ولیکن طلب معافی کے بعد جرات قلندری کی گئی، معاف فرمائیے گا۔ عالیجاہا!

آپ بار بار مکہ مکرمہ جاتے ہوئے مولانا خیر محمد ہندی ٹھل ہمزوی مہاجر مکی کو جو حرمِ پاک میں درس حدیث وقرآن دیتے تھے، جانتے ہوں گے، ان کی زوجہ محترمہ امسال بعد انقضاء حج فوت ہوگئی ہیں، ان کی مغفرت کے لئے اجتماعی دعائے مغفرت بعد از درس حدیث قرآن فرمائیے گا، مہربانی۔

اسی کاغذ پر مولانا خیر محمد موصوف کے کچھ حالات ثبت کئے جاتے ہیں، اگر مناسب سمجھیں تو جائز قطع وبرید کے ساتھ اپنے رسالہ بینات میں ذکر فرما دیجئے۔

موت نے کیا کیا متبحر عالموں واولیاء کوہم سے چھین لیا،منجملہ ان میں سے یہ بھی ہیں،مولانا موصوف،مولوی یار محمد جومتوسط درجہ کے عالم وعابد تھے،کے احدالثلاثہ فرزندار جمند ہیں،تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ کی بستی بلوچوں میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم ودرس نظامی مروجہ تک وہاں گردونواح کے مدارس میں پائی،پھر تکمیل دورہ حدیث مدرسہ عالیہ سہارنپور حضرت مولانا زکریا محدث مدظلہ العالی اور حضرت مولانا خلیل احمد مولف بذل المجہو دمرحوم کے پاس پڑھا،وطن مالوف واپس آکر متوکلاعلی اللہ مدرسہ عربیہ نکالا، اورخود پڑھانا شروع کیااوران ایام میں تبلیغ کا کام بھی شروع کردیا،مولانا چونکہ لحن داودی و قرات۔۔۔مزہ رکھتے تھے،دوردورتک لوگ لے جاتے تھے،چنانچہ مولانا نے وہاں جاکرمدرسہ مفتاح العلوم کی بنیادرکھی اور پڑھانا شروع کردیا،مولانا کی حق گوئی اور۔۔۔کی پیر پرستی نے اس میں جوڑ نہ کھایا،اوراختلافات پیدا ہوگئے،چنانچہ۔۔۔۔۔نے سختی سے زوردیا کہ ٹھل حمزہ سے چلے جائیں،مولانا صاحب نے سامان لے کرصبح کوروانہ ہونے کی ٹھان لی،رات کے وقت خواب میں حضرت مولانا خلیل احمد مرحوم نے فرمایا: خیر محمد یہاں سے مت جاو،سامان مسجد میں رکھ کرمتوکلاعلی اللہ پڑھانا شروع کردو،چنانچہ مولانا نے جانے کاارادہ ترک کردیا،اوریہیں ٹھل حمزہ میں مقیم ہوگئے،اور پڑھاتے رہے،حق پرستوں نے ساتھ دیااور پیر پرست مخالفت پر تلے رہے، چنانچہ ٹھل حمزہ میں تیس سال درس نظامی تک درس دیتے رہے،دورہ حدیث پڑھاتے رہے،سچ ہے: من کان لِلّٰہِ کان اللہ لہ کی بناپرمولانا صاحب ٹھل حمزہ میں زمینوں اور جانوروں کے مالک بن گئے،اوراس۔۔۔۔۔نے مولانا کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ہم نے خوداپنی آنکھوں سے دوزانوں متادبا بیٹھا ہوا دیکھا۔مولانا صاحب کوبستی کے مولوی غلام رسول نے اپنی لڑکی بیاہ دی،میاں بیوی نے مل کردین کی خدمت بے پایاں کی،مولانا پڑھاتے اورمائی صاحبہ کھانا اپنے ہاتھوں سے پکا کرکھلاتی،خداتعالیٰ بریں نیک طینت رحمت کناد

تیس پینتیس سال یہاں خوب پڑھایا،ہرسال تقریباً حج کرتے،سات آٹھ حج کرنے کے بعد پاکستان بننے سے قبل ہجرت کے ارادے سے تن تنہا عرب گئے اورسب کچھ یہاں ٹھل

حمزہ چھوڑ گئے۔ بیوی نے کئی بار مطالبہ کیا کہ واپس آجاو، مولانا انکار کرتے رہے اور مسجد حرام میں درس حدیث وقرآن فی سبیل اللہ دینے لگے۔ کئی بار حکومت سعودیہ نے تنخواہ قبول کرنے کو کہا، خود شاہ عبدالعزیز نے کہا، انکار کردیا، مولانا چھ ماہ مکہ مکرمہ میں پڑھاتے اور چھ ماہ حرم مدنی میں پڑھاتے، مدینہ منورہ میں ایک سرائے برائے حجاج تعمیر کروائی، (نوٹ: یہاں سے آگے کئی صفحات اصل خطوط میں غائب ہیں) مولانا موصوف نے جب دیکھا کہ بیوی یہاں نہیں رہی تو وہاں مکہ پاک میں ایک مستور سے نکاح کرلیا، عادت یہ تھی کہ صبح حرم میں آتے، اکثر شام کو سونے کے لئے گھر جاتے، لہٰذا اس موجودہ بیوی نے حکومت سعودیہ محکمہ قضا میں دعوی دائر کردیا کہ خیر محمد گھر کم آتا ہے، حقوق ازدواجی کو پورا نہیں کرتا، چنانچہ مولانا کو بلوایا گیا تو مولانا نے فرمایا: میں نے گھر بار اولاد سب کچھ حرم کی خاطر چھوڑا ہے، یہ چاہتی ہے کہ میں ان کے ساتھ اکثر وقت گزاروں، یہ ہرگز نہیں ہوگا، بس میرے سے جو کچھ لینا چاہے لے لے، میں اس کو فارغ کردوں گا، آخر کار طلاق دیدی، اس دوران اصلی بیوی بھی یہاں مکہ مکرمہ میں آگئی اور ہردو شخصیت میں ایک دوسرے سے متمتع ہوتے، حضرت مولانا ؒ میں فوت ہوگئے اوران کی بیوی امسال حج کے بعد صفر کو فوت ہوچکی ہے، اللہ تعالیٰ ہردو کو جنت الفردوس نصیب فرمائے، اوراپنی رضا نصیب فرمائے، رضوان اللہ اکبر ذالك هو الفوز العظیم۔

یہ ہردو بزرگوں کی مختصر زندگی ہے رحمت حق باد بریں پاک طینت، اب حضرت مولانا کے قائم مقام ان کے لڑکے مولانا محمد مکی مولود محلّہ جیاد مکہ مکرمہ ہیں، ہوایوں کہ مولانا صاحب موصوف کے بچے تو پیدا ہوتے تھے ولیکن پروان نہ چڑھتے۔ موسم حج میں جب آئے اور بیوی کو حمل تھا تو حرم میں دعا کی، اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور بچہ الموسوم محمد مکی یہاں محلّہ جیاد میں پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ محمد مکی کو دیرگاہ سلامت رکھے، آمین، حضرت جی ان میں جس قدر مناسب دیکھیں، کانٹ چھانٹ کرکے شائع کرسکتے ہیں یا جیسے آپ کی مرضی۔

ان کا تلمیذ بے تمیز......العبد الآثم محمد عظیم پدر

مولوی عبدالمجید دین پوری متعلم درجہ تخصص فی الفقہ نیوٹاؤن

(۲۰)

۹ رربیع الثانی ۱۴۰۳ھ۔۲۵/۱/۸۳ء

عزیز گرامی عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

قبل ازیں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ بندہ کو موٹر سائیکل خریدنے کا شوق ہے وہ شوق اب پورا کر لیا گیا ہے، یعنی کہ میں نے ہنڈا 70 /۱۱۱۰۰ رمیں بروز ہفتہ خرید لیا ہے، اب چلانے کی پریکٹس کر رہا ہوں، آج دین پور بھی اسی پر آیا ہوں، ابھی تک چلانے کی پریکٹس پوری نہیں ہوئی۔

(۲۱)

۱۰/۳/۹۶۔۱۱/۴/۷۶

بگرامی قدر حضرت والد ماجد زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میٹرک کے امتحان کراچی میں بیس اپریل سے شروع ہو رہے ہیں، ان کے ختم ہونے کے بعد غالباً مئی کے آخر میں یا زیادہ سے زیادہ جون کے ابتداء میں انٹر کا امتحان ہوگا، تیاری کر رہا ہوں، دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔

والسلام

محمد عبدالمجید دین پوری

(۲۲)

۸ رمحرم ۹۷ھ

عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ کا کام بھی مسجد کے متعلق ابھی تک کوئی نہیں بنا، فی الحال تو مدرسہ ہی میں کام کر رہا ہوں، اور رہائش بھی مدرسہ ہی میں ہے۔ چوہدری صاحب کا خط چنیوٹ سے برادرم

عبیداللہ کے نام آیا تھا، برادرم اختر صاحب بروز اتوار بذریعہ چناب ایکسپریس روانہ ہوں گے، آج سیٹ بک کردی گئی ہے، ان سے آپ کو مزید حالات معلوم ہوں گے..........

والسلام

محمد عبدالمجید دین پوری

دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی

(۲۴)

صفر۱۴۰۳ھ۔۱۴/۱۲/۸۲ء

دین پور شریف

برادر عزیز عزیزی محمد عبداللہ سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جب ویزہ کا کام ہوجائے تو پھر دن میں کم از کم ایک بار حرم میں ضرور جایا کریں، طواف کیا نماز پڑھی انشاء اللہ طبیعت کو ضرور سکون حاصل ہوگا......جمعیت میں سخت انتشار پیدا ہوگیا ہے، فضل الرحمٰن گروپ کی قیادت میاں سراج احمد صاحب کررہے ہیں، آج کل پنجاب کے دورہ پر ہیں، دوسری جانب درخواستی گروپ کی طرف سے یہ مشہور کیا جارہا ہے کہ میاں سراج احمد صاحب پی، پی، پی میں شامل ہوگئے ہیں، بہرحال اس بارے میں حالات بہت پریشان کن ہیں، اور دونوں جانب بڑے بڑے حضرات شامل ہیں، صاحبزادہ فضل الرحمٰن صاحب(۱) بھی آج کل اسی سلسلہ میں امارت کو بچانے کے لئے جمعیۃ طلباء کے ساتھ دورہ ہیں۔

☆......☆......☆......☆

(۱) صاحبزادہ مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ وحال مہتمم جامعہ مخزن العلوم خان پور۔

......باب نمبر ۷......

متفرقات

اندازِ تدریس، ملفوظات، محاضرہ، طلباء کو نصائح،
آخری سبق اور......کاروڑ کا گلِ سر سبد

روافض بہت ساری اشیاء کا انکار کرتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ نے صرف ''مسح علی الخفین'' کو اہل سنت کی علامت کیوں قرار دیا؟ تو جواب یہ ہے کہ روافض کی کتب میں لکھا ہے کہ ہر چیز میں تقیہ جائز ہے، لیکن ''مسح علی الخفین'' میں تقیہ جائز نہیں تو وہ اس کا انکار کھل کر کرتے ہیں، بقیہ اشیاء کے انکار میں تو تقیہ کا شبہ ہے، اس لئے ''مسح علی الخفین'' اہل سنت کی علامتِ مخصوصہ ہے۔

☆......☆......☆......☆

مجھے ایک آدمی نے ایک غیر مقلد کی تقریر کا جملہ سنایا تھا کہ تقلید، قلادہ سے ہے اور اس کا معنی ہے ''کتے کے گلے کا پٹا'' (تو ان لوگوں کے گلوں میں وہ پڑا ہے) میں نے اس سے کہا: اگر قلادہ کا یہی معنی ہے تو اس سے کہہ دو کہ ہم کو یہ معنی بھی قبول ہے، کیونکہ اصول ہے کہ شہروں میں دو قسم کے کتے ہوتے ہیں، بعض کے گلے میں پٹا ہوتا ہے اور بعض آوارہ ہوتے ہیں اور ان کے گلے میں پٹا نہیں ہوتا۔ وہ کتے جن کے گلے میں پٹا نہ ہو، بلدیہ والے ان کو زہر دے کر مار دیتے ہیں اور جس کے گلے میں پٹا ہو تو وہ اس کو کسی کا سمجھ کر نہیں مارتے تو ہمارے گلوں میں اگر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا پٹا ہے تو پھر ہم شیطان جو (بلدیہ والوں کی شکل میں ہے) کے حملے سے محفوظ ہیں، جبکہ یہ تو بغیر پٹوں کے ہیں تو شیطانی حملوں سے نہیں بچ سکیں گے اور جو کتا جتنا زیادہ موذی ہوتا ہے، اس کو اتنا زیادہ زہر دے کر مارتے ہیں۔

مولانا محمد عمران ممتاز ☆

حضرت مفتی شہیدؒ کا تدریسی انداز

پھولوں سے بھرا چمن انسان کی قوتِ باصرہ کو محظوظ کرتا ہے، جمالیاتی ذوق رکھنے والا شخص اُسے دادِ عیش دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، مگر خوبصورتی اور دل لبھانے کے اس مقام تک پہنچنے کے لئے چمن پر ایک لمبا زمانہ بیتتا ہے۔ یہ تمام خوبصورتی اس مالی کی دن رات کی نگہداشت کی مرہونِ منت ہوتی ہے جو اس کی نگرانی پر مامور ہوتا ہے، اسی طرح کسی بھی پھل کا پکنا، اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا کئی مراحل کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے، جس کے بعد مخلوقِ خدا اس سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ یہی حالت اور کیفیت افراد کے مقتدائے اُمت بننے اور ان کی صلاحیت کے اجاگر ہونے کی ہے۔ اس قحط الرجال کے دور میں کسی مضبوط، پختہ اور ماہر عالم دین کا میسر آ جانا نعمتِ خداوندی ہے، جس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ افسوس اس پر نہیں کہ اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کی گرہ کشائی میں مدد طلب کر کے ایسے جبال العلم کی قدر نہیں کی جاتی، بلکہ جب ان بزرگ ہستیوں کو جو اپنی ذات میں انجمن اور ادارے ہوتے ہیں، سنگِ راہ سمجھ کر راستہ سے ہٹایا جاتا ہے تو غم اور افسوس اپنی حد پار کر جاتا ہے۔

مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو متذکرہ بالا قسم کے کئی اندوہ ناک واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ حال ہی میں مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑی شہیدؒ کی شہادت کا واقعہ بھی دشمنانِ اسلام کی جانب سے جامعہ اور اسلام کی بنیادوں پر ایک کاری ضرب کے مترادف تھا۔

مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ سے بندہ نے جامع الترمذی (حصہ دوم) پڑھی ہے۔ جامعہ میں دورہ حدیث کے اسباق، عام درجات کے اسباق سے ۴۵ منٹ پہلے شروع ہوتے

☆ رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

ہیں، حضرت مفتی شہیدؒ اسی دورانیے میں سبق پڑھاتے تھے۔ عام طور پر سبق کے دورانیے کے شروع اور ختم ہونے کا اندازہ گھنٹی کی آواز سے لگایا جاتا ہے، دورۂ حدیث کے پہلے سبق کی ابتدا میں گھنٹی نہیں بجتی تھی، مگر طلبہ ترمذی ثانی کا سبق شروع ہونے کا اندازہ حضرت کی اشراق کی نماز سے لگایا کرتے تھے، حضرتؒ کا معمول تھا کہ درس گاہ آنے سے پہلے ایک مخصوص جگہ اشراق کی نماز اہتمام سے پڑھتے تھے، جسے دیکھ کر طلبہ مستعد ہو کر اپنی جگہوں پر تیار رہتے۔ حضرتؒ درس گاہ میں تشریف لاتے اور بڑے دھیمے وعمدہ انداز میں درس حدیث دیتے، یوں محسوس ہوتا کہ عشق نبوی ﷺ کے سمندر میں موجزن ہوں، جس کا مشاہدہ ہر طالب علم بخوبی کر سکتا تھا۔ حضرت شہیدؒ کا تدریسی انداز انتہائی سہل اور درس نہایت پُر مغز ہوتا تھا۔ ذیل میں حضرت کے چند درسی افادات، افادۂ عام کی خاطر تحریر کیے جاتے ہیں:

حلِ لغات وقواعدِ لغویہ:

لفظِ ''دجال'' کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا: یہ لفظ ''دَجلٌ'' سے مبالغہ کا صیغہ ہے، بمعنی خلط ملط کرنا، ''دجال'' لوگوں پر حق کو خلط ملط کرے گا، کیونکہ ایک طرف تو یہ یک چشم ہے، دوسری طرف تمام قدرتیں اُسے عطا ہوں گی، لوگوں کو اشتباہ ہوگا کہ خدا ہوتا تو عیب دار نہ ہوتا، اگر نہ ہوتا تو یہ قدرتیں عطا نہ ہوتیں۔

حدیث ''من شذ شذ فی النار'' میں مشہور ہے کہ دوسرا ''شذ'' شین کے ضمہ کے ساتھ ہے، مگر حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ دونوں فعل معلوم پڑھے جائیں گے، کیونکہ ''شذ'' فعل لازمی ہے۔

فرمایا: حدیث ''لا تسبوا الریح'' میں ریح سے مراد ماحول بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ اردو میں کہا جاتا ہے کہ آج کل کیسی ہوا چل پڑی ہے؟۔

لفظ ''کاد'' کے متعلق ارشاد فرمایا: لفظ ''کاد'' محل اثبات میں نفی کے معنی میں ہوتا ہے اور نفی کے محل میں آئے تو اثبات کا معنی دیتا ہے ''إن الساعة آتية أكاد أخفيها'' فرمایا، پھر قیامت کی گھڑی چھپا دی، علامات بتا دیں۔ بنی اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کے قصہ میں فرمایا:

''وما کادوا یفعلون'' حضرت مفتی شہیدؒ نے فرمایا: انہوں نے گائے ذبح کرلی تھی۔

برکت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: برکت کا ایک معنی ہے کہ وہ چیز زیادہ ہو۔ دوسرا یہ کہ تھوڑی سی چیز کئی لوگوں کے لئے کافی ہوجائے۔ تیسرا یہ کہ وہ چیز جزوِ بدن بنے اور کام میں آئے۔

ابواب الرؤیا کی ابتداء میں لفظِ ''رؤیا'' کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا: یہاں تین لفظ ہیں:

۱......رُؤیا: نیند کی حالت میں بعض اشیاء کو متشکل شکل میں دیکھنا۔

۲......رُؤیۃ: حاسۂ بصر سے دیکھنا۔

۳......رَأیٌ: دل کی نگاہ سے دیکھنا، اسی سے امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کو ''اصحاب الرأی'' کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ دل کی گہرائیوں سے دیکھتے تھے۔ یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں، مثلاً آیت: ''وما جعلنا الرؤیا التی أریناک إلا فتنۃ للناس'' میں باجماع محققین ''رؤیا'' سے مراد رؤیتِ عینی ہے۔

سند اور رجال پر کلام:

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ترمذی میں فقہاء کے اقوال بھی سند کے ساتھ ذکر کئے ہیں، مگر ان فقہاء میں امام صاحبؒ کا نام نہیں لیتے، احنافؒ کا قول ذکر کرتے ہوئے کبھی کبھار یوں کہہ دیتے ہیں: ''وقال بعض أهل العلم من أهل الکوفة'' (۱۸۰/۲، ط: سعید) اس کی وجہ حضرتؒ نے یوں بیان فرمائی: امام ترمذیؒ کے پاس امام صاحبؒ کی روایات چونکہ معتمد سند سے نہیں پہنچیں تو انہوں نے ''بعض أهل العلم من أهل الکوفة'' سے تعبیر کیا ہے۔

توجیہ معانی الآثار:

حدیث شریف میں ہے: ''لیس المؤمن بالطعان'' جس کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ مؤمن زیادہ طعنہ باز نہیں ہوتا، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تھوڑا بہت طعن کرلیتا ہے، حالانکہ یہ معنی مراد لینے میں کامل مؤمن کی صفات کا ظہور نہیں ہوتا۔ حضرتؒ نے اس کا معنی یوں بیان فرمایا: یہ نفیٔ مبالغہ نہیں، بلکہ مبالغۂ نفی ہے، یعنی مکمل طور پر نفی ہے کہ وہ بالکل طعن ہی نہیں کرتا۔

''دجال'' کے متعلق بعض روایات میں ہے کہ اس کی دائیں آنکھ کانی ہوگی، بعض روایات میں ہے کہ بائیں آنکھ، اس تعارض کا حل حضرتؒ نے یوں بیان فرمایا: چونکہ اس کا سارا معاملہ دجل و تلبیس پر مشتمل ہوگا تو آنکھ میں بھی یہی دجل کارفرما ہوگا، کبھی دائیں آنکھ اور کبھی بائیں آنکھ ایسی ہوگی۔

استنباطِ مسائل:

حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے فقہی مہارت سے خاص طور پر نوازا تھا، جسے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل دفتر درکار ہے، یہاں مقصود حضرتؒ کے اس کمالِ ملکہ کا ذکر ہے جس سے وہ درس حدیث کے دوران، احادیث سے وقتاً فوقتاً مسائلِ فقہیہ کا استنباط کرتے رہتے۔ امام ترمذیؒ نے ابواب الدعوات (صفحہ نمبر: ۱۷۵ ط: ایچ ایم سعید) کے تحت عنوان قائم کیا ہے: ''**باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ مالھم من الفضل**'' حضرتؒ اس سے اجتماعی ذکر کے ثبوت پر استدلال کرتے تھے۔

امام ترمذیؒ نے جلد ثانی صفحہ: ۲۵ پر ''داغ لگا کر علاج کرنے'' کے متعلق دو طرح کے باب قائم کئے ہیں، پہلے سے اس کے عدم جواز اور دوسرے سے جواز کا علم ہوتا ہے، اس کے متعلق حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ آخری طریقۂ علاج کے طور پر اختیار کرنا درست ہے اور فرمایا: یہی حکم آپریشن کا ہے۔

قیافہ شناسی کی حجیت کے متعلق امام ترمذیؒ نے جلد ثانی صفحہ: ۳۴ پر باب قائم کیا ہے، احنافؒ کے ہاں نسب کے ثبوت میں اس کا اعتبار نہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ **DNA** ٹیسٹ کا بھی یہی حکم ہے۔

حدیث: ''**لاتقوم الساعة حتی لایقال فی الأرض: أللہ أللہ** '' سے حضرتؒ لفظ ''اللہ'' کی ضربیں لگانے کے جواز پر استدلال فرماتے تھے۔

فقہی مسائل و لطائف:

فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے طرز استدلال اور منہج اجتہاد کے بارے میں ایک موقع پر ارشاد

فرمایا: امام ابوحنیفہؒ عام طور پر اصول کی احادیث کو لیتے ہیں اور اُنہیں منطبق فرماتے ہیں، ان کے خلاف کوئی حدیث آئے تو اس کی تاویل کرتے ہیں۔ دیگر حضرات ان روایات کو لیتے ہیں جو جزئی ہوں اور کلی روایات میں تاویل کرتے ہیں۔ نیز فرمایا: امام ابوحنیفہؒ عرب کے عرف کا اعتبار نہیں کرتے، آثار کا اعتبار کرتے ہیں۔

کتب احادیث میں بعض مرتکبین کبائر کے متعلق ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ایسی احادیث کی تاویل میں عموماً کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اس گناہِ حرام کو حلال سمجھتا تھا، اس کے متعلق حضرتؒ فرماتے کہ مطلق تحلیل سے کوئی کافر نہیں ہوتا، بلکہ اس چیز کی تحلیل سے کفر لازم ہوتا ہے، جس کی حرمت قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہو۔

لوگوں کے ہاں جو اصطلاح ہے کہ جب عرفہ کا دن جمعہ کو آئے تو یہ حج اکبر ہے، اس کا ثبوت احادیث کی روشنی میں نہیں ملتا، البتہ ایسے حج کا ثواب اور حجوں کی بنسبت زیادہ ہے، کیونکہ جمعہ کے دن حج کا ثواب ستر حجوں کے برابر ہے۔

خواب پر مسئلہ شرعیہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، حلال حرام نہیں ہوسکتا اور حرام حلال نہیں ہوسکتا۔

جدید مباحثِ علمیہ:

موجودہ زمانے کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن مباحث کا جاننا ضروری ہے، حضرت شہیدؒ درس کے دوران بسا اوقات ایسی ضروری معلومات بھی پہنچاتے۔ شقِ قمر کے معجزہ پر وارد ہونے والے اعتراض کو ایسے انداز میں دور کیا کہ عقلِ سلیم تسلیم کیے اور داد دیئے بغیر نہ رہتی، چنانچہ فرمایا کہ: کہا جاتا ہے کہ اگر انشقاقِ قمر ہوتا تو دنیا کے دیگر کناروں میں بھی دیگر لوگوں کو نظر آتا، اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر علاقوں میں بھی شق قمر ہوا ہو، لیکن لوگوں نے اس کی طرف غور نہ کیا ہو، کیونکہ ایسا تھوڑی ہوتا ہے کہ لوگ چاند کی طرف گھورتے ہی رہتے ہیں، دنیا میں تو یہ ہوتا ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے، لیکن لوگ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں، کسی کا دھیان نہیں رہتا۔

سورج کا سجدہ کی اجازت طلب کرنے والی روایت پر سوال ہوتا ہے کہ دنیا میں سورج ہر وقت موجود رہتا ہے، لہٰذا قدیم اور جدید سائنس کے اعتبار سے سجدہ والی بات نہیں پائی جاتی؟ اس کا جواب حضرتؒ نے یہ دیا کہ: سجدہ سے مراد یہاں ''وضع الجبھة علی الأرض'' نہیں، بلکہ ''انقیاد'' مراد ہے، جیسے پہاڑ وغیرہ کے لئے فرمایا: ''أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ''۔ (الحج:۱۸)

فرق ضالہ پر رد:

مہدی علیہ الرضوان کے متعلق روایات میں ہے: ''یواطئ اسمه اسمی'' حضرتؒ فرماتے: بعض روایات میں ہے ''یواطئ اسم أبیه اسم أبی'' تو معنی یہ ہوا کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا، لہٰذا روافض کا یہ قول غلط ہے کہ مہدی موعود، محمد بن حسن عسکری ہیں، جو دنیا سے تنگ آ کر غار میں چھپ گئے ہیں۔

خواب کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ یہ جزء نبوت ہے، اس کے متعلق پیدا ہونے والے اشکال کو دور کرتے ہوئے فرمایا: اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جب جزء نبوت باقی ہے تو نبوت باقی ہے۔ اسی کو لے کر قادیانی تلبیس کرتے ہیں، حالانکہ جزء کے وجود سے کل کا وجود لازمی نہیں، کل موجود ہو تو جزء ہوتا ہے، لیکن جزء کے ہوتے ہوئے کل کا ہونا ضروری نہیں ہوتا، جیسے کسی کا ہاتھ ملے تو اس پر نماز جنازہ یہ کہہ کر نہیں پڑھی جاتی کہ لاش مل گئی۔

علمِ طب ومعالجہ:

حضرت شہیدؒ کو علم طب سے بھی مناسبت کافی تھی، جس کی واضح دلیل حضرت شہیدؒ کا کچھ عرصہ تک مطب کی نگرانی کرنا ہے۔ چنانچہ ابواب الطب کے ابتدائی مباحث بھی حضرتؒ کی اس خاموش اور مخفی ملکہ پر دلالت کرتے تھے، ایک موقع پر فرمایا:

دوائیں اور غذائیں دو طرح کی ہیں، بعض غذائیں مفردات ہیں، جیسے: صرف گاجر کھالی یا صرف روٹی یا پھل۔ بعض غذائیں مرکب ہیں جیسے: سالن، بریانی وغیرہ۔ دوائیں بھی دو

طرح کی ہیں: مفرد جیسے: سونف، دھنیا، اجوائن اور کبھی مرکبات کہ کئی چیزوں کو ملا کر دوا بنائی جائے، جیسے: معجون۔ مفردات غذاؤں کی وجہ سے جو بیماری آتی ہے، اس کا علاج مفرد داؤں سے ہوتا ہے اور جو بیماری مرکب غذاؤں سے آتی ہے، اس کے لئے مرکب دوائیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مفرد دوائیں تجویز فرمائی ہیں، جیسے: کلونجی وغیرہ۔ آج کل مرکب غذاؤں کا دور ہے، تو اگر اس میں مفرد دوائیں اثر نہ کریں تو حدیث پر اعتراض نہ کیا جائے، نیز فرمایا: آپ ﷺ نے یہ دوائیں مشورہ کے طور پر بتائی ہیں، اس میں اعتقاد کا دخل ہے، اگر اعتقاد ہے کہ یہ فائدہ مند ہے تو فائدہ ہوگا، ورنہ کبھی ہوگا، کبھی نہیں ہوگا۔

نکاتِ لطیفہ:

حدیث میں موجود دعا: ''**ووسع لی فی داری**'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ گھر میں رہوں، باہر چوراہوں میں نہ بیٹھوں کہ گناہوں میں پڑ جاؤں، بدنظری اور بدسماعت میں پڑ جاؤں، یہ وسعت باطنیہ ہے کہ گھر میں دل لگا رہے۔ اور اس میں وسعت ظاہریہ کی دعا بھی ہے کہ گھر میں ایک کمرہ ہے تو دو دیجئے۔

فرمایا: قرآن میں جو آیت ہے: ''**لاجناح علیکم أن تأکلوا جمیعاً أو أشتاتاً**'' اس میں ''**أشتاتاً**'' کا یہ معنی نہیں کہ الگ الگ پلیٹ لے کر کھانا کھایا جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ سب اکٹھے ہو کر کھائیں یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں کھائیں، دونوں صورتوں میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

مختلف احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے سب سے افضل عمل کے متعلق پوچھا، آپ ﷺ نے اس سوال کا مختلف مواقع پر مختلف جواب دیا، اس جواب میں ایمان کو ذکر نہ کرنے کی وجہ حضرتؒ نے یہ بیان کی کہ سب سے افضل ایمان ہے، اس کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ سوال اعمال کے متعلق تھا اور ایمان کا تعلق عقائد سے ہے، جس کا ہونا ناگزیر ہے۔

تقدیر کے مباحث میں زیادہ غور وفکر کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: تقدیر میں زیادہ غور وخوض سے انسان یا تو قدریہ بنتا ہے یا جبریہ۔ جبریہ کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اور قدریہ

کہتے ہیں: ''الأمر مبتدا ''۔ صحیح بات یہ ہے کہ اصل خالقِ افعال اللہ تعالیٰ ہیں اور کاسب انسان ہے، جیسا کہ ایک آدمی نقشہ بنائے، دوسرا اس میں رنگ بھرے، اب دوسرا اپنے اختیار سے ہی رنگ بھرے گا، لیکن وہ اس نقشہ تک محدود ہوگا، اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا، ورنہ نقشہ باقی نہ رہے گا۔

امام ترمذیؒ نے جلد ثانی صفحہ: ۳۹ پر باب قائم کیا ہے: ''باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر ''اس کے تحت حضرتؒ نے فرمایا: دعوت کی دو قسمیں ہیں: ایک غیروں کو ایمان پر لانا، دوسرا اپنوں کو اسلام پر جمانا۔ دوسری دعوت اہم ہے، حدیث میں وعید بھی اسی کے ترک پر ہے۔

مال کی کثرت میں بھی ضرر نہیں، جیسا کہ احادیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آئے اور کہا کہ ہمارے بعض ساتھی مال خرچ کرتے ہیں، ہم سے آگے بڑھے ہوئے ہیں، تو اس پر آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ چھوڑو، یہ اچھا نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے وظیفہ بتایا۔

حضرت شہیدؒ نے فرمایا: مأمورات اہم ہیں، لیکن منہیات اس سے زیادہ اہم ہیں، کیونکہ منہیات کی وجہ سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''لاترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض أن تحبط أعمالکم وأنتم لاتشعرون ''(الحجرات: ۲) پھر مأمورات پر عمل کرنا بھی آسان ہوتا ہے، جبکہ منہیات سے بچنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

اختتامیہ:

مندرجہ بالا عنوانات اور ان میں مندرج افادات وعلمی نکات سے حضرت شہید رحمہ اللہ کا علمی، تحقیقی اور عابدانہ مزاج کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ چند سطور اس سے عاجز ہیں کہ حضرت کے درس، علمی مقام اور زاہدانہ حیثیت کی کماحقہ منظر کشی کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت شہید رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[شائع شدہ، ماہنامہ بینات]

مولانا مفتی رب نواز ☆

دین پوری اقوال کی صداقت

......غیر مقلد علماء کے قلم سے......

ہندوستان کے نامور علماء کرام میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری رحمہ اللہ کا ہے، انہوں نے بے راہ روی کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں کو کافی مقبولیت بخشی ہے، کچھ کتابیں پاکستان میں بھی شائع ہوئی ہیں، ایک کتاب بیت العمار کراچی نے شائع کی ہے جس کا نام ''ارمغانِ حق'' ہے، اس کے شروع میں حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری رحمہ اللہ، مفتی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا مقدمہ ہے، اس میں دین پوری صاحب نے غیر مقلدین کے متعلق بہت سے حقائق کا انکشاف کیا ہے، جن لوگوں نے غیر مقلدیت کا مطالعہ نہیں کیا شاید انہیں اس کے تسلیم کرنے میں تأمل ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعات کے عین مطابق ہے، بلکہ ان کی بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جن پر خود غیر مقلدین کی عبارات مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں، ان میں سے چند باتیں غیر مقلدین کی تصدیقات کے ساتھ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

دین میں تحریف کا فتنہ:

دین پوری صاحب، غیر مقلدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''انہوں نے تحریف الغالین کا فتنہ تازہ کر دیا۔'' [مقدمہ ارمغان حق صفحہ د]

دین میں تحریف کرنے والے غیر مقلدین میں ایک نام ثناء اللہ امرتسری صاحب کا ہے، غیر مقلدین کے مجتہد العصر عبداللہ روپڑی صاحب ان کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولوی ثناء اللہ کی خدمت میں عرض ہے کہ............کیا اسی کا نام تفسیر ہے ایسی تفسیر کو

☆ مدرس: دارالعلوم فتحیہ احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور

آپ ہی تفسیر کہتے ہوں گے ورنہ دنیا تو اس کو تحریف کہتی ہے۔'' [فتاوٰی اہلحدیث جلد ۱ صفحہ ۵۷]

عبدالحق غزنوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''آج کل ایک تفسیر عربی مولوی ثناء اللہ کشمیری الاصل امرتسری الوطن میری نظر سے گزری۔ تفسیر کیا، ایک اغلاط کا مجموعہ، تاویلات کا ذخیرہ دیکھا، تعجب ہے یونیورسٹی کے فاضل کی فضیلت اور لیاقت پر کہ الفاظ غلط، معانی غلط، استدلالات غلط بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی۔'' [اربعین صفحہ ۳ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول]

امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اب رہی کتاب اللہ کی تحریف تو .... ثنائیہ اور باطنیہ اور بابیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ گمراہ فرقوں نے بھی کی، قرآن کی ایسی تفسیریں اور تاویلیں کیں جو درحقیقت تحریف ہیں۔''

[لغات الحدیث جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۔س]

ثنائیہ۔ ثناء اللہ امرتسری صاحب کے معتقدین کو کہتے ہیں۔ (خطبہ امارت، ص: ۲۲ مشمولہ رسائل اہلحدیث، ج: ۲)

بے دین بنانے کا بھاری سبب:

دین پوری صاحب لکھتے ہیں:

''......حقیقت یہ ہے کہ دین کے نام پر مسلمانوں کو بے دین بنانے والی غیر مقلدین سے بڑی کوئی جماعت نہیں۔'' [مقدمہ ارمغان حق]

وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق [ہونے کا دعوی کرتے ہیں] اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام، نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ سود، شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق مخفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز طور پر لوگوں کے اور خدا تعالیٰ کے مال وحقوق دبا رکھتے ہیں ۔کفر و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے

لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔'' [اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۱۵۴]

بدعت کے راستے پہ رواں دواں:

دین پوری صاحب لکھتے ہیں:

''اپنے سفر کے لیے انہوں [غیر مقلدین] نے پوری امت سے کٹ کر الگ راہ چنی ہے ان کی منزل وہ نہیں جو اہل السنّت والجماعت کی ہے۔ کامیابی کی طرف رواں دواں قافلہ اہل السنّت والجماعت میں یہ لوگ شامل ہی نہیں۔'' [مقدمہ ارمغان حق]

عبدالقادر حصاروی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اہلحدیث کہلانے والے آج اہل بدعت کے ساتھ ہر دینی کام، نماز، اسلام، جنازہ، نکاح، مجالست وغیرہ میں اشتراک کر کے ان میں ایسے جذب ہوئے ہیں کہ ان کا عین بن گئے۔'' [سیاحۃ الجنان صفحہ ۱۴ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد دوم]

عبیداللہ رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''افسوس ہے کہ جن خرافات سے اہلحدیث [محدثین] پرہیز کرتے تھے اور جو بدعتیوں کے شعار بھی سمجھے جاتے ہیں، اب اہلحدیث [غیر مقلدین] عوام ہی نہیں بلکہ ہمارے علماء نے بھی بغیر کسی جھجک کے ان کو اختیار کرنا شروع کر دیا ہے، یہی نہیں بلکہ ذریعہ معاش بنالیا ہے۔''

[فتاوٰی علمائے حدیث جلد ۲ صفحہ ۹]

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد فرماتے ہیں:

''بریلوی تو بدعتوں میں ہی ڈوبے ہوئے ہیں اور حقیقت میں اگر انصاف کیا جائے تو یہ اہل بدعت ہیں اہل سنت نہیں۔............ اور اب تو آدھے اہلحدیث بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔'' [خطبات بہاولپوری جلد ۲ صفحہ ۳۲۵]

اجماع کی حیثیت:

دین پوری صاحب لکھتے ہیں:

''غیر مقلدین کے نزدیک اجماع حجت شرعی نہیں ہے۔'' [مقدمہ ارمغان حق]

ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد، عبدالقادر حصاروی صاحب غیر مقلد اور سعید احمد یوسف زئی صاحب غیر مقلد نے اجماع کی حجیت کا انکار کیا ہے دیکھئے، علی الترتیب مقالات شاغف صفحہ ۲۸۔ اصلی اہل سنت کی پہچان صفحہ ۱۵۸۔ صحیفہ اہلحدیث یکم ربیع الاخر ۱۴۱۷ھ۔

ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بہت سے اہلحدیث ایسے ہیں جو اجماع کے قائل نہیں۔'' [اہلحدیث امرتسر ۱۱ جون ۱۹۱۵ء]

صحابہ کرام کی طرف فسق کی نسبت:

دین پوری صاحب لکھتے ہیں:

''غیر مقلدین کی سلف بیزاری کا یہ حال ہے کہ صحابہ، معاذ اللہ فاسق تھے۔''

[مقدمہ ارمغان حق]

امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب نے پانچ صحابہ کرام سیدنا ولید، معاویہ، عمرو، مغیرہ، سمرہ رضی اللہ عنہم کو ''فاسق'' قرار دیا ہے۔ [نزل الابرار من فقہ النبی المختار جلد ۳ صفحہ ۹۴]

زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد وحید الزمان صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ بعض صحابہ کو فاسق بھی کہتا تھا۔'' [توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۲۹]

رئیس محمد ندوی صاحب غیر مقلد نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وحید الزمان صاحب نے صحابہ کرام کو فاسق کہا ہے، پھر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ندوی صاحب نے صحابہ کو فاسق قرار دینے میں ان کی بھرپور حمایت کی ہے۔ [سلفی تحقیقی جائزہ صفحہ ۶۸۵ وغیرہ]

نومولودیت:

دین پوری صاحب نے غیر مقلدین کو بحیثیت فرقہ نومولود قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''خیر القرون تو کجا کسی اسلامی سلطنت میں بھی اس فرقے کا نام ونشان نہیں ملتا۔''

[مقدمہ ارمغان حق]

ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اہلحدیث کا گروہ بحیثیت غیر مقلد ہندوستان میں حضرت میاں صاحب [مولوی

نذیر حسین صاحب] سے ظاہر اہوا اس لیے غیر مقلد اہلحدیثوں پر'' وہابی'' کا الزام حضرت میاں صاحب سے پہلے کیسے ہوسکتا ہے...... حضرت موصوف سے پہلے اہلحدیث کا گروہ بحیثیت غیر مقلد ہندوستان میں نہ تھا، جن لوگوں کو ان سے پہلے لوگ'' وہابی'' کہا کرتے تھے وہ مسائل توحیدیہ کی وجہ سے کہتے تھے نہ [کہ] مسائل ترکِ تقلید کی وجہ سے۔''

[اہلحدیث امرتسر ۸ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ]

اس کا عکس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی کتاب تاریخ ختم نبوۃ صفحہ ۴۳۳۔۴۳۴ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

غیر مقلدین کے دیگر علماء نے بھی اپنے فرقہ کے ''نومولود'' ہونے کو بیان کیا ہے۔
مثلاً دیکھئے: الارشاد الی سبیل الرشاد صفحہ ۱۳ مؤلفہ شاہ محمد جہانپوری

انگریز سے جاگیریں:

دین پوری صاحب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ: غیر مقلد علماء کو وفاداری کے صلہ میں انگریز حکومت نے جاگیریں دیں۔ [مقدمہ ارمغان حق]

اس کا اعتراف خود غیر مقلدین نے بھی کیا ہے۔ عبدالمجید سوہدری صاحب غیر مقلد، محمد حسین بٹالوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔'' [حاشیہ سیرۃ ثنائی صفحہ ۴۵۳]

بٹالوی صاحب بقلم خود لکھتے ہیں:

''واہب حقیقی اور منعم اصلی نے خاکسار مؤلف رسالہ [بٹالوی، ناقل] کو ہماری مہربان گورنمنٹ سے چار مربع زمین عطا کرائی ہے، اس زمین کے انتظام آبادی میں خاکسار مصروف رہا۔'' [اشاعۃ السنۃ جلد ۱۹ صفحہ ۹۴]

اس عبارت کا عکس ''تاریخ ختم نبوۃ صفحہ ۳۸۳'' پر دیکھ سکتے ہیں۔

قرآن وحدیث کے نام پر گمراہی:

دین پوری صاحب لکھتے ہیں:

''غیر مقلدین قرآن وحدیث کی آڑ میں مسلمانوں کو بہکاتے ہیں۔'' [مقدمہ ارمغان حق]

عبداللہ روپڑی صاحب غیر مقلد نے ''معارف قرآنی'' تحریر کیے جنہیں پڑھ کر ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد نے لکھا:

''کیا یہ معارف قرآن ہیں یا کوک شاستر؟''

[مظالم روپڑی صفحہ ۵۵ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول]

ثناء اللہ امرتسری صاحب نے بزعم خود قرآن کے علوم کو عام کرنے کے لیے تفسیر لکھی جسے خود ان کے اپنے علماء نے گمراہ کن قرار دیا۔ تفصیل کے لیے ''الاربعین'' رسالہ کا مطالعہ کریں، یہ رسالہ رسائل اہلحدیث جلد اول میں شامل ہے۔

امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''ایک شخص ثناء اللہ نامی ہے جس نے قرآن کی تفسیر عربی زبان میں لکھی ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں اہلحدیث میں سے ہوں، حالانکہ اس کی ساری تفسیر کفر اور الحاد سے بھری ہوئی ہے۔'' [تیسیر الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۴۳]

غیر مقلدین کے رسالہ میں حنیف ندوی صاحب غیر مقلد کا نظریہ تحریر کیا ہے کہ:

''مسئلہ وراثت اور عورتوں سے متعلقہ قرآن وحدیث کے صریح احکام تک کو آج کے ارتقائی دور میں تبدیل کر دینے کی ضرورت ہے۔''

[الاعتصام، اشاعتِ خاص، بیاد عطاء اللہ حنیف صفحہ ۳۷۷]

محمد رفیق اثری صاحب غیر مقلد نے حافظ سعید صاحب غیر مقلد کی تنظیم کے متعلق لکھا ہے:

''یہ ہماری ہی جہادی تنظیم ہے جس نے استیصال تعلیم کتاب وسنت اور نتیجۂ فروغِ جہالت کو اپنے جہاد کا مقصد بنالیا ہے۔'' [مولانا سلطان محمود جلالپوری صفحہ ۱۱۸]

مزید تفصیل ہم اپنی کتاب '' آل غیر مقلدیت ،قرآن وحدیث کی کسوٹی پر'' میں ذکر کریں گے، ان شاء اللہ وباللہ التوفیق۔

☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد سفیان بلند ☆

حضرت دین پوری شہیدؒ کے ملفوظات

☆......دین کے حصول کے لئے بنیادی شرط تو اخلاص ہے، چند اور شرائط بھی ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے: ایک یہ ہے کہ طالب علم تواضع وانکساری کرے، تکبر نہ کرے، تعلیمی طور پر اگر اچھا ہے تو یہ نہ سمجھے میں بہت کچھ ہوں۔ تکبر اور غرور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اپنے دوستوں سے عجز وانکساری سے پیش آنا اللہ کو پسند ہے، تکبر وغرور سے پیش آنا اللہ کو پسند نہیں۔ بڑائی صرف اس کے لئے ہے، اس کو اپنے اندر لانے سے اجتناب کرے اور کسی کو اپنے سے حقیر نہ سمجھے۔ اور تواضع صرف اس کا نام نہیں کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ جو پھٹے پرانے کپڑے میں دوسروں کو حقیر سمجھے وہ اللہ کو پسند نہیں اور اچھے کپڑوں میں ہوکر دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھے وہ اللہ کو پسند ہے۔ اپنے چھوٹوں سے بھی شفقت سے پیش آئے۔ اور علم کے حصول کی ایک شرط تکرار اور مطالعہ ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ وقت ضائع نہ کریں، بلکہ اس کو تکرار ومطالعہ میں استعمال کریں۔ اور درسی کتابیں پڑھے اور اگر اس سے فارغ ہوجائے تو غیر درسی مفید کتاب کا مطالعہ کرے، یہ نہیں کہ ڈائجسٹ کا مطالعہ کرے۔ ہمارے اکابر جن کے ہم نام لیوا ہیں، ان کو اگر کوئی تکلیف ہوتی تو پھر وہ مطالعہ کرتے اور کتاب کی محویت ان کو وہ تکلیف بھلا دیتی تھی۔

☆......تکرار ہمارے ہاں یوں ہوتا ہے کہ ایک کہتا ہے اور باقی سنتے ہیں، لیکن اس کا فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ اس سے صرف تکرار کرانے والے کو فائدہ ہوتا ہے اور سننے والے کو نہیں ہوتا۔ دو دو کی جوڑی بنا کر ایک دن ایک کرائے، دوسرے دن دوسرا کرائے، اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ صرف سننے والے نہ بنیں، بلکہ سنانے والے بھی بنیں۔ وقت کا خیال رکھیں۔ آپ اپنے گھربار، وطن، بھائی بہن کو چھوڑ کر یہاں آتے ہیں، آپ اس وقت سے فائدہ اٹھائیں۔ فضول،

☆فاضل: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

لایعنی باتوں، دل لگی کی باتوں کی بجائے اچھی چیزوں میں وقت کو استعمال کریں۔ اور اس کے ساتھ جو آپ نے علم حاصل کیا ہے اس پر عمل بھی کریں، علم سے صرف پڑھ لینا مقصود نہیں، علم صرف کالے حروف کا نام نہیں ہے، علم کے ساتھ عمل نہیں ہوگا تو اس کی مثال گدھے کی ہے، قرآن نے کہا ہے: ''مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ الخ''۔

☆......اگر حدیث پڑھنے کے بعد زندگی کو بدلنے کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا، مسائل پڑھنے کے بعد مسائل پر چلنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تو آپ کو فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ یہاں عالم بننے کے لئے آئے ہیں، گدھا بننے کے لئے نہیں آئے۔ آپ مشکوٰۃ میں کتاب الدعوات پڑھیں گے، اس میں دعائیں ہیں، آپ ان کو یاد کرلیں اور عمل میں لے آئیں تو پھر آپ کو مشکل نہیں ہوگی اور ساتھ میں معاصی سے بچیں۔ علم کے تقاضے کو پورا کریں، ورنہ علم کا نور نہیں ملے گا، جیسا کہ امام شافعیؒ نے کہا ہے:

شکوت إلی وکیع سوء حفظی — فأوصانی إلی ترک المعاصی
فإن العلم نور من إلٰہٖ — ونور اللہ لایعطی لعاصی

☆......مستشرقین بسا اوقات بہت اچھے علمی نکات بیان کرتے ہیں، لیکن ہم ان کو عالم نہیں کہتے، کیونکہ وہ عمل نہیں کرتے۔ اگر عمل کرتے تو پھر مسلمان ہوجاتے، ایمان لے آتے۔ حروف میں مہارت حاصل کرنے والا عالم نہیں ہے اور علم کالے حروف میں مہارت کا نام نہیں ہے، اس لئے اپنی زندگی کو علم کے تقاضے کے مطابق بنائیں۔ ہم جماعت کے فضائل پڑھتے ہیں، تکبیر اولیٰ کے فضائل پڑھتے ہیں، تہجد کے فضائل پڑھتے ہیں، وہ اس لئے نہیں کہ عوام کو سنائیں، بلکہ اس لئے کہ ہم خود اس پر پہلے عمل کریں۔

☆......علم کا، کتاب کا، استاذ کا ادب کریں۔ کتاب کا ادب اس لئے کہ وہ علم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ استاذ کا ادب اس لئے کہ وہ علم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر ان کی بے ادبی کی تو بظاہر امتحان میں کامیاب ہوجائے، لیکن اس کے علم سے فائدہ نہیں ہوگا۔ علم سے فائدہ استاذ کے ادب سے ہوگا۔

☆......آپ نے علم کو حاصل کیا اور اس علم کو آگے چلایا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے علم کی خدمت لی گئی۔آج ہماری مجلسیں اگر گرم ہوتیں ہیں تو اساتذہ کی غیبت اور تبصرے سے ہوتی ہیں۔اور جس مدرسہ اور جامعہ میں ہم پڑھتے ہیں تو اس سے خیر خواہی ہمارا ملی اور دینی فریضہ ہے۔اگر ہم اس سے خیر خواہی نہ کریں تو ہم سے بڑا دغاباز،نمک حرام کوئی نہیں ہوگا۔اور جو کتاب آپ کو اس مدرسہ سے ملے اس کی حفاظت کریں اور اپنی کتاب سے بڑھ کر حفاظت کریں اور اس کو اس طرح رکھیں کہ بعد والا بھی اس کو استعمال کر سکے۔

☆......اسلام بہت آسان ہے، آپ چاہیں تو اس میں بہت نیکیاں کما سکتے ہیں، روشن دان ہوا کے لئے بنوائیں تو مفید ہے، لیکن اذان کے لئے نیت کرلیں اور بنوالیں تو ثواب ہوگا۔غذا کھائیں تا کہ پیٹ بھرے تو مفید ہے، لیکن حصول علم میں تقویت کی نیت کرلیں تو ثواب ہوگا۔طالب علم مجاہد وغازی ہے اور وہ جہاد میں ہوتا ہے جب تک لوٹ نہ جائے۔تو اس میدان میں محنت کریں اور جو خزانے یہاں موجود ہیں ان کو حاصل کریں، تا کہ آپ کو فائدہ ہو۔دل کے اندر سے بغض، حسد، کینہ نکال دیں۔یہ بری صفات علم سے نور نکال کر بے نور کر دیتی ہیں۔بے نور ہونا الگ بات ہے اور بدشکل ہونا الگ بات ہے۔اور کینہ والے کے لئے مغفرت کی عام رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی۔اپنے اندر سے اخلاق رذیلہ کو نکال دیں۔اور آپ نے سنا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، اسی طرح جس دل میں دنیا کی محبت کا کتا ہو، اخلاق رذیلہ ہوں، وہاں اللہ کی رحمت نہیں آتی اور علم نہیں آتا۔اپنے ساتھیوں سے ایثار کرنے والے بنیں اور اپنے ساتھیوں سے اچھا سلوک کریں اور اپنے ساتھیوں کی قیمتی چیزوں کو دیکھ کر ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں، اور اس کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، بلکہ اپنے سے اچھا پڑھنے والے کو دیکھیں، صف اول کے اہتمام کرنے والے کو دیکھیں۔دنیا کے معاملات میں اپنے سے کمتر کو دیکھیں اور دین کے معاملے میں اپنے سے اچھے کو دیکھیں تو آپ سکون سے رہیں گے۔

☆......دعاؤں کا اہتمام کریں اور یہ دعا کریں کہ اے اللہ! ہمارے علم کو نافع بنا اور ان

کے لئے خیر کی دعائیں کریں جو آپ کے علم کا ذریعہ بنے ہیں اور اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں واساتذہ کے لئے غائبانہ دعائیں کریں۔

☆......جو بات سمجھ میں نہ آئے، اس کو بغیر سمجھے آگے نہ بڑھئے اور اس کو پوچھ لیں اور بار بار پوچھ لیں اور اگر نہیں آتا، تو مجھے یہ کہنے میں عار نہیں ہوگا کہ مجھے نہیں آتا اور آپ بڑا خفش کی طرح سر نہ ہلائیں۔ اگر آپ کو سمجھ نہ آیا اور آپ نے کہا ہاں! سمجھ میں آ گیا تو دو نقصان ہوں گے: ا......کتاب سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ۲......آپ جھوٹ بولنے والے بن جائیں گے۔

☆......ائمہ کرام کا جو اختلاف ہے وہ ان کے استدلال کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اور ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے نکالا ہے اور ہر ایک کا اجتہاد اخلاص پر مبنی تھا اور ہم اپنے مذہب کے بارے میں کہیں گے: ''مذهبنا صواب ويحتمل خطاء'' اور ان کے مذہب کے بارے میں کہیں گے کہ ''مذهبه خطاء ويحتمل صواب'' ہم اپنے مذہب کو حق سمجھیں، لیکن دوسرے ائمہ کے مذہب کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں اور ان کی توہین و تنقیص نہ کریں۔

☆......انسان کی قیمت کوئی چیز ادا نہیں کر سکتی اور مال کی انسان سے کوئی مناسبت نہیں، ایک بیٹے کو اس کے باپ کے قتل ہو جانے پر لاکھوں روپے بھی باپ کی شفقت نہیں دلا سکتے اور ایک بیوی کو خاوند کے قتل پر کئی لاکھ روپے مل جائیں، وہ شوہر کا پیار نہیں لا سکتے۔

☆......حضرت علیؓ نے ایک شخص کو اپنے بیٹے سے اس کی بیٹی کے نکاح کے بارے میں ارشاد فرمایا، اس نے کہا کہ میں مشورہ کر کے آتا ہوں۔ وہ باہر نکلا تو پھر ایک دوست راستے میں مل گیا، اس نے اس کو مسئلہ بتایا کہ یہ بات ہے۔ اس نے کہا کہ تم ان کے نکاح میں مت دو، یہ سید لوگ ہیں، تمہاری بیٹی کو نوکر کی طرح رکھیں گے۔ تو وہ سوچ میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ واقعی میں نہیں دیتا۔ اس دوست نے کہا کہ میرا بیٹا ہے، تم اس کو اپنی بیٹی دے دو۔ وہ رضامند ہو گیا اور دونوں نے راستے میں رشتہ بھی طے کر دیا۔ اب وہ دوسرا آدمی مسجد میں آیا اور حضرت علیؓ سے کہنے لگا کہ میں اپنی بیٹی آپ کے بیٹے کے نکاح میں دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے میں نے کسی اور سے بات کر لی ہے، وہ کہنے لگا کہ ابھی وہ میرے بیٹے سے اپنی بیٹی کا رشتہ کروا کر گیا

ہے، تو آپ نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے اور اس کی بیٹی سے رشتہ کر دیا، تو پہلا آدمی اتنی دیر میں آ گیا، جب اس نے دیکھا کہ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ کروادیا ہے تو کہنے لگا کہ تم نے مجھ کو منع کیا اور خود رشتہ کروادیا، وہ دوسرا آدمی کہنے لگا کہ یہ رشتہ ایسا تھا جس کے آنے کے بعد سوچ و بچار کرنا بیوقوفی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس خاندان کا رشتہ کسی بے وقوف خاندان سے نہ ہو جائے۔

☆......ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جن کی عمر زیادہ ہوگئی تھی، انہوں نے اور ایک نوجوان نے ایک عورت کے گھر رشتہ کا پیغام بھیجا، آپ کو مسئلہ معلوم ہوگا کہ جب تک منگنی نہ ہو جائے تو دوسرا آدمی رشتہ بھیج سکتا ہے تو حضرت مغیرہؓ نے رشتہ کا پیغام بھیج دیا، لیکن ان کو اندازہ تھا کہ وہ عورت نوجوان کو منتخب کرلے گی۔ آپ اور وہ نوجوان دونوں اس عورت کے گھر پر آئے اور پردہ میں بیٹھ گئے۔ آپ نے پوچھا کہ گھر کا نظام کس طرح چلاتے ہو؟ اس نوجوان نے کہا کہ میں انتظامی آدمی ہوں، گھر کے ایک ایک انتظام کو دیکھتا ہوں اور جب سودا لے کر آتا ہوں تو حساب کرتا ہوں اور معلوم کرتا ہوں کہ کتنا استعمال ہو گیا، میں اس معاملے میں سخت ہوں، پھر اس نوجوان نے آپ سے گھر کے نظام کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ میں سیدھا سادہ آدمی ہوں، میں کیا اتنے انتظامات کروں؟ میں تو سودا لاتا ہوں اور گھر میں ڈال دیتا ہوں اور جب ختم ہو جاتا ہے تو یہ نہیں پوچھتا کہ (اتنی جلدی) ختم ہو گیا، بلکہ اور لے کر آ جاتا ہوں۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات چلے گئے تو عورت کی طرف سے پیغام آیا کہ میں مغیرہ بن شعبہؓ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں، ان دونوں واقعات سے بتانا مقصود ہے کہ جب فوراً فیصلہ کرنا ہو اور کام بھی فائدہ کا ہو تو زیادہ مشوروں اور سوچ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔

☆......دورانِ سبق نظر عموماً سامنے رہتی ہے، دائیں بائیں کم دیکھنا ہوتا ہے، خصوصاً وہ حضرات جو کمرے سے باہر بیٹھے ہیں اور خصوصاً ان میں جو دیوار کی آڑ میں بیٹھے ہیں، تمام وہ طلبہ جو میری نظر میں نہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں نہیں دیکھ رہا، بلکہ سمجھیں کہ کوئی دیکھ رہا ہے، میں مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ حضرت عمرؓ رات کو گشت فرما رہے تھے تو ماں اور بیٹی کے مکالمے کی آواز آئی، تو بیٹی نے کہا کہ دودھ میں پانی نہ ملائیں، امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے۔ ماں

نے کہا کہ عمر کہاں ہمیں دیکھ رہا ہے؟ تم ملا دو! بیٹی نے کہا کہ عمر نہیں تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔ اور آپ نے اگلے دن اس لڑکی سے اپنے بیٹے کا نکاح کروایا اور اسی کی اولاد سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ پیدا ہوئے۔ تو میں نہیں دیکھ رہا لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ آپ کو مسؤلیت عند اللہ کا خیال ہونا چاہئے، آپ کو خیال ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سوال کر سکتے ہیں، اس وجہ سے سبق کے دوران آپ کو اس کا استحضار ہونا چاہئے۔

☆......آج کے دور میں کیس دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) فوجداری کیس۔ (۲) دیوانی کیس۔

۱:......فوجداری کیس وہ ہوتا ہے جس میں جرم ثابت ہوجانے پر جسمانی یا مالی سزا دی جاتی ہے۔

۲:......دیوانی کیس وہ ہوتا ہے جس میں جرم ثابت ہوجانے پر کوئی سزا نہیں آتی، صرف متنازعہ شئے کو حقدار کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

☆......ایک دوست دوسرے کسی دوست کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا کہ کیا بتاؤں؟ بیٹا نافرمان ہوگیا، بیٹی اپنے آشنا کے ساتھ چلی گئی اور بیوی لڑ جھگڑ کر چلی گئی، اس نے کہا کہ کام کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ قسمت کے حال بتا رہا ہوں، یعنی اپنی قسمت خراب ہے اور دوسروں کی قسمت بتا رہا ہوں۔

☆......ایک وکیل صاحب کیس لڑ رہے تھے اور جج صاحب ان کے خلاف فیصلہ کرنے والے تھے تو اس نے قانون کی کتاب لی اور اس میں مختلف صفحوں پر قائداعظم رکھ دیئے، یعنی نوٹ رکھ دیئے اور جج کو کہا کہ جج صاحب! یہ قانون کی کتاب ہے، اس میں میرے دلائل موجود ہیں۔ جج صاحب نے کتاب اٹھائی اور ان صفحوں کو دیکھا، جہاں پر نوٹ رکھے تھے اور پھر بولنے لگا کہ ابھی دو دلائل کم ہیں (یعنی دو نوٹ اور چاہئیں)

☆......قرعہ اندازی دو طرح کی ہوتی ہے: ایک قرعہ اندازی مستحقین میں استحقاق کے اثبات کے لئے ہوتی ہے اور یہ احناف کے نزدیک جائز نہیں اور ایک قرعہ اندازی مستحقین

میں حق کو متعین کرنے کے لئے ہوتی ہے اور یہ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک قرعہ اندازی کی پہلی صورت بھی جائز ہے۔

☆...... بعض ظاہر بین حضرات (یعنی غیر مقلدین) یہ مسئلہ غلط بیان کرتے ہیں کہ احناف کی کتاب (ہدایہ ج:۴، ص:۴۵۲) میں لکھا ہے کہ غصب کر کے قربانی کرنا جائز ہے، حالانکہ احناف یہ نہیں کہتے کہ غصب کرو، بلکہ اب جس نے یہ کرلیا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کو بیان کیا ہے، ورنہ غصب ہمارے نزدیک بھی حرام ہے، گناہ ہے، بلکہ جس نے غصب کیا، اب اس کی حیثیت بدل گئی ہے اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جائز ہونا قضاءً ہے، دیانۃً تو ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں۔

☆...... چھینک پر اللہ کی بہت سی نعمتیں ہیں، ان میں سے ایک طرف چھینک آنے سے انسان کے دماغ میں تازگی حاصل ہوتی ہے اور نشاط پیدا ہوتا ہے اور دوسرا چھینک آنے پر چہرے کی کیفیت کیسی ہوتی ہے کہ بالکل بگڑ جاتا ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس چہرے کو چھپائے اور ناک سے کچھ ذرے پانی کے آجاتے ہیں تو اس الحمد للہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے کہ جس طرح چھینک آنے پر چہرہ بدلا ہے، اس کو ہمیشہ کے لئے ایسا کردے، لیکن ایسا نہیں کیا تو اس پر الحمد للہ کہا جائے۔ اب حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے الحمد للہ کہا تو ایک ثواب اور اس نعمت کے استحضار پر الحمد للہ کہا تو پھر دوہرا اجر ہے۔ اسی وجہ سے کہا ہے کہ جب آدمی پانی پیئے تو الحمد للہ کہے، کیونکہ جب الحمد للہ کہے گا تو یہ الحمد للہ بدن کے روئیں روئیں سے نکلے گا۔

☆...... جمائی کے دوران منہ کو حتیٰ الامکان بند کرے، منہ کو کھولے تو پھر اس کے اندر مکھی تو چھوڑیئے، ایک چڑیا بھی جاسکتی ہے۔ شریعت نے انسان کو یہ احکامات اس کے فائدے کے لئے دیئے ہیں اور منہ کے سامنے ہاتھ رکھنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ منہ زیادہ نہ کھلے، ورنہ زیادہ منہ اگر کھل گیا تو پھر جبڑا اپنے مقام سے نکل کر نیچے بھی آسکتا ہے اور میں نے ایک آدمی کو دیکھا ہے کہ اس کا جبڑا زیادہ زور سے جمائی لینے کی وجہ سے نیچے آ گیا تھا اور پھر ایک ڈاکٹر نے

ہاتھ مار کر اُسے ٹھیک کیا۔ جمائی پر منہ بند کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ منہ میں گندگی نہیں جائے گی اور منہ کی بدبو ظاہر نہ ہوگی۔ شریعت نے انسان کے عیوب چھپانے کے مختلف طریقے بتائے ہیں۔

☆......اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ ''حلقوم'' گول پائپ ہے، جو سکڑتا بھی نہیں اور کھلتا بھی نہیں، کیونکہ اس میں سے ہوا گزرتی ہے، جبکہ کھانے کا پائپ ''مریٰ'' ہے جو سکڑتا بھی ہے اور کھلتا بھی ہے، کیونکہ اگر بڑا کھانا آجائے، بڑا لقمہ آجائے تو وہ اس میں جھٹکا دینے سے اتر جاتا ہے اور سانس (ہوا) کی نالی میں کوئی چیز چلی جائے تو انسان کو کھانسی آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''حلقوم و مریٰ'' کو ایک ساتھ رکھا ہے، اگر سانس اور کھانے کی نالی ایک ہوتی تو انسان کھانا کھاتا اور اس کا سانس بند ہو جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں اور انسان پر اس کی نعمتیں ہے۔

☆......خنزیر حرام ہے، اس کی وجہ حرمت تو معلوم نہیں، لیکن شاید یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس میں بے غیرتی ہے اور جو انسان اس کا گوشت کھائے گا تو وہ بھی اس کی طرح بے غیرت بن جائے گا، کیونکہ خنزیروں کے نر کی پوری لائن ایک مادہ کے پیچھے لگی رہتی ہے اور وہ باری باری فارغ ہوتے ہیں، آج امریکہ میں یہی ہو رہا ہے کہ انسان بے غیرت بن گیا ہے۔ دارالافتاء میں ایک جرمنی کی عورت آئی، اس کے ساتھ ایک بچی تھی، اس نے اسلام قبول کیا، میں نے کلمہ پڑھایا اور جب اسلام لانے کا سرٹیفکیٹ لکھا تو پھر میں نے پوچھا کہ شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا کہ غیر شادی شدہ ہوں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بچی کس طرح؟ کہنے لگی: وہاں یہ کوئی معیوب بات نہیں، ایسا ہوتا رہتا ہے۔

☆......عام طور پر عمر کے بڑھتے بڑھتے قویٰ میں کمزوری آجاتی ہے، تأثیر کم ہو جاتی ہے، شاید یہی عمل ہم نے نحو کے عامل کے ساتھ کیا ہے کہ عبارت پڑھتے ہیں تو وہ اپنا عمل نہیں دے پاتا، کیونکہ عامل بھی اتنے عرصے سے عمل دیتے دیتے بوڑھے ہو گئے ہیں، اب ''فی'' جر نہ دے، فعل، فاعل کو نصب دے دے، وغیرہ۔ بھائی! ابھی ہم نے پڑھا ہی کیا ہے؟ ابھی سے ہماری عبارتیں کمزور ہیں، ہم ان امور کا خیال رکھیں۔

☆......ہم اس تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ اپنی باطنی تعلیم کی طرف بھی توجہ دیں، ہمیں صرف ظاہری طور پر حروف پر توجہ دے دینا کافی نہیں، جیسا کہ ایک آدمی عبارت صحیح پڑھ لیتا ہے اور اس کو اس کے معانی معلوم نہیں تو اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہم اس علم کو ظاہری طور پر پڑھ لیں اور باطنی طور پر نہ ہو تو فائدہ نہیں۔ باطنی چیز اخلاق، کردار اور ہمارے اُٹھنے بیٹھنے سے معلوم ہو کہ ہم علوم نبویہ کے پڑھنے والے ہیں۔ ہم علم پڑھ رہے ہوں، لیکن ہماری شکل وصورت اس کے مطابق نہ ہو تو پھر ہمیں اس علم کا کیا فائدہ؟ ہمارا صرف طوطے کی طرح علم پڑھنا کافی نہیں، طوطا مکلف نہیں ہم مکلّف ہیں، ہمارا اُٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، رہنا سہنا، وغیرہ ہر چیز میں صفائی ستھرائی ہو، ہم ہر جگہ کے اعتبار سے طہارت کو دیکھیں، ہر کام میں سلیقہ ہو، ہر چیز کو صاف رکھیں اور جہاں رکھنے کی چیز ہے وہاں رکھیں، ایک ناڑی دان کو اس کی جگہ پر نہ رکھنے سے بعد میں اس کو ڈھونڈنے کے لئے آدمی کتنا وقت لگائے گا؟ ہر کام کو سلیقہ سے کرنے کے لئے ابھی سے کوشش کریں اور اس کو نخرے بازی نہ سمجھیں، جو لوگ صفائی وسلیقہ کا اہتمام کرتے ہیں تو اس کو لوگ نخرے باز کہتے ہیں، یہ نخرہ بازی نہیں۔ تکبر تو دل میں ہوتا ہے، ظاہر میں صفائی وسلیقہ تو تکبر نہیں ہے۔ نمازوں کا اہتمام ہو اور صف اول میں ہو، یہ نہ ہو کہ صف اول میں دوسرے لوگ ہوں اور ہم پچھلی صفوں میں ہوں، صف اول پر ہمارا قبضہ ہو اور پھر بیٹھ کر ذکر واذکار کرلیں، استغفار، درود شریف، اور فرشتوں کی تسبیح پڑھ لیں، اپنے آپ کو ذکر کا عادی بنائیں، اپنے آپ کو ایسا نہ بنائیں جس کی وجہ سے کسی کو حرف گیری کا موقع ملے، حضرت عالمگیر بادشاہؒ ہندوستان میں ایک عالم گزرے ہیں، وہ اپنے ہاتھوں سے قرآن شریف لکھ کر بیچا کرتے اور کمائی کرتے، اب ہم نے جو روپ دھارا ہوا ہے، اس کی لاج رکھنی چاہئے اور اگر آپ کے کسی کام سے کوئی قابل اعتراض بات آئے گی تو آپ کی ذات پر نہیں آئے گی، بلکہ سارے پڑھنے والوں پر آئے گی، سارے بنوری ٹاؤن والوں پر آئے گی۔ ابھی سے اپنے آپ کو درست کرنے کی توجہ کریں اور سنت پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆......کھجور کے نکلنے سے لے کر پکنے تک کے دس نام ہیں، لیکن چار مشہور ہیں:

۱......بسر۔۲......مذنب۔۳......رطب۔۴......تمر۔بسر کہتے ہیں کہ جو سخت اور پیلی رنگ کی ہوتی ہے، مذنب کہتے ہیں جو سخت ہوتی ہے،لیکن پکی ہوتی ہے۔رطب کہتے ہیں جو نرم اور پکی ہو جائے۔تمر کہتے ہیں جو بالکل پک جائے۔

☆......ریشم وہ ہوتا ہے جو کیڑے سے ریشہ نکلتا ہے اور وہ بڑھتا رہتا ہے اور وہ کیڑا اس میں مرجاتا ہے تو اس کو اس سے نکال کر ریشم بنایا جاتا ہے، اس کو پہننے سے منع کیا ہے اور یہ حرام ہے،لیکن جو ریشم مصنوعی ہوتا ہے، اس کو پہننے میں ممانعت نہیں ہے۔

☆......مردوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے،لیکن وہ ساڑھے چار ماشے سے کم ہو اور پتھر، لوہے، تانبے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، انگوٹھی کا نگینہ پتھر کا ہو تو اجازت ہے،لیکن انگوٹھی کا نگینہ ہاتھ کے پشت کی جانب نہ ہو، بلکہ ہتھیلی کی جانب ہو۔

☆......چاندی کی انگوٹھی پر سونے کا پانی چڑھانا جائز ہے اور اس پر نام لکھوانا بھی جائز ہے،لیکن اگر اسمائے الٰہیہ یا متبرک اسماء ہوں تو پھر اس کو گندی جگہ یا بیت الخلاء وغیرہ میں پہن کر جانا جائز نہیں۔

☆......

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

مذکورہ شعر کے بارہ میں فرمایا:اس کے دو مطلب ہیں: پہلا مطلب یہ ہے کہ مکھی کو باغ میں جانے نہ دو، ورنہ وہ پھولوں سے شہد بنائے گی اور اس سے موم نکلے گا اور موم سے موم بتی بنے گی اور موم بتی سے پروانے کا قتل ہوگا۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ مگس سے مراد سرمہ کی سلائی ہے اور باغ سے مراد آنکھوں کی پلکوں کا باغ ہے، سلائی کو سرمہ دانی میں نہ ڈالو اور آنکھوں میں نہ لگاؤ، ورنہ سرمئی آنکھوں کو دیکھ کر کئی پروانے مرجائیں گے،یعنی عورت کی آنکھ کے سرمہ کو دیکھ کر مردوں کا ناحق خون ہوگا۔

☆......شاہ ولی اللہؒ کے بیٹے حضرت شاہ عبدالقادرؒ جنہوں نے قرآن کا ترجمہ اردو میں

کیا ہے، بڑے صاحب کشف آدمی تھے، ان کا اردو ترجمہ، اردو زبان کا پہلا ترجمہ ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ: اگر قرآن پاک اردو زبان میں نازل ہوتا تو شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی صورت میں نازل ہوتا۔ رمضان میں تراویح ہوتی تو شاہ عبدالعزیزؒ آدمی بھیجتے کہ وہ رمضان کی پہلی تراویح میں ایک پارہ پڑھتے ہیں یا دو پارے، کیونکہ صاحب کشف آدمی تھے تو دو پارے پڑھنا گویا رمضان کے ۲۹ روزے ہونے کی علامت تھی اور ایک پارہ پڑھنا رمضان کے ۳۰ روزے ہونے کی علامت تھی۔

☆......وہ کھیل جس کے سبب جسمانی و ذہنی طور پر فائدہ ہو اور فرائض متروک نہ ہوتے ہوں اور کسی کا حق ضائع نہ ہوتا ہو اور وہ کوئی پیشہ نہ ہو تو اس صورت میں وہ جائز ہے اور اگر یہ شرائط نہیں ہیں تو پھر جائز نہیں ہے۔ اب فٹ بال، والی بال، کرکٹ وغیرہ میں یہ دیکھا جائے اور خاص کر آج کل تو کرکٹ میں فرائض متروک ہو رہے ہیں اور وہ پیشہ بن گیا ہے تو پھر یہ کھیل جائز نہیں اور حدیث میں ہے: ''**من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه**'' کے مطابق یہ کھیل لایعنی ہے، اس کھیل والوں کو پیشہ ور کھلاڑی کہا جاتا ہے اور یہ قوم کے ہیرو کہلاتے ہیں، حالانکہ یہ زیرو ہیں۔ اور اس کے علاوہ جس کھیل میں ذہنی و جسمانی ورزش ہے، وہ مباح کے طور پر جائز ہے، نہ کہ اس میں ثواب ہے۔ اور اگر ان کھیلوں میں شرط ہے تو پھر حرام ہوگا اور اگر شرط نہیں تو ''عبث'' ہے۔ ''عبث'' اور ''لہو'' میں فرق ہے کہ ''عبث'' وہ ہے جس میں بالکل فائدہ نہ ہو، جبکہ ''لہو'' کہتے ہیں جس میں ذہنی فائدہ ہو، اسی وجہ سے شطرنج کھیلنے کو ''لہو'' کہا گیا ہے۔ ان کھیلنے والوں کو سلام کہا جائے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان کو سلام نہ کیا جائے، تاکہ ان کو تنبیہ ہو جائے کہ ہماری اتنی بھی اہمیت نہ رہی کہ اس کھیل کی وجہ سے کہ سلام کیا جائے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان کو سلام کیا جائے، تاکہ ان پر شفقت ہو اور جتنی دیر وہ سلام کا جواب دیں گے اتنی دیر تو وہ غفلت سے دور رہیں گے۔

(ہدایہ، ج:۴، ص:۴۷۵)

☆......اللہ نے انسان میں فطری طبیعت رکھی ہے اور فطری تقاضے میں جذبات

وخواہشات کا پیدا ہونا ہے، ان کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے نظام بھی بنایا ہے۔

☆......بچوں کو سزا دینے میں اور سزاؤں کے تجویز کرنے میں پانی پتی صاحبان مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ زنجیروں سے باندھنا، بیڑیاں لگانا، کرسی بنانا وغیرہ نہ جانے کیا کیا اصطلاحات انہوں نے ایجاد کر رکھی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اگر غلام کو سزا سے کم مارا تو قیامت میں بدلا نہیں لیا جائے گا اور اگر سزا برابر دی تو حساب برابر رہے گا اور اگر زیادہ مارا تو پھر غلام کو آقا سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ شریعت نے غلام کو بظاہر انسانوں سے نکال کر حیوان کی طرح رکھا ہے، لیکن پھر بھی اس کو حقوق دیئے ہیں، اس کے بارے میں یہ ارشاد وارد ہوا ہے، تو بچہ جو غلام نہیں، اس کو اس طرح مارنا کہاں جائز ہوگا؟ بغل میں دبا کر اس پر دوسرے ہاتھ کی کہنیاں چلانا کتنا ظلم ہے!۔

☆......تقسیم ہند سے پہلے مدارس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دیہاتوں کے جو طلبہ عالم بن کر آتے تو اپنے علاقہ میں مدرسہ قائم کرتے اور وہ اپنا کام وغیرہ بھی کرتے اور طلبہ بھی ان کے ساتھ پڑھتے اور ان کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے۔

☆......شریعت اسلامی کی سزائیں جن کو ''حدود'' کہا جاتا ہے، ان کے ذریعے کسی کو صرف سزا دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہے، تاکہ لوگ اس چیز سے بچ جائیں۔

☆......روافض بہت ساری اشیاء کا انکار کرتے ہیں تو امام ابو حنیفہؒ نے صرف ''مسح علی الخفین'' کو اہل سنت کی علامت کیوں قرار دیا؟ تو جواب یہ ہے کہ روافض کی کتب میں لکھا ہے کہ ہر چیز میں تقیہ جائز ہے، لیکن ''مسح علی الخفین'' میں تقیہ جائز نہیں تو وہ اس کا انکار کھل کر کرتے ہیں، بقیہ اشیاء کے انکار میں تو تقیہ کا شبہ ہے، اس لئے ''مسح علی الخفین'' اہل سنت کی علامتِ مخصوصہ ہے۔

☆......ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ تعلیم وتربیت غالب رہتی ہے یا فطرت؟ وزیر نے کہا کہ فطرت۔ بادشاہ نے کہا: نہیں! تربیت غالب رہتی ہے۔ وزیر خاموش ہوگیا، بادشاہ کے دربار میں بلیاں اپنے ہاتھوں پر موم بتیاں لے کر کھڑی رہتی تھیں، جس کی روشنی

میں دربار میں روشنی رہتی تھی، ایک دفعہ وہ بلیاں دربار میں موم بتیاں لئے کھڑی تھیں کہ وزیر چپکے سے چوہا لے آیا اور دربار میں چھوڑ دیا، ساری بلیوں نے موم بتیاں پھینکیں اور چوہے کے پیچھے بھاگیں۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت! بلیوں کی تعلیم موم بتیاں اٹھانا تھی، لیکن چوہا کھانے کی فطرت ان پر غالب آئی، اور انہوں نے موم بتیاں چھوڑ دیں، بادشاہ کی سمجھ میں بات آگئی۔ لیکن بعض مرتبہ تربیت کرنے والے فطرت کو بھی بدل دیتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایسی تربیت فرمائی کہ پہلے جو جان لینے والے تھے، جان دینے والے بن گئے، یہ مربی کا کام ہے، وہی اس طرح تربیت کرسکتا ہے۔

☆...... مجھے ایک آدمی نے ایک غیر مقلد کی تقریر کا جملہ سنایا تھا کہ تقلید، قلادہ سے ہے اور اس کا معنی ہے ''کتے کے گلے کا پٹا'' (تو ان لوگوں کے گلوں میں وہ پڑا ہے) میں نے اس سے کہا: اگر قلادہ کا یہی معنی ہے تو اس سے کہہ دو کہ ہم کو یہ معنی بھی قبول ہے، کیونکہ اصول ہے کہ شہروں میں دو قسم کے کتے ہوتے ہیں، بعض کے گلے میں پٹا ہوتا ہے اور بعض آوارہ ہوتے ہیں اور ان کے گلے میں پٹا نہیں ہوتا۔ وہ کتے جن کے گلے میں پٹا نہ ہو، بلدیہ والے ان کو زہر دے کر مار دیتے ہیں اور جس کے گلے میں پٹا ہو تو وہ اس کو کسی کا سمجھ کر نہیں مارتے تو ہمارے گلوں میں اگر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا پٹا ہے تو پھر ہم شیطان جو (بلدیہ والوں کی شکل میں ہے) کے حملے سے محفوظ ہیں، جبکہ یہ تو بغیر پٹوں کے ہیں تو شیطانی حملوں سے نہیں بچ سکیں گے اور جو کتا جتنا زیادہ موذی ہوتا ہے، اس کو اتنا زیادہ زہر دے کر مارتے ہیں۔

☆...... حضرت بنوریؒ ان لوگوں میں سے تھے جو صدقات کو واپس کر دیا کرتے تھے۔ رمضان میں لوگ آتے اور دیتے تو آپ فرماتے کہ یہ لے جاؤ، ہمارے پاس بہت ہے، کسی دوسرے مدرسہ والے کو دے دو۔ اور جن سے تعلق ہوتا تو وہ اگر زکوٰۃ دیتے تو فرماتے کہ جب تک اس کے ساتھ غیر زکوٰۃ کی رقم نہیں دو گے تو یہ قبول نہیں کریں گے اور ان لوگوں سے فرماتے کہ تم ہم کو زکوٰۃ کی رقم دے کر احسان نہیں کرتے، بلکہ ہمارا شکر ادا کرو کہ ہم قبول کر لیتے ہیں۔ کراچی کے اس زمانے کے ۲۲/اونچے خاندانوں میں سے ایک خاندان کے آدمی حضرت بنوریؒ کے

ساتھ گھر کی طرف جارہے تھے تو آپؒ اچانک مڑے اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ اگر نہیں تم دوگے تو تمہیں جوتے پڑیں گے۔ یہ ہم لوگوں کا احسان ہے کہ ہم قبول کر لیتے ہیں اور اس کو صحیح مصرف میں لگاتے ہیں، وہ آدمی کہتے ہیں: حضرت بنوریؒ کا ہاتھ ہل رہا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ جوتے ابھی لگنے والے ہوں۔

☆......حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ جو ہمارے ابوداؤد و مشکوٰۃ ثانی کے استاذ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بنوریؒ کے پاس بیٹھا تھا تو فون آیا، آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس آدمی نہیں ہے، آپ لاسکتے ہیں تو لے آئیں اور فون رکھ دیا۔ میں نے پوچھا کہ کس کا فون تھا؟ کہنے لگے کہ ایک صاحب کا تھا، کہہ رہے تھے کہ میرے پاس غیر زکوٰۃ کے ۲۵؍پچیس ہزار روپے ہیں، کسی آدمی کو بھیج کر منگوالیں۔ میں نے کہا کہ حضرت! آج کل ویسے بھی غیر زکوٰۃ کی رقم کی ضرورت ہے، اگر منگوا لیتے تو فائدہ ہوجاتا۔ فرمایا کہ اگر ہمارے مقدر میں ہوگا تو خود آجائے گا اور نہیں ہوگا تو آدمی کے بھیجنے سے بھی نہیں ملے گا۔

وفارقتک بِرَھْنٍ لافکاک لہ
یوم الوداع فأمسٰی الرَّھْنُ قد غلقا

☆......اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''ولکم فی القصاص حیٰوۃ'' تو اس میں حیات اس طرح ہے کہ جب قاتل کو معلوم ہوگا کہ مجھے کو بھی قتل کے بدلے قصاص میں قتل کیا جائے گا تو وہ قتل کرنے سے باز آجائے گا جس سے دونوں کو حیات ملے گی، ورنہ تو دونوں مارے جائیں گے۔ اور اس طرح بھی حیات ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے قصاصاً قتل کیا گیا تو پھر دونوں خاندان سکون میں آجائیں گے اور اس سے دونوں طرح حیات ہوگی، ورنہ دونوں میں جھگڑا شروع ہوگیا تو بہت سے مارے جائیں گے اور قاتل کو اگر قتل نہ کیا تو وہ اور دوسروں کو قتل کردے گا، جس سے وہ لوگوں کے قتل ہونے کا سبب بنے گا، اس کو قتل کرنے کے بعد وہ لوگ اس کے قتل سے بچ کر حیات پالیں گے۔

☆......حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اسلام لانے

کے بعد کہا کہ ابا جان! اسلام لانے سے پہلے بدر کی جنگ میں آپ میرے وار میں کئی مرتبہ آئے، لیکن میں نے باپ سمجھ کر وار نہیں کیا اور چھوڑ دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ: اگر تم میرے وار میں آتے تو میں تم پر وار ضرور کرتا، کیونکہ تم کافر تھے (اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑ رہے تھے) اس زمانے میں جنگ قومیت یا لسانیت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اسلام کی بنیاد پر تھی اور آج یہاں لڑنا قومیت، عصبیت، لسانیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

☆......شریعت نے تو ڈاڑھی کو منفعتِ جمال بتایا ہے، لیکن آج کہتے ہیں کہ ڈاڑھی میں جمال نہیں ہے۔ حضرت قاری محمد طیبؒ ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ آج مغربی تہذیب نے ہر چیز کو الٹا کر دیا ہے، پہلے کہتے تھے ''چراغ تلے اندھیرا'' اور آج کہتے ہیں ''بلب کے اوپر اندھیرا''، اسی طرح ڈاڑھی کا حال ہے، پہلے یہ جمال کہلاتی تھی اور آج بدصورتی کہلاتی ہے، العیاذ باللہ۔ میں ایک مجلس میں بیٹھا تھا تو ایک عورت آئی اور مجلس میں بزرگ سے کہنے لگی کہ حضرت! دعا فرمائیں میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے، انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ ابھی جوان ہے اور اس نے ڈاڑھی رکھ لی ہے۔ میں نے یہ اپنے کانوں سے سنا ہے، آج ذہن ہی الٹا ہو گیا ہے۔

☆......آپس میں لڑنا، تہذیب اور ثقافت کے خلاف عمل ہے اور یہ ممنوع فعل ہے، لیکن جب اس کو غیروں نے اپنایا اور باکسنگ شروع ہوئی تو پھر اسی کو ''تہذیب'' اور ''ثقافت'' کہا جا رہا ہے۔ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے کہ ایک دوسرے کو زخمی کر دیا جائے۔ دو گدھے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور سارے لوگ ٹی وی پر بیٹھ کر ان کو دیکھ رہے ہیں۔

☆......جس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہو، اس میں ایک کے مسلک کو حق اور دوسرے کو باطل نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دونوں حق پر تھے، ان میں صرف ترجیح دے سکتے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی سمجھ لیں کہ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے زمانے سے اختلاف رہا ہے تو اس میں تشدد کرنا اور دوسرے کو گمراہ اور باطل قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اس میں نسبت اوپر تک جائے گی اور صحابہ کرامؓ کی بے ادبی لازم آتی ہے، ان کی گستاخی لازم آتی ہے اور صحابہ کرامؓ کی

گستاخی سلب ایمان کا سبب بن جاتی ہے، لہٰذا اس طرح کے مسائل میں زیادہ تشدد نہ کریں۔

☆......اصل غناء نفس کا غناء ہے، آدمی کے پاس کچھ نہ ہو اور اس میں استغناء ہو تو یہ مالدار ہے اور جس میں استغناء نہ ہو اور مال بہت ہو تو وہ گداگر ہی ہے اور مانگنے کی عادت بہت بری ہے۔ ناراض نہ ہوں، میں کہتا ہوں کہ وہ مہتمم حضرات جو مدارس کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیتے ہیں، وہ بھی ان گداگروں سے کم نہیں ہیں، ان الفاظ کو غور سے سنیں اور سمجھیں اور ان لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان پورا صادق آتا ہے: ''إن اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر '' اللہ تعالیٰ نفس کا غناء عطا فرمائے، آمین۔ ہمارے حضرت بنوریؒ کے استغناء کی برکت سے یہ مدرسہ چل رہا ہے اور آج بھی اس کا کوئی سفیر نہیں، قربانی کوئی دیتا ہے اور کھاتا کوئی ہے۔ حضرت بنوریؒ نے قربانی دی ہے اور ہم کھا رہے ہیں، ہم کہاں ان جیسی قربانی دے سکتے ہیں؟۔

☆......ہم نے ہدایہ رابع مولانا بدیع الزمانؒ سے پڑھی۔ ۱۹۷۱ء ۱۳۹۱ھ میں دورہ کیا، یہاں سادسہ میں آیا تھا۔

☆......استیجار علی القرآن تو جائز ہے، لیکن دوسروں کے گھروں میں جا کر اپنے آپ کو بے عزت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں جو بہت مجبور ہیں، ان کے لئے مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔

☆......مسجد کسی جگہ پر بنا دی جائے اور وہاں پر نماز شروع کروا دی جائے اور لوگوں کو آنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر اس کو گرانے کی اجازت نہیں۔ آج ہمارے ہاں مساجد گرائی جا رہی ہیں، اگر ہندو مساجد گرائیں تو ہم جلسے جلوس کرتے ہیں اور ریلیاں نکالتے ہیں، لیکن جب ہم خود گرائیں گے تو پھر کل ہم ہندوؤں کو کس منہ سے کہیں گے کہ مساجد نہ گراؤ؟

☆......ایک وقت تھا کہ کتاب شروع ہو رہی تھی اور سال گزر گیا اور کتاب ختم ہو گئی، ظاہری حالات کے اعتبار سے تقریباً ۱۰ ماہ آپ کی رفاقت حاصل رہی۔ اس میں اپنے طور پر اور انسانی کوشش کے طور پر اس بات کی کوشش رہی کہ آپ کو کتاب سے متعلق سمجھاؤں، ہو سکتا ہے کہ میں اس میں کامیاب رہا ہوں، اسی میں بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی کے ساتھ ایسے معاملات کئے

کہ وہ سمجھیں کہ میری عزت نفس کے خلاف کیا ہے، ایسا نہیں، اگر کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو معذرت کرتا ہوں۔ میں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ اب جو ظاہری تفریق ہو رہی ہے تو وہ ذہنی اور قلبی نہیں ہوگی، بلکہ صرف جسمانی ہوگی۔ ذہنی وقلبی تفریق نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ آپ اور میں ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھیں:

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

آپ اور میں جہاں ہوں، ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ آئندہ کی زندگی ایک دشوار گذار زندگی ہوگی اور طالب علمی کی زندگی ایک لاابالی زندگی ہوتی ہے۔ ہمیں جب اپنی طالب علمی کی زندگی یاد آتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ وہ برقرار رہتی، لیکن حالات کے ساتھ ذمہ داری آتی ہے، آج اگر ذمہ داریاں نہ آتیں تو یہ دنیا کے مختلف رنگ و بو نہ ہوتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''واختلاف اللیل والنھار'' فرمایا ہے، اگر رات کی تاریکیاں نہ ہوتیں تو مشکل ہوتی، حالات کے تغیرات آتے ہیں اور عقل مند وہ ہے جو ان کے آنے سے پہلے ان کی تیاری کرلے تو آئندہ حالات میں تغیر آنے والا ہے، انسان کو کہا ہے کہ آخرت کی تیاری کرنی ہے، کیونکہ آگے حالات میں تغیرات آنے والے ہیں۔ آگے والے حالات اس سے علیحدہ ہیں، تو ان کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ ہم بھی اپنی عملی زندگی کی تیاری کریں، ہم آپ جب باہر نکلیں گے تو بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑے گا، جو صرف آپ کے دوست اور دشمن نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کے مخالف بھی ہوسکتے ہیں اور آپ سے بڑے بھی ہوسکتے ہیں، تو عملی زندگی کی تیاری ابھی سے کرنا شروع کردیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، ہم سب کو عافیت سے رکھے اور عملی زندگی اچھی کردے، آمین۔ [شائع شدہ، ماہنامہ بینات]

محاضرہ: حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ
ترتیب وتدوین: مولانا محمد زبیر شمس الضحیٰ

فقہ اور اُس کی اہمیت

''زیرِ نظر تحریر درحقیقت فقہ کے موضوع پر ایک محاضرہ ہے، جو ہمارے محسن ومشفق استاذ حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوری شہیدؒ نے ۱۹/رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ-۲/اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز منگل، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن میں دورۂ حدیث کے طلبہ کے سامنے پیش فرمایا تھا، اس سال کے فضلاء کے لیے یہ حضرتؒ کا آخری درس تھا۔ عنوانات اور کچھ توضیحی کلمات کے اضافہ کے ساتھ اُسے افادہ کے لیے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔''

فقہ کی تعریف:

فقہ لغت میں ''فہم'' یعنی سمجھ کو کہتے ہیں۔

اور اصطلاحی تعریف امام ابوحنیفہؒ سے یوں منقول ہے:

''معرفة النفس مالها وما عليها''۔

یعنی فقہ اس چیز کا نام ہے کہ: نفس اپنے لیے فائدہ مند اور نقصان دہ چیزوں کو پہچان لے۔ اس نفع اور نقصان سے مراد طبی نفع ونقصان نہیں، بلکہ نفس (جو باطنی چیز ہے، اس) کے لیے جو مفید اور نقصان دہ ہے اس کی معرفت مراد ہے، جو ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے، جس میں حلال وحرام، جائز وناجائز، مکروہات ومستحبات جیسے شرعی احکام کی رعایت، تزکیۂ نفوس، اخلاقِ فاضلہ کی افزائش، اخلاقِ رذیلہ سے طہارت اور عقائدِ صحیحہ وباطلہ میں امتیاز جیسے تمام امور شامل ہیں۔

اور عام طور پر فقہ کی جو تعریف کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ:

'' الفقه هو العلم بالأحكام الشرعية الفرعية العملية المستنبطة من أدلتها التفصيلية''۔

یعنی احکام شرعیہ عملیہ کو تفصیلی دلائل کے ذریعہ جاننے کا نام فقہ ہے۔

معلوم ہوا کہ فقہ کا تعلق عملی زندگی کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے ساتھ ہے جس کا تعلق مرنے کے بعد تک بھی رہتا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی اس عملی زندگی کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے، مثلاً: ایک آدمی کا انتقال ہوا اور اس کی بیوی حاملہ ہے تو یہ حمل وراثت کی کلی تقسیم سے مانع اور رکاوٹ ہے۔ وراثت کی تقسیم اس حمل کو لڑکا یا لڑکی تصور کر کے ہی ہوگی۔

اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس عملی زندگی کا تعلق قائم رہتا ہے، مثلاً: بوقتِ وفات کسی نے اپنی املاک کے بارہ میں وقف کی وصیت کی، لیکن یہ شرط لگا دی کہ فلاں فلاں شرائط کے ساتھ یہ املاک وقف ہوں گی، مثلاً: اس نے شرط لگا دی کہ موقوفہ جائیداد میں صرف اپاہج اور معذور ہی رہیں گے، ان کے علاوہ اور کوئی نہیں رہے گا اور ''شرط الواقف كنص الشارع'' (واقف کی شرط گویا شریعت کا حکم ہے) کے اصول کی بنا پر چار پانچ سو سال بھی رہے اور اس سے انتفاع ہو رہا ہو تو بہرصورت اس شرط کا اعتبار کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ عملی زندگی سے تعلق جس طرح پیدائش سے پہلے قائم ہو جاتا ہے، اسی طرح بعض صورتوں میں وفات کے بعد تک بھی رہتا ہے، جیسے: اس وقت کوئی مسلمان ہو تو ظہر کی نماز سے پہلے پہلے وہ وضو کا طریقہ سیکھ کر نماز بھی پڑھے اور کل سے پہلے پہلے روزے کا حکم بھی جانے۔ [حضرتؒ جب یہ ارشاد فرما رہے تھے، وہ صبح دس بجے کے بعد کا وقت اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔]

فقہ قرآن وسنت ہی کی تشریح ہے:

فقہ' قرآن وسنت سے کوئی علیحدہ چیز نہیں، یعنی قرآن وسنت اور فقہ دو متضاد اور متوازی چیزیں نہیں، بلکہ دونوں ایک ہی ہیں، ان میں فرق وہی کرتا ہے جو فقہ کے معنیٰ لغوی تک سے بھی نابلد ہو، یعنی جن کو فہم وادراک کا نور حاصل نہیں، وہی قرآن وسنت اور فقہ میں فرق کرتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ: ''الناس أعداء لما جهلوا''، یعنی لوگ جس چیز سے جاہل ہوتے ہیں، اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

عہدِ نبوی میں فقہ اور اس کا استعمال:

صحابہ کرامؓ نے فقہ کا استعمال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فقہ موجود تھی، قصۂ بنو قریظہ جو غزوۂ احزاب کے بعد پیش آیا، اس میں صحابہ کرامؓ کا مشہور اجتہادی اختلاف پیش آیا کہ: ''لایصلین أحدکم إلافی بنی قریظة'' (تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھے) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد ہے؟ وہیں نماز پڑھنا لازم ہے یا اصل مقصود عجلت ہے؟ دونوں رائے سامنے آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی پر نکیر نہیں فرمائی، کیوں کہ بعض صحابہ کرامؓ نے اس کا مقصد اور مطلب یہ سمجھا تھا کہ اس کے علاوہ درمیان میں کوئی اور کام نہ کیا جائے، باقی نماز اس کام میں مانع و رکاوٹ نہیں، لیکن بعض صحابہؓ نے بالکل ظاہری الفاظ کو لے کر عمل کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں آراء کی تصویب فرمائی، کسی ایک کو خطأ نہ کہا۔

پھر حضرت معاذؓ کی حدیث مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو بحیثیت گورنر، قاضی، امام، مذہبی راہنما اور ایک جامع شخصیت کے یمن بھیجا، بھیجتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل لگی و حوصلہ افزائی کے لیے ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے، بلکہ حضرت معاذؓ کو سوار کیا اور خود پیدل چل رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے سوال کیا کہ: ''کیف تقضی إذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضی بکتاب اللّٰہ! قال: فإن لم تجد فی کتاب اللّٰہ ؟'' (جب فریضہ قضا تمھارے سپرد ہو تو کیسے فیصلہ کروگے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ کہ اگر قرآن میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کروگے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ ''فبسنة رسول اللہ! ﷺ (سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا) آنحضرت ﷺ نے مزید پوچھا کہ: فإن لم تجدفی سنة رسول اللّٰہ ﷺ ولا فی کتاب اللّٰہ ؟'' (یعنی اگر کتاب و سنت دونوں میں حکم نہ پاؤ تو پھر؟) تو کہا کہ: ''أجتهد برأیی ولاألو '' (اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد پر نکیر نہیں فرمائی کہ تم نے دین میں ایک نئی چیز نکالی ہے...... بلکہ '' فضرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم صدرهٗ فقال: الحمد للّٰہ الذی وفق رسول

رسول اللہ ﷺ لمایرضی رسول اللہ''۔

(سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب اجتہاد الرأی فی القضاء، ص:۵۰۵، ط: میر محمد کتب خانہ، کراچی)

یعنی آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت معاذؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا: اس اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اللہ کے رسول راضی ہیں۔

صحابہ کرامؓ اور فقہ:

اس لیے فقہ قرآن وحدیث سے الگ نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** '' (آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا) ہم دیکھتے ہیں کہ کل آیاتِ قرآنی چھ ہزار دوسو (۶۲۰۰) یا چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہیں، لیکن احکامات سے متعلق صرف چار سو یا پانچ سو آیات ہیں اور احادیث کا کل ذخیرہ چالیس، پچاس ہزار ہے، لیکن احکام سے متعلق چار ہزار ہیں۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ نے قرآن وحدیث سے استنباط کیا۔

ویسے صحابہؓ کی تو شان ہی نرالی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست اکتسابِ فیض کرنے والے ہیں اور طویل صحبت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل اثر صحابہ کرامؓ پر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پچپن سال سے زائد کی رفاقت کا اثر دیکھیے کہ باہر سے آنے والے حضرت ابوبکرؓ کو ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے۔ اور جب پہلی وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ: ''**زملونی زملونی** '' (مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ) حضرت خدیجہؓ نے تسلی کے طور پر کہا کہ: ''**کلا واللّٰہ مایخزیک اللّٰہ أبداً، إنک لتصل الرحم وتحمل الکلّ وتکسب المعدوم و تقری الضیف وتعین علٰی نوائب الحق.** '' (صحیح البخاری، باب بدء الوحی، ج:۱،ص:۳، ط: قدیمی کتب خانہ، کراچی) (اللہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہ کرے گا، کیونکہ آپ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کو سہارا دیتے ہیں، ناداروں کی حاجت روائی کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمانی کرتے ہیں اور راہ حق کی مصیبتوں میں اعانت کرتے ہیں) پھر جب

حضرت ابوبکرؓ نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کیا تو ابن الدغنہ ملا اور حضرت ابوبکرؓ کو حبشہ کی طرف جانے سے روک کر یہی الفاظ کہے، یعنی: ''**کلا واللہ ما یخزیک اللہ أبداً إنک لتصل الرحم ...... الخ**''۔ اسی طرح حضرت عمرؓ پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو کا اندازہ موافقاتِ عمرؓ سے ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا ساتھ اور قرب تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ: یمن سے آنے کے بعد ہم کافی عرصہ تک ان کو اہلِ بیت کا فرد ہی سمجھتے رہے۔

حضرت معاذؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہم، یہ صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھے۔ یہ لوگ بعد میں سائلین کے سوالات کے جوابات قرآن سے استنباط کر کے دیتے تھے۔

فقہ کی فضیلت واہمیت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''**من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین**''۔ (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو اس کو اپنی دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں) (صحیح بخاری، ج:۱، ص:۲۵، ط: دار طوق النجاۃ)

اگرچہ فقہ اصطلاحی ہی اس کی مراد نہیں، لیکن اصطلاحی فقہ بھی اس میں داخل ہے، اس طرح یہ حدیث' فقہ کی فضیلت پر مشتمل ہے۔

چونکہ قرآن وحدیث میں تمام مسائل کا احاطہ نہیں، اس لیے فقہ چھوڑنے سے زندگی ناتمام ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے فقہ کو لیا اور قرآن وحدیث سے مسائل مستنبط کیے، فقہ میں یہی مسائل ہیں، کوئی نئی چیز نہیں اور مدینہ میں فقہاءِ سبعہ مشہور تھے۔

تدوینِ فقہ اور مدوّنِ اول:

اس وقت فقہ ارتقائی دور میں تھی، مدوّن نہ تھی۔ پھر فقہ پر ایک مُدَوَّنہ اور مجموعہ تیار ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلا مجموعہ ''زید بن علیؒ'' نے تیار کیا جو اہلِ بیت میں سے ہیں، لیکن یہ مجموعہ اب

موجود نہیں رہا، تو تدوینِ فقہ کا سہرا امام ابوحنیفہؒ کے سر ہے۔ فقہ میں اس وقت علم الکلام والحدیث سب تھا۔ ''الفقه الأكبر'' امام صاحبؒ کی پہلی کتاب ہے۔

فقہ کے ارتقاء میں امام ابوحنیفہؒ کی گراں قدر مساعی اور مسائل کے استنباط میں آپؒ کا طریقہ کار:

امام صاحبؒ نے فقہ کو ایک نیا رُخ دیا، اُسے مبوّب انداز میں مرتّب کیا۔ مزید یہ کہ پیش آچکے مسائل میں ہی فقہ کو بند نہ رکھا، بلکہ اس کا دائرہ فقہ تقدیری تک وسیع کیا کہ اگر یوں صورت ہو تو اس کا جواب یوں ہوگا، اگر یوں ہو تو اس کا جواب یوں ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کا طریقۂ کار سب سے منفرد اور الگ تھا، اپنی رائے دوسروں پر مسلط نہ کرتے تھے، نہ ہی صرف اکیلے اپنی رائے دیتے، بلکہ چالیس اصحاب الرائے ماہرین علماء (جو آپ کے شاگرد تھے) اس مسئلے پر بحث کر کے سب اپنی رائے دیتے، آخر میں ایک رائے پر اتفاق کر کے پھر مسئلہ لکھتے، اس لیے فقہ حنفی میں گہرائی زیادہ ہے، کیوں کہ انفرادیت میں ایک پہلو اوجھل رہ سکتا ہے، جب کہ اجتماعی غور وخوض کے بعد جامعیت بڑھ جاتی ہے۔

فقہی ارتقاء میں امام صاحبؒ کے تلامذہ کی کوششیں:

اس محنت کے بعد امام صاحبؒ کے خصوصی شاگرد امام محمدؒ وامام ابو یوسفؒ ہیں۔ [حضرت استاذ محترمؒ نے اسی ترتیب سے پہلے امام محمدؒ اور پھر امام ابو یوسفؒ کا نام ذکر فرمایا تھا، حالاں کہ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرت آگے کتب فقہ حنفی کے متعلق ارشاد فرمانا چاہ رہے تھے اور فقہی تصانیف میں امام محمدؒ کا کوئی ثانی نہیں۔ واللہ اعلم] امام زفرؒ بھی نمایاں شاگرد اور ''أقيس أصحاب أبي حنيفةؒ'' ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ امام ابو یوسفؒ وامام زفرؒ کا کسی مسئلہ پر مباحثہ ہوتا، تو امام صاحبؒ سن کر عقلی طور پر امام زفرؒ کو راجح قرار دیتے۔

لیکن فقہ میں زیادہ اہم امام محمدؒ وامام ابو یوسفؒ ہیں۔ امام محمدؒ نے سب سے پہلے فقہ کو مدون کیا۔ [یعنی امام ابوحنیفہؒ نے جو فقہ تأصیل وتفریع کی صورت میں مدون کی، اسے تصانیف

کی صورت میں مرتب کر کے امام محمدؒ نے یہ امانت امت تک پہنچائی۔ واللہ اعلم] ان کی کتب میں روایات بحوالہ امام ابو یوسفؒ ہیں۔

امام محمدؒ کی تصانیف:

امام محمدؒ نے ظاہر الروایہ لکھیں، یہ چھ کتب ہیں:

۱:......المبسوط۔	۲:......الزیادات۔
۳:...... الجامع الصغیر۔	۴:...... الجامع الکبیر۔
۵:......السیر الصغیر۔	۶:......السیر الکبیر۔

اور آپ کی تصانیف میں کچھ نوادر الروایہ ہیں:

۱:...... ھارونیات.	۲:...... کیسانیات.
۳:......رقیات.	۴:...... جرجانیات.

سب سے اہم اور اصل "مبسوط" ہے، اس کو "اصل" بھی کہا جاتا ہے۔ فقہ حنفی کی امہات اور مآخذ یہی چھ کتب یعنی ظاہر الروایۃ ہیں۔

امام محمدؒ نے بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے "السیر الصغیر" اور "السیر الکبیر" لکھی۔ جب "السیر الصغیر" لکھی اور یہ امام اوزاعیؒ کے پاس شام پہونچی تو انہوں نے کہا: "ما لأهل الكوفة في السير ؟" کہ یہ علم تو اہل مدینہ ومکہ کا ہے، کیوں کہ یہ مختصر تھی۔ امام محمدؒ نے سنا تو دکھ ہوا، چناں چہ آپ نے پھر "السیر الکبیر" تصنیف فرمائی اور "السیر الکبیر" مفصلاً لکھی، یہ ہارون الرشیدؒ کے دور میں مکمل ہوئی تو اس نے اس کتاب کی تصنیف پر بے حد خوشی منائی اور کہا کہ: میرے دور کی سب سے بڑی فتح یہ علمی کارنامہ ہے۔ اور امام اوزاعیؒ کو پہونچی تو کہا کہ اگر اس کتاب میں احادیث نہ ہوتیں تو میں کہتا: "والله هذا الرجل ليضع العلم (بخدا یہ شخص علم گھڑتا ہے) اور اپنے سابق قول سے رجوع کیا۔

امام محمدؒ کی کتب کی شروحات:

پھر امام محمدؒ کے مختلف شاگرد آئے اور ظاہر الروایۃ کی مختلف شروحات لکھیں۔ امام سرخسیؒ وغیرہ کی مبسوط، یہ انہی کتب امام محمدؒ کی شروحات ہیں۔ لیکن سابقہ شروحات کا انداز الگ تھا کہ متن

وشرح خلط ہوتے تھے، لہٰذا متن کا پتا نہیں چلتا۔

فقہ حنفی کی امتیازی خصوصیت:

بہر حال یہ فقہ حنفی کا امتیاز ہے کہ اس کو ایک اجتماعی کمیٹی اور شورائی نظام کے تحت مرتب کیا گیا، اس لیے اس میں وسعت زیادہ ہے۔

امام مالکؒ کا طرز تو یہ تھا کہ بس سوال کا جواب نہ آیا تو سائل کو واپس بھیج دیا کہ جب آئے گا تو بتا دیں گے۔ جب کہ امام محمدؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ امام شافعیؒ کی فراغت کے بعد امام محمدؒ امام شافعیؒ کے گھر آئے، رات کا کھانا کھا کر لیٹے، تو امام شافعیؒ نے پانی کا لوٹا رکھ دیا کہ تہجد کے لیے جاگیں گے تو پانی کے لیے سہولت رہے، ادھر امام محمدؒ نے تہجد میں وضو کیا نہ فجر میں، امام شافعیؒ حیران ہوئے، پوچھا کہ حضرت استاذ محترم! آپ نے وضو نہیں کیا؟ امام محمدؒ نے فرمایا کہ: لیٹتے ہی ایک مسئلہ ذہن میں آیا، ساری رات اس پر سوچتے گزری کہ اگر یوں ہوا، اگر یوں ہوا......!!! تو اس فقہ میں ہر پہلو کا خیال رکھا گیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے مرض وفات میں عیادت کے لیے آنے والوں سے پوچھا کہ: رمی پیدل افضل ہے یا سوار ہو کر؟ ہر ایک نے اپنے فہم کے مطابق جواب دیا، ایک جواب دیا گیا: سوار ہو کر، فرمایا: نہیں، دوسرا جواب دیا گیا: پیدل، فرمایا: نہیں، پھر خود فرمایا: ہر وہ رمی جس کے بعد دعا ہے وہ پیدل افضل ہے؛ کیوں کہ دعا پیدل افضل ہے اور جس رمی کے بعد دعا نہیں وہ سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔ ابھی لوگ الوداع کر کے حویلی سے باہر نہ نکلے تھے کہ عورتوں کی آواز آئی: امام ابو یوسفؒ وفات پا گئے۔

اس تفصیل کا یہ فائدہ ہوا کہ ان جزئیات سے ہمیں کہیں نہ کہیں راہنمائی ضرور مل جاتی ہے۔

فقہ، زندگی کا ایک اہم اور لازمی عنصر:

اگر فقہ اور مسائل کا علم نہ ہو تو سب عبادات ضائع ہو جاتی ہیں، یہ ایک لازمی عنصر اور حصہ ہے۔ اگر اس سے مزاج مل جائے تو زندگی کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اگر فقہی دقائق

اور مسائل پر غور ہو تو علم کے نت نئے دروازے کھلتے ہیں۔

مبسوط اور اس کی شروحات:

اصول میں تو سب سے پہلے امام محمدؒ کی ظاہر الروایہ ہیں، خصوصاً مبسوط۔ حاکم شہیدؒ نے ان سارے اصول کا خلاصہ لکھا اور مکرر مسائل ختم کر کے جمع کیا، لیکن وہ مجموعہ اب دستیاب نہیں ہے۔ اس مجموعے کی سب سے اہم شرح ''مبسوط سرخسی'' ہے، جو واضح، مدلل اور مفصل ہے۔

متون اور ان کی ضرورت:

اس کے بعد متون کا زمانہ آتا ہے۔ متون کی ضرورت اس طرح پیش آئی کہ مختصر مسائل کو ہر خاص و عام یاد کر لے، کیوں کہ وہ حفظ کا زمانہ تھا، کسی بھی فن پر ایک متن یاد ہو۔ ''قدوری'' ایک متن ہے، جو انتہائی جامع متن ہے، اس کو یاد کرنے سے فقہ حنفی کے تمام مسائل اجمالاً آجائیں گے۔

ہدایہ اور اس کی خصوصیات:

اس کے بعد علامہ فرغانی مرغینانیؒ صاحب ہدایہ کا زمانہ آتا ہے، انہوں نے امام محمدؒ کی ''**الجامع الصغير**'' اور قدوری کا متن سامنے رکھ کر ''**بداية المبتدى**'' کے نام سے متن مرتب کیا، پھر اس متن کی شرح ''**كفاية المنتهى**'' کے نام سے لکھی، بہت طویل تھی، تقریباً ۸۰ جلدوں میں تھی۔ خیال ہوا کہ لوگ استفادہ نہ کر سکیں گے تو چار جلدوں میں ''ہدایہ'' کے نام سے اختصار کیا۔

''**الهداية كالقرآن**'' کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر ایمان لازم ہے اور یہ قطعی ہے، نہیں! بلکہ ''**لا تنقضى عجائبه**'' ہے۔ ہدایہ کا انداز یہ ہے کہ اس کے دلائل پر غور کریں، خصوصاً عقلی دلائل پر غور کرنے سے فقہی و اجتہادی ذوق پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے استاذ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحبؒ فرماتے تھے کہ: اگر کوئی صحیح انداز سے ہدایہ پڑھ کر عدالت میں چلا جائے تو کبھی اس پر کوئی وکیل غالب نہیں آسکتا۔ کیوں کہ اس کا انداز دلیل اور رد علی الخصم ہے۔

کنز الدقائق:

پھر مختصرات میں سے ''کنز'' ہے اور عجیب کمال ہے اختصار میں، **''فقعص، دمع خزقه، صمعج، مسئلة البير جحط''**۔

اگر اس کو پڑھانے کا موقع ملے تو پہلے اس کے مسائل کی تقطیع کر کے پھر حل کرائیں، کیوں کہ کبھی ایک لمبی عبارت (خصوصاً کیفیاتِ عبادات کے بیان میں) آجاتی ہے تو ہر ایک کی تقطیع کر کے پڑھائیں۔

بدائع الصنائع:

''بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع''، ملک العلماء علامہ کاسانیؒ کی کتاب ہے۔ یہ شرح ہے **''تحفة الفقهاء''** کی، لیکن انداز عام شرح والا نہیں، بلکہ سہل انداز ہے اور اسی سہل انداز میں علت بھی آجاتی ہے اور دلائل بھی۔ صاحبِ بدائع علامہ کاسانیؒ نے اپنے استاذ سے پڑھا اور تیس سال میں کتاب لکھ کر استاذ کو پیش کی، ان کو بہت پسند آئی، استاذ نے اُنہیں فتویٰ کی بھی اجازت دی اور اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح ان سے کر دیا۔ فاطمہ نے بھی اپنے والد سے اکتسابِ علم کیا، انہیں بھی والد محترم کی طرف سے فتویٰ کی اجازت حاصل تھی، تو جو فتویٰ جاری ہوتا اس پر تین آدمیوں کے دستخط ہوتے: صاحبِ بدائع، اہلیہ اور سسر استاذ۔ پھر فاطمہ کا انتقال ہوا، ان سے ایک بیٹی تھیں، اس نے اپنے استاذ [مراد والد یعنی علامہ کاسانیؒ ہیں۔ واللہ اعلم] سے اکتسابِ علم کیا اور فتویٰ کے منصب پر فائز ہوئیں اور پھر دور آیا کہ فتوے پر صاحبِ بدائع اور بیٹی کے دستخط ہوتے۔ اس طرح کے علماء تھے۔

البحر الرائق:

جزئیات کے حوالے سے کنز کی شرح ''البحر الرائق'' مفید ہے، اگر موقع ملے تو اس کا مطالعہ ضرور کریں، لیکن طلبہ کے سامنے نہ بیان کریں کہ یہ ''بحر'' ہے اور طالب علم کو تیرنا نہیں آتا۔ مطالعہ تو خوب کریں، لیکن بات طلبہ کی استعداد کے مطابق کریں، **''كلموا الناس على قدر عقولهم''**۔

تدریس کے اہم نکات:

اور اگر متن وشرح والی کتاب پڑھانے کو ملے تو پہلے متن کا مسئلہ الگ بیان کر دیں، پھر شرح کا، مثلاً: ''مختصر المعانی'' میں پہلے ''تلخیص المفتاح'' کا مسئلہ بیان کر دیں، کیوں کہ شرح میں اعتراضات اور لفظوں پر بحث ہوتی ہے۔ اسی طرح ''جامی'' میں پہلے ''کافیہ'' کی بات سمجھائیں۔

اردو کتابوں سے اجتناب کریں اور فقہ کی کتب بتدریج مطالعہ میں رکھیں، پہلے ''نور الایضاح''، پھر ''قدوری''، پھر اس کی کچھ شروحات، پھر آگے ''کنز'' وغیرہ۔

درسِ نظامی کے مروجہ نصاب کی اہمیت:

ہمارے اکابر نے یہ نصاب خوب سوچ سمجھ کر مرتب کیا ہے۔ کڑی سے کڑی ملتی ہے۔ اب بھی اسی ترتیب سے پڑھیں، یہ نہیں کہ اب عالم بن گئے تو اب اوپر سے پڑھیں، نہیں اب بھی نیچے سے۔ ہمارے ختم بخاری کے موقع پر حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ: ''یہ نہ سمجھو کہ عالم بن گئے نہیں بلکہ تم میں اب عالم بننے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے۔'' تو عالم اب بھی اسی ترتیب سے بنو گے۔

اردو زبان میں اہم کتبِ فقہ وفتاویٰ:

اگر اردو میں فقہ کی کوئی کتاب دیکھنی ہی ہو تو جزئیات پر ''عمدۃ الفقہ'' بہترین کتاب ہے۔ یہ صرف عبادات پر ہے (کہ مؤلف کو آگے زندگی نہ ملی)۔ ''زبدۃ الفقہ'' کے نام سے اس کا خلاصہ بھی ہے۔

فتاویٰ میں سے مستند ''امداد الفتاویٰ'' حضرت تھانویؒ کا فتاویٰ ہے، یہ مسائل کے لحاظ سے اور فقہی اعتبار سے بہت عمدہ ہے، یا ''فتاویٰ رحیمیہ''، ''فتاویٰ محمودیہ'' مفتی محمود گنگوہیؒ کا، یا مفتی محمودؒ کا فتاویٰ۔

''لا أدری'' بھی علم ہے:

ایک بہت زیادہ اہم بات کہ اگر کسی مسئلہ کا علم نہیں یا اس مسئلہ میں شک ہے تو جواب نہ

دیں، ''لاأدری'' کہہ دیں، اعترافِ جہل علم کا بہت بڑا دروازہ ہے:

آں کس کہ نداند و نداند کہ نداند

در جہلِ مرکب ابد الدھر بماند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، لیکن خولہ بنت اوسؓ جب ظہار کے مسئلہ میں آئیں تو فرمایا کہ: ابھی تک اس سلسلے میں وحی نہیں آئی۔ تو یہ بھی ایک طرح کا ''لاأدری'' ہے۔

لہٰذا اگر علم نہیں تو نہ بتائیں، کیوں کہ وہ آپ کی بات پر عمل کرے گا، اس لیے کبھی نہ شرمائیں کہ سب چیزوں کا علم ضروری نہیں، بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ ممکن ہے اس وقت خفت اٹھانی پڑے، لیکن اس سے بہتر ہے جو بعد میں دقت اٹھانی پڑے۔

فقہ سے تعلق اور اس کی مخالفت سے اجتناب لازم ہے

بہرحال فقہ سے تعلق جوڑے رکھیں، اس سے وسعتِ نظر، دقتِ نظر اور وسعتِ علم آتا ہے، اس سے مستغنی نہ ہوں، اس کی خفت، ہلکا پن اور اس کی مخالفت کبھی دل میں نہ آئے، یہ علم سے محرومی کی دلیل ہے، کیوں کہ ''فقہ'' دین کی سمجھ کا نام ہے۔ جن میں علم کی سمجھ نہیں، وہی مخالفت کرتے ہیں۔

آخری نصیحت

میری آپ کو آخری نصیحت یہ ہے کہ: آپ کی بنوری ٹاؤن، حضرت بنوریؒ اور دین وعلم سے جو نسبت قائم ہوئی ہے، اس کی پاس داری وخیال رکھیں۔ ان شاء اللہ! اللہ کی توفیق سے صاحبِ نسبت سے استفادہ ہوتا رہے گا۔ اساتذہ سے تعلق بھی رکھیں، اگر چہ استاذ نہ پہچانتے ہوں اور اساتذہ کو دعاؤں میں یاد رکھیں!

[شائع شدہ، ماہنامہ بینات]

☆......☆......☆......☆

ضبط وترتیب: حمزہ احسانی

طلبائے کرام کو نصائح

خطاب: جامعۃ الرشید، کراچی

الحمدلله و کفی، والصلوٰة والسلام علیٰ سیدالرسل و خاتم الانبیاء، وعلیٰ آله وصحبه الاتقیاء والاصفیاء، سبحٰنك لاعلم لنا الاماعلّمتنا انك انت العلیم الحکیم۔ رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی۔ رب زدنی علما۔ اللّٰھمّ صلِّ علیٰ سیدنا و مولانا محمّدوعلیٰ آل سیدنا و مولانامحمدوبارك وسلّم علیه۔ امّابعد!

برادرانِ عزیز! مجھے حکم ہوا ہے کہ مَیں آپ حضرات سے کچھ گفتگو کروں، جبکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں کسی طرح کا بھی کوئی تصنع شامل نہیں ہے کہ مَیں بیانات کرنا نہیں جانتا۔ حکم کے پیش نظر جو بزرگوں سے سنا ہوا ہے وہ کچھ عرض کردوں گا، ''فان الذکریٰ تنفع المؤمنین''۔ مقصود اس سے اپنی اصلاح ہے، شاید کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکت سے میرے اندر میں بھی عمل کا داعیہ پیدا فرمادے۔

اپنے مقام کو پہچانیئے!

میرے عزیز بھائیو! سب سے پہلے مَیں یہ بات عرض کروں گا، ہم لوگ اپنے اس مقام کو پہچانیں جس تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں پہنچایا ہے۔ دنیا کے کتنے لوگ ہیں جو دنیا کے مختلف کاموں میں لگے ہوئے ہیں، کوئی اپنے روزگار کے لیے پریشان ہے، کوئی اپنے دیگر معاشی ضروریات کے لیے، اور چیزوں کے لیے، کوئی دنیا کو ایک چند سے دوچند بنانے کے لیے، دو سے تین، تین سے چار بنانے کے لیے لگا ہوا ہے، کوئی کسی طور پر کسی دنیا کے فن میں مقام بنانے کے لیے لگا ہوا ہے، لیکن یہ اللہ جل وعلیٰ شانہ کا فضل وکرم ہے کہ اللہ جل وعلیٰ شانہ نے آپ لوگوں کو اپنے دین کے لیے منتخب فرمایا ہے، یہ محض اُسی کا فضل ہے، اُسی کا کرم ہے کہ اللہ

نے ہمیں اُن لوگوں میں نہیں بنایا جو اپنے معاش کے لیے پریشان ہو کر ہر وقت، ہر لحظہ، ہر دم، ہر آن محنت میں، کام میں لگے ہوئے ہیں اور سب کچھ کمانے کے باوجود پھر بھی فکر یہ ہوتی ہے کہ کھائیں گے کہاں سے، پہنیں گے کہاں سے، بچوں کے لیے کہاں سے کچھ کریں گے، اللہ جل وعلیٰ شانہ محض اپنے فضل، اپنی عنایت، مہربانی اور کرم سے کھانے کے اعتبار سے عزت کے ساتھ بٹھا کر کھلا رہے ہیں، پہننے کے اعتبار سے اللہ جل وعلیٰ شانہ ہمیں بہت سارے افراد سے بہتر عطا فرما رہے ہیں، رہائش کے اعتبار سے اللہ جل وعلیٰ شانہ نے ہمیں بہت بہترین رہائش عطا فرمائی ہوئی ہے، لاکھوں کے مالک افراد کے پاس بھی ایسی رہائش نہیں ہے، یہ سب اللہ جل وعلیٰ شانہ کے دین کی برکت ہے، اور اس نے عنایت و مہربانی کر کے ہمیں اس دین کے حاصل کرنے کے لیے یہاں جمع کیا ہے۔

پچھلے زمانوں کی مشقتیں اور ہماری سہولتیں:

جب اللہ نے یہ ہم پر مہربانی فرمائی ہے تو کچھ اس کا تذکرہ کروں کہ پہلے زمانے میں حصول علم میں کتنی مشکلات تھیں اور اب اللہ نے ہمارے لیے کتنی آسانیاں پیدا فرمادی ہیں۔ دیہاتوں وغیرہ میں کھانا مدرسوں میں نہیں ہوتا تھا بلکہ دور دراز جا کر کھانا جمع کیا جاتا تھا، لے کر آیا کرتے تھے، بیٹھ کر اسی کو کھایا کرتے تھے، کبھی کسی کو ایک روٹی ملی، کبھی دو ملی، کبھی نہیں ملی، جا رہے ہیں، کہیں کتے بھونک رہے ہیں، کہیں کچھ ہے، کہیں بارش ہے، کہیں پھسل گیا، کچھ ہو گیا، لیکن اس سب کچھ کے باجود تعلیم میں لگے ہوئے ہوتے تھے، حتیٰ دلی جیسے شہر کے بارے میں آتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے دور کے بعد وہاں استاذ ایک مسجد میں بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے، طلباء مختلف مسجدوں کے حجروں میں رہا کرتے تھے، وہاں کسی نے کھانا دیدیا تو کھانا کھالیا اور پڑھنے کے لیے استاذ کے پاس چلے گئے۔ مدرسے میں نہ رہائش ہے نہ خوراک ہے، نہ کھانا ہے نہ کوئی چیز ہے۔

ایک طالب علم کا واقعہ:

واقعات میں ایک بات ذکر کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم مسجد میں رہنے کے لیے گیا، اس نے محلے والوں سے کہا کہ میں طالب علم ہوں، مجھے کھانا دے دیا کرو، انہوں نے کہا:

کوئی کھانا وانا نہیں، جاؤ اپنا کھانا تلاش کرو، یہاں رہنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اتفاق یہ ہوا کہ اسی دن اس محلے یا بستی کے ایک آدمی کا انتقال ہوگیا۔ اُن کا طریقہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہوتا تو چالیس دن تک ایک آدمی کا کھانا کسی مسجد میں غریب کو دیا کرتے تھے، جب اس دن ایک آدمی کا انتقال ہوگیا تو انہوں نے چالیس دن کے لیے کھانا جاری کر دیا، اس نے کہا: کچھ بن گیا، کھانا آنا شروع ہوگیا، اب جوں ہی چالیس دن پورے ہوئے ایک اور کا انتقال ہوگیا، اللہ تبارک وتعالیٰ جب دینا چاہتے ہیں تو اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔ اب پھر اس سے اگلے چالیس دن کا کھانا شروع ہوگیا، پھر وہ دوسرا چلہ ختم ہوا تو ایک اور کا انتقال ہوگیا اور ایک اور چلے کا کھانا شروع ہوگیا، تو کسی بزرگ نے ان سے کہا کہ: بھئی! اگر اپنے آدمیوں کو بچانا ہے تو اس کا کھانا مستقل شروع کر دو، ورنہ ہر چالیس دن کے بعد ایک کا نمبر لگتا رہے گا۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پہلے تعلیم کے حصول کے لیے ہمیں خوراک وغیرہ کے انتظام، ان چیزوں میں کس قدر تنگیاں اور مشکلات تھیں، رہائش کے اعتبار سے کیا کچھ ہوتا تھا، اس زمانے میں تو بجلیاں بھی نہیں تھیں، دیہاتوں کے اندر، دوراز علاقوں میں کیا کچھ مشقتیں اور تکلیفیں تھیں، آج اللہ نے ہمارے لیے آسانیاں پیدا فرمادی ہیں، ہمارے لیے بجلی میسر ہے، بجلی بند ہوجائے تو جنریٹر موجود ہے، لائٹ آجاتی ہے، ہمیں تنگی نہیں ہوتی، تکلیف نہیں ہوتی، رہائش کے لیے اچھی جگہ، کھانے کے لیے اچھا کھانا، یہ تمام چیزیں ہمیں ملی ہوئی ہیں، تو ان تمام نعمتوں کا شکر ہم کیا ادا کریں؟ پہلے زمانے میں علم حاصل کرنے والوں کو یہ چیزیں میسر نہیں تھیں، پھر بھی وہ علم کے حصول میں لگے ہوئے تھے، آج جب اللہ نے ہمیں یہ سب چیزیں دی ہیں تو ہمیں تو اور زیادہ مجاہدہ اور محنت کرنی چاہیے۔ اُن لوگوں کو اپنے کھانے کی فکر کرنا پڑتی تھی، اپنی رہائش کی فکر کرنی پڑتی تھی، اپنے کپڑوں کی فکر کرنی پڑتی تھی، لیکن وہ کہتے تھے کہ: ''اللہ کے دین کے لیے آئے ہیں، اللہ انتظام فرمائے گا۔''

پہلوں کی نسبت ہم پر ذمہ داری زیادہ ہے:

اللہ نے آج ہمارے لیے ظاہری طور پر ان تمام چیزوں کے اسباب پیدا فرمادیئے

ہیں، یہ سب چیزیں ہمیں حاصل ہوگئی ہیں تو ہمارے اوپر ذمہ داریاں پہلے والوں کی نسبت اب زیادہ آگئی ہیں۔ انہوں نے علم کے لیے جس قدر محنت کی تھی، آج ہم سے اس سے زیادہ محنت کا تقاضا کرتی ہیں۔ آج ہم کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں، آج تو ہم صرف علم کے بن کر رہ جائیں، یہ زمانہ ہمارا صرف علم کے لیے ہے، اس زمانے میں دنیا کی دیگر خواہشات میں لگنے کا وقت نہیں ہے، اللہ نے جو ہمیں نعمت دی اس کا شکر یہی ہے۔ غالباً حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مقولہ ہے: ''العلم لا یعطیك بعضه حتیٰ تعطیه کلك''، یہ علم اپنا کچھ حصہ تمہیں اس وقت دے گا جب تو اپنے آپ کو سارا علم کے حوالے کر دو گے۔ تو علم آپ سے اپنا سارا وجود حوالے کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، اس کے مقابلے میں کچھ علم دے گا، کیونکہ علم تو بہت وسیع ہے، اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا، کچھ علم مل گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت مل گئی، بہت بڑی نعمت ہے، کہ یہ علم وہ نعمت ہے کہ جس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ: ''جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کے حصول کا موقع دیا ہے، اللہ نے اُن کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ اللہ ان کے لیے خیر چاہتے تھے، تبھی ان کو اس علم کے راستے میں لگایا ہے۔''

امام محمد رحمہ اللہ کا علمی انہماک:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے آتا ہے کہ اُن کی وفات کے بعد کسی شخص نے اُن کو خواب میں دیکھا، اس نے اُن سے سوال کیا کہ: حضرت! سنتے یہ ہیں، پڑھا یہ ہے کہ موت کے وقت کی تکلیف بہت سخت ہوتی ہے، آپ پر وہ مرحلہ کیسا گزرا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: مَیں تو سوئے ہوئے ایک مسئلہ سوچ رہا تھا، مسئلہ سوچتے سوچتے پتہ ہی نہیں چلا کہ عالم دنیا سے عالم آخرت میں آگیا۔ یعنی اس قدر علمی انہماک تھا کہ علم کے اندر اتنے مشغول، اتنا انہماک کہ پتہ ہی نہیں چلا کہ موت اور سکرات کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔

اور استاذ سے ایک واقعہ سنا تھا، میں وہ بھی عرض کر دوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب پڑھ کر چلے گئے تو ایک مرتبہ امام محمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں گئے، رات کو انہوں نے قیام کے لیے جگہ کا انتظام کیا، جہاں بستر

وغیرہ لگایا، اپنا بستر بھی ساتھ لگا دیا اور پانی بھر کر رکھ دیا کہ استاذ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھیں تو وضو کے لیے ضرورت پیش آئے گی، اور خود بھی ساتھ لیٹ گئے کہ استاد اٹھیں گے تو میں وضو کراؤں گا، لیکن اتفاق یہ ہوا کہ ساری رات گزر گئی، استاذ نہیں اٹھے، پانی ویسے ہی پڑا رہا، تہجد کے وقت نہیں اٹھے، اور جب نماز کا وقت ہوا تو اٹھے اور جا کر نماز میں شامل ہو گئے، وضو بھی نہیں کیا، پہلی بات تو یہ کہ رات بھر سوئے رہے، تہجد نہیں پڑھی، اور دوسری بات یہ ہے کہ سوئے رہے تو وضو تو کرتے، لیکن وضو بھی نہیں کیا اور جماعت میں جا کر شامل ہو گئے، یہ کیا ہو گیا؟ تعجب ہوا، نہ رہا گیا تو آخر استاذ سے پوچھ لیا، فرمایا: بات یہ ہے کہ جب سونے لگا تھا تو لیٹے ہوئے ذہن میں کوئی مسئلہ آ گیا تھا کہ اگر یہ چیز اِس طرح پیش آ جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ اس کا جواب سوچ رہا تھا کہ اگر یوں ہو جائے تو اس کا یہ جواب ہوگا، اور اگر یوں ہو جائے تو اُس کا کیا جواب ہوگا؟ پھر اس کا جواب سوچا، پھر اس کے بعد خیال آیا کہ اگر یوں ہو جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ اِسی طرح سوچتے سوچتے رات گزر گئی، مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا کہ فجر کی اذان ہونے لگی تو میں اٹھ گیا اور جا کر نماز میں شامل ہو گیا۔ رات بھر سوچتے رہے، رات گزر گئی۔ جس کو بیماری ہو، نیند نہ آتی ہو، کروٹیں بدلتے بدلتے رات گزرتی ہو تو رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ رات گزر گئی، پتہ ہی نہیں چلا، مسائل میں غور کرتے رہے۔ یہ تھا ان حضرات کا علمی انہماک، ہم سے یہ علم یہی انہماک چاہتا ہے، یہی مشغولیت چاہتا ہے کہ ہم سارا کا سارا اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیں۔

اہل علم کے ساتھ باری تعالیٰ کا ارادۂ خیر:

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو انہوں نے یہ (پہلا واقعہ) بتایا۔ اُس خواب میں دیکھنے والے نے ایک اور سوال کیا، اس نے دوسرا سوال یہ کیا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو فرمایا کہ: جب میں اللہ کے حضور پیش ہوا تو اللہ نے فرمایا کہ: ''محمد! اگر ہم نے تمہیں عذاب دینا ہوتا تو اپنا علم کیوں عطا کرتے؟ جاؤ تمہیں معاف کر دیا'' یہ اللہ کا علم والوں کے ساتھ خیر کا ارادہ ہے، اللہ نے خیر کا ارادہ کیا ہوا ہے، تب ہی

اللہ جل وعلیٰ شانہ نے ہمیں یہاں آنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا اِنعام ہے، اس انعام میں ہمارے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

نعمت کی مناسبت سے شکرادا کیجیے:

اور یہ یاد رکھیے کہ جتنی نعمت بڑی ہو، اس کا شکریہ اتنا بڑا ہوا کرتا ہے، اس کے شکریہ کے اعتبار سے اس کی اہمیت اور زیادہ ہوتی ہے، تو اللہ نے ہمیں اتنی بڑی نعمت دی ہے تو ہم اس کا شکر بھی اتنا بڑا ادا کرنے والے بن جائیں، وہ شکر علم میں مشغولیت وانہماک کے ساتھ ادا ہوگا کہ ہم علم میں مشغول ہوں، محنت کرنے والے ہوں، اپنے علم میں مقام پیدا کریں، لیکن یہ محنت مقام کے لیے نہ ہو کہ ہمارا مقام ہو، ہم بڑے بن جائیں، محنت اس لیے نہ ہو، بلکہ محنت تو صرف اس لیے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین میں سے کچھ حصہ عطا فرمادے، اس اعتبار سے مقام پیدا کریں، دنیا والوں کے لیے نہیں کہ دنیا کے اندر بڑے بن جائیں وہ تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ: ''جو علم اس لیے حاصل کرتا ہے تاکہ لوگوں کے ساتھ مناظرہ کرے، بیوقوفوں پر اپنی بڑائی دکھائے، یا اس کے ذریعے سے مال حاصل کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' وہ جہنم میں جانے والا ہوگا۔ اس لیے جتنی بڑی نعمت ہے اس کا شکریہ بھی اتنا زیادہ چاہیے۔ اس میں خوب محنت کرنے والے بنیں، مجاہدہ کرنے والے بنیں، ہمارے اکابر نے جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ سب اسی محنت کا ثمرہ تھا، علم کے اندر کیسا مجاہدہ اور محنتیں کرتے تھے۔

ایک طالب علم کا علمی شوق:

سنا ہے کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم بازار میں ایک دوکاندار کے پاس گیا، اور اس سے کہا کہ: ''تم اپنی دوکان کے باہر ایک چراغ کا انتظام کردو، مَیں ساری رات تمہاری دوکان کی چوکیداری کروں گا۔'' اُس نے کہا کہ مفت میں چوکیدار مل رہا ہے، چراغ کا خرچہ تو کچھ بھی نہیں، چنانچہ اس نے چراغ کا انتظام کردیا۔ طالب علم یہ سمجھ رہا ہے کہ بیٹھے بیٹھے چراغ کی روشنی میں مَیں ساری رات کتاب دیکھتا رہوں گا تو یہ میرے لیے کوئی مہنگا سودا نہیں ہے، وہ چراغ جلا کر ساری رات مطالعہ کرتا ہے، دوکاندار خوش ہے کہ مجھے چوکیدار مفت میں مل گیا، اور طالب علم خوش ہے کہ

میرے رات کے مطالعہ کے لیے روشنی کا انتظام ہوگیا۔

ایک طالب علم کا علمی انہماک:

اور انہماک اور مشغولیت اس قدر رہوا کرتی تھی کہ ایک طالب علم سرِ راہ بیٹھا تھا، کسی نے اس سے پوچھا کہ: بھائی! ابھی یہاں سے بادشاہ کا جلوس گزرا ہے، تم نے دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا: کب؟ اس نے کہا ابھی تھوڑی دیر پہلے، اس نے کہا مجھے تو کوئی پتہ نہیں کہ یہاں سے بادشاہ کا کوئی جلوس گزرا ہے، ہاں تھوڑا سا کچھ شور سا معلوم ہوا تھا، لیکن مَیں تو اپنی کتاب میں لگا رہا۔ جب یہ علمی انہماک حاصل ہوگا تو ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد حاصل ہوگی۔

نسبت کا خیال رکھیں اور عمل کی طرف بھی توجہ دیں:

اس کے ساتھ ہم اپنی عملی زندگی علم کے مطابق بنانے والے بن جائیں، ہم یہ دیکھیں کہ ہماری نسبت کیا ہے، اس علم کے اعتبار سے، علوم نبویہ کی بنیاد پر، اور دوسرے مرحلے میں یہ بات کہ ہماری نسبت کن اکابر کے ساتھ ہے، ہمارے اکابر علمی عملی اعتبار سے کس طور پر رہتے تھے، اس نسبت کا خیال رکھتے ہوئے ہمیں اپنی عملی زندگی کو بھی اس کے مطابق بنانا ہوگا۔

عالمگیر بادشاہ کا واقعہ:

عالمگیر ہندوستان کے بادشاہ گزرے ہیں، بہت نیک صالح بادشاہ تھے، اُن کے متعلق آتا ہے کہ وہ اپنے خرچے کے لیے قرآن پاک کے نسخوں کی کتابت کر کے اُن کو فروخت کر کے اسی سے اپنے گھر کا کھانا کھایا کرتے تھے، اُن کے ہاں کوئی باورچی نہیں ٹِکتا تھا، کیونکہ باورچی تو یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ کے ہاں کھانا پکانا ہے، یہاں تو اعلیٰ قسم کے کھانے ہوں گے، خوب مزے ہوں گے، لیکن جو باورچی آتا، دو دن کے بعد تبدیلی کا کہتا کہ میرا اور جگہ تبادلہ کردو، ایک باورچی یہ سمجھتے ہوئے کہ یہاں بہت مزے ہوں گے، آیا، کھانا پکاتا رہا، لیکن اس نے تبادلے کی بات نہیں کی کہ میرا تبادلہ کردو، ایک دن بادشاہ نے اس سے کہا کہ: کیا بات ہے بھائی! پہلے باورچی آتے تھے، دو دن بعد کہتے تھے ہمارا تبادلہ کردو، تم نے کیوں نہیں کہا؟ اس نے کہا: جناب! میں نے سوچا کہ سب جاتے رہے، لیکن جانے کا کیا فائدہ، جو کچھ مقدر میں ہے وہی ملے گا، چونکہ بادشاہ کے

ہاں کھانا صرف اتنا پکتا تھا کہ جو اسے اور اس کے گھر والوں کو کفایت کرتا تھا، زائد ہوتا ہی نہیں تھا، باورچی کو کچھ ملتا نہیں تھا، اور کھانا ایسا کہ عام لوگوں کا کھانا اس سے بہتر ہوتا تھا، آخر کئی دنوں کے بعد اس نے کہا کہ: جناب! میرا تبادلہ کردو، یہاں تو کچھ فائدہ ہی نہیں، بادشاہ نے کہا: دنیا و دولت چاہتے ہو؟ کہنے لگا: حضرت! کچھ مل جائے، یہاں تو کچھ ملتا ہی نہیں، بادشاہ نے کہا: اچھا چلو ایسا کرو کہ کل جو کچھ پکاؤ، وہ کچھ زیادہ پکالینا، جتنا پکاتے ہو اس سے زیادہ پکالینا۔ اصل میں اس نے یہ کیا (میں ذرا واقعہ تھوڑا سا بھول گیا) کہ ایک دن اس نے کھانے میں نمک تیز ملا دیا، کہ جب نمک تیز ہوگا، بادشاہ میرا تبادلہ کردے گا، بادشاہ نے کھانا کھالیا اور اسے کچھ بھی نہیں کہا، دوسرے دن اس نے بالکل نمک نہیں ڈالا، سوچا یہ طریقہ آزماؤں، لیکن بادشاہ نے پھر کچھ نہیں کہا، آخر بادشاہ نے اسے بلا کر پوچھا تو اس نے یہ کہا کہ: یہاں تو کچھ ملتا ہی نہیں، بادشاہ نے کہا: اچھا! تم کل جو پکاؤ تو کچھ زیادہ پکالینا، اس نے پکالیا، اور جب پکانے کے بعد کھانا لے کر آیا تو بادشاہ نے اس میں سے کچھ کھانا نکالا اور اس کو کچھ حصوں میں تقسیم کیا اور کہا کہ: جاؤ! یہ فلاں فلاں وزیروں کو دے کر آؤ، اب وہ تھوڑی سی چیز لے کر وزیر کے دروازے پر گیا اور کہا کہ: بادشاہ نے اپنا خاص کھانا، تبرک ہے، جو بچا ہوا ہے وہ بھیجا ہے، وزیر تو بڑے خوش ہوئے، اس کا استقبال کیا اور کھانا لے کر اس کو انعام دیا، بادشاہ کی طرف سے چیز آئی ہے، بڑی چیز ہے، جو کچھ بھی ہو، بادشاہ کی نسبت ہے، اسے انعام دیدیا۔ دوسرے کے پاس گیا، تیسرے کے پاس گیا، اسے اتنا کچھ مل گیا کہ اگر وہ (خود کمائی کرکے) جمع کرتا تو اسے اتنا کچھ نہ مل سکتا، ایسا بادشاہ تھا۔

عالمگیر بادشاہ اور ایک بہروپیا:

اس بادشاہ کے سامنے ایک بہروپیا آیا، بہروپیا سمجھتے ہیں؟ جو تماشے کرتے ہیں اور شکل وصورت، ہیئت و انداز بدل کر مختلف قسم کی باتیں اور کام کرتے ہیں، وہ آیا اور اپنے بہروپ کے کچھ کمالات دکھائے، اور وہ یہ کرکے بادشاہوں سے انعام لیا کرتے تھے، وہ بادشاہ چونکہ دین دار تھا، اس نے کہا کہ: یہ بیت المال کا خزانہ اس لیے تو نہیں ہے کہ اس طرح تماشوں پر لٹایا جائے، لیکن اسے جواب دینا بھی مسئلہ تھا کہ کیا جواب دیا جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے دل میں بات

ڈالی، اس نے کہا کہ: دیکھو! اب تم آئے ہو، ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے، جب تم ہمارے سامنے اس روپ میں آؤ کہ ہم تمہیں نہ پہچان سکیں تو پھر انعام دیں گے، وہ خاموش ہو کر چلا گیا۔

باہر نکل کر اس نے معلومات لیں کہ بادشاہ کا کوئی سفر ہے، کیونکہ بادشاہ مختلف علاقوں میں فتوحات وغیرہ کے لیے جایا کرتا تھا اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں اس کا سفر ہوتا تو اس جگہ یا راستے میں، اطراف میں کہیں بھی کوئی اللہ والا، نیک بزرگ ہوتا تو بادشاہ ان کی خدمت میں ہوتا، نذرانہ پیش کرتا اور دعائیں لیتا اور آگے چلتا رہتا۔ اس بہروپیے کو معلوم ہوا کہ کچھ عرصے بعد فلاں علاقے کی طرف بادشاہ کا سفر ہے تو اس نے ایک جگہ راستے سے کچھ ہٹ کر ڈیرہ لگایا اور بیٹھ گیا، تسبیح لی، سب کچھ لیا اور فقیروں والے بھیس میں وہاں بیٹھ کر تسبیح پڑھنا شروع کر دی۔ بادشاہ جب روانہ ہونے لگا تو اس نے اپنے دستور کے مطابق پہلے معلومات لیں کہ کون کون بزرگ ہیں؟ اسے بتایا گیا کہ فلاں مقام پر ایک بہت بڑے اللہ والے بزرگ رہتے ہیں، بادشاہ وہاں سے گزرتے ہوئے اس کے پاس گیا، جا کر ادب سے بیٹھا اور اچھا خاصا نذرانہ ساتھ لے گیا، لیکن اُس نے بادشاہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، بادشاہ نے نذرانہ پیش کیا تو اس نے کہا: لے جاؤ! ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ بادشاہ اور معتقد ہو گیا کہ یہ تو بالکل اللہ والا ہے، تارک الدنیا ہے، ذرہ بھر بھی دنیا کا خیال نہیں ہے۔

بادشاہ واپس چلا آیا، ابھی بادشاہ اپنے مقام پر پہنچا نہیں تھا کہ وہ آ گیا، السلام علیکم۔ بادشاہ نے کہا: کیا بات ہے؟ کہنے لگا: مجھے میرا انعام دیجیے! پوچھا: کس چیز کا انعام؟ کہنے لگا: آپ نے فلاں موقعے پر یہ کہا تھا کہ جب ایسی صورت میں آؤ گے کہ ہم نہ پہچانیں تو انعام دیں گے، ابھی جس بزرگ سے مل کر آئے ہیں وہ میں ہی بیٹھا ہوا تھا، جسے آپ نے بزرگ سمجھا وہ مَیں ہی تو بیٹھا ہوا تھا، وہ بزرگ وزرگ کوئی نہیں، آپ نے پہچانا نہیں، اس لیے میرا انعام بنتا ہے، بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے، اُس نے اسے کچھ انعام دیا، اب وہ لے کر جانے لگا۔ بادشاہ اس سے کہنے لگا کہ: میں نے تمہیں وہاں اتنا بڑا نذرانہ پیش کیا تھا، تم نے وہ قبول نہیں کیا، واپس کر دیا اور اب میں نے تمہیں حقیر سا انعام دیا ہے، اس کے مقابلے میں تھوڑا سا انعام دیا تو تم قبول کر کے

جارہے ہواور تم نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا، اس نے جو جواب دیا وہ قابل غور ہے، اس کا جواب سنانے کے لیے یہ سارا واقعہ سنایا ہے، اس نے جواب دیا کہ:

''جناب! مَیں نے جو بھیس اپنایا تھا، جو روپ اختیار کیا تھا، اس کی بھی تو لاج رکھنی تھی، مَیں وہاں فقیر بن کر بیٹھا ہوا تھا اور فقیر دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کرتے، مَیں اگر وہ مال لے لیتا تو (حقیقی) فقیروں پر حرف آتا۔''

بھائیو!

ہم طالب علم ہیں، دین کی نسبت والے ہیں، ہمارا کوئی عمل ایسا نہ ہو کہ جس کی بنا پر علم والوں پر حرف آئے کہ علم والے ایسے ہوا کرتے ہیں، دین والے ایسے ہوا کرتے ہیں، ہم اپنے عمل کے اعتبار سے، اپنی تعلیم کے اعتبار سے، استاذ کے ادب واحترام کے اعتبار سے، مدرسہ کی خیر خواہی کے اعتبار سے، اپنے ساتھی کے ساتھ حُسنِ سلوک کے اعتبار سے، کتاب کے ادب واحترام کے اعتبار سے، وہ طریقہ اپنائیں کہ کوئی ہمیں یہ نہ کہہ سکے کہ طالب علم ایسا ہوتا ہے؟ تمہاری نسبت یہ ہے اور تم یہ کام کررہے ہو؟...... اللہ نے جو یہ نسبت ہمیں دی ہے، ہم اس کی قدر کرنے والے بن جائیں، ہم اس نعمت کا شکر کرنے والے بن جائیں، ''لئن شکرتم لازیدنّکم'' ۔ اگر شکر کروگے تو اللہ فرماتے ہیں: مَیں نعمتیں اور بڑھادوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو علم کی قدر نصیب فرمائے، صحیح معنی میں علم حاصل کرنے والا بنائے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں طالب علموں میں شمار فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔ ☆☆

ضبط وترتیب: حمزہ احسانی

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ...... کا آخری سبق

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ جامعہ بنوری ٹاؤن میں ترمذی ثانی پڑھاتے تھے، جس دن آپ کی شہادت ہوئی، اس دن ''ابو اب صفة القيامة'' چل رہے تھے، آپ کا یہ درس ریکارڈ کیا گیا تھا، اسی ریکارڈنگ کی مدد سے آخری سبق کا آخری حصہ پیش خدمت ہے، جس میں "الكيّسُ مَن دَان نفسَه وعَمِل لِما بعدالموت"، "فاذادُفن العبدالمؤمن قال له القبر: مرحباً وأهلاً" اور "القبر روضة من رياض الجنة" احادیث موجود ہیں۔ اختصار کی خاطر مکمل عبارت نہیں دی گئی، بلکہ بطورِ برکت پہلی حدیث کی مکمل عبارت نقل کی گئی ہے، پھر بقیہ احادیث کے بعض بعض جملے نقل کیے گئے اور بعض کی جگہ علامتِ حذف (......) علامت لگادی گئی ہے۔

"حدثنا سفيان بن وكيع نا عيسى بن يونس عن أبي بكربن أبي مريم ح وثنا عبدالله بن عبدالرحمن نا عمرو بن عون نا بن المبارك عن أبي بكر بن أبي مريم عن ضمرة بن حبيب عن شداد بن أوس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعدالموت، والعاجز من أتبع نفسه هواها وتمنّٰى على الله۔ هذا حديث حسن۔"

[ترمذی، ج:۲، ص:٥٢٤، ط:مكتبه رحمانيه]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوشیار، سمجھدار، عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو مطیع کر لیتا ہے اور عمل کرتا ہے مابعدالموت کے لیے، اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا بلکہ اس کو اپنے تابع کر لیتا ہے اللہ کی رضا کے لیے، اور عاجز وہ ہے جو چلاتا ہے اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے اور اللہ پر تمنا ہے کہ اللہ معاف کر دے گا، لگتا خواہشات کے پیچھے ہے اور تمنا معافی کی ہے۔ اور یہ جو کہا: من دان نفسه، یعنی اپنے آپ کا محاسبہ کرنے والا ہے دنیا میں، اس سے پہلے کہ قیامت کے دن اس کا محاسبہ کیا جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''حاسبوا أنفسكم

قبل أن تحاسبوا '' اپنے آپ کا حساب کرو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے۔ اور تیاری کرلو بڑی پیشی کے لیے اللہ کے ہاں، ہلکا ہوگا حساب قیامت کے دن اس شخص پر جو دنیا میں اپنے آپ کا حساب کرتا ہے۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ: بندہ اس وقت متقی ہوگا جب اپنے آپ سے ایسے حساب کرے، جیسے اپنے شریک سے کرتا ہے کہ اس کا کھانا پینا کہاں سے ہے۔ دو آدمی جو مل کر کام کر رہے ہیں، اب اگر دونوں کی آمدنی برابر ہے، لیکن ایک اعلیٰ قسم کے کھانے کھاتا ہے تو دوسرے کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ کہاں سے کھا رہا ہے، ضرور کوئی خیانت کر رہا ہوگا، تو اپنے نفس کی طرف سے پیش آنے والی چیزوں کا اسی طریقہ سے محاسبہ کیا جائے۔

''عن ابی سعیدؓ قال: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مصلاه فرأى ناسا كأنهم يكتشرون[أي يضحكون ۔۱۲] قال: أمااانكم لوأكثرتم ذكر هاذم اللذات لشغلكم عما أرىٰ، فأكثروا من ذكرهاذم اللذات الموت، فإنه لم يأت على القبر يوم الاتكلم، فيقول: انابيت الغربة،انابيت الوحدة وانابيت التراب وانابيت الدود،''

ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جگہ میں داخل ہوئے، دیکھا کہ کچھ لوگ کھلکھلا رہے ہیں، ہنس رہے ہیں زور زور سے، تو فرمایا کہ: اگر تم موت کو، جو لذتوں کو توڑنے والی ہے، اسے یاد کرتے تو تمہیں اس سے غافل کر دیتی، جو دیکھ رہا ہوں۔ (پھر نہ ہنستے، اللہ کو یاد کرنے والے ہوتے) ذکر کرو موت کا جو لذتوں کو توڑنے والی ہے، کیونکہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ وہ کلام کرتی ہے اور کہتی ہے میں تنہائی کا گھر ہوں، میں اکیلے پن کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، ''فاذادُفن العبدالمؤمن ،قال له القبر: مرحباً واهلاً، امااان كنت لاحب من يمشي على ظهري اليّ......الخ''۔ جب دفن کر دیا جاتا ہے عبد مومن تو قبر کہتی ہے: خوش آمدید، آؤ سنو! تم تو تھے ان لوگوں میں سے جو زیادہ پسندیدہ تھے (ان لوگوں میں سے) جو روئے زمین پر مجھ پر چل رہے تھے، اب جب تو حوالے کیا گیا میرے آج کے دن اور میری ہی طرف آ گیا ہے تو دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں۔ وہ اس کے حدِ نگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے، ایک کھڑکی جنت کی کھل جاتی ہے۔ ''......'' جب قبر میں رکھا جاتا کوئی فاجر یا کافر تو قبر کہتی ہے، دفع ہو جا، تیرا آنا اچھا نہیں ہے، تو اُن میں سے تھا جو سب سے

زیادہ مبغوض تھے (ان میں سے) جو میرے اوپر چلا کرتے تھے، اب جب تو میرے حوالے کیا گیا ہے تو دیکھ میں تیرے ساتھ کیا کام کرتی ہوں، ''......'' وہ اس پر مل جاتی ہے یہاں تک کہ پسلیاں ایک دوسرے میں جڑ جائیں گی۔ ''......''(ایک قال راوی کا ہے اور ایک بمعنیٰ أشار کے ہے کہ) حضور نے اپنی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا، یوں پسلیاں ایک دوسرے کے اندر داخل ہو جائیں گی، ''......''مقرر کیے جاتے ہیں اس کے لیے ستر (۷۰) اژدھے، ''......''اگر اُن میں ایک بھی زمین پر پھونک مار دے تو زمین کوئی چیز بھی نہ اُگائے، ''......''جب تک دنیا باقی رہے گی۔ ''......''اس کو نوچتے ہیں، اس کو کاٹتے ہیں یہاں تک کہ حساب کا دن قیامت قائم ہوگی۔

''قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن القبر روضة من ریاض الجنة أو حفرة من حفر النار'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

''......ابن عباسؓ یقول: أخبرنی عمرؓ بن الخطاب قال: دخلت علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذاهو متکئ علیٰ رملِ حصیر......'' الخ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر داخل ہوا، دیکھا کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، ایک چٹائی کے اُوپر جو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ پس میں نے دیکھا کہ اس کے نشان آپؐ کے پہلو میں اثر کر گئے تھے، اس کے بعد لمبا قصہ ہے۔ جس میں حضورؐ نے حضرت عمر کے جواب میں فرمایا کہ: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے؟

> ''......عمرو بن عون وهو حلیف بنی عامر بن لؤی وکان شهد بدراً مع رسول الله صلی الله علیه وسلم، أخبره ان رسول الله صلی الله علیه وسلم بعث أباعبیدة بن الجراح فقدم بمال من البحرین فسمعتُ الأنصار بقدوم أبی عبیدة، فوافوا صلاة الفجر مع رسول الله صلی الله علیه وسلم''

عمرو بن عون جو حلیف ہیں بنی عامر کے اور یہ بدر میں شامل ہوئے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تھا، وہ بحرین سے بہت سارا مال لے کر آئے، انصار نے سنا کہ ابوعبیدہؓ آگئے ہیں تو آ گئے فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (یعنی اپنے اپنے محلوں میں پڑھنے کی بجائے مسجد نبوی میں

پہنچ گئے کہ آج مال آگیا ہے۔)"......فلما صلیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم......"الخ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر رخ پھیرا اور دیکھا تو تبسم فرمایا اور فرمایا کہ: مَیں گمان کرتا ہوں کہ تم نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ آگئے ہیں۔"قالوا: أجل یارسول الله!......" یعنی تمہیں دنیا کی فکر نہیں، امید رکھو اللہ سے، ملے گی، خطرہ دنیا کے نہ ملنے کا نہیں، بلکہ خطرہ یہ ہے کہ دنیا تمہیں زیادہ ملے گی اور اس میں ایسے لگ جاؤ گے جیسے پہلے لوگ لگے تھے، وہ بھی ہلاک ہوئے، تم بھی اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔ ☆☆

مولانا مفتی شعیب عالم صاحب

''کاروڑ'' کا گل سرسبد

دریائے سندھ اور ڈیورنڈ لائن کے درمیان کا علاقہ پاکستان کا سرحدی اور قبائلی علاقہ کہلاتا ہے۔ دریائے سندھ تو مشہور و معروف دریا ہے، جبکہ ڈیورنڈ لائن وہ خطِ فاصل ہے جو برطانوی حکومت کی ایماء پر ہندوستان کو افغانستان سے متمیز کرنے کے لئے کھینچا گیا تھا، اس خط کی وجہ سے وہاں کی مقامی آبادی پاک اور افغان دو حصوں میں بٹ گئی ہے، مگر قبائل نے زمین کی تقسیم کو دلوں کی تقسیم کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔

سیاسی لحاظ سے سرحدی صوبہ یعنی خیبر پختونخوا دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک تو آزاد قبائل کا علاقہ ہے جو مالاکنڈ، مہمند، کرم اور شمالی و جنوبی وزیرستان وغیرہ ایجنسیوں پر مشتمل ہے اور دوسرا زیرِ قانون علاقہ ہے جیسے ہزارہ، مردان، پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ، اس کے علاوہ کچھ پٹیاں ہیں جو انتظامی ضروریات کے تحت زیرِ قانون اضلاع کے ماتحت ہیں، انہیں ہم نیم قبائلی علاقے کہہ سکتے ہیں۔

ہزارہ ڈویژن جو دریائے سندھ کے مشرق میں واقع ہے اور جہاں سرکار کی عمل داری ہے، اس سے ملحقہ ایک نیم قبائلی علاقہ ہے جو ''کالا ڈھاکہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہمارے ممدوح محبوب اور راہِ حق کے شہید مفتی صالح محمدؒ کا تعلق اسی سرزمین سے تھا۔ یہ علاقہ صدیوں سے آزاد اور خودمختار چلا آ رہا تھا، قبائلی روایات اور طرزِ معاشرت کو اس نے من و عن محفوظ رکھا تھا اور یہاں کے باشندے اپنے نزاعات کا تصفیہ شریعت اور مقامی رسم و رواج کے مطابق کیا کرتے تھے۔ اس علاقے کی تاریخ بتاتی ہے کہ سکھ یہاں اپنا تسلط نہیں جما سکے، مغل بھی اسے زیر نہ کر سکے اور انگریز کو بھی یہاں لاشیں چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب یہ علاقہ باقاعدہ حکومتِ پاکستان کا حصہ بن چکا ہے اور مقامی آبادی چونکہ پشتون اکثریت پر مشتمل ہے، اس لئے ان کی زبان کی رعایت سے اس کا نام ''تورغر'' رکھا گیا ہے۔ تذکرہ اور تاریخ کی کتابوں میں اسے ''کوہ سیاہ'' اور تبلیغی جماعت کے عرف میں اسے ''بیت

السلام'' کہا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر کے علاوہ سب کا مطلب تورغر یعنی کالا پہاڑ ہے۔ ''تسمیۃ الکل باسم الجزء'' درسی زبان کی ایک مشہور اصطلاح ہے، ورنہ مجموعی لحاظ سے یہ علاقہ سبز پوشاک اوڑھے رہتا ہے، جو پہاڑ قد میں اونچے ہیں وہ موسم سرما میں سَروں پر سفید عمامے سجالیتے ہیں۔ گرمیوں میں جب سورج تپتا ہے تو اس کی گرم شعاعیں ان پہاڑوں پر جلتی آگ کا منظر پیش کرتی ہیں۔ ان ہی پہاڑوں کے درمیان چٹانوں سے ٹکراتا، شور مچاتا اور بل کھاتا ہوا دریائے سندھ بہتا ہے جو پاکستان کا عظیم آبی ذخیرہ، زرعی حیات کا ضامن اور پرشکوہ تہذیبوں کا محافظ ہے، جس کی قدامت، وجاہت اور عظمت نے ہر دور کے شعراء، قلمکاروں اور دانشوروں سے خراج تحسین وصول کیا ہے۔

دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر تاتاری نسل کے ہندو حکمراں چلے آتے تھے۔ ایک طرف مداخیل اور دوسری طرف امازئی آباد تھے۔ حضرت اخون سالاک کابل گرامیؒ جو سترھویں صدی کے بزرگ گزرے ہیں ان کی جہادی مہم کے نتیجے میں یوسف زئی قبیلے نے اُن ہندوؤں کو یہاں سے بے دخل کیا۔ اب زمانہ موجودہ میں دریا کی مشرقی سمت پر حسن زئی، چغرزئی، بسی خیل اور نصرت خیل آباد ہیں اور مغربی جانب امازئی اور مداخیل کی آبادیاں ہیں۔ مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اسی مداخیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

عربوں میں جس طرح قومیت اور خاندان کا شاخ در شاخ سلسلہ ہے اور اتحادِ نسب کا بعید ترین تعلق ''شعب'' سے ظاہر کیا جاتا ہے اور آخری اور قریبی حلقہ ''اسرۃ'' اور ''عائلۃ'' ہے اور درمیان میں اوپر سے نیچے آتے ہوئے شعب کے بعد ''قبیلہ'' پھر ''عمارۃ'' پھر ''بطن'' پھر ''فخذ'' اور پھر ''فصیلہ'' ہے، اسی طرح قبائلی بھی ایک پیچ در پیچ اور شاخ در شاخ خاندانی سلسلے میں منقسم ہیں۔ پہلے قوم ہے، پھر قبیلہ ہے، پھر خیل ہے، پھر خاندان ہے اور خاندان گھرانوں میں تقسیم ہے۔ مفتی صاحب پشتونوں میں یوسف زئی اور یوسف زئیوں میں مداخیل اور مداخیل کی شاخ حسن خیل اور اس کی شاخ مندامانہ اور مندامانہ کی شاخ موسیٰ خیل سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کے گاؤں کا نام ''کاروڑ'' ہے، جو کہ اصل میں ''کہروڑ'' تھا اور ایک ہندو کا نام تھا، مگر امتدادِ زمانہ سے کاروڑ ہو گیا، اسی نسبت سے آپ کاروڑی لکھتے اور کہلاتے تھے۔ یہ گاؤں تقریباً پانچ سو

گھرانوں پر مشتمل ہے اور بجلی، گیس، ٹیلیفون، سڑک اور ہسپتال جیسی ضروری اور بنیادی سہولیات سے محروم ہے۔ ٹیبل نما پہاڑوں پر واقع ہونے کی وجہ سے گاؤں تک چڑھنے کا راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ضروریاتِ زندگی سر پر اٹھا کر یا جانوروں پر لاد کر اوپر پہنچائی جاتی ہیں۔ اسی پسماندہ اور دور افتادہ گاؤں میں داداخان بن مقتدر خان کے گھرانے میں جس بچے نے آنکھ کھولی، اسی کا نام صالح محمد ہے۔ آپ کی دو بہنیں ہیں اور تینوں بھائیوں میں آپ منجھلے تھے۔ دو بیوائیں، دو بیٹے اور تین بیٹیاں آپ نے سوگوار چھوڑی ہیں۔

شہید مفتی صاحبؒ کا گاؤں دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے۔ اردگرد کا ماحول انسانی مزاج کی تشکیل اور سیرت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک طاقتور عامل سمجھا جاتا ہے جو انسانی خدوخال سے لے کر اس کی طرزِ معیشت و معاشرت اور جذبات وخیالات تک کو متاثر کرتا ہے۔ مفتی صاحب کی طبیعت میں اس عامل کا گہرا اثر پایا جاتا تھا۔ دریائے سندھ میں تموج اور تلاطم رہتا ہے تو اس کے فرزند کی زندگی میں بھی ایک ہیجان اور اضطراب تھا، یہ ریگ زاروں کو گلزاروں میں بدلتا ہے تو اس کے سپوت کا مشن بھی بنجر اور سوختہ زمینوں کو لہلہاتے سبزہ زاروں میں تبدیل کرنے کا تھا، اس کی تند و تیز موجیں پہاڑوں سے سر ٹکرا کر آگے بڑھتی ہیں تو اس کا بیٹا بھی کسی خارجی سہارے کے بغیر محض اپنی فطری لیاقت اور ذاتی صلاحیت کے بل بوتے پر آگے بڑھا تھا۔ اے دریا...! اگر تجھ پر زرعی حیات کا انحصار ہے تو ان پر روحانی حیات کا مدار تھا، تو اگر تہذیبی اور تمدنی روایات کا امین ہے تو وہ دینی اقدار اور نبوی علوم کا محافظ تھا، چٹانیں کھسک کر تیرے پیندے میں آ گرتی ہیں، مگر تو اپنا راستہ تبدیل کرتا ہے، نہ ہی تیرا ہیجان اور روانی متاثر ہوتی ہے، پھر تعجب کیا ہے کہ تیرے بیٹے نے مخالف بادِ مخالف اور نا مساعد حالات کو کبھی اہمیت نہیں دی، یہ سبق تیرا ہی سکھایا ہوا تھا، اگر وہ کشادہ دل اور وسیع الظرف تھے اور سب کے لئے سینے میں جگہ رکھتے تھے تو تیرا معاون دریاؤں کو سینے سے لگانا اور انہیں دامن میں بھر کر بہنا کیا معنی رکھتا ہے؟، تو تبت سے نکل کر بحیرہ عرب میں اپنا وجود گم کر دیتا ہے، اگر انہوں نے اپنی ہستی مٹا دی اور جان جاں نثار کر دی تو یہ خصلت تیری بدولت ان کی فطرت میں ودیعت تھی۔

دریا کو بہنے اور پھیلنے کے لئے وسیع رقبہ چاہئے تو دریا صفت انسان کو بھی کام کا وسیع میدان

چاہئے ہوتا ہے۔ پانی پڑے پڑے گدلا ہو جاتا ہے، مشینری زنگ آلود ہو جاتی ہے، صلاحیت بھی اگر آزمائی نہ جائے تو مرجھا جاتی ہے۔ مفتی صالح محمد جس قوم اور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ان کے مزاج میں انفرادیت پسندی ہے، دنیا سے ان کا ربط وضبط کم ہے اور پہاڑوں نے انہیں باقی دنیا سے الگ تھلگ رکھا ہے، وہ ان پہاڑوں کو شدت سے چاہتے ہیں، اپنے حال پر نازاں، ہمہ دم فرحاں اور سدا بہار شاداں رہتے ہیں۔ بعض قبائلی بوڑھے ایسے ہیں جنہوں نے آج تک اپنے علاقے سے باہر قدم نہیں رکھا ہے، ان باتوں کا تقاضا تھا کہ آپ تمام عمر بے نام اور گمنام رہتے اور آپ کو اپنی فطرت میں ودیعت صلاحیتیں آزمانے کا موقع ہی نہ ملتا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا اور آپ کو اس نعمت سے نوازا جس کا احسان اس نے خاندانِ یوسف علیہ السلام پر یہ کہہ کر جتلایا ہے کہ ہم تمہیں دیہات سے لے آئے ''وجاء بکم من البدو''۔ (یوسف:۱۰۰)

دیہات سے شہر آنے کا حقیقی سبب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، مگر اس کا ظاہری سبب وہ رسم ہے جو صدیوں سے قبائل میں رائج ہے اور ابتدائی اسرائیلی عہد کی یادگار ہے، جس کے تحت قبیلہ اور اس کے تحتی افراد کے درمیان وقتاً فوقتاً زمین کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ رسم ''ویش'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پسِ پشت فلسفہ یہ ہے کہ ہر خاندان اور خاندان کا ہر فرد کچھ عرصے کے لئے بہترین زمین سے متمتع ہو سکے، تاکہ اقتصادی قوت کے بل بوتے پر سیادت کے ارتقا کو روکا جا سکے۔ گویا زمین کی عارضی تقسیم کا نام ''ویش'' ہے۔

قبائل جب ان زمینوں پر پہنچے تھے تو انہوں نے زمین کی تقسیم کا یہ منصفانہ نظام وضع کیا تھا، اس نظامِ اراضی کے تحت تقریباً آدھی زمین شاملات یعنی مشترکہ چراگاہ کے طور پر چھوڑی گئی اور بقیہ تمام خیلوں میں برابر تقسیم کر دی گئی اور خیل کا حصہ اس کے مختلف خاندانوں میں بانٹ دیا گیا۔ وراثتی نظام کے تحت پشت در پشت منتقلی اور خاندان کے پھیلاؤ اور ان میں تقسیم کی وجہ سے فرد کا حصہ اتنا قلیل رہ گیا کہ گزر اوقات اس پر مشکل ہو گئی، نتیجۃً قبائل کے افراد ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ عموماً یہ تبادلے بلاکشت وخون ہوتے ہیں اور کبھی زمین اور چراگاہوں کے ساتھ رہائش گاہیں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں۔ دس پندرہ سال قبل حسن زئی قوم میں اسی قسم کی تقسیم ہوئی تھی۔ اس رسم سے کمال واقفیت مفتی

صاحب کے لئے اراضی اور شاملات کے متعلق نزاعات کے تصفیے میں بہت آسانیاں پیدا کرتی تھی۔

بہر حال ہجرت کی وجہ جو بھی ہو، مفتی صاحب پانچ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ کراچی منتقل ہوئے۔ اولین رہائش نرسری کے علاقے میں ایک ڈیرے میں تھی، اسی علاقے میں تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی، آپ کے والد کا بیان ہے کہ میں موم بتی کی روشنی میں انہیں پڑھایا کرتا تھا۔ نرسری سے آپ قصبہ کالونی منتقل ہوئے اور مدرسہ اشاعت القرآن میں ناظرہ پڑھنا شروع کیا، قاری سلطان عمر صاحب دینی علوم میں آپ کے اولین استاد ہیں، اس کے بعد جامعہ ربانیہ میں ثانیہ تک کی کتب پڑھیں، اس دوران آپ کی والدہ ماجدہ بھی گاؤں سے کراچی تشریف لے آئیں۔ چھٹیوں میں دورہ تفسیر کے لئے شاہ پور چلے گئے اور ارادہ سوات میں درس نظامی کی تکمیل کا تھا، مگر والد صاحب راضی نہ ہوئے اور بادل نخواستہ کراچی واپس آنا پڑا۔ رابعہ تک مخزن العلوم بنارس میں پڑھا اور خامسہ سے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۹۳ء میں سند فراغت حاصل کی، جامعہ کے استاد اور جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے امام مولانا سید یوسف حسن طاہر الحسینی اور جامعہ کے مدرس مولانا قاری زبیر احمد صاحب اور مولانا عزیز الحق صاحب (حال مقیم برطانیہ) آپ کے ہم درس اور ہم سبق رہے ہیں۔ جامعہ ہی سے مفتی نظام الدین شامزئیؒ شہیدؒ اور مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ العالی کے زیر سایہ افتاء کی مشق کی اور تخصص کی سند حاصل کی۔ آپ کی تشنگی دوسالہ تخصص سے دور نہیں ہوئی، اس لئے چار سال مزید فتوی نویسی کی مشق کے لئے آتے رہے، حالانکہ حضرت قاری ضیاء الحق صاحب کے مدرسے جامعہ تعلیم القرآن متصل الفلاح مسجد میں بہ حیثیت مدرس آپ کا تقرر ہو چکا تھا۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزئیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''لڑکے صرف فاضلِ وفاق ہونے کو کافی سمجھتے ہیں اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ دنیا ان کی قدر نہیں کرتی''۔ یہ فرمانے کے بعد روئے سخن مخاطبین کی طرف کر کے فرماتے تھے: ''تم اپنے اندر کمال پیدا کرلو اور پھر آبادیوں سے دور نکل جاؤ اور کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ جاؤ، دنیا تمہیں وہاں بھی ڈھونڈ نکالے گی، المیہ یہ ہے کہ لوگ کمال اور صلاحیت پیدا کئے بغیر دنیا سے ناقدری کی شکایت کرتے ہیں۔'' یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ جوہر شناس نگاہوں

اور کمال کی قدر دان شخصیتوں سے آپ اوجھل رہ جاتے، اس لئے ۱۹۹۸ء میں جامعہ کے دارالافتاء میں بہ حیثیت مفتی آپ کا تقرر عمل میں آیا۔

جامعہ میں خدمتِ افتاء کے ساتھ آپ جامعہ درویشیہ میں تخصص کے نگراں اور مشرف تھے اور وہاں دورہ حدیث میں ترمذی شریف کا درس بھی آپ کے سپرد تھا، اس کے علاوہ جامعہ احیاء العلوم پیر کالونی بھی ایک آدھ گھنٹے کے لئے تشریف لے جاتے۔ شہادت کے سال جامعہ میں اصول فقہ کی کتاب نورالانوار آپ کے زیر تدریس تھی۔

حضرت شہیدؒ نام کی بجائے کام اور دعووں سے زیادہ عمل پر یقین رکھتے تھے۔ آپ کی باتوں میں تو تقریر کا زور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر نہیں آتا تھا اور زبان میں بھی کسی قدر علاقائیت کی جھلک تھی، جس کی بناء پر آپ کی حقیقی شخصیت پردہ خفاء میں رہتی اور نو وارد آپ کے متعلق درست رائے قائم کرنے میں غلطی کر جاتا تھا، مگر آپ کے ہاں عملیت تھی اور بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ کے اسی کی دنیا کو ضرورت ہے ورنہ دلکش نعروں، بلند بانگ دعووں، میٹھی میٹھی باتوں، مؤثر تمثیلوں اور دل آویز حکایتوں کی یہاں کمی نہیں۔ آپ کی اسی عملیت پسندی کا نمونہ آپ کی قائم کردہ جامع مسجد نور اور اس سے ملحقہ جامعۃ النور الاسلامیۃ ہے۔ مدرسے میں سات سو کے لگ بھگ بچے حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں جس میں اَسّی (۸۰) کی تعداد سایۂ پدری سے محروم یتیم بچوں کی ہے۔ خود آپ کی زندگی عسرت اور تنگی میں گزری ہے، جس کی ایک وجہ قلیل پر قناعت اور نزاع کے خوف سے اپنے حق سے دستبرداری بھی ہے۔ شہادت سے کچھ ہی عرصہ قبل قرض کے بار سے سبکدوش ہوئے تھے، مگر ان بچوں کے لئے آپ کے ہاں بہت کچھ تھا، خود ان کے دروازے پر جا کر ان کو ضروریات مہیا کرتے تھے۔ نجی مجلس میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مکتب اور مدرسے اور ان معصوموں کی بدولت اللہ تعالیٰ سے نرمی کی امید ہے۔ اسی جذبے کے تحت آپ نے ایک مطلقہ سے عقد ثانی فرمایا تھا اور اس کے پہلے شوہر سے بچے بھی اپنے زیر کفالت اور زیر تربیت لے لئے تھے۔

عام زندگی میں آپ سادگی پسند اور جفاکش دکھائی دیتے تھے۔ طبیعت کے ہنس مکھ اور خوش مزاج تھے۔ قد درمیانہ، بدن ٹھوس اور جسم چست و چابک تھا جس کی وجہ وہ ماحول تھا جس میں محنت اور

جفاکشی کے بغیر گذارا مشکل ہے۔محنت اور غیرت،خودداری اور خوداعتمادی آپ کے خون میں شامل تھی۔اپنی دنیا کے آپ بادشاہ اور دوسروں کی بے جا اطاعت سے نا آشنا تھے۔اپنے کام میں مگن،اردگرد کی غیر تعلیمی سرگرمیوں سے لاتعلق اور نمایاں ہونے کے شوق سے قطعاً نابلد تھے۔میلے ٹھیلوں اور غیر ضروری بکھیڑوں میں الجھنے کی آپ کو فرصت نہ تھی۔ بڑوں سے مؤدبانہ،رفقاء سے دوستانہ اور چھوٹوں سے مشفقانہ اور خیر خواہانہ رویہ رکھتے تھے،وقت کے پابند تھے،سردی ہو یا گرمی،حالات پر امن ہوں یا گولیوں کی گھن گرج ہو،مفتی صالح محمد اپنی نشست پر موجود ہوتے تھے۔گھریلو کام خود انجام دینے کے عادی تھے،پچاس کلو کی بوری خود ہی اٹھا کر گھر لایا کرتے تھے۔اپنا ذاتی مکان تعمیر کیا تھا جس کا نقشہ،کٹنگ،شیٹرنگ اور مہارت کے متقاضی تمام کام خود انجام دیئے تھے،صرف تعمیری سازوسامان کے لانے،اٹھانے،ملانے وغیرہ کے کام اجرت پر کرائے تھے۔رات کے اوقات میں ایک ماربل فیکٹری میں تشریف لے جاتے،وہاں کے منتظم کریم صاحب کا بیان ہے کہ اپنی ذکاوت اور ذہانت کی بدولت مفتی صاحب کچھ ہی عرصہ میں نوے فیصد کام جان گئے تھے۔اہل علاقہ اور آپ کے درمیان کوئی فاصلے نہیں تھے۔تخصص کے جو طلبا فارغ ہو کر جا چکے ہیں،وہ مسلسل آپ سے ربط میں رہتے تھے اور آپ ان کی معاونت اور رہنمائی فرماتے اور انہیں مفید مشوروں سے نوازتے تھے،شام کے اوقات میں اسی وجہ سے آپ کا فون بہت مصروف ملتا تھا،منٹوں اور سیکنڈوں کو مادیت کے ترازو میں تولنے والی ذہنیت کے نزدیک آپ کا یہ عمل اوقات کا ضیاع تھا،مگر جس کا مقصد ہی ہمہ وقت خیر کا فیضان ہو اس کے لئے یہ باتیں بے معنی تھیں۔

جو علمی سرمایہ آپ نے یادگار چھوڑا ہے ان میں فقہ کی مشہور کتاب ''کبیری'' پر آپ کے تعلیقات اور اضافہ عنوانات ہیں۔مرحوم شہید اپنی حیات میں اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے،اللہ کرے زیور طبع سے آراستہ ہو جائے۔کبیری پر کام کا آغاز دوران حج حرمِ مدنی میں کر لیا تھا۔کفایت المفتی اور فتاوی رحیمیہ آپ کی تخریج شدہ متداول ہیں۔فتاوی دارالعلوم دیوبند کو ابواب پر مرتب کیا تھا۔فتاوی محمودیہ پر کسی قدر کام کیا تھا،مگر کسی عارض کے سبب سے روک دیا تھا۔سب سے اہم استنساخ (کلوننگ) کے موضوع پر آپ کی کتاب ہے،جو اپنے موضوع پر نہایت قیمتی معلومات،پر مغز تبصروں اور جدید طبی اصولوں کے

بیان پر مشتمل ہے۔کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ مواد کے جمع کرنے میں غیر معمولی محنت اٹھائی گئی ہے۔کسی کو ان کی آراء اور قائم کردہ فیصلوں سے اختلاف ممکن ہے،مگر وہ مؤلف کی تحقیق اور دلائل کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔اس موضوع پر اردو زبان میں اس سے بہتر،معلومات آفریں اور محققانہ کتاب شاید ہی کوئی ہو۔لطف کی بات یہ ہے کہ یہ تمام کام فراغت کے بعد ابتدائی یا زیادہ سے زیادہ درمیانی سالوں کا ہے،آخری سالوں میں کچھ لکھنے لکھانے کا سلسلہ متروک تھا،حالانکہ تحقیق وتصنیف کا ذوق رکھتے تھے،قلم وقرطاس سے تعلق کے انقطاع پر حزین تھے اور اپنے علمی منصوبوں کی عدم تکمیل کا حسرت سے ذکر کیا کرتے تھے۔تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ جاری کیوں نہ رہ سکا،رفتار کم بلکہ ختم کیوں ہوئی؟اب اس کا ذکر فائدہ تو کوئی نہیں رکھتا،البتہ غم میں مزید اضافے کا سبب ضرور ہے۔

فقہ کے علاوہ سیاست اور اس کا خاص باب بین الاقوامی تعلقات آپ کا پسندیدہ موضوع تھا۔اس موضوع پر گفتگو کے وقت معلوم ہوتا تھا کہ کسی یونیورسٹی میں آئی آر کا پروفیسر اس موضوع پر لیکچر دے رہا ہے۔خطے کی صورت حال،داخلی حالات اور مستقبل کے امکانات پر اپنی مخصوص رائے رکھتے تھے۔اقوام عالم میں افغان قوم کے متعلق اقبال کے نظریے''افغان باقی کہسار باقی'' سے متفق تھے۔ پاکستانی قوموں کی عادات وخصائص اور ان کی اصل ونسل کو بیان کرتے ہوئے شاخ درشاخ تقسیم کرکے بالکل تحتانی درجے تک پہنچ جاتے تھے۔کسی مبالغہ اور رنگ آمیزی کے بغیر بعض قوموں کے متعلق اتنی واقفیت رکھتے تھے کہ وہ خود اپنے آپ کے متعلق بھی اتنا نہیں جانتی ہوں گی۔

ان سطور کی تحریر کے وقت مفتی صالح محمدؒ کی شہادت کو ایک مہینے سے زائد ہو گیا ہے،مگر دل اب بھی اسے ایک حقیقتِ واقعہ کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں ہے اور کیسے تسلیم کرلے جبکہ جذبات سے عاری اور داخلی احساسات سے خالی بے جان اشیاء میں بھی صرف جسمانی قربت سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور ایک کے الگ کرنے سے دوسرا مزاحمت کرتا ہے،انسان تو پھر انسان ہے،سینے میں دل اور دل میں جذبات رکھتا ہے۔ہم زبان کو شہداء کی یاد سے بند رکھیں یہ تو طاقت میں ہے مگر دل پر کس کا زور چلتا ہے اور سوچ پر کیسے پہرے بٹھائے جاسکتے ہیں؟جبکہ پورا کا پورا ماحول ان کی یاد دلاتا ہے، جب ان کی نشست کی طرف نگاہ اٹھتی ہے تو چشم تخیل میں وہ بیٹھے نظر آتے ہیں،لوگوں کا مجمع ان کے

اردگرد لگا ہوا ہے ،زبانی دریافت کرنے والے سامنے جبکہ تحکیم کے لئے تشریف لانے والے ٹولیاں بنائے انتظار میں بیٹھے ہیں، ہجوم اتنا ہے کہ برابر میں استاذ محترم مفتی عبدالقادر صاحب کو اپنی نشست تک پہنچنے میں دقت ہورہی ہے، آوازیں اتنی بلند ہورہی ہیں کہ رفقاء کا کام متاثر ہورہا ہے اور انہیں بار بار آواز پست رکھنے کی تلقین کی جارہی ہے، فون ابھی رکھا نہیں کہ دوبارہ بجنے لگتا ہے، دائیں طرف خواتین پردے میں اپنا دکھڑا سنارہی ہیں تو سامنے کاغذات کا ڈھیر لگا پڑا ہے، کچھ فتاوی دستخط کے منتظر تو کچھ تصحیح طلب، طلبہ کچھ کاغذ اٹھاتے ہیں اور اس سے زیادہ رکھ دیتے ہیں، اس دوران پوچھنے والے کو جوابات، طلبہ کو ہدایات اور سامنے کاؤنٹر والوں کو احکامات دیئے جارہے ہیں۔

اس قدر کام کا دباؤ کہ ذھن ماؤف اور اعصاب جواب دے جائیں اور انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دور نکل جائے، مگر وہ اللہ کا بندہ نہ تھکتا ہے نہ ضبط نفس کھوتا ہے اور نہ مزاج میں کوئی چڑچڑاپن پیدا ہوتا ہے، زیر تربیت طالب علم کی کسی فحش غلطی کی وجہ سے اگر تھوڑی دیر کے لئے طبیعت میں کوئی جھنجھلاہٹ پیدا بھی ہوتی ہے تو فوراً اس پر قابو پالیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ذہنی اور دماغی کام خصوصاً فتوی نویسی جیسی نازک اور حساس ذمہ داری پرسکون علمی ماحول چاہتی ہے، مگر وہ یہاں مفقود ہے جس کی وجہ وہی کثرت سے لوگوں کی مراجعت ہے۔ مفتیان کرام کتابوں کے درمیان براجمان ضرور ہوتے ہیں، مگر کام کے اوقات میں ان کتابوں کو چھونے کی نوبت کم ہی آتی ہے، صرف سابقہ تجربات اور پچھلی معلومات کے سہارے کام چلانا پڑتا ہے۔

فتویٰ ایک طرح کی نیم عدالتی کاروائی ہے۔ مفتی عدالتی کارروائی میں مدد دیتا ہے۔ اس طرح کی نیم عدالتی کارروائی میں صورت حال اس وقت بہت نازک ہوجایا کرتی ہے جب فریقین غصے سے مغلوب ہوجاتے ہیں، پہلے تو صرف آوازیں بلند ہوتی ہیں، پھر گالم گلوچ شروع ہوجاتی ہے اور بالآخر ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، مگر مفتی صاحب ایسے ماحول کا ذرا برابر اثر نہیں لیتے تھے، ان کا ذہن مسلسل اپنے ہدف پر مرکوز رہتا تھا۔

قبائلی علاقوں کے سوالات خاص دلچسپی سے آپ حل کرتے تھے، جس کی وجہ ان کے ماحول، رسم ورواج اور عرف وعادات سے آپ کی واقفیت تھی۔ بدل، ننواتی، شرمالہ، تور، توئی، ولیش، جغ

وغیرہ رسومات سے اور میاں، آستانے دار، ملا، تورے دار وغیرہ اقوام کی تقسیم سے ایسے واقف تھے جیسے پوری زندگی ان ہی کے درمیان گزری ہو۔ میں تو صرف یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا تھا کہ آپ مختلف بولیاں سمجھتے کیسے ہیں؟۔ مہینے ڈیڑھ پہلے ایک سوال آیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ ''کفارت'' کے روزے رکھوں گی، آپ نے جواب میں دو مہینے مسلسل روزے رکھنا تحریر کیا، اس پر کچھ اختلاف رائے ہوا، طے یہ ہوا کہ عرف کی تحقیق کی جائے، جب ایسا کیا گیا تو حقیقت وہی نکلی جو آپ نے تحریر کی تھی۔ کسی جرگے کا فیصلہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تو اس نظر سے دیکھتے کہ آیا جرگے نے حق و باطل اور جائز ناجائز کا فیصلہ کیا ہے یا صرف صورتحال کو پر امن رکھنے کی کوشش کی ہے یا صرف قبائلی روایات بیان کر کے مسئلہ نمٹا دیا گیا ہے۔

کسی سوال کے جواب میں جب ضرورت محسوس کرتے وضاحت طلب کرتے، مگر انداز ایسا اختیار کرتے تھے کہ سوال کا منشا ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، جس سے سائل آپ کے ذہن کو پڑھنے سے قاصر رہتا تھا۔ نو آموز لوگ تنقیح لیتے ہوئے جواب بھی سمجھا دیتے ہیں اور جواب معلوم ہونے کے بعد لوگ اسی کے مطابق وضاحت دیتے ہیں۔ دیانت عام ہوتی تو ایسا کرنے میں حرج نہیں تھا، مگر جس کرپٹ معاشرے میں ہم جی رہے ہیں اس میں تنقیح کے ضمن میں اصل مسئلہ بتا دینا لوگوں کے حقوق ضائع کرنا ہے۔ مدعی یا مدعی علیہ پر بھی اگر فیصلے سے پہلے فیصلے کے آثار ظاہر ہو جائیں تو وہ فیصلے کے ڈر سے تاخیری حربے یا کارروائی کو سبوتاژ کرنے یا منصف بدلنے یا پھر کم از کم اس کی نیت پر شک کرنا شروع کر دیتا ہے۔

مفتی صاحب مرحوم تحکیم طلب مسائل کی بھی سماعت فرمایا کرتے تھے، اس خدمت کو جس احسن طریقے سے انہوں نے نبھایا اس کی وجہ ''تنازعات کے تصفیہ'' کا وہ خداداد ملکہ تھا جو حق تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا تھا۔ ان کی یہ صفت ہمارے لئے باعث رشک اور ان کے لئے قابل فخر تھی۔ ظاہر میں یہ ایک وحدانی صفت ہے، مگر حقیقت میں کئی صفات کا مجموعہ ہے، مثلاً کسی تنازع کے حل کے لئے اولین شرط معاملہ فہمی ہے۔ مفتی صاحب اس قدر زیرک اور معاملہ فہم واقع ہوئے تھے کہ سرسری سی سماعت کے بعد مسئلے کی جڑ تک پہنچ جاتے تھے، مگر ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ تھا کہ فیصلہ واضح

ہو جانے کے باوجود اسے جلد صادر نہیں فرماتے تھے، بلکہ حتی الامکان صلح وصفائی اور مصالحت کی کوشش کرتے تھے، فریقین کو بار بار اس کا موقع دیتے تھے، اس سلسلے میں وقت کا سوال ان کے نزدیک غیر اہم تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ اہل معاملہ گلے مل کر اور خنداں وفرحاں ان کے پاس سے رخصت ہوتے تھے۔

ثالث کا کردار ادا کرتے وقت الفاظ سے زیادہ معانی اور تعبیر سے زیادہ مقصود پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ بعض لوگ دعویٰ لے کر آتے ہیں، مگر ان کا مقصد کسی نئے حق کا حصول نہیں، بلکہ اپنے موجودہ حقوق کو مدعی علیہ کی مداخلت سے محفوظ کرنا ہوتا ہے، گویا وہ اقدام کے پردے میں دفاع چاہتے ہیں، مگر صاف لفظوں میں اس کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ کبھی مدعی کا ظاہری دعویٰ کچھ ہوتا ہے، مگر اصل مطلوب کچھ اور ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اپنی طلاقت لسانی اور زور بیانی سے منصف کا ذہن متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ایسی کوئی کوشش یا چالاکی ان کے سامنے کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ سماعت کے خاتمے پر جو فیصلہ تحریر فرماتے تھے، اس میں واقعات کا خلاصہ، فیصلہ طلب امور، متنازع امور کا فیصلہ، فیصلہ کی وجوہات اور شہادات وغیرہ سب کا بیان ہوتا تھا، ایک عدالتی فیصلے کی پوری روح اور حقیقت اس میں موجود ہوتی تھی، صرف اصطلاحات کا بیان رہ جاتا تھا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تحکیم کے شعبہ کو وسعت دی جائے اور اسے ایک منظم ادارے کی صورت میں سامنے لایا جائے، زمانے کو اس کی ضرورت ہے، شریعت اسے تسلیم کرتی ہے، دور نبوت میں اس کا ثبوت ملتا ہے، قضاء کا یہ اہم باب ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں، عکاظ کے میلے میں نزاعات کو فیصل کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوا کرتے تھے۔ خود ہمارے ہاں قانون ثالثی کے نام سے جو قانون رائج ہے، اس کی رو سے اگر جانبین یہ معاہدہ کرلیں کہ ہم آپس میں پیدا شدہ تنازع کا فلاں سے فیصلہ کرائیں گے تو تمام عدالتوں کا اختیار سماعت ختم ہو جاتا ہے، مگر بدقسمتی یہ ہے کہ قانون ثالثی وہی قانون ہے جو پورا کا پورا انگلستان کا ہے اور اٹھا کر یہاں نافذ کر دیا گیا ہے۔ ساٹھ سال میں ہم اس میں کوئی ترمیم بھی نہیں کر سکے ہیں اور جہاں کی ہے وہاں اسے بہت الجھا دیا ہے۔ اگر تنازعات کے تصفیہ کے اس متبادل نظام کو منظم اور مرتب کیا جائے تو یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ لوگ مروجہ عدالتی نظام سے مایوس ہو چکے ہیں، ضرورت پڑنے پر بھی عدالت کا

سہارا لینا پسند نہیں کرتے ہیں، کیونکہ وہاں وقت اور پیسہ بہت خرچ ہوتا ہے، نظام طویل اور پیچیدہ ہے اور یہاں کے کلچر اور ثقافت کے خلاف ہے، نتیجہ یہ ہے کہ دیوانی مقدمے کے بعد فوجداری مقدمہ شروع ہو جاتا ہے اور ایک مرتبہ عدالت جانے کے بعد پھر وہاں سے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ گورنمنٹ قانون پر قانون بناتی ہے، مگر اصل مسئلہ قانون کی روح کے مطابق اس پر عمل درآمد کا ہے، قانون بذات خود اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت وہ ہاتھ رکھتے ہیں جو اسے نافذ کرتے ہیں، ایسے ہاتھ کرپٹ اور بدعنوان ہیں۔ بالائی عدالتوں میں کرپشن کم ہوئی ہے، لیکن عوام کا زیادہ تر واسطہ نچلی سطح کی عدالتوں سے پڑتا ہے۔ اگر کسی کے حق میں دعویٰ ڈگری ہو جائے تو اس کے بعد اہم مرحلہ اس کے نفاذ کا آتا ہے، یہاں آ کر کمزور بے بس ہو جاتا ہے، ایک بڑھیا کس طرح ایک طاقتور مافیا سے قبضہ چھڑا سکتی ہے؟ اور اگر نہیں چھڑا سکتی تو کاغذ کا وہ پرزہ اس کے کس کام کا ہے؟ ایک محترم جج صاحب کے بقول ہمارے ہاں انصاف پانے کے لئے عمر نوح، صبر ایوب، گنج قارون اور حیات خضر چاہئے۔

عدل وانصاف آسمانی کتابوں کا مقصد اور پیغمبروں کی تعلیم وتبلیغ کا حصہ رہا ہے، اس نظامِ عدل کا ایک جزء تحکیم بھی ہے اور تحکیم کے احیاء واصلاح کی ہمیں قدرت بھی ہے، اس لئے اس موضوع پر گفتگو ذرا طویل ہوگئی، ورنہ اصل مقصود تو مرحوم شہید کے طریقۂ انصاف کو بیان کرنا تھا۔ وہ انصاف کرتے تھے اس لئے ان کے ساتھ بھی انصاف ہوگا۔ یہاں اگر عدالتِ انصاف نہیں لگتی تو عن قریب ایک بڑی عدالتِ انصاف لگنے والی ہے، مفتی صالح کو وہاں کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ''لہو پکارے گا'' کا شاعرانہ تخیل اس دن حقیقت کا روپ دھارے گا اور وہی دن ہوگا جب صحیح معنی میں سینے کی جلن اور کلیجے کی تپش ٹھنڈی ہوگی۔

اس دنیا میں ہماری تسکین اور ہمت افزائی کے لئے شہید کے والد کے وہ وجد آفریں، ایمانی قوت سے بھرپور اور جذبۂ تسلیم ورضا میں ڈوبے ہوئے کلمات کافی ہیں جو انہوں جواں سال اور خون میں لت پت بیٹے کے لاشے کو دیکھ کر کہے تھے کہ ''مجھے فخر ہے کہ میرا بیٹا خاندان کا پہلا عالم تھا، خاندان کا پہلا مفتی تھا اور اب یہ اعزاز بھی مجھے حاصل ہوگیا ہے کہ میرا بیٹا اپنے خاندان کا پہلا شہید ہے''۔

☆☆......☆☆

مرتب کی اول کاوش (امام اہل سنت نمبر)......اکابر وعلماء کی نظر میں

استاذ المحدثین مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم:

آپ کی کتاب بہت پسند آئی، ماشاء اللہ بہت خوب ہے، بہت خوب ہے، بہت خوب ہے۔ بالخصوص آپ کا، آپ کے والد صاحب اور آپ کے بھائی احسن صاحب کا مضمون بہت ہی پسند آیا، دل سے آپ کے لیے بہت دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بہت بہت ترقی نصیب فرمائے۔ آمین

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائیں کہ آپ نے بڑی خدمت انجام دی۔ حضرت قدس سرہ پر ایسی خصوصی اشاعت کی بڑی ضرورت تھی، ماشاء اللہ آپ نے اتنی جلدی جس سلیقہ سے یہ نمبر شائع کیا ہے، اس پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد زرولی خان مدظلہ:

نمبر دیدہ زیب بھی ہے اور عناوین خاصے مربوط بھی ہیں اور اعلیٰ طباعت اور دیدہ زیب صنعت وکاریگری اس پر مستزاد۔ آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بڑھتا گیا۔

جانشین امام اہل سنت مولانا عبد القدوس خان قارن مدظلہ:

نوعمری کے باوجود عزیز نے انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اور مضامین حاصل کرنے میں کامیابی پائی، اکثر مضامین اس نے مجھے دکھائے جو کہ ''امام اہل سنت نمبر'' کے معیار پر پورے اترنے والے ہیں۔

استاذ العلماء مولانا قاری احسان الحق مدظلہ:

امام اہل سنت نمبر دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، دل سے آپ کے لیے بہت دعائیں نکلیں، حضرت قاضی (مظہر حسین) صاحب رحمہ اللہ کی غیرت کا پورا پورا عکس نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ ترقی سے نوازے۔

خطیب اسلام مولانا عبد الرؤف چشتی مدظلہ:

میں نے امام اہل سنت نمبر کی خوبصورت جلد بندی، شاندار کمپوزنگ، اعلیٰ ترتیب اور مضامین کی حسین تقسیم دیکھ کر آپ کو خوشی سے فون کیا کہ آپ کی محنت اور کاوش پر مبارک باد پیش کروں......

شیخ الحدیث مولانا قاری جمیل الرحمٰن مدظلہ:

امام اہل سنت نمبر دیکھ کر دلی خوشی ہوئی آپ نے حضرت امام اہل سنت کے مسلک وموقف کو مثبت انداز میں پیش کیا ہے، جس پر آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یقیناً حضرت کی روح مبارکہ کو بھی تسکین پہنچی ہوگی۔

حضرت مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی مدظلہ:

مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی زیرِ نظر کاوش نے اپنے مقاصد میں نہایت واضح اور شاندار کامیابی حاصل کی ہے اس پر تمام انتظامیہ قابلِ صد مبارکباد ہے۔ ؎ اللہ کرے حسنِ نظر اور زیادہ

مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی مدظلہ:

دینی صحافت میں ماہنامہ بھی نو وارد ہے اور خصوصی اشاعت کے مرتب بھی نوعمر......ایسے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ 902 صفحات پر مشتمل علمی و تحقیقی دستاویز کا منظر عام پر آجانا توفیقِ ایزدی کے ساتھ ساتھ حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی کرامت بھی ہے۔

حضرت مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہ:

عزیزم نے جس عمدگی، شستگی اور شگفتگی سے مضامین کا انتخاب کر کے موتیوں کو مالا میں پرویا ہے، وہ قابلِ صد لائق تحسین ہے۔ ہر مضمون کو اس کے معیار کے مطابق ایسی جگہ دی ہے کہ پڑھنے سے نہ دماغ تھکتا ہے، اور نہ ہی دل بھرتا ہے۔ عزیزم سرفراز حمزہ نے اپنے دادا جی کی مشکبار سیرت سے معاشرے کو چمکانے کی جو مبارک سعی کی ہے، اس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لکھنے والوں کی تحاریر میں تاریخ کی واقعیت، ادا کا حسن اور جذبے کی حدت، منتہائے کمال پر جا کر بایں طور ہم آہنگ ہوگئی ہے کہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی زندگی فی الواقع ایک عہد آفریں اور ہمہ جہت نظر آتی ہے۔ اور ایک عالم ربانی کی زمانے پر پرچھائیوں کا عجیب منظر سامنے آتا ہے، جگر مرادآبادی کیا خوب کہہ گئے ؎

جب عشق اپنے مرکز اصلی پہ آگیا خود بن گیا حسین، زمانے پہ چھا گیا

حضرت مولانا محمد شفیق احمد سلیم مدظلہ:

''امام اہل سنت نمبر'' حضرت الاستاذؒ کی حیات مستعار کے حسین لمحات اور زندگی کے خوبصورت چند گوشوں کی ایک، بہت ہی دلآویز دلکش اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ایک حسین و جمیل تصویر ہے۔

حضرت مولانا محبوب احمد مدظلہ:

امام اہل سنت نمبر کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی، آپ نے ماشاء اللہ خوب عرق ریزی، جفاکشی اور لگن سے اس شمارہ کی ترتیب و تدوین سرانجام دی ہے، فجزاہ اللہ احسن الجزاء. آپ کی محنت انتہائی قابل قدر اور قابل صد مبارک باد ہے، حق تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں اور حضرت کی تعلیمات سے آگاہی کیلئے امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں۔

......باب نمبر ۸......

دیگر اخبار وجرائد کے مضامین

مختلف ماہناموں، روزناموں اور ہفت روزوں
میں شائع شدہ مضامین ومقالات

حضرت مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوری شہیدؒ کے ساتھ بیتی ساعتوں کو جب مڑ کر دیکھتے ہیں تو ایک حلیم و بردبار، مرنجاں مرنج شخصیت، علم و عمل اور حسن واخلاق و بلندیٔ کردار کے آمیزے میں گندھی نظر آتی ہے۔ حضرت موصوفؒ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت اور علم دوستی وعلم پروری، کی صفات سے نوازا تھا، وہیں وہ طبعاً انتہائی شریف النفس، سلیم الفطرت، خوش اخلاق وخوش مزاج تھے۔ ایک دل آویز اور معصوم سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر ہر وقت سجی رہتی تھی اور ایک عجیب سی شیرینی اور مٹھاس ان کی آواز اور لہجے میں گھلی ہوئی تھی۔ انسان کو کچھ قابلیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردی جاتی ہیں، مگر جب تک اس کے حسنِ خَلق میں حسنِ خُلُق نہ ہو اور فطری قابلیتوں یا اعلیٰ مہارتوں کے ساتھ کردار کی بلندی اور سوچ کی وسعت اور رفعت نہ ہو تب تک وہ خلقِ خدا کی بے ساختہ محبتیں نہیں سمیٹ پاتا، نہ کوئی اچھا نقش چھوڑ سکتا ہے۔ حضرت دین پوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں صفتوں سے نوازا تھا۔ علمی قابلیت اور فطری ذکاوت بھی غضب کی تھی اور ساتھ ساتھ مزاج میں نرمی اور رویے میں مٹھاس بھی خوب عطاء ہوئی تھی، لہٰذا انہوں نے زندگی بھر خیر بھی پھیلائی اور محبتیں بھی سمیٹیں۔ علم و عمل کی خوشبو بکھیرتے بکھیرتے اور تلامذہ ومعتقدین کی چاہتیں سمیٹتے سمیٹتے وہ اس انداز میں ہم سے رخصت ہوئے کہ سمجھ نہیں آتا ان کی حلیم و شفیق شخصیت سے جدائی کا غم زیادہ ہے یا ان کے جانے سے ہونے والے نقصان کے اندیشے فزوں تر ہیں۔

ضبط وترتیب: خادم اہل سنت حمزہ احسانی

اخبارات، رسائل اور جرائد کا خراج تحسین

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال پر ملال پر ملک بھر کے تقریباً تمام رسائل وجرائد، مجلات سمیت قومی اخبارات، ہفت روزہ، پندرہ روزہ، اور سہ ماہی رسائل میں مضامین شائع ہوئے، اکثر نے حضرت کے مختصر حالات ذکر کیے، اس کے علاوہ بھی مضامین، اداریے، تعزیتی پیغامات، بیانات اور منظوم کلام شائع ہوئے، خاص طور پر ماہنامہ "بینات" کا خصوصی نمبر قابل ذکر ہے، جس میں ۱۲۸ صفحات پر مشتمل تقریباً تیس (۳۰) اہم اور بہترین مضامین حضرت شہید پر شائع ہوئے۔ طوالت اور تکرار در تکرار کے خوف سے سب اخبارات ورسائل کے تمام مضامین مکمل تو شامل اشاعت نہیں کیے جاسکے، البتہ بعض مضامین مکمل اور بعض کے خلاصے حاضر خدمت ہیں۔

☆......ماہنامہ **البلاغ**......☆

مولانا عزیز الرحمٰن [استاذ الحدیث: جامعہ دار العلوم، کراچی]

مفتی عبد المجید دین پوری رحمہ اللہ

ملک کی جو ابتر صورتحال ہے شاید ہی کوئی باشندہ ہو جو اس صورت حال سے فکر مند اور بے چین نہ ہو، ایک طرف معاشی بحران ہے، جو تیزی سے مزید بگاڑ کی طرف ہے کہ اصلاح حال کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش ہوتی نظر نہیں آتی، جبکہ دوسری طرف بدامنی کی حالت بھی انتہا درجے تک المناک ہے، ہر آنے والا دن خوفناک واردات کی خبریں لے کر آتا ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ چپّہ چپّہ تربیت یافتہ دہشت گردوں اور جرائم پیشہ مفسدین کے قبضے میں ہے۔

کچھ عرصے سے تو خاص طور پر مدارس کے طلبہ اور وہ اہل علم جن کی قطعاً کوئی سیاسی یا تنظیمی

وابستگی نہیں ہے، بلکہ یکسوئی سے شبانہ روز دینی علوم کی تحصیل اور نشر واشاعت میں مشغول ہیں، انہیں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ نشانہ بنابنا کر شہید کیا جارہا ہے، حال ہی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے دو نامور علماء کو شہید کرنے کا المناک واقعہ اسی سلسلہ کی تازہ مثال ہے۔

۱۸/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ (۳۱/ جنوری ۲۰۱۳ء) بروز جمعرات جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب اور رفیق دارالافتاء مفتی صالح محمد صاحب اپنے ایک تیسرے رفیق وخادم حافظ حسان صاحب کے ساتھ حدیث کا درس دینے کے لیے سندھی مسلم سوسائٹی میں واقع جامعہ درویشیہ جانے کے لیے روانہ ہوئے، نرسری کے پل سے اتر کر جب شارع فیصل پر اترے تو پہلے سے موجود موٹر سائیکل سوار دہشت گردوں نے فائرنگ کر کے ان تینوں کو شہید کر ڈالا۔ تینوں حضرات موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس دہشت گردی کی تفصیلات حیرت انگیز طور پر موقع پر نصب ایک کیمرے میں ریکارڈ ہوگئیں، واقف حال لوگوں کا کہنا ہے کہ دہشت گرد نہایت تربیت یافتہ تھے، اور اس بات کا اطمینان کر کے کہ ان میں سے کسی میں بھی زندگی کی رمق باقی نہیں رہی، موٹر سائیکل پر سوار ہو کر، جبکہ دوپہر بارہ بجے کے بعد کا وقت تھا اور شارع فیصل رواں دواں تھا، یہ سنگین مجرمانہ واردات کر کے آسانی سے چلے گئے، جائے واردات پر ایک دو مشتبہ کاریں بھی دیکھی گئیں۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نامور علماء واساتذۂ حدیث کے خلاف یہ پہلی مجرمانہ واردات نہیں ہے، دہشت گردی کے شکار علمائے دین کی ایک طویل فہرست ہے، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مفتی محمد جمیل خانؒ، مولانا سعید احمد جلال پوریؒ وغیرہ جیسی نامور شخصیات اسی طرح کی دہشت گردی کا شکار ہوئی ہیں، لیکن آج تک کسی قاتل کا بھی پولیس اور ایجنسیاں کوئی سراغ نہیں لگاسکیں۔

اس ملک میں اور بالخصوص کراچی شہر میں تو ایسا لگتا ہے کہ عوام درندوں کے نرغے میں ہیں، کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ آٹھ دس آدمیوں کا خون نہ ہوتا ہو، جبکہ اغواء، بھتہ خوری اور دیگر جرائم

میں بھی اضافہ روز افزوں ہے، حکمران، پولیس کے تمام تر حفاظتی حصار میں ''حکومت'' کر رہے ہیں، اور جمہوریت کے پانچ سالہ دور کی تکمیل کو ہی اپنے لیے بڑا اعزاز قرار دے رہے ہیں، لوٹ مار، قتل و غارت اور اغواء کے یہ خوفناک جرائم جن کی وجہ سے عوام عذاب میں ہیں، ان بے حس کرسی نشینوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لیکن واردات کا کھوج نہ لگانا اور جرائم پیشہ عناصر کا تعاقب نہ کرنا، اس وطن سے، یہاں کے عوام سے اور اس منصب سے سنگین غداری ہے جس کی لاج رکھنے کا انہوں نے حلف اٹھایا ہے، اس غداری پر یہ قہرِ الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے۔

مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ کو دہشت گردی کر کے شہید کیا گیا، وہ علمی و دینی اثاثہ تھے، ان کا قتل صرف ایک فرد کا نہیں علمی و دینی خدمات کا بھی قتل ہے، جس کے پیچھے دشمنانِ ملک وملت کی خوفناک سازشوں کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ اور ان کے رفقاء مرحومین کی شہادت کا یہ صدمہ جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے منتظمین، اساتذہ، طلبہ اور ان شہداء کے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کو پہنچا، یہ ہم سب کا مشترک صدمہ ہے، جامعہ دارالعلوم کراچی میں یہ خبر بڑے رنج و الم کے ساتھ سنی گئی، مختلف نمازوں میں دعاؤں کا اہتمام ہوا، بعض اساتذہ جنازے میں بھی شریک ہوئے اور دورۂ حدیث کے اساتذہ کا ایک وفد بھی تعزیت کے لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور جامعہ درویشیہ دونوں جگہ حاضر ہوا۔

مولائے کریم مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ اور ان کے رفقاء مرحومین کو شہادت عظمٰی کے مقام عالی پر فائز فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور ان دینی مدارس، ان کے اساتذہ و طلبہ اور دیگر متعلقین کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

☆......ماہنامہ **بینات**......☆

مولانا محمد یوسف افشانی [استاذ الحدیث: جامعہ فاروقیہ، کراچی]

شہیدِ علم

یہ جہاں بھی عجب جہاں ہے، اس میں قدرت نے اگر کسی چیز کو دوام بخشا ہے تو وہ فنا

وزوال ہے کہ اس جہاں میں ثبات اور دوام صرف اور صرف فنا اور زوال کو ہے اور بس! موت کی گرفت سے آج تک نہ کوئی بچ سکا اور نہ ہی قیامت تک کوئی بچ سکے گا، یہاں نیک وبد کا فرق ختم ہوجاتا ہے، اور امیر وغریب کی تمیز مٹ جاتی ہے، بلکہ ایک موقع پر پوری کائنات ان (فناو زوال) کا کشتۂ تیغ ہوجائے گی، اور ''ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام'' والی حقیقت سے پردہ اٹھ جائے گا، لیکن اس جہانِ فانی میں کچھ ایسی شخصیات بھی ہوتی ہیں کہ اُن کی عمر کی شمع کو تو اَجل پھونک دیتی ہے، لیکن اُن کے کردار، خدمات اور احسانات کی بنا پر اُن کی یادوں کی شمعیں نہ صرف روشن رہتی ہیں، بلکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ فزوں تر ہوتی ہیں، دنیا میں نہ ہوتے ہوئے بھی محافل کی زینت اور مجالس کی رونق ہوتی ہیں۔

اس مبارک اور قابلِ رشک کارواں کے ایک فرد حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں، موصوف نے اپنی زندگی علم حاصل کرنے، پھر اس علم کو پھیلانے اور امت کی رہنمائی کے لیے وقف کردی تھی، آپ نے فقہ وافتاء جیسے جاں گسل، محنت طلب میدان کا انتخاب کیا، اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اس میں صرف کیا اور اس میدان کے شہسوار ثابت ہوئے، ہزاروں کی تعداد میں مسائل آپ کی نظر سے گزرے، اور اتنی ہی تعداد میں آپ کی تصویب وتصدیق سے مزین ہوکر امت تک پہنچے، اور آپ نے کتنے سائلین کی رہنمائی فرمائی؟ اس کا اندازہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے دارالافتاء میں سائلین کی آمد سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

جدید مسائل پر آپ کی نظر:

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کو عالم اسلام میں جو مقام حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں ہے، اور امت کو اس ادارے کے فتویٰ پر بھی اعتماد ہے، اس لیے ملک اور بیرونِ ملک سے جامعہ کے دارالافتاء میں ہر قسم کے استفتائات آپ کی سرپرستی اور رہنمائی میں حل ہوتے، اور اس کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کے پیش آمدہ مسائل پر آپ وقیع اور مدلل نقطۂ نظر رکھتے تھے، اور ہر قسم کے فتنوں سے باخبر رہتے، اور اُن کی سرکوبی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے، اور مسلمانوں کو اُن سے بچانے کی کوشش فرماتے تھے، چنانچہ کچھ عرصہ قبل ایک کفریہ فلم ''خدا کے

لیے'' جو پاکستان میں فلمائی گئی تھی، جس میں اسلام اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا گیا تھا، اس کے پاکستان میں ریلیز ہونے سے پہلے ہی آپ نے اس سے متعلق حکمِ شرعی واضح کرتے ہوئے فتویٰ جاری کیا، اور بہت سارے مسلمانوں کی ایمان کی حفاظت فرمائی۔ اسی طرح مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلق مفصل تحریر (جو ''مروجہ اسلامی بینکاری۔ تجرباتی مطالعہ، شرعی جائزہ اور فقہی نقد وتبصرہ'' کے نام سے کتابی شکل میں منظرِ عام پر آچکی ہے) بھی آپ کی سرپرستی میں مرتب ہوئی۔ ''موبائل فون لون'' کے حکمِ شرعی پر بھی پہلا فتویٰ آپ ہی کا تھا، ماضی قریب میں بلکہ ماہنامہ بینات کے فروری کے شمارے میں آپ نے مروجہ تکافل (جو عرصۂ دراز سے زیرِ بحث ایک معرکۃ الآراء مسئلہ تھا) کے متعلق بھی فتویٰ صادر فرمایا۔ ''مسئلہ تحریفِ قرآن، یک طرفہ عدالتی خلع اور پرائز بانڈ جیسے اہم موضوعات پر بھی آپ نے بہت مفصل فتاویٰ صادر فرمائے۔ غرض شاید ہی کوئی نیا مسئلہ ایسا ہو، جس میں آپ نے امت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو، ''جزاهم الله عنا وعن سائر المسلمین''۔

بحث وتحقیق کی شاید ہی کوئی وقیع مجلس ایسی ہو جس میں آپ نے شرکت نہ فرمائی ہو، اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل میں اُن کی بروقت رہنمائی نہ فرمائی ہو، اس وادیٔ خاردار میں آپ جس کامیابی سے گزرے، اس کو صرف محنت اور فہم وفراست کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اسے ایک ولی اللہ کی کرامت ہی کہا جائے گا۔

آپ کی تواضع وانکساری:

موصوف کی سب سے زیادہ جاذب اور دل کش ادا جس نے ہر ایک کے دل ودماغ پر عقیدت اور محبت کا نقش قائم کیا، وہ آپ کی متواضع طبیعت تھی، تواضع کی باتیں پڑھنے کو بہت ملتی ہیں، لیکن تواضع کی عملی شکل دیکھنے کو بہت کم ملتی ہے، آپ علم وعمل کے جس قدر اونچے منصب پر فائز تھے، اسی قدر منکسر المزاج اور متواضع تھے، اس پر مستزاد یہ کہ جب بھی کسی سے ملتے تو اس طرح خندہ پیشانی اور متبسم چہرے کے ساتھ ملتے کہ ملنے والے کو احساس نہ ہوتا تھا کہ میں اتنی بڑی شخصیت سے ملاقات کررہا ہوں، بلکہ اپنی عظمت اور بڑائی کو تواضع اور اپنائیت کے پردے

میں اس طرح چھپالیتے کہ اجنبی ملاقاتی بھی یہ محسوس کرتا کہ میں اپنے کسی پرانے، بے تکلف دوست سے ملاقات کررہا ہوں، آپ اپنے مصروف اوقات میں ملنے والے کو یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ آپ عُجلت میں ہیں، اس تواضع وانکساری اور ملنساری جیسے بلند اخلاقِ کریمانہ نے آپ کی محبت ہر دل پر ثبت کردی تھی۔ ''وفی ذالک فلیتنا فس المتنا فسون''۔

شاید انہی اوصاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا وہ بلند مقام ومرتبہ عطاء فرمایا، جس کی توصیف قرآن مجید نے اس طرح فرمائی: ''انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین'' اوران کی رفاقت کو اچھی رفاقت قرار دیا ہے۔

آپ کی شہادت کا سانحہ اہلِ علم حضرات کے لیے عموماً اور جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے لیے خصوصاً ایک عظیم سانحہ ہے۔ جامعہ علومِ اسلامیہ اس حوالے سے ایک درخشاں روایت کا حامل ہے کہ جامعہ نے تسلسل کے ساتھ شہادتیں پیش کی ہیں، یہ جامعہ اور اہلِ جامعہ کے لیے اعزاز وافتخار کی بات ہے، لیکن سفاک دشمن جن ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے یہ شنیع اور قبیح جرم کا ارتکاب کررہا ہے، اس کے یہ عزائم ان شاء اللہ کبھی پورے نہیں ہوں گے، جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن وہ شجر مبارک ہے جو ''اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء'' کا مصداق ہے، مصائب کی خزاں اس کے برگ وبار کو متاثر نہیں کرسکی۔ ع

برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے اس ادارہ کو وہ مقبولیت، آفاقیت اور محبوبیت عطاء کررکھی ہے کہ فراعنۂ عصر اپنی مکروہ چال بازیوں کے باوجود اس کو متاثر نہ کرسکے، اوران کے علی الرغم یہ گلشن اسی طرح شاداب رہے گا، ان شاء اللہ اور یہاں سے ''قال اللہ وقال الرسول'' کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی، اور بزبانِ حال جامعہ ان فراعنہ سے کہہ رہا ہے ۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضاء

آپ کی شہادت جہاں ایک عظیم سانحہ ہے، وہیں اربابِ حل وعقد کے لیے ایک

تازیانہ بھی ہے کہ ایسے لوگ جن کی زندگی امن واخوت کے درس کے لیے وقف تھی، ان کی اس طرح دِن دَہاڑے سرِ عام شہادت کیا پیغام دیتی ہے؟ انتظامیہ کس قدر بے حس اور بے بس ہو چکی ہے کہ اتنی عظیم ہستیوں کو اس طرح سے شہید کیا جاتا ہے، اور یہ ٹس سے مس بھی نہیں ہوتی، خدا جانے کہ ہمارے خفیہ ادارے کس مقصد کے لیے ہیں؟ اور اُن کی تربیت کے یہ بلند وبانگ دعوے کہاں جاتے ہیں؟ ان پر قوم کا خطیر سرمایہ کس مقصد کے لیے صرف کیا جاتا ہے کہ یہ ادارے دہشت گردوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

اس روش سے دہشت گردی کی لعنت کو جو فروغ ملے گا، وہ ملک وملت کے لیے کن بحرانوں کو جنم دے گا؟ اس کی سنگینی کا اندازہ ابھی نہیں لگایا جاسکتا۔ انتظامیہ کی قانونی، اخلاقی اور شرعی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان ظالموں تک رسائی حاصل کرے اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائے، اور اگر انتظامیہ کے یہ لوگ اس فریضہ میں کوتاہی کا ارتکاب کریں گے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے، ان شہداء کا لہوان کے دامن پہ ہوگا، اور ان سے پوچھ ہوگی کہ امن وامان کی ذمہ داری اٹھانے کے باوجود امن وامان ناپید کیوں رہا؟! اگر فرائض پورے نہیں کر سکتے تو مستعفی ہوجاتے، لیکن یہ کیا ظلم ڈھایا کہ عہدہ اور منصب کے مزے تو لُوٹے، لیکن ذمہ داری کو پورا نہ کیا۔ زندگی چند دن کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ ''وسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون''۔

جگر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ارباب ستم کی خدمت میں بس اتنی سی گزارش ہے میری
دنیا سے قیامت دور سہی دنیا کی قیامت دور نہیں

اللہ تعالیٰ موصوف کی شہادت کو قبول فرمائیں، اہلِ جامعہ اور اُن کے اہل وعیال کو اُن کی برکات سے محروم نہ فرمائیں۔ اللھم اغفرلہ وارفع درجتہ فی المھدیین، اللھم افسح لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ ولا تفتنا بعدہ. آمین.

☆......☆......☆......☆

مولانا منظور احمد مینگل
[مدیر: جامعہ صدیقیہ، کراچی]

ایک اور جنتی بسوئے فردوسِ بریں

ساری تعریفیں اس رب لایزال کو سیوا ہیں، جس کی صفتِ قدیمہ ’’لکل شئی محیط ‘‘ کے ساتھ ساتھ ’’علی کل شئی شهید ‘‘ بھی ہے، جس نے اپنی رضا کے لیے جان جان آفریں کے سپرد کرنے والوں کو شہید کا لقب دے کر کائنات کو آگاہ کر دیا کہ موت ایسی چیز ہے کہ ہر چیز کو فنا کر دیتی ہے، شکست وریخت سے دوچار کر دیتی ہے اور ہر شے کو ہست سے نیست میں بدل دیتی ہے، مگر شہادت وہ حقیقت ہے کہ موت کو بھی ہرا دیتی ہے، موت کی حقیقت نے ہر چیز کو شکست دی ہے، لیکن شہادت سے خود شکست کھا گئی ہے۔ نبوت وہ اعلیٰ مقام ہے کہ جس کی موجودگی میں دین ودنیا کے کسی بھی مقام ومنصب کی تمنا ہیچ ہوتی ہے، لیکن نبوت کے باوصف نبی آپ کو شہادت کی آرزو کرتے ہوئے نظر آئیں گے، اس لیے اگر کوئی نبی میدانِ کارزار میں شہید نہ ہوا تو نبی کی طبعی موت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں شہادت شمار کیا جاتا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے اس عزت لازوال اور سعادتِ بے پایاں سے نوازا ہو۔

برادرِ مکرّم شہیدِ فی سبیل اللہ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ، میرے شیخ رئیس المجاہدین حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت اقدس رئیس الاولیاء فی عصرہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، حضرت اقدس برادرِ مکرّم مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عنایت اللہ شہیدؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا حمید الرحمٰن شہیدؒ، ان حضرات کو مرحوم، رحمة اللہ علیہم یا متوفی کہتے اور لکھتے ہوئے بدن عجیب سی جھرجھری محسوس کرتا ہے، زبان اور قلم رُکنے لگتے ہیں، لیکن شہادت کے اعلیٰ مقام کو دیکھ کر ان کی قسمتوں اور اعلیٰ مقام پر رشک آتا ہے اور اس پر تسلی واطمینان اور خوشی بھی ہوتی ہے کہ یہ حضرات بہت اونچے تھے، تب ہی تو اللہ نے اس دار الغرور والخداع سے نکال کر دار الحبور والسرور میں بلندیاں عطاء کیں۔

ہر کمالے راز والے:

اس دنیا میں بعض ایسے حضرات ہیں کہ کمال کو پہنچنے کے بعد اُن پر اُن کی زندگی میں زوال بھی آیا ہے، ان کی لمبی فہرست بھی ہے اور گردشِ لیل ونہار گواہ بھی ہیں، خود سورج نصف النہار کے وقت اپنے کمال کو پہنچنے کے بعد جا کر غروب ہو جاتا ہے، یہ اُس کا زوال اور ناتمامیت ہے، چاند کمال کے مدارج طے کرتے ہوئے چودھویں تاریخ تک کمال کو پہنچتا ہے، تو پندرہ تاریخ سے آخر ماہ تک اس کو زوال کا سامنا رہتا ہے، لیکن خالقِ کائنات کی علماء دیوبند اور میرے اساتذہ پر کتنی رحمت اور توجہ ہے کہ کمال پر پہنچا کر اُن کو اسی کمال ہی کی حالت میں اپنے پاس بلاتا ہے، بلکہ شہادت کی نعمت دے کر اُن کے کمال پر مہر ثبت فرما دیتا ہے کہ اب اُن کے زوال پر ابدی زوال آچکا ہے، جو کبھی ہمارے مشائخ کے کمال کے درپے نہیں ہو سکتا۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور اُن کی شہادت:

جن دنوں برادرِ مکرم مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کو شہید کیا گیا، ان ہی دنوں مجھ سے کچھ لوگوں نے یہ پوچھا کہ صرف اور صرف علمائے دیوبند کو کیوں شہید کیا جاتا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ لومڑی، گیدڑ اور چوہے کا کون شکار کرتا ہے؟ شکار تو خالص حلال وپاکیزہ چیزوں کا یا پھر شیر کا کیا جاتا ہے۔ انگریز اور اُس کی روحانی ذُرّیت کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ اس ملک کے شیر اور بہادر، اعتقاد وعمل میں مخلص وپاکیزہ، صرف علماء دیوبند ہی ہیں اور کوئی نہیں۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور آپ کی مقبولیت:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس عاجزی، انکساری اور تواضع سے نوازا تھا، وہ بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے، باوجود اتنے علم اور اس اونچے مقام (بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دار الافتاء) کے پھر بھی میرے جیسے نالائق اور کم فہم لوگوں کے ساتھ انتہاء کی تواضع، خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے تھے، جو اُن کی مہر ومحبت کی انتہا ہے، جزاھم اللہ علیٰ ذلک۔

حضرت دین پوریؒ اور سندھی زبان:

چونکہ حضرتؒ سندھ میں کافی عرصہ رہ چکے تھے، اس لیے سندھی زبان سے خاص تعلق اور دلچسپی تھی، میری اور آپ کی گفتگو اکثر سندھی زبان میں ہوتی تھی، آپ مجھ سے علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور عمر میں بھی بڑے تھے، لیکن آپ کے رویہ سے کبھی بھی ہم نے کوئی بڑائی محسوس نہیں کی، بلکہ میرے جیسے نالائق کو آپ ''سائیں سائیں'' کے الفاظ سے پکارتے تھے، جو لوگ سندھی زبان جانتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ لفظ ''سائیں'' سندھی زبان میں احترام کی انتہا کو چھونے کے لیے استعمال ہوا کرتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ سندھی زبان کے اس لفظ کی چاشنی کسی دوسری زبان میں نہیں ہے، بلکہ میرے اور آپ کے اس انداز کو دیکھ کر میرے پیارے بھائی مفتی رفیق احمد بالاکوٹی بھی میرے لیے لفظ ''سائیں'' استعمال کرنے لگے ہیں۔

فقہی مجالس اور مفتی عبدالمجید دین پوریؒ:

علماء کرام اور مفتیانِ عظام جانتے ہیں کہ ایک زمانہ سے دار العلوم کراچی، بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ ودیگر اہلِ مدارس کے اہل علم ومفتیان کرام کے مابین علمی اور فقہی مجالس کا انعقاد ہوا کرتا تھا، اب اس سلسلے کو لوگوں کی بچتیں اکٹھا کرنے والے بینکوں کے مسائل نے پارہ پارہ اور منتشر کر کے رکھ دیا ہے، شاید بینکوں نے ''لقد تقطع بینکم'' کا کردار ادا کیا ہے، چند سال پہلے دار العلوم کراچی میں تصویر اور سی ڈیز کے مسائل زیرِ بحث آئے، اس موقع پر احقر کے لہجے میں شدت اور بے ادبی محسوس فرما کر مجلس کے اختتام پر آپ نے سندھی زبان میں احقر کی فہمائش کرتے ہوئے ادب واحترام کے دامن سے وابستہ رہنے کی تاکید وتلقین اور تنبیہ بھی فرمائی، **نور اللہ مرقدہٗ وجزاہ اللہ علیٰ ذالک۔**

آپ ہمارے بڑے تھے، آپ سے ہمیشہ علمی استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، خاص طور پر حضرت اقدس مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ اور برادر مکرم مفتی عبدالمجید دین پوریؒ جیسے عظیم حضرات جب اتنی عزت دیتے تھے تو ان کی اس نرمی اور عزت دینے کی وجہ سے میں تو کافی جری اور دلیر بن گیا تھا، اس وجہ سے ہم دیگر علماء سے بھی بے تکلف ہو کر گفتگو کرتے تھے، اس میدان

میں برادرِ مکرم مفتی شعیب عالم صاحب اور مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب بھی شاید میری بے باکی اور سنگ باری کی زد میں آتے رہتے تھے جس کی وجہ یہی بڑے حضرات ہیں، جن کی شفقتوں نے ہمیں ہر کسی سے بے تکلف اور جری بنادیا تھا۔

ایک دفعہ تو حضرت اقدس مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کی گاڑی میں مفتی عبدالمجید دین پوریؒ، مفتی سمیع اللہ (جامعہ فاروقیہ) مفتی عبدالباری (جامعہ فاروقیہ) ہم سب ساتھ تھے، میں نے مفتی نظام الدین شامزئیؒ اور مفتی عبدالمجید دین پوریؒ سے بے تکلفی اور بے باکی کے ساتھ نیاز مندی شروع کردی، برادرم مفتی سمیع اللہ پہلے تو روایتی آداب سے بے پروائی پر مجھے کچھ روکنے کی کوشش کرنے لگے، مگران حضرات کی خندہ پیشانی اور بشاشت کو دیکھا تو مفتی سمیع اللہ بھی خاموشی سے میری بے تکلفی سے محظوظ ہونے لگ گئے۔ اللہ نے ہمیں ایسے اساتذہ اور ایسے اکابرین عنایت فرمائے ہیں کہ جن کی مثال دنیا میں شاید بہت ہی کم ملے۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کا ادب اور احترام:

حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کے استاذ نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود برادرِ مکرّم مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کو دیکھا کہ حضرت اقدس کا احترام استاذ سے بھی بڑھ کر کرتے تھے، جب بھی حضرت اقدس نے کسی مسئلہ پر آپ کو بلایا، حضرت مفتی صاحبؒ فوراً پہنچ جاتے تھے، یہ سب حضرت اقدس شیخ الاسلام علامہ بنوریؒ کے روحانی فیض کی مجسم تصویر ہے۔

میں نے اپنے شیخ حضرت اقدس محمد عوامہ کو دیکھا کہ حضرت اقدس بنوریؒ کا جب بھی تذکرہ کرتے تو آپ کے آنسو رکتے نہیں تھے، بنوری ٹاؤن کے اس قافلے کا سالار اور ان تمام عظیم اساتذہ کے فیوضات کا سرچشمہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ذات بابرکات ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے لگائے ہوئے اس عظیم باغ (جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن) کو تاقیامِ قیامت جاری رکھے اور اس کے فیض کو عام اور تام فرمائے، حضرات شہداء کرام کے اس مقدس خون کی لاج رکھتے ہوئے اس ملک پر اور اس کے رہنے والوں پر رحم فرمائے، اور ان کے قاتلوں کو ہدایت عنایت فرما کر توبہ کی دولت سے مالا مال فرمائے، یا چن چن کر صفحہ ہستی سے

مٹادے، آمین۔ اور اللہ تعالیٰ برادرِ مکرّم مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑیؒ ودیگر شہداء کرام کو غریقِ رحمت فرمائے۔

☆...... ہفت روزہ **ضرب مومن** ......☆

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

یار زندہ صحبت باقی

شہادت کا ایک اور سانحہ دل کو گھائل کر گیا۔ ابھی ماضی قریب میں پے در پے ہونے والی عظیم شہادتوں کا دکھ مندمل نہ ہوا تھا کہ ایک اور زخم صدماتی تحفہ دے گیا۔ مادرِ علمی جامعہ بنوری ٹاؤن کے حزن وملال اور رنج وغم کا اندازہ کون کر سکتا ہے، جس نے یکے بعد دیگرے اتنے عظیم سپوتوں کی قربانی دی ہے کہ اب تو اس کے در و دیوار کی طرح آسمان بھی شفق رنگ ہو گیا ہے۔ لگتا ہے اس شجرۂ طیبہ کی اصل نے ایمان وتقویٰ اور علم وعمل کی بہاریں دنیا کو دکھانے کے بعد اب اس کی شاخیں جنت میں بھی اس قدر پھیلا دی ہیں کہ داروغۂ باغِ بہشت اور ان کے ساتھی میزبان جب چاہتے ہیں، ایک خوشہ توڑ کر اپنے ہاں سجا لیتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے ساتھ بیتی ساعتوں کو جب مڑ کر دیکھتے ہیں تو ایک حلیم وبردبار، مرنجاں مرنج شخصیت، علم وعمل اور حسن واخلاق وبلندیٔ کردار کے آمیزے میں گندھی نظر آتی ہے۔ حضرت موصوفؒ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت اور علم دوستی وعلم پروری، کی صفات سے نوازا تھا، وہیں وہ طبعاً انتہائی شریف النفس، سلیم الفطرت، خوش اخلاق وخوش مزاج تھے۔ ایک دل آویز اور معصوم سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر ہر وقت سجی رہتی تھی اور ایک عجیب سی شیرینی اور مٹھاس ان کی آواز اور لہجے میں گھلی ہوئی تھی۔ انسان کو کچھ قابلیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کر دی جاتی ہیں، مگر جب تک اس کے حسنِ خَلق میں حسنِ خُلق نہ ہو اور فطری قابلیتوں یا اعلیٰ مہارتوں کے ساتھ کردار کی بلندی اور سوچ کی وسعت اور رفعت نہ ہو تب تک وہ خلقِ خدا کی بے ساختہ محبتیں نہیں سمیٹ پاتا، نہ کوئی اچھا نقش چھوڑ سکتا ہے۔ حضرت دین پوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں صفتوں سے نوازا تھا۔ علمی قابلیت اور فطری

ذکاوت بھی غضب کی تھی اور ساتھ ساتھ مزاج میں نرمی اور رویے میں مٹھاس بھی خوب عطاء ہوئی تھی، لہٰذا انہوں نے زندگی بھر خیر بھی پھیلائی اور محبتیں بھی سمیٹیں۔ علم وعمل کی خوشبو بکھیرتے بکھیرتے اور تلامذہ ومعتقدین کی چاہتیں سمیٹتے سمیٹتے وہ اس انداز میں ہم سے رخصت ہوئے کہ سمجھ نہیں آتا ان کی حلیم وشفیق شخصیت سے جدائی کا غم زیادہ ہے یا ان کے جانے سے ہونے والے نقصان کے اندیشے فزوں تر ہیں۔

اس عاجز نے چند سال پہلے خواب میں ایک مجاہد عالم کو دیکھا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ پیر کالونی کی بڑی جامع مسجد میں جہاں استاذِ محترم حضرت مولانا عبدالقیوم چترالیؒ امامت فرماتے تھے، وہاں شہداء کی یاد میں جلسہ ہو رہا ہے، اس میں وہ شہید بھی آسمان سے چمکتے دمکتے چہرے اور سفید براق میں آیا ہوا ہے، مسجد میں خوب چہل پہل ہے۔ احقر نے اس سے پوچھا کہ آسمان والے ہمارے بارے میں کیا سمجھتے ہیں؟ ہم لوگ شہادتیں تو پیش کر رہے ہیں، ہمارے کام کے بارے میں آسمانوں پر کیا تبصرہ ہوتا ہے؟ اس شہید نے کہا: آسمان والے وہی کچھ سمجھتے ہیں جو آپ لوگ ان کے بارے میں گمان رکھتے ہو، کمال کا بلیغ جملہ تھا۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ مگر سمجھنے والوں کے لئے اس میں خوشخبری بھی پنہاں ہے اور استقامت کی تلقین بھی۔ دشمن سمجھتا ہے کہ اس سے قصاص لینے والا کوئی نہیں، اس لئے وہ بے خطر ہو کر بے ضرر علماء وطلباء کو دھڑلّے سے شہید کرتا چلا جا رہا ہے، اسے بھولنا نہیں چاہیے کہ شہادت دینے والے طبقے کی بقاء کا ذمہ دار خود اللہ رب العزّت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، کائنات کے فیصلے اس نے کسی شقی وسنگدل کے سپرد نہیں کیے۔ نہ پہلے، نہ آج، نہ آئندہ۔

کراچی کو علماء وطلباء سے خالی کرنے کی سوچ رکھنے والے ازلی شقیوں کو کسی غلط فہمی میں نہ رہنا چاہیے۔ اگر زمین پر موجود اللہ والے پاکستان کی حدود میں قانون ہاتھ میں نہیں لیتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آسمانوں پر موجود احکم الحاکمین نے اپنے تکوینی قوانین معطّل کر دیے ہیں۔ ''بے شک تیرا رب گھات لگائے ہوئے ہے'' (الفجر:۱۴)

حضرت دین پوری صاحبؒ فقہی مجالس میں نکتہ رس مفتی ہوتے تھے اور نجی مجالس میں

بذلہ سنج دوست۔ اس عاجز کو ان کی سلامتِ طبع اور مزاجِ اعتدال کی بناء پر ان سے خاص لگاؤ تھا۔ حضرتؒ کو بھی اس نالائق سے خصوصی شفقت و محبت کا تعلق تھا۔ جامعۃ الرشید میں ہونے والی فقہی مجالس میں جب بھی دعوت دی، نہایت خوش دلی اور خوش کلامی سے قبول کی۔ ہنستے مسکراتے آئے اور کھلتے چہرے کے ساتھ رخصت ہوئے۔ یقینِ کامل ہے کہ جنت میں بھی اسی نرم خوئی اور خوش طبعی کے ساتھ داخل ہوئے ہوں گے۔ جامعۃ الرشید کے چمنستان میں ہم ان کا استقبال کیا کرتے تھے، وہاں وہ انشاء اللہ ہمارا استقبال کریں گے۔ یار زندہ صحبت باقی۔ ان کے ساتھ ہونے والی صحبتیں انشاء اللہ وہاں بھی قائم دائم رہیں گی۔ دشمن نے رسوا ہونا ہے اور حق نے غالب ہونا ہے۔ مصیبت میں صبر اور مقابلے میں عزم و ہمت کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہیے۔

☆......ماہنامہ **الخیر**......☆

مولانا محمد ازہر [مدیر: ماہنامہ الخیر ملتان]

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت

ملک کی ممتاز دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ اور جامعہ کے نائب مفتی مولانا مفتی صالح محمدؒ بھی قافلۂ شہدا سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے قائم کردہ ادارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور ان کے نائب مولانا مفتی صالح محمدؒ کے دردناک سانحۂ شہادت نے دینی حلقوں کو ایک مرتبہ پھر جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اسلام اور پاکستان کے دشمن اب کچھ عرصے سے ایسے علمائے دین کو چن چن کر نشانہ بنا رہے ہیں جن کا وجود اہلِ پاکستان کے لئے بہت بڑا سرمایہ اور نعمتِ خداوندی ہے، جن کی سرگرمیاں کتاب و سنت کی تعلیم و تدریس اور اہلِ ایمان کی اصلاح و خیر خواہی تک محدود ہیں۔ یہ لوگ مدارس کی چار دیواری میں رہ کر خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اس فرض کی بجا آوری کے لیے وہ معمولی مشاہروں پر یومیہ اٹھارہ گھنٹے بڑی خوش

دلی سے درس وتدریس، مطالعہ اور فتویٰ نویسی میں مشغول ومنہمک رہتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ بھی اس قبیلے کے معتدل مزاج، سنجیدہ اور علمی کام میں منہمک رہنے والے فردِ فرید تھے، جن کی زندگی قرآن وسنت کو انسانیت تک پہنچانے کے لیے وقف تھی۔ جن سفاک قاتلوں نے ان کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں انہوں نے ایک انسان ہی نہیں علم کا بھی خون کیا ہے۔ اور خدانخواستہ یہ سلسلہ کچھ عرصہ اور چلتا رہا تو چاروں طرف ظلمتوں اور جہالتوں کا بسیرا ہوگا، علماء کے اٹھنے کے ساتھ علم بھی اٹھ جائے گا۔ اس سے پہلے بھی ہم ان قاتلوں کے ہاتھوں کتنے جید علماء، تقویٰ اور للّٰہیت کے مجسموں اور نادر روزگار افراد سے محروم ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ اور مولانا مفتی صالح محمدؒ کا دور دور تک کوئی تعلق کسی عصبیت اور فرقہ واریت سے نہیں تھا، ان کی سرگرمیوں کی جولانگاہ مدرسہ کی چاردیواری اور درس وتدریس تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ وفاق المدارس کے امتحانی پرچوں کی چیکنگ کے لئے جب ملتان میں دفتر وفاق تشریف لاتے تو ان کی زیارت ملاقات اور کچھ دیر رفاقت کا شرف حاصل ہوتا وہ علم وعمل اور زہد وتقویٰ کے جامع تھے، تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت کے لئے روز وشب کوشاں رہنے والے مخلص استاد تھے، بلاشبہ ان کی شہادت جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے لئے ایک صدمہ ہے، دکھ کی اس گھڑی میں ہمیں سوچنا چاہیئے کہ علماء کا خون کب تک بہتا رہے گا ممکن ہے ہماری نظریں ادھر ادھر بھٹکیں مگر درحقیقت اس خوں ریزی کی ذمہ دار حکومت ہے، گزشتہ ماہ جب جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی کے استاذ حدیث مولانا مفتی محمد اسماعیلؒ کو شہید کیا گیا تھا تو امیر جمعیت علمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن نے بجا طور پر کہا تھا کہ جب تک علماء وطلباء کے قاتل منظر عام پر نہیں لائے جاتے اس وقت تک حکومت ہی ہماری قاتل ہے۔

پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص علماء، طلبہ، مدارس اور عوام الناس سب دہشت گردوں کے نشانے پر ہیں۔ ملک کے ذہین ترین وزیر داخلہ نے کچھ روز قبل یہ ہوش ربا انکشاف فرمایا تھا کہ فروری کے آغاز میں سندھ کے دارالحکومت کراچی میں دہشت گردی اور قتل وغارت کا بازار گرم ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ کراچی میں طالبان دہشت گردی نہیں

کررہے بلکہ یہ سرحد پار بیٹھے دشمنوں کی منصوبہ بندی ہے جس میں مقامی لوگوں کو بھی استعمال کیا جائے گا، ان کے بیان کی بازگشت ابھی کانوں میں ہی تھی کہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قائم کردہ درس گاہ کے دو اساتذہ کرام کو شہید کر دیا گیا۔

کراچی میں جاری قتل وغارت پر پورا ملک افسردہ اور غمگین ہے مگر سنگ دل اور بے حس حکمران ٹس سے مس نہیں ہورہے۔ دن دھاڑے قتل ہوتے ہیں، لوگ اغوا ہوتے ہیں، ٹارگٹ کلنگ ہوتی ہے لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حکمرانوں کو صرف اپنی جانیں اور مال عزیز ہیں، عوام کو وہ بھیڑ بکریاں خیال کرتے ہیں۔

قتل وغارت کی وجہ کوئی بھی ہو اب دینی حلقوں کی جانب سے پوری قوت سے یہ مؤقف اختیار کیا جانا چاہیئے کہ عوام اور علماء کی جانوں کا تحفظ نہ کر سکنے والوں کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ رسمی بیانات کی بجائے ایسے پرامن احتجاج کی ضرورت ہے کہ حکومت علماء کی بات سننے اور غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ کوئٹہ کی تازہ مثال ہمارے سامنے ہے کہ دہشت گردی کے متاثرین نے اپنے مقتولوں کی میتوں کے ہمراہ شدید سردی میں تین دن تک دھرنا جاری رکھ کر حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ شہید علماء کے قاتلوں کی گرفتاری کے لئے بھی اسی نوع کے اتحاد واحتجاج کی ضرورت ہے جس کے لئے قیادت کے مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ معاملہ فہم اور جری ہونا بھی ضروری ہے۔ اس دور میں رسمی احتجاجی بیانات اور تعزیتی قراردادیں قاتل کا ہاتھ مروڑنے کے لیے کافی نہیں۔ مصلحتوں کی اسیر حکومتیں اس وقت تک سنجیدگی سے کسی مسئلے کے حل کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں جب تک آنچ ان کے دامنِ اقتدار تک نہ پہنچے، اس کے لیے منتشر صفوں کی شیرازہ بندی، اتحاد، صبر واستقلال اور ایثار کے علاوہ اس عہد کی ضرورت ہے کہ مشائخ عظام اور علمائے کرام کی قیمتی جانوں کا تحفظ تمام وقتی تقاضوں اور مصلحتوں سے بالاتر ہے، کراچی میں تین ہزار سے زائد مدارس اور دینی ادارے کام کررہے ہیں، مساجد کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے، اس طرح مساجد ومدارس میں پڑھنے، پڑھانے اور کام کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، جو اپنے بزرگوں کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہم سب کی

اجتماعی کوتاہی ہے کہ علمائے کرام کے خون کی ارزانی کی روک تھام کے لیے ہم سب کو جس مؤثر انداز میں آواز اٹھانی چاہیے تھی اب تک ہم نہ اٹھا سکے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت کے بعد ''دیر آید درست آید'' کے مصداق یہ امر بہرحال امید افزا ہے کہ کراچی میں علماء، طلباء اور مذہبی کارکنوں کی پے در پے شہادت اور مدارس پر حملوں کے خلاف دینی مدارس اور مذہبی جماعتوں نے مرحلہ وار بڑے پیانے پر تحریک شروع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے، جس کا حتمی فیصلہ آج ۶/فروری ۲۰۱۳ء کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہونے والے اجلاس میں متوقع ہے۔ اس اجلاس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت کے علاوہ دینی وسیاسی جماعتوں کے نمائندے بھی شرکت کر رہے ہیں، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ذرائع کے مطابق جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ، ان کے نائب مولانا مفتی صالح محمدؒ کی شہادت کے ۷۲/گھنٹوں کے بعد بھی وفاقی یا صوبائی حکومت کے کسی نمائندے نے متعلقہ علماء یا شہداء کے ورثاء سے تعزیت کرنا گوارا نہیں کیا، جبکہ علماء کرام نے سپریم کورٹ سے ازخود نوٹس لینے کا مطالبہ کیا تھا اس کو بھی نظر انداز کیا گیا، جس کی وجہ سے علماء، طلباء اور مذہبی جماعتوں میں سخت غم وغصہ اور اشتعال پایا جاتا ہے۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑے پیانے پر مرحلہ وار احتجاجی تحریک شروع کرنے پر مشاورت کا ابتدائی مرحلہ مکمل کر لیا گیا ہے اس حوالے سے حتمی حکمتِ عملی اور مراحل اور ترتیب کے فیصلوں کا اعلان جلد متوقع ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ احتجاجی تحریک مرحلہ وار ہوگی، پہلا مرحلہ ۸/فروری کو ہڑتال، دوسرا مرحلہ سپریم کورٹ کراچی رجسٹری کے سامنے طویل دھرنے اور تدریس کی کلاسیں شروع کرنے کی صورت میں ہوگا، احتجاج کے دیگر مراحل پر بھی غور کیا جا رہا ہے، ابتدائی طور پر احتجاج کا دائرہ کراچی، بعدازاں سندھ اور پھر ملک بھر تک پھیلا دیا جائے گا۔

دینی حلقوں کی یہ مشترکہ آواز اور احتجاج کا فیصلہ قابل ستائش ہے۔ ایک پلیٹ فارم سے بلند ہونے والی اکابر کی اس آواز پر لاکھوں مخلصین ان شاء اللہ العزیز لبیک کہنے کے لیے تیار ہونگے، تاہم حکومت تک یہ صدائے احتجاج اسی صورت میں پہنچے گی جب اسے منظم ومربوط اور

مستقل بنیادوں پر جاری رکھا جائے گا، ہمیں علمائے حق کی جانوں کے تحفظ کے لیے استقامت وہمت سے کام لینا چاہیے، اگر ہم یہ دیکھتے اور کہتے رہے کہ یہ افراد کا نہیں اداروں کا کام ہے، عوام کا نہیں حکومت کا کام ہے، عدلیہ، مقننہ اور پولیس کو اپنا فریضہ ادا کرنا چاہیے تو ہم اپنی محترم ومحبوب شخصیات کی حفاظت نہیں کرسکیں گے۔ تشتت وافتراق اور جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات ہے جو ہمیں مل رہی ہے۔ قانون فطرت میں بھی ان ہی کی مدد کی جاتی ہے جو خود اپنی مدد کے لیے ہاتھ پاؤں ہلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ، مولانا مفتی صالح محمدؒ کو اپنا قربِ خاص نصیب فرمائیں، ان کے پسماندگان کو اس سانحہ پر صبر کی توفیق عطاء فرمائیں، اور وطنِ عزیز کو امن وسکون کا گہوارہ بنائیں اور قوم کو مخلص ودیانت دار قیادت نصیب فرمائیں۔ آمین

☆......ماہنامہ **القاسم**......☆

مولانا عبدالقیوم حقانی

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت

اس معاشرے کی سعادتوں کا کیا کہنا، جہاں قوم وملت کے مخلصین، علومِ نبویؐ کے اصل وارثین کی تعداد انگلیوں کے پوروں تک ہی محدود نہ ہو بلکہ وہ کئی ایک بھی ہوں اور قد آور بھی۔ وہ عظمتوں کے حامل ہی نہ ہوں عظمتیں ان پر نچھاور ہونے کے لئے بے تاب ہوں، نور کی کرنیں ان کے وجود سے پھوٹیں تو پورے معاشرے کو روشن کردیں، یقیناً ایسا معاشرہ خوش بختی کے انتہاؤں کو چھورہا ہوتا ہے، البتہ جہاں کہیں ایسی شخصیات کی تلاش بھی جوئے شیر لانے کے مترادف بن جائے وہاں صرف تاریکیوں کی حکمرانی ہوتی ہے اور ایسا معاشرہ ہر قسم کی سعادت سے محرومی کا داغ اپنے ماتھے پر سجائے رکھتا ہے۔

محرومی کا یہ داغ اس وقت کچھ اور نمایاں ہوجاتا ہے جب معاشرے میں موجود گنتی کے چند تابندہ شخصیات کے وجود کو تاریکیاں نگلنا شروع کردیں، پاکستانی معاشرہ محرومی کا یہی داغ لئے ہوئے اپنی تاریخ کے اس بدقسمت ترین دور سے گذر رہا ہے، جس میں اُجالوں کے

پیامبروں سے تو جینے کا حق بھی چھینا جارہا ہے، جبکہ تاریکیوں کے مجسمے طولِ اَمل کو آنکھوں میں سجائے ہر چیز پر اپنا "استحقاق" مسلط کئے جارہے ہیں۔

ہماری آنکھیں دیکھتی ہی رہ گئیں اور عظمتوں کے کئی ایک کوہِ گراں' تاریکیوں کے اژدھوں کی نذر ہوگئے، کئی سال گذرنے کے باوجود مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبد السمیعؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور مولانا مفتی ڈاکٹر نظام الدین شامزئیؒ کی جدائی کا داغ آج بھی سینوں پر نمایاں ہے۔ مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ، مولانا سعید احمد جلال پوریؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰنؒ اور مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کا غمِ فرقت آج بھی بھلائے نہیں بھولتا، جامعہ احسن العلوم کے مولانا مفتی محمد اسماعیلؒ اور شہداء طلباء کے زخم ابھی مندمل ہی نہیں ہوئے کہ اب ظالموں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے صدر مفتی مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور ان کے رفقاء سے قوم کو محروم کردیا۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شخصیت اپنی جگہ گوہر تابدار تھی، قوم کا انمول سرمایہ تھی، ملک وملت کا گرانقدر اثاثہ تھی لیکن تاریکیوں نے اُجالوں کے سفر کے آگے بند باندھنے کے لئے اُس تابندہ شخصیت ہی کو آخرت کا راہی بنادیا۔ اس امر کا ادراک کئے بغیر کہ اُس شخصیت کی تابناکیاں ان کے فانی وجود کے ختم ہونے سے مٹ تو نہیں جائیں گی، حق وصداقت پر مبنی جس نظریے اور جس دین کے وہ علمبردار تھے اسے تو فنا نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ کے نور سے کسب فیض کرتے ہوئے انہوں نے رُشد وہدایت کی کرنیں بکھیرنے کا جو عمل شروع کررکھا تھا، اس پر تو موت وارد نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اس کو تکمیل تک پہنچانے کا کام تو سراپا نور ذات نے خود ہی سنبھال رکھا ہے۔

مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اسلام کے داعی' نظریۂ پاکستان کے جری اور بے باک محافظ تھے، اس ضمن میں نہ تو وہ کسی مصالحت کے قائل تھے اور نہ ہی کسی مداہنت کے، اگر کسی بھی طرف سے اسلام، ختم نبوت، عظمتِ صحابہؓ اور نظریہ پاکستان پر حملہ ہوتا تو وہ شمشیرِ بے نیام بن کر اسلام کے دشمنوں کا تعاقب کرتے اور ان کے چھکے چھڑادیتے۔

اِس ضمن میں ان کے فتویٰ، مساعی، مجاہدانہ کردار اور تحریر وتقریر کی کاٹ غضب کی ہوا کرتی تھی، وہ نہ کسی قوت وسطوت کو خاطر میں لاتے اور نہ کسی اقتدار واختیار کو، وہ جو بات بھی حق

سمجھتے بلاخوفِ لومۃ لائم اس کا برملا اظہار کرتے۔ وہ اس سے بھی بے نیاز تھے کہ کوئی مقتدر انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے، وہ تو حقیقی مجاہد تھے، ایسے مجاہد جو کسی جابر ترین حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے نہیں جھجکتا، خوفزدہ نہیں ہوتا، ہر دور، ہر اقتدار اور ہر قسم کی یلغار میں ان کی جرأتِ رندانہ بے مثل رہی، ان کی دوستی اور دشمنی "الحب للّٰہ والبغض للّٰہ" کے فرمانِ نبویؐ کی عملی تفسیر تھی، جو شخص دین اسلام کی سربلندی، دفاع صحابہؓ، ناموسِ رسالت اور تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرتا، پاکستان کی نظریاتی اساس کی جنگ لڑتا وہ ان کا محبوب ہوتا اور جسے اللہ تعالیٰ کے آخری وحتمی دین سے نفرت ہوتی، ناموسِ رسالت اور صحابہ کرامؓ سے کدورت ہوتی اور محمد عربی ﷺ کی محبت سے جس کا دل سرشار نہ ہوتا، مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اس سے کوسوں دور رہتے اور ضرورت کے وقت ان کی دسیسہ کاریوں کے خلاف تیغِ براں بن جاتے۔ یہی ان کا جرم تھا جس کی پاداش میں انہیں خلعتِ شہادت پہنا دی گئی ......

خونے نہ کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم   جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

پوری ملتِ اسلامیہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے اربابِ اہتمام وانصرام، انتظامیہ اور اساتذہ کے ساتھ برابر غم میں شریک اور تعزیت کناں ہے۔

☆......ماہنامہ **بینات**.....☆

مولانا قاضی محمود الحسن اشرف، رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس

مدیر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، مظفر آباد، آزاد کشمیر

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت کی خبر راقم نے مدینہ منورہ میں سنی، ۳۱/جنوری بروز جمعرات برادر صغیر مولانا سعید الحسن انور کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا کہ ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے نائب رئیس دارالافتاء واستاد الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری اپنے رفیق دارالافتاء مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی اور ایک ساتھی سمیت نرسری کے قریب شہید کر دیے گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خبر راقم سمیت مدینہ

منورہ میں موجود دیگر پاکستانی علماء اور معتمرین کے لیے گہرے غم والم کا موجب بنی، گزشتہ سال ہی جامعہ کی ہر دلعزیز شخصیت، ناظم تعلیمات اور استاذ الحدیث حضرت مولانا عطاء الرحمٰن نور اللہ مرقدہ کی شہادت کا واقعہ ابھی بھولا بھی نہیں تھا کہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اور گلستان بنوریؒ کے اساتذہ وطلباء اور متعلقین کو نائب رئیس دار الافتاء واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوریؒ کی شہادت نے ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیا۔

حضرت دین پوری شہید سے راقم کی زیادہ ملاقاتیں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحانات کے بعد پرچوں کی جانچ پڑتال اور وقتاً فوقتاً جامعہ بنوری ٹاؤن میں حاضری کے موقع پر دار الافتاء میں ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا مفتی دین پوری انتہائی خاموش طبع علم وعمل کے پیکر، تواضع اور عجز وانکساری کا مرقع، خوش اخلاقی وخوش اطواری کا پرتو تھے۔ وہ جلسے، جلوس، سیاسی اور فرقہ وارانہ سرگرمیوں سے کوسوں دور درس وتدریس وافتاء کی لائن کے آدمی تھے۔ آپؒ پر تصوف وزہد کے آثار نمایاں نظر آتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی عبد السلام مدظلہ کی علالت اور بنگلہ دیش منتقلی کے بعد جامعہ بنوری ٹاؤن کی طرف سے انہیں دار الافتاء کی نائب صدارت کی ذمہ داری بھی سونپی گئی اور دوسری طرف تدریس کے میدان میں بھی فقہ وحدیث کی مشکل ترین کتب جب بھی آپ کے حصے میں آئیں تو اس معیار پر نہ صرف پورا اترے بلکہ اس میں بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑتے چلے گئے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی طرف سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحان میں بحیثیت نگران اعلیٰ اور پرچوں کی جانچ پڑتال میں بطور ممتحن اعلیٰ اور بعدازاں بطور ممتحن مفتی صاحبؒ نے خدمات انجام دیں، جن سے ارباب وفاق نہ صرف مطمئن بلکہ اعلیٰ صلاحیتوں اور خدمات کے معترف رہے۔ الغرض حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوریؒ نے بھرپور انداز میں سعادت کی زندگی کے ساتھ شہادت کی موت بھی پائی، اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کے لیے جمعرات اور تدفین کے لیے جمعہ کا دن دیا۔ اور فقہ وحدیث کے سبق کے دوران شہادت کا اعزاز ملا اور جمعہ کے دن انہیں قبرستان دین پور کے علماء ومشائخ کے پہلو میں ابدی آرام وسکون ملا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم مفتی عبد المجید دین پوری، مولانا مفتی صالح محمد اور دیگر رفقاء کی شہادت کو قبول اور اس

شہادت کے خون کے سلسلہ میں کراچی کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنائے۔ آمین۔

حضرت مفتی صاحب پر ہونے والا قاتلانہ حملہ دشمنان اسلام کی اسلام دشمنی کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، یہ نہ تو پہلا واقعہ ہے اور نہ ہی آخری۔ بدقسمتی سے اہل حق کے صبر وتحمل وبرداشت اور امن سے محبت کو کمزوری سمجھا جارہا ہے۔ لاتعداد شہادتوں کے باوجود بھی اہل حق کے صبر کا دامن تھامے رکھا، بدقسمتی سے صبر کا دامن تھام کر خاموشی اختیار کرنے والوں کو جارح اور دہشت گرد کہا جارہا ہے۔ جبکہ جن کی سرشت میں یہی ظلم وجبر جھوٹ منافقت اور اسلام دشمنی ہے وہ اپنے آپ کو پھر بھی مظلوم باور کروارہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل حق کے جانی ومالی نقصان کی مکمل رپورٹ مرتب کی جائے، اور اہل حق کو دشمنان اسلام کی طرف سے جلائی ہوئی اس آگ کو بجھانے کے لیے دعائے استغفار قنوت نازلہ کے اہتمام کے ساتھ باہمی مشاورت اور اعتماد سے اس کا سدباب کرنے کے لیے ٹھوس اور مربوط منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ اللہ تعالی تمام شہدائے اسلام کی شہادت کو قبول اور ان کے خون کی برکت سے مملکت پاکستان کو امن وسلامتی کا گہوارہ اور مدارس دینیہ مکاتب قرآنیہ مساجد اور خانقاہوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین

☆......ماہنامہ **بینات**......☆

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

علماء وطلبہ اور عوام کی شہادتیں کب تک؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

ملکِ پاکستان کے طول وعرض اور بیرونی ممالک میں یہ غمناک، اندوہناک اور وحشتناک خبر بڑے دُکھ، درد اور کرب والم سے سنی جاچکی ہے کہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کے ذمہ دار اور مسئول اور استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ، ان کے نائب حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ اور ان دونوں حضرات کو لے جانے والے طالب علم حسان علی شاہؒ کو ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، مطابق ۳۱/ جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات، تقریباً ساڑھے بارہ بجے کراچی کی معروف شاہراہ شاہراہِ فیصل پر نرسری پل کے قریب

دن دیہاڑے دہشت گردوں نے فائرنگ کرکے شہید کردیا۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون، إن اللّٰہ ماأخذ وله ماأعطی وکل شيء عندهٗ بأجل مسمی.**

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے علماء کرام کو شہید کرنے کا یہ پہلا واقعہ نہیں، بلکہ اس سے پہلے تواتر کے ساتھ کئی شہادتوں کے واقعات رونما ہوچکے ہیں۔ پہلا واقعہ اس وقت ہوا جب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر اساتذہ کی معیت میں جامعہ کی ایک شاخ سے واپس آرہے تھے کہ بزنس ریکارڈر روڈ پر ان کی گاڑی پر فائرنگ کرکے جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ، جامعہ کے ناظم اور استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہرؒ کو شہید کیا گیا اور اس حادثہ میں دو اساتذہ زخمی بھی ہوئے۔

اس کے بعد ۱۳/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/مئی ۲۰۰۰ء صبح دس بجے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذِ حدیث، مرشد العلماء اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو ڈرائیور الحاج عبدالرحمٰنؒ سمیت فیڈرل بی ایریا میں فائرنگ کرکے شہید کیا گیا۔

اس کے بعد ۳۰/مئی ۲۰۰۴ء بروز اتوار جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث، شعبہ تخصص فی الفقہ کے نگران ومشرف حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئیؒ کو گھر سے جامعہ علوم اسلامیہ کی طرف جاتے ہوئے فائرنگ کرکے شہید کردیا گیا۔ اس کے بعد جامعہ کے فاضل، ہمدرد اور عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت شوریٰ کے رکن حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ اور ان کے ساتھی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے مبلغ حضرت مولانا نذیر احمد تونسویؒ کو شہید کیا گیا۔

اس کے بعد ۲۵/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعرات جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان ''ماہنامہ بینات'' کے مدیر اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے امیر حضرت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ، ان کے بیٹے حافظ محمد حذیفہؒ، ان کے خادم حضرت مولانا فخر الزمانؒ اور ڈرائیور بھائی عبدالرحمٰن سری لنکنؒ کو اس وقت بے دردی سے شہید کیا گیا، جب آپ مسجد خاتم النبیین سے مجلس ذکر سے فارغ ہوکر واپس گھر تشریف لارہے تھے۔

اس کے علاوہ جامعہ کی ملیر شاخ کے ہر دل عزیز استاذ حضرت مولانا سعید احمد اخوندؒ کو شہید کیا گیا۔ اسی طرح جامعہ کی شاخ ''گلشن عمرؓ'' کے استاذ حضرت مولانا انعام اللہ صاحبؒ کو شہید کیا گیا۔ اسی طرح جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حضرت مولانا ارشاد اللہ عباسی صاحبؒ کو صبح کی نماز پڑھانے کے لئے جاتے ہوئے دہشت گردوں نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ اس کے علاوہ مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر تقریباً جامعہ کے ۱۱ طلبہ کو شہید کیا گیا۔

پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص علماء، طلبہ، مدارس اور عوام الناس سب دہشت گردوں کے نشانے پر ہیں۔ ملک کے وزیر داخلہ نے دو روز قبل یہ بیان دیا کہ فروری کے آغاز میں سندھ کے دار الحکومت کراچی میں دہشت گردی اور قتل وغارت کا بازار گرم ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ کراچی میں طالبان دہشت گردی نہیں کر رہے، بلکہ یہ سرحد پار بیٹھے دشمنوں کی منصوبہ بندی ہے، جس میں مقامی لوگوں کو بھی استعمال کیا جائے گا۔ ان کے بیان کی باز گشت ابھی کانوں میں ہی تھی کہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قائم کردہ درس گاہ کے دو اساتذہ کرام کو شہید کر دیا گیا۔

کراچی میں جاری قتل وغارت پر پورا ملک افسردہ اور غمگین ہے، مگر سنگ دل اور بے حس حکمران ٹس سے مَس نہیں ہو رہے۔ دن دہاڑے قتل ہوتے ہیں، لوگ اغوا ہوتے ہیں، ٹارگٹ کلنگ ہوتی ہے، لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حکمرانوں کو صرف اپنی جانیں اور مال عزیز ہیں، عوام کو وہ بھیڑ بکریاں خیال کرتے ہیں۔

ان سب شہادتوں اور صدمات کے سہنے کے باوجود صبر کے پہاڑ جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم وحفظہم اللہ نے حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑیؒ کے جنازہ کے موقع پر فرمایا:

''ہم پر امن لوگ ہیں، اس عظیم صدمے کے موقع پر تمام ساتھی سیرتِ نبوی کی روشنی میں صبر سے کام لیں۔ ہم ملک عزیز میں قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد برپا نہیں کرنا چاہتے۔ مگر اعدائے اسلام سن لیں کہ یہ اللہ کا دین ہے، وہ خود ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے، تم خود مٹ

جاؤ گے، مگر یہ دین قیامت تک باقی رہے گا''۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی تلقین ہی تھی کہ اتنے بڑے سانحے اور حادثے کے باوجود کسی بس کو پتھر نہیں لگا، کسی دکان کا شیشہ نہیں ٹوٹا اور نہ ہی ملکی املاک کو کوئی نقصان پہنچایا گیا۔

اس طرف اتنے صبر کا مظاہرہ اور دوسری طرف حکومتی بے حسی کی انتہا یہ ہے کہ اتنے دن گزرنے کے باوجود ان شہداء کے قاتلوں کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں لگایا گیا اور نہ ہی کسی قسم کی مناسب پیش رفت سے جامعہ کے ذمہ داران کو آگاہ کیا گیا۔

آیئے! دیکھتے ہیں کہ حکومت کی اس سردمہری اور بے حسی کے بارہ میں ملک کی دینی، مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے اکابرین، ذمہ داران، سرپرست اور عوامی نمائندے کیا کہتے ہیں:

''اسلام آباد، لاہور، کراچی (نیوز رپورٹر+خبر ایجنسیاں) وفاق المدارس نے مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور ان کے رفقاء کی شہادت کو قومی سانحہ قرار دے دیا۔ مختلف سیاسی و مذہبی رہنماؤں کا اظہار افسوس، قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کر دیا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رہنماؤں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد حنیف جالندھری اور مولانا انوار الحق نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء مفتی عبدالمجید اور ان کے رفقاء کی شہادت قومی سانحہ ہے، اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ انہوں نے کراچی میں علماء کرام کی مسلسل شہادتوں پر حکومتی بے حسی کو افسوسناک قرار دیا اور کہا کہ جب تک حکومت کی طرف سے قاتلوں کی گرفتاری کی سنجیدہ کوششیں اور علماء کی مظلومانہ شہادت کی آزادانہ اور منصفانہ تحقیقات نہیں کی جاتیں، اس وقت تک قومی اور صوبائی حکومتیں ان علماء وطلبہ کے قتل کی ذمہ دار ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی امیر مولانا فضل الرحمٰن نے مفتی عبدالمجید دین پوری اور مولانا مفتی صالح محمد، حافظ حسان اور دیگر افراد کے قتل کو بدترین دہشت گردی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حکومت صرف بیانات نہ دے، بلکہ قاتلوں کو بے نقاب کرے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچائے۔ دریں اثناء جے یو آئی کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری اور مرکزی ترجمان مولانا محمد امجد خان اور قاری محمد عثمان، مولانا محمد غیاث، محمد اسلم غوری نے بھی

واقعہ کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو مستعفی ہو جانا چاہئے۔ مسلم لیگ (ن) کے صدر نواز شریف نے جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے علماء اور دیگر کی شہادت کی شدید مذمت کی ہے۔ نواز شریف نے کہا کہ امن و امان برباد کرنے والے قاتلوں اور جرائم پیشہ افراد کو آہنی ہاتھوں سے کچلنا ہوگا، کراچی میں حکومت کی رِٹ ختم ہو چکی ہے۔ امیر جماعت اسلامی سید منور حسن، سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ نے مفتی عبدالمجید دین پوری سمیت علماء اور شہریوں کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ شہر میں عوام کے خون کی ہولی نام نہاد عوامی حکومت کے منہ پر طمانچہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہر میں دن دہاڑے ۳/ علماء کا قتل ثابت کرتا ہے کہ حکومت امن و امان کے قیام میں مکمل ناکام ہو چکی ہے۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کا کہنا ہے کہ کراچی میں فائرنگ کے واقعات شہر کے امن کو تباہ کرنے کی سازش ہے۔ انہوں نے علماء کرام کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں علماء کرام کو بے دردی سے قتل کیا جا رہا ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے دہشت گردی کو روکنے میں بے بس ہو گئے ہیں۔ دوسری جانب اہل سنت والجماعت کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات علامہ اورنگزیب فاروقی نے اپنے بیان میں کہا کہ موجودہ حکومت ہمیں ہزاروں علماء اور کارکنان کی لاشوں کے تحفوں کے سوا کچھ نہ دے سکی۔ حکومت ہمیں کوئی اور راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے۔ اہل سنت نے کوئی اور راستہ اختیار کیا تو حالات کنٹرول سے باہر ہو جائیں گے''۔

☆...... ہفت روزہ **القلم** ......☆

مولانا محمد مسعود ازہر

مادرِ علمی کے نام

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے..... کراچی کے حالات دیکھ کر دل غم سے پگھلتا اور درد سے کراہتا ہے..... ''مرکزِ علمی'' جامعۃ العلوم الاسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کے ''صدر مفتی'' حضرت مفتی محمد عبد المجید دین پوریؒ اور ''معاون مفتی'' مفتی صالح محمد کاروڑیؒ گولیوں کا نشانہ بن گئے..... آہ! لوگوں کو کیا پتہ کہ ''مفتی'' کون ہوتا ہے؟..... ایک حقیقی اور جید مفتی بننے کے لیے کم از کم پچیس سال کی کمر توڑ محنت درکار ہوتی ہے..... مگر جانوروں سے بدتر قاتلوں کے لیے ''مفتی'' بس ایک آسان شکار......

دین کی سمجھ رکھنے والے علماء کرام کی تعداد پہلے ہی کافی کم ہے......مدرسہ سے فاضل ہونے والا ہر شخص ''عالم دین'' نہیں ہوتا......علم ایک اونچی اور مشکل منزل ہے، اس تک خاص لوگ ہی پہنچتے ہیں......بہت محنتی، مستقل مزاج، مخلص اور اللہ کا خوف رکھنے والے......علم کا کوئی ایک چراغ بجھتا ہے تو دور دور تک تاریکی محسوس ہوتی ہے اور تمام مخلوقات اس کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتی ہیں......

''القول الجمیل'' میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے......''عالمِ ربانی'' کے لیے پانچ شرطیں لکھی ہیں......فرماتے ہیں: جو ان پانچ امور کا مکمل التزام کرتا ہو......وہی عالم ربانی ہے اور ایسے ہی علماء حضرات انبیاء اور رسولوں کے وارث ہیں......اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق ان کے لیے دعاء کرتی ہے.....حتیٰ کہ سمندر کی تہہ میں مچھلیاں بھی......ایسے اہلِ علم کا وجود اور ان کی صحبت..... ''الکبریت الاحمر'' ہے......یعنی مٹی کو سونا اور لوہے کو ہیرا بنانے والی......''جامعۃ العلوم الاسلامیہ'' روئے زمین کے چند بڑے علمی مراکز میں سے ایک ہے......یہ ادارہ ایک اللہ والے کے اخلاص اور جان توڑ محنت کا ثمرہ ہے......عام دینی مدرسے ابتدائی کتابوں کی تعلیم سے شروع ہوتے ہیں......یہ شاید دنیا کا واحد علمی ادارہ ہے جس کا آغاز تخصص سے ہوا......یعنی آخری تکمیلی درجے سے......کل دو اساتذہ تھے اور دس طلبہ......رہائش کے لیے کوئی کمرہ، نہ آسانی کے لیے کوئی انتظام......بس ایک مسجد تھی......اس میں نہ غسل خانہ، نہ بیت الخلاء......صرف وضو کے لیے چند عارضی ٹونٹیاں تھیں......اور بس.....طلبہ مسجد ہی میں رہتے، وہیں پڑھتے اور وہیں سوتے......جو تھوڑا بہت سامان تھا وہ بھی مسجد میں رکھتے......اور یہ سامان بھی بسا اوقات چوری ہو جاتا تھا......

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ، یہ دو اساتذہ بھی طلبہ کے ساتھ رہتے......اور بلند دینی وجاہت اور غیر معمولی علمی مقام کے باوجود......نہ کوئی رہائش اور نہ بچوں کو ساتھ رکھنے کا انتظام.....دن بھر طلبہ کے ساتھ رہتے اور رات کو ایک دوست کے گھر عارضی قیام......اور دن کو بھی وضو وغیرہ کی حاجت کے لیے اسی دوست کے گھر جانا پڑتا.....آپ سوچتے ہونگے کہ شاید ان دو اساتذہ کو پڑھانے کے لیے کوئی اچھی جگہ نہیں ملی ہوگی تو مجبوراً.....یہ سب کچھ جھیلتے ہونگے.....نہیں جناب!.....حضرت بنوریؒ کے لیے ہر طرف سے دعوتیں اور بلاوے تھے.....حتیٰ کہ ڈابھیل جیسے عالمی شہرت یافتہ جامعہ کا شیخ الحدیث کا منصب......بھاری تنخواہ اور پُر

آسائش رہائش گاہ کی پیشکش موجود تھی.....مگر بڑے کام بڑی آزمائشوں سے ہی وجود میں آتے ہیں.....اور جنت کو فتح کرنے کے لیے ''مکروہات''.....یعنی مشکلات کے خاردار جنگل میں قدم لہو لہو کرانے پڑتے ہیں.....حضرت بنوریؒ ایک عجیب جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے.....

''بھائی اگر دینی مدرسہ دنیا کے لیے بنانا ہے تو یہ آخرت کا سب سے بڑا عذاب ہے
اور اگر آخرت کے لیے بنانا ہے تو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے.....''

حضرت بنوریؒ آخرت کی کامیابی کے لیے.....اپنی دنیا کو کڑوا بناتے رہے.....تھوڑا سا سوچیں.....خود کراچی میں تھے اور گھر والے، بچے ٹنڈو الہیار میں....گھر میں کوئی مرد بھی نہیں تھا، صرف عورتیں اور بچے.....ایک جان پہچان والے عالمِ دین نے خدمت کا اجر کمایا، وہ گھر کا سودا سلف پہنچا دیتے....اور خود حضرتؒ مہینہ میں ایک بار تشریف لے جاتے....اس وقت پہلے کراچی سے حیدر آباد جانا پڑتا، پھر وہاں سے دوسری ٹرین پر ٹنڈو الہ یار.....اس سفر میں جو مشقتیں اس عالمِ جلیل نے دیکھیں، ان کو صرف لکھنا اور پڑھنا آسان ہے.....مگر جھیلنا ہر کسی کے بس میں نہیں.....ایک رات اسٹیشن پر بجلی نہ تھی، کوئی قلی بھی نہ ملا....ادھر سردی، بارش اور اندھیرا....معارف السنن کا مصنف اپنے سر پر ایک من وزن کا سامان اٹھائے.....ٹھوکریں کھاتا ہوا گھر کی طرف پیدل جا رہا تھا....اللہ تعالیٰ نے اسی رات کو آزمائش کی آخری گھڑی بنادیا...فقیر کے ہاتھ اٹھے اور غنی کی طرف سے رحمت ٹوٹ برسی....اور کراچی میں رہائش کا بندوبست ہوگیا....لوگ کیا جانیں! عرب وعجم کے علماء حضرت بنوریؒ کی زیارت کو ترستے تھے....ایک بار ہمارے سامنے امام کعبہ حضرت شیخ عبد اللہ بن سبیلؒ نے حضرت بنوریؒ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ.....یہ عالمِ دین، علمِ حدیث کے پہاڑ تھے....آج عرب دنیا سے چھپنے والی کتنی ہی کتابوں میں حضرت بنوریؒ کی معارف السنن کا حوالہ ملتا ہے.....اور آپ کے شاگرد....اور ان شاگردوں کے شاگرد پورے عالم اسلام میں علم وجہاد کی خدمت میں..... ہمہ تن مشغول ہیں.....اور خود جامعۃ العلوم الاسلامیہ جس کے آغاز میں ایک کمرہ بھی نہ تھا.....پھر ٹین کی چھت کا کمرہ بنا....آج وہ اور اس کی شاخوں کی عمارتیں....کئی کئی ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہیں....حضرت بنوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ بیٹیاں عطائی فرمائی تھیں.....اور بیٹے صرف دو....ان دو میں سے بھی ایک کی پیدائش آپ کی وفات سے صرف تین

سال پہلے ہوئی.... بات یہ بتانی ہے کہ آپ کی لاڈلی صاحبزادی ''فاطمہ'' کی بینائی بھی انہی آزمائشوں کی نذر ہوگئی.... حضرتؒ کراچی میں تھے اور بیٹی ٹنڈو الہ یار میں.... آنکھوں کی تکلیف شروع ہوئی.... مگر کون علاج کراتا؟.... جب کراچی میں علاج کی سہولت ملی تو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا.... حضرتؒ کو اس بیٹی سے بہت محبت تھی.... دعا میں رو رو کر فرماتے تھے.... اس دینی مدرسہ کے لیے ہم نے اپنی عزیزہ لخت جگر کو بھی قربان کر دیا، اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول فرمائے .... اور جس عظیم مقصد کے لیے ہم نے اپنے آپ کو، اہل وعیال کو قربان کیا ہے، اپنی رحمت سے اس مقصد میں ہمیں کامیاب فرمائے.... حضرتؒ کی دعاء بھی قبول ہوئی اور قربانی بھی.... جامعہ نے اتنی تیزی سے حیرت انگیز ترقی کی کہ.... اسے نہ الفاظ میں سمویا جاسکتا ہے اور نہ کسی مشین پر پرکھا جا سکتا ہے.... وہ مدرسہ جو قرض پر شروع ہوا تھا دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرح کے اسباب وسائل سے مالا مال ہوگیا.... اور جو اس کا مقصد تھا.... علم دین کی حفاظت، فروغ اور ترویج اس میں اسے کراماتی کامیابی ملی.... آج تک الحمدللہ یہ جامعہ پورے ملک کے مدارس میں تعلیمی معیار.... طلبہ کے رجوع اور دین کے ہر شعبے کی خدمت کے لحاظ سے.... تمام مدارس میں پہلے نمبر پر ہے.... حضرت بنوریؒ کے بعد ان کے اس دینی، علمی اور روحانی مرکز کی قیادت.... حضرتؒ کے داماد.... حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ نے سنبھالی..... وہ اپنے استاذ اور شیخ حضرت بنوریؒ کی محبت اور اطاعت میں فنا تھے.... ان کے بارے میں یہاں تک مشہور تھا کہ انہیں حضرت بنوریؒ سے اس قدر محبت اور موافقت حاصل ہے کہ.... اگر حضرتؒ دن کو رات فرمائیں تو مفتی احمد الرحمٰنؒ کو اس میں شک نہیں ہوگا.... حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ نے اپنی جوانی اور زندگی ایک شمع کی طرح گھلا اور پگھلا کر.... حضرت بنوریؒ کے دینی کام اور مرکز کی خدمت کی.... انہوں نے اپنی ذات کو ہمیشہ پیچھے رکھا اور حضرتؒ کے کام کو مقدم رکھ کر.... جان توڑ محنت فرمائی.... حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کا دورِ اہتمام.... جامعہ کے مثالی عروج کا زمانہ تھا.... سبحان اللہ! جامعہ کا کیا رعب تھا اور کیا مقام.... کیا دبدبہ تھا اور کیا معیار.... دین کے ہر شعبے کی قیادت گویا کہ جامعہ کی گود میں تھی.... اور عزیمتوں کے پُر خطر راستے پر جامعہ کامیابی کے ساتھ گامزن تھا.... پھر اچانک مفتی صاحبؒ، امام غزالیؒ جتنی عمر پا کر....

رفیقِ اعلیٰ کو چلے گئے...ان کے کچھ عرصے بعد جامعہ....طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہوگیا.... جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور حضرت مفتی عبدالسمیعؒ شہید کردیے گئے.... پھر حضرت لدھیانویؒ.... پھر حضرت شامزئیؒ.... پھر حضرت مفتی جمیلؒ.... حضرت جلال پوریؒ...اور اب حضرت مفتی دین پوریؒ.... جامعہ لہولہو، جامعہ زخموں سے چور چور....اور جامعہ اشکبار....مگر یقین ہے کہ....اخلاص وتقویٰ پر جس عمارت کی بنیاد ہو وہ کبھی نہیں گرتی....کبھی نہیں جھکتی....دل چاہتا ہے....اپنے غم زدہ جامعہ کی چوکھٹ کا ایک بوسہ لوں....تعزیت کروں... اور جامعہ کے دشمنوں کو بتاؤں کہ.... یہ سمندر بہت گہرا ہے....تم ذلتوں میں فنا ہو جاؤ گے....اور جامعہ کے بلند میناروں سے سدا.... ''اللہ اکبر'' کی اذان بلند ہوتی رہے گی....اے محبوب مادرِ علمی!....تجھے عقیدت بھرا سلام....

ہم حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ اور مفتی صالح محمدؒ کے ورثاء تلامذہ اور جملہ متعلقین سے قلبی طور پر تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔آمین

ہماری خصوصی ہدایت پر جماعت کے ایک وفد نے جامعہ بنوری ٹاؤن کے رئیس وشیخ الحدیث استاذِ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم سے حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت پر تعزیت کے لیے خصوصی ملاقات کی۔ وفد میں جماعت کی مرکزی شخصیات میں سے مولانا طاہر حمید، مولانا مجاہد عباس، نائب ناظم شعبۂ ہدایت بھائی محمد حذیفہ، بھائی محمد ریحان، اور حافظ محمد طاہر شامل تھے۔اس موقع پر استاذِ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس وقت ہم میں سے ہر ایک تعزیت کا مستحق ہے اور جس طرح محمد مسعود ازہر نے آپ کی وساطت سے ہم سے تعزیت کی ہے تو آپ میری طرف سے ان سے بھی تعزیت کرلیں، حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کے آبائی علاقے میں ہونے والی نمازِ جنازہ میں الرحمت ٹرسٹ کے نمائندہ وفد نے شرکت کی، جس میں میرے برادرِ صغیر مولانا طلحہ السیف اور مولانا محمد عمار انظر شامل تھے اور انہوں نے حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کے پسماندگان سے میری طرف سے تعزیت کی۔

☆......ماہنامہ **صدائے فاروقیہ**، شجاع آباد......☆

مولانا زبیر احمد صدیقی

مدیر و شیخ الحدیث: جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد

مقبرۃ الاولیاء میں مدفون شہید

مورخہ 19 ربیع الاول 1434ھ بمطابق یکم فروری 2013ء شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدرِ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے حکم پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر کے ناظم مولانا عبدالمجید کے ہمراہ وفاق کی نمائندگی کرتے ہوئے خان پور ضلع رحیم یار خان میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے نائب رئیس دارالافتاء، شہیدِ علم حدیث نبوی، عالم بے بدل، فقیہ وقت، خانوادہ دین پور کے چشم و چراغ، استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے جنازے میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ خانقاہ راشدیہ قادریہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا میاں مسعود احمد دین پوری مدظلہ نے اشک بار آنکھوں سے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔ اہل علم وتقویٰ کے علاوہ ہزاروں لوگ سوگوار ماحول میں خون آلود کفن پوش اپنے محبوب قائد کو دین پور شریف کے تاریخی مقبرۃ الاولیاء والمشائخ میں آسودہ خاک کر کے گھروں کو واپس لوٹے۔ یہ وہی مقبرہ ہے جس میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، حضرت مولانا عبدالقادرؒ، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ، حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، حضرت مولانا محمد لقمان علی پوریؒ، حضرت مولانا غلام مصطفیٰؒ، میاں جی خیر محمدؒ، مولانا انیس الرحمٰن درخواستی شہیدؒ اور مولانا شفیق الرحمٰن درخواستیؒ کے علاوہ کئی اکابر، علماء اور صلحاء مدفون ہیں۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کو مفتی عبدالسلام صاحب کے بنگلہ دیش چلے جانے کے بعد دارالافتاء کا ذمہ دار بنا دیا گیا، آپ سے ملک بھر کے عوام کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مفتیان کرام بھی استفادہ کرتے، آپ کی نظر نہایت ہی عمیق اور مزاج تحقیقی تھا، علم کے ساتھ عمل اور اخلاق

حسنہ کی دولت سے بھی مالامال تھے، طبیعت سادہ لیکن پروقار تھی، خندہ پیشانی سے ہر آنے والے کا استقبال کرنا انکا وصف تھا، اپنے اکابر وسلف سے بے پناہ محبت ان کا شیوہ تھا، حضرت بنوریؒ کا تذکرہ فرماتے تو آبدیدہ ہوجاتے، فجر کے بعد حضرت کے مزار مبارک پر حاضر ہوکر دعا فرماتے اور پھر درس گاہ میں تشریف لے جاتے، طبیعت میں اعتدال غالب تھا، وفاق المدارس العربیہ کے درجہ سابعہ کے ممتحن اعلیٰ تھے، گذشتہ برس امتحانی کمیٹی کی معاونت کے لئے جب احقر کی تشکیل ہوئی تو انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، وہ باکمال انسان ثابت ہوئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆......☆......**بینات**......☆......☆

مولانا مفتی احمد ممتاز

ان کی یادیں، ان کی باتیں

ماضی کے دریچوں میں جھانک کر کچھ تلخ یادیں تازہ کرنے کے لیے قلم ہاتھ میں لیا تو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ابتداء کہاں سے کروں؟ میں سوچ رہا تھا کہ ایک عظیم مفتی اور لاجواب مدرس اور انتہائی شیریں زباں، دھیمے لہجے کے مالک حضرت مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے تیار ہونے میں کم وبیش ساٹھ برس لگے۔ اللہ رب العزت اور تقدیر کے فیصلے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور کوئی اعتراض کربھی کیسے کرسکتا ہے؟ اور کیونکر؟ (کہ ایسا کیوں ہوا؟) لیکن بہرحال ساٹھ برس تک کتنے افراد کی کتنی محنت، کتنے لوگوں کا سرمایہ، کتنے اساتذہ کی شب وروز کی تھکا دینے والی محنتوں کے بعد اتنا بڑا ایک انسان تیار ہوا لیکن ظالم درندوں کی صرف بیس سیکنڈ کی درندگی نے اس عظیم ہستی کو ہم سے چھین لیا۔ بس! یوں سمجھئے...... کہ اندھیری رات کے تھکے ہارے، تندو تیز ہواؤں اور موسموں کے ستائے ہوئے، راہ سے بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے نشانِ منزل بتلانے والے، ایک جلتے دیپ کو پھونک مار کر گل کردیا گیا، حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے وہ الفاظ ابھی تک گویا میری سماعتوں کے ساتھ ٹکرا رہے ہیں '' کہ میری بڑی صاحب زادی آئی ہوئی تھی تو مجھے کہنے

لگی، ابو! آپ ذرا باہر جاتے ہوئے خیال کیا کریں، اپنی حفاظت کا بہت زیادہ خیال کیا کریں۔ تو میں نے جواب دیا: ''میڈی دھی! جیہڑی رات قبر اچ لکھی ھے اوہ باہروں نہی آسکدی، تے جیہڑی رات باہروں لکھی ھے اوہ قبر اچ نہی آسکدی'' (بیٹی! جو رات قبر میں لکھی ہوئی ہے وہ کبھی باہر نہیں آسکتی اور جو باہر لکھی ہوئی ہے وہ کبھی قبر میں نہیں آسکتی)۔ جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ رات ان کی قبر ہی میں لکھی ہوئی تھی وہ بھی شہادت جیسی عظیم موت پا کر، میں تو سچ بتاؤں! کہ ان کی قسمت پر ناز کرتا ہوں، کہ ٹھیک ہے جانا تو ہر کسی نے ہے، لیکن امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تمنا اور دعا: ''اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك واجعل موتی فی بلد حبیبك۔'' اسلام کے غلبہ پا جانے کے بعد مدینہ کے اندر رہ کر شہادت کی تمنا کرنا بظاہر ایک عجیب وغریب دعا تھی، لیکن جب اللہ رب العزت کی طرف سے قبولیت ہو جائے تو پھر تمام بند دروازے کھل جایا کرتے ہیں اور راستے کی تمام رکاوٹیں خود بخود دور ہو جایا کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ دعا قبول فرمائی اور ''جعل موتہ فی بلد حبیبہ'' کر دیا۔

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ تگڑے اور بہترین مدرس اور ہر دل عزیز شخصیت تھے، بلکہ وہ ایک انتہائی کہنہ مشق مفتی بھی تھے اور عافیت کے گوشوں میں بیٹھے ہوئے ایک مدرس و مفتی کے لیے ان کاموں کو جاری رکھے ہوئے بظاہر جہاد کے میدانوں میں جانا اور شہادت جیسے عظیم مرتبہ کو حاصل کرنا ایک ناممکن سی بات ہے، میں نہیں سمجھتا کہ حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ نے کبھی مقبول شہادت کی دعا نہ مانگی ہو۔ بطورِ جملہ معترضہ درمیان میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی ایک بات یاد آئی کہ ''جب بھی اللہ سے دعا مانگو تو یوں مانگو: اے اللہ! مجھے سعادت کی طویل زندگی اور شہادت کی مقبول موت عطاء فرما، اس لیے کہ جہاں شہادت ایک عظیم نعمت ہے وہیں زندگی بھی تو اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اور عظیم عطیہ ہے۔ لیکن جب زندگی سعادت کی مل جائے تو جتنی طویل ہو کم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس باسعادت زندگی میں اپنے دینِ عالی کے بڑے بڑے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں گے جس میں اپنا بھی دنیا و آخرت کا فائدہ ہے اور پوری امت مسلمہ کا بھی، اللہ رب العزت نے حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے حق میں

یہ دعا کس خوبی سے قبول فرمائی، واقفانِ حال سے مخفی نہیں، اسی طرح اللہ رب العزت نے حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے حق میں بھی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دعا اس انداز میں کہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے دیگر دینی کاموں کے ساتھ ساتھ قبول فرمائی، اور ایسے ہی حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی دعا بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ کے حق میں احسن انداز میں قبول فرمائی، ان کی دعا تو قبول ہوگئی، اور ان کی جدائی پر ہمارے دل غمزدہ اور افسردہ بھی ہیں، لیکن غم کی اس شدید ترین گھڑی میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ زبان سے وہی الفاظ نکلیں گے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے بیٹے ابراہیم جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اور دل غمگین تھا لیکن زبان سے ''ولا نقول الا مایرضی ربنا وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون''

ویسے دیکھا جائے تو حضرت بنوری رحمہ اللہ کے گلشن کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس گلشن کے متعلقین کو اللہ تعالیٰ شہادت جیسی نعمت عظمیٰ سے تسلسل کے ساتھ نوازتے چلے آرہے ہیں، یہ سلسلہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ تعالیٰ سے شروع ہوا، اُن کے ساتھ حضرت مفتی عبد السمیع شہید، پھر حضرت لدھیانوی شہید، حضرت مفتی ڈاکٹر نظام الدین شامزئی شہید، حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہم اللہ تعالیٰ اور اب حضرت مفتی محمد عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس قافلۂ شہداء میں شامل ہوگئے، نہ معلوم یہ سلسلہ کہاں جاکر رکے گا؟ اس لیے حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اس گلشن کے بارے میں یہ کہنا بے جانہ ہوگا:

یہ روح پیاسی ہمیں ورثے میں ملی ہے
دکھ درد سے رشتہ ہے صدیوں سے ہمارا
یہ سرخ لباسی ہمیں ورثے میں ملی ہے

اپنی شہادت سے ٹھیک پندرہ دن قبل جمعرات کے روز حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے جامعہ میں تشریف لائے، ان کے ساتھ مولانا مفتی شعیب عالم صاحب اور مولانا

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب بھی تھے، قبل از عصر تقریب تقسیم انعامات تھی، اس کے بعد حضرت نے مختصر مگر انتہائی پر مغز بیان فرمایا، نمازِ عصر کے بعد حضرت کی خواہش پر قریبی ساحلِ سمندر پر چلے گئے، وہیں ساحل پر کچھ احباب جوس وغیرہ لے کر آ گئے، میرے چھوٹے بھائی مولانا مفتی محمد امتیاز بڑے ہی خوش مزاج وخوش طبع واقع ہوئے ہیں، حضرت کے ساتھ وہیں پر تھوڑی دیر کے لیے ظریفانہ گفتگو کی محفل جم گئی، حضرت مغرب تک ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے رہے، مغرب کی نماز وہیں قریبی مسجد میں ادا کی اور واپس جامعہ میں چلے آئے اور پھر مغرب کے بعد کھانے پر بھی مجلس بڑی ہی پر لطف رہی، عشاء کی نماز یہیں ادا کی اور نمازِ عشاء کے بعد ایک پرانی اور بوسیدہ سی کار میں رات دس بجے کے قریب بنوری ٹاؤن واپس تشریف لے گئے، میں آج نگاہِ تصور میں اس پرانی اور بوسیدہ سی کار میں روانہ ہونے والے جنت کے اس تھکے ہارے مسافر کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ واقعتاً ساٹھ سال کا طویل ترین سفر طے کرنے والا تھکا ہوا مسافر آج یقیناً اللہ تعالیٰ کی میزبانی سے اس کی جنت میں لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ ولا تعذبہ واحشرہ فی زمرۃ الصالحین ، اللھم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ ، اللھم ارزقہ الفردوس الاعلیٰ۔آمین یارب العالمین!

☆......☆......**ضرب مومن**......☆......☆

مولانا سید عدنان کاکاخیل

کراچی......علماء کی قتل گاہ......مسلسل شہادتیں

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوریؒ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ یوں لگتا ہے کہ مادرِ علمی جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن نے دینِ محمدی کے چمنستان کو اپنے شہداء کے لہو سے سینچنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ ایک کے بعد ایک شخصیت دین دشمن قوتوں کے گھناؤنے ارادوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ مگر الحمدللہ جامعہ اور اس کے فضلاء کے حوصلوں اور عزائم کو پسپا کرنے میں کوئی کامیاب نہ ہو سکا۔

کراچی کی سڑکوں پر علماء کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور ریاستی ادارے بے بسی

و بے حسی کی تصویر بنے ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ گزشتہ پندرہ سولہ سالوں میں ایک درجن سے زائد بین الاقوامی علمی شخصیات کو انتہائی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جن کے علمی اور روحانی کمالات وخدمات کا اعتراف پوری دنیا میں کیا جاتا تھا۔ کراچی کی صورتحال پر لکھنے والوں کا قلم سوکھ اور بولنے والوں کے حلق سوج گئے، مگر حالات ہیں کہ بگاڑ اور فساد کی آخری حدوں کو پہنچے ہوئے ہیں اور کسی طور قابو میں نہیں آرہے۔ گزشتہ دو عشروں سے جاری اس قتل وغارت میں حالیہ دنوں میں ایک عجیب تیزی اور اہداف کے تعین میں ایک غیر معمولی یکسانیت وہم آہنگی دیکھنے میں آرہی ہے۔ واضح طور پر نشانہ معلوم ہے مگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی مجرمانہ غفلت اور انتہا درجے کی نا اہلی کہ آج تک کسی قاتل تک رسائی تو درکنار ان قوتوں کو بے نقاب کرنے میں بھی کوئی کارکردگی نہیں دکھائی دی جو اس قتل وغارت کی ذمہ دار ہیں۔

گزشتہ کافی عرصے سے جاری اس خانہ جنگی نما کیفیت میں ایک جوہری تبدیلی جو دیکھنے میں آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ اب فقط معروف اور ہائی پروفائل علمی شخصیات کو نشانہ بنانے کی پالیسی ترک کر کے غیر معروف علمائے کرام اور مساجد کے ائمہ اور مؤذنین تک کو بے دردی سے شہید کیا جارہا ہے۔ یہ اہلِ دین کے نام دہشت گردوں اور ملک دشمنوں کا واضح پیغام ہے کہ دین محمدی کی خدمت واشاعت سے باز آجاؤ۔ مساجد میں اللہ کا نام بلند کرنے قرآن پاک پڑھانے اور حدیث وفقہ کی خدمت کرنے کو نا قابلِ معافی جرم سمجھو، ورنہ اس کے عواقب ونتائج بھگتنے کے لئے ہر دم تیار رہو۔ جو لوگ عوامی مجمعوں میں جا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور ان کی بات توجہ واحترام کے ساتھ سنی جاتی ہے، ان کے سروں پر تو ننگی تلواریں لٹکا دی گئی ہیں اور اب ایسے تمام افراد ہر بیان، زندگی کا آخری بیان سمجھ کر کرتے ہیں۔

دہشت گردوں کے عزائم واضح ہیں، وہ مساجد کو ویران اور مدارس کو اجاڑنا چاہتے ہیں، وہ کراچی میں موجود اہلِ حق کی چھ ہزار مساجد کے منبر ومحراب سے بلند ہونے والی صدائے حق کو خاموش کر دینا چاہتے ہیں، وہ شہر قائد میں موجود سیکڑوں مدارسِ دینیہ میں زیر تعلیم لاکھوں طلبۂ علومِ نبوت سے خوف زدہ ہیں، وہ اس ملک میں جس قسم کی لادینیت، بے راہ روی، آوارگی اور

عریانی کے مناظر دیکھنا چاہتے ہیں، وہ اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ انہی مساجد ومدارس کو سمجھتے ہیں۔

اور پھر پہلے ان دہشت گردوں نے دینی اور علمی قیادت کو نشانہ بنایا، روحانی شخصیات کو جو اصلاحِ نفس اور تزکیہ کے پاک مشاغل میں مصروف تھے ان کو بھی نہیں بخشا گیا۔ مگر باوجود اس منظم ٹارگٹ کلنگ کے جس میں کراچی کی علمی ودینی قیادت کے کم از کم پندرہ بیس سرکردہ افراد کو شہید کیا گیا، دین دشمنوں کو مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوئے، نہ کوئی مدرسہ بند ہوا اور نہ پڑھنے والوں کی تعداد میں کوئی کمی ہوئی۔ نہ کسی مسجد کو تالا لگا اور نہ کوئی منبر خاموش ہوا، بلکہ دیکھا جائے تو گزشتہ دو عشروں میں مدارسِ دینیہ کی تعداد اور ان میں زیرِ تعلیم طلبہ وطالبات کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ حالانکہ خوف ودہشت کی فضاء بنانے اور قتل وغارت کا بازار گرم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

اب ایک نئی خونی پالیسی تشکیل دی گئی ہے، ہر دین دار، ہر عالم، ہر طالب علم اب نشانے پر ہے۔ کراچی کو جہنم بنانے کے لئے روزانہ دس پندرہ لاشیں چاہئیں، پہلے یہ لاشیں بلاتعیین گرائی جاتی تھیں، اب ان کا ہدف متعین کردیا گیا ہے کہ یہ کن لوگوں اور کس طبقے کی ہونی چاہئیں؟ گویا ایک تیر سے دو شکار کیے جارہے ہیں، جو بدامنی اور لاقانونیت کی فضاء درکار ہے وہ بھی بنتی جائے گی اور شہر ان اہلِ دین سے بھی خالی ہوتا چلا جائے گا۔

کراچی میں شہید کیے جانے والے بیشتر علماء کرام کا تعلق عالم اسلام کے معروف ترین علمی ادارے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے ہے۔ علماء کی ٹارگٹ کلنگ کا یہ سلسلہ ۱۹۹۷ء میں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم وشیخ الحدیث اور معروف علمی شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور اسی ادارے کے استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالسمیعؒ کی اندوہناک شہادت سے شروع ہوا۔

دوسرا بڑا واقعہ جس نے چشمِ فلک کو بھی رُلادیا، وہ شیخ طریقت، ولی کامل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی انتہائی مظلومانہ شہادت کا تھا، جس پر آج تک آنکھوں سے لہو ٹپکتا ہے۔ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی عمر ۷۰ سال اور ان کی

ضعف وکمزوری وناتوانی دیکھ کر ترس آتا تھا، ان کی تصانیف کی شہرت پوری دنیا میں تھی اور بیعت وارشاد کا ایک وسیع حلقہ تھا، رمضان المبارک میں ہزاروں لوگ ان کی مسجد میں ان کے ساتھ اعتکاف کرتے تھے اور دلوں کا میل دھوتے تھے، آخری عمر میں وہ دو بندوں کا سہارا لے کر چلا کرتے تھے، مگر آفریں ہے ان کی ہمّت مردانہ پر کہ اس ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود مردانہ وار تصنیف، تالیف، تحقیق، تدریس، تبلیغ، افتاء، ارشاد، دینی کاموں واداروں اور جماعتوں کی سرپرستی، اور خدمت خلق کے میدانوں میں مصروف کار تھے۔ حسبِ معمول صبح سویرے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں واقع اپنی مسند کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں ایک جگہ گاڑی رُکی تو ایک شقی القلب بدبخت نے یوں اشارہ کیا جیسے وہ مصافحہ کرنا اور حضرتؒ سے دعائیں لینا چاہتا ہے، اپنی شفقت، محبت اور رحم دلی سے مجبور حضرتؒ نے گاڑی کا شیشہ اتار کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیے، اس نے شیشے کے اندر ہاتھ ڈال کر حضرتؒ کے سینے میں کئی گولیاں اتار دیں، سفید ڈاڑھی خون سے بالکل سرخ ہوگئی اور اسی خون آلود جسم کے ساتھ اس شہیدِ اسلام کو قبر میں اتار دیا گیا۔

امام المجاہدین حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ بھی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث اور تخصص فی الافتاء کے رئیس تھے۔ وہ صبح سویرے جامعہ کے سامنے واقع اپنے گھر سے جامعہ تشریف لاتے تھے اور حدیثِ پاک کی مشہور کتابوں بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ فقہ میں تخصص کرنے والے طلباء کو پڑھایا کرتے تھے، ایک صبح وہ حسبِ معمول گھر سے نکلے ہی تھے کہ گھات لگا کر بیٹھے حملہ آوروں نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ درس گاہ میں طلباء بخاری شریف کھول کر استاذ کے منتظر تھے کہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے سب کو ہڑبڑا دیا، دوڑ کر باہر نکلے تو دیکھا کہ استاذ محترم خون میں لت پت ہیں اور روح پرواز کر چکی ہے۔

شہیدِ ختمِ نبوّت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ کے نام سے اگر ہر کوئی واقف نہ بھی ہو تو ان کے کام سے تو ہر ایک شناسا ہوگا۔ اقراء روضۃ الاطفال کے نام سے پاکستان کی تاریخ کے پہلے اسلامی اسکول کی بنیاد اسی شخص نے رکھی تھی، آج ان اسکولوں میں دو لاکھ کے لگ بھگ بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، کراچی سے لے کر گلگت و بلتستان تک ان کے جلائے ہوئے

چراغ روشنی دے رہے ہیں، ان کو بھی ان کے گھر کے عین سامنے سینے میں گولیاں ماردی گئیں۔ آج تک پتہ نہ چل سکا کہ تعلیم اور انسانیت وشرافت کے یہ دشمن کون ہیں؟ تعجب ہے کہ ملالہ پر حملے کو تعلیم پر حملہ کہنے والوں کو کبھی خیال نہیں آیا اور ان کے منہ سے اس موقع پر ایک جملہ نہیں نکلا جب لاکھوں بچوں اور بچیوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے اور پاکستان میں اسلامی اسکولوں کے سب سے بڑے نیٹ ورک کے بانی کو تعلیم عام کرنے کے جُرم میں بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ یہ سپوت بھی جامعہ بنوری ٹاؤن ہی کا فرزندِ ارجمند اور وہاں کے فاضل وسابق استاذ تھے۔

پھر اس سلسلہ میں تیزی آگئی، جامعہ کے فاضل وسابق اُستاذ اور ترجمانِ جامعہ ''ماہنامہ بینات'' کے مُدیر، شہید ناموسِ رسالت حضرت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ اور استاذِ جامعہ مولانا ارشاد اللہ عباسیؒ بھی اسی خونی ہولی میں رنگ دیے گئے۔ بعد ازاں جامعہ کی شاخوں تک یہ خونی کھیل متعدّی ہوگیا، ملیر شاخ کے استاذ مفتی سعید احمد مردانیؒ اور گلشنِ عمر کے استاذ مولانا انعام اللہؒ بھی اس درندگی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

پھر یہ سلسلہ صرف جامعہ سے باضابطہ تعلق رکھنے والوں تک نہ رہا، بلکہ صرف نسبت رکھنے والوں تک بھی پہنچ گیا۔ مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ اور مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ نے درسِ قرآن کے حوالے سے عالم گیر شہرت پائی تھی اور انٹرنیٹ ودیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان دونوں علماء کی آواز دنیا کے کونے کونے تک پہنچی تھی۔ دونوں خالص علمی مزاج کے حامل خاموش اور یکسو ہوکر کام کرنے والوں میں سے تھے، اگرچہ یہ دونوں حضرات دیگر اداروں سے منسلک تھے، مگر ان کی فراغت بھی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے ہی تھی۔ مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ دونوں ٹانگوں سے معذور تھے اور مستقل وہیل چیئر پر رہتے تھے یا زمین پر گھٹنوں کے بل چلتے تھے۔ گزشتہ سال اسی طرح وہ بھی قرآن پاک کے اپنے ماہانہ درس سے گھر کو واپس لوٹ رہے تھے کہ دن دیہاڑے دو موٹر سائیکل سواروں نے ان کی گاڑی پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی اور یہ معذور عالمِ دین اپنے خون میں نہا گیا۔ جب کہ مفتی عتیق الرحمٰنؒ بھی کئی سال پہلے اسی طرح ایک مسجد میں اللہ کی مخلوق کو اللہ کا کلام سمجھا کر واپس گھر کی طرف لوٹ رہے تھے کہ ان کو بھی خون میں نہلا دیا گیا۔

پھر اسی طرح جامعہ کے فیض یافتہ وفضلاء جو کراچی کے خونی رنگ میں رنگے گئے، ان میں مولانا محمد احمد مدنیؒ، مولانا محمد امینؒ (جامعہ بنوریہ) مولانا صاحبزادہ محمد ابوبکر مدنیؒ اور فاضل نوجوان مفتی محمد ذیشانؒ بھی شامل ہیں۔

عربی زبان کا محاورہ ہے کہ نیا غم پچھلے تمام غم تازہ کر دیتا ہے۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کے نائب رئیس واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کی شہادت نے پھر سے سارے ٹانکے کھول دیے، حضرت دین پوریؒ کے ساتھ جامعہ کے ایک اور مفتی، مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ بھی تھے۔ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی مظلومانہ شہادت پر دل حزیں ہے، کانوں میں اب تک ان کی آواز گونجتی ہے۔ ہم نے فقہ حنفی کی مشہورترین کتاب ''ہدایہ ثالث'' اور پھر دورۂ حدیث میں ترمذی شریف جلد ثانی حضرت استاذ شہیدؒ سے پڑھی تھی۔ اس کے بعد بھی مختلف مواقع پر خصوصاً فقہی مسائل پر منعقد ہونے والی مجالس میں وقتاً فوقتاً ملاقات اور زیارت کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا، سیدھی سادی اور بے ضرر طبیعت تھی۔ دوسال ان سے پڑھا مگر کبھی جماعت میں ان کا طلبہ پر غصہ ہونا یاد نہیں۔ دین پور شریف کی مردم خیز سرزمین کا ایک اور سپوت اللہ کے حضور پہنچ گیا، ان کی تدفین دین پور شریف کے اس شہرۂ آفاق اور تاریخی قبرستان میں ہوئی جہاں آسمانِ علم وفضل، جہادِ حرّیت اور روحانیت کے شمس وقمر محوِ خواب ہیں۔ اسی لئے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اس قطعہ کو جنت کہا کرتے تھے کہ ایسے ایسے انفاسِ قدسیہ محو استراحت ہیں جو انشاء اللہ سب کے سب جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت استاذ شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔

سی سی ٹی وی فوٹیج کے ذریعے ساری دنیا نے دیکھا کہ موٹر سائیکل سوار حملہ آور آئے، کراچی کی سب سے بڑی شاہراہ پر دن دیہاڑے سینکڑوں گاڑیوں اور لوگوں کے درمیان مفتی صاحبؒ اور ان کے رفقاء پر تاک تاک کر نشانے لگائے اور پورے اطمینان سے فرار ہوگئے، کیمرے کی آنکھ نے تو منظر محفوظ کرلیا مگر حکومت اور انتظامیہ کی آنکھوں پر بندھی پٹیاں کون اتارے؟؟؟ مجال ہے کہ حکومت ٹس سے مس ہوئی ہو۔ بلاضرورت اور بے تحاشہ بولنے والے

وزیرِ داخلہ کو بھی سانپ سونگھ گیا اور اس اہم ترین واقعہ کو یوں پی گئے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ شاہ رُخ خان کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے بے چین ہو کر تحفظ فراہم کرنے کا بے سروپا بیان جاری کر کے موصوف نے اپنی اچھی خاصی ''عزت افزائی'' کرائی، مگر علماء کی شہادت پر ہمدردی کے دو بول بولنا بھی گوارا نہ ہوا۔

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزّاق اسکندر صاحب نے درست ارشاد فرمایا کہ ہم لاشوں کی سیاست پر یقین نہیں رکھتے اور ملک عزیز کا امن ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ذرا تصوّر کیجیے کہ اگر ان علماء کی لاشوں کی تدفین سے انکار کر دیا جاتا اور مشتعل طلباء اپنے اساتذہ کی لاشیں لے کر سڑکوں پر بیٹھ جاتے اور ملک کے ہر گلی اور کُوچے میں آواز لگا دی جاتی کہ اظہارِ یکجہتی کے لیے باہر نکلو اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے چودہ ہزار مدارس میں زیرِ تعلیم بائیس لاکھ طلباء ہی باہر نکل آتے تو ملکِ عزیز میں کیا حشر برپا ہو جاتا اور امن وامان کی موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال مزید کتنی خراب ہو جاتی؟

اس بات کا شدید خدشہ ہے کہ اگر کراچی میں علماء کرام کی مسلسل اور لگاتار شہادتوں کے اس سلسلے کو نہ روکا گیا تو ایک دن اس بات کا بہت سخت اور شدید ردّ عمل سامنے آئے گا اور پھر اس صورت حال کو قابو کرنا خاصا دشوار ہو جائے گا۔ حکومت کو چاہیے کہ پوری تندہی اور سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کرے اور ان قوتوں تک پہنچے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے جو اس ملک اور خصوصاً کراچی کے امن کو غارت کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور وہ حالات کو خانہ جنگی، افراتفری اور مارا ماری کی آخری حدوں تک پہنچانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔

اور پھر حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردوں کے پالیسی میکرز ایک غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہم اس شہر کی فضا ایسی بنا دیں گے کہ یہاں دین پڑھنے، دین پڑھانے اور دین کی خدمت کرنے کے لئے دوسرے شہروں سے آنا تو درکنار خود اس شہر کے باشندے بھی توبہ تائب ہو جائیں گے۔ یہ ہرے بھرے اور آباد مدرسے ڈھونڈتے پھریں گے اور ان کو طلبہ نہیں ملیں گے۔ اگر چند پڑھنے والے آ بھی گئے تو پڑھانے کو کوئی راضی نہیں ہوگا، علماء مساجد میں امامت سے

انکار کر دیں گے، کسی مسجد کو اذان دینے کے لئے مؤذن نہیں ملے گا، درس قرآن اور درس حدیث کے عنوان سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کو لوگوں تک پہنچانے کا سلسلہ موقوف ہو جائے گا، فقہ اور فتویٰ کی خدمت کرنے والے اور مسائل پر شرعی رہنمائی فراہم کرنے والے اپنے قلم کھینچ کر اپنی مسندیں سمیٹ لیں گے، اللہ اللہ کرنے والے اور اللہ کا نام سکھانے والے اپنے حلقے ختم کر کے کسی دوسرے شہر کی راہ لیں گے۔

اب آپ بتایئے یہ کس درجے کی خام خیالی ہے؟ یہ اللہ کا دین ہے اور وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، اس سے کہیں سخت ترین حالات اہلِ دین پر آئے ہیں، مگر ان کے پائے استقامت میں معمولی کپکپاہٹ بھی نہیں آئی، تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ ان ناپاک حرکتوں سے اس پاک دین کی راہ روکنے کی ہر کوشش نے ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔

☆......☆......☆......☆

☆......بینات......☆

مولانا محمد زبیر شمس الضحیٰ صاحب

استاذ و رفیق شعبہ تدوین فتاویٰ جامعہ بنوری ٹاؤن

بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ

اس وقت جب کہ بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کو مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے، ہنوز اس صدمے سے دل ودماغ شدید متاثر ہیں۔ کچھ لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو تبسم کی سنت سجایا چہرہ اور کبھی لہو میں نہایا رُخ زیبا نگاہوں میں گھوم جاتا ہے اور پھر گھنٹوں اسی تصور میں گزر جاتے ہیں۔ اس تصور سے باہر نکلتا ہوں تو آپ کے معطر لہو کی شب وصال کی حنائی سی خوشبو کا جھونکا قلب کو گھائل کر کے دل ودماغ کو پھر اسی وادی میں کھینچ لاتا ہے اور دل کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے گویا خون کا چشمہ آتش فشاں کی صورت اُبل رہا ہو۔

اس مغلوب الحالی اور جنونِ عشق کی کیفیت میں بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی جامع، مسحور کُن، پیغمبرانہ صفات کی حامل، اپنی ذات میں انجمن، ذو جہات اور ہمہ گیر شخصیت کے

متعلق کچھ لکھنا کم ازکم اس تنگ دامن وتنگ نگاہ کے بس کی بات نہیں۔

داماںِ نگہ تنگ وگلِ حسن تو بسیار　　گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

لیکن بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی شفقتیں وعنایتیں اس سیاہ کار پر ایسی رہیں کہ بے مائیگی اور شخصیت وسوانح نگاری سے ناواقفیت کے برملا اعتراف کے باوجود قلم اٹھا کر غم کچھ ہلکا کرنے پر آمادہ کررہی ہیں۔

بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سے بندے کا تعارف بچپن سے اس طرح ہوا کہ مسجد الحمراء (جو ناچیز کی مسجد کے بالکل قریب ہی ہے) سے ہر جمعہ کے دن آنے والی نہایت پُرسوز اور دلدوز آواز دل کے دروازے پر دستک دیتی، جب خطیب صاحب خوش الحانی کے ساتھ جمعے کے بیان سے قبل مخصوص انداز میں قصیدہ بردہ کا یہ شعر:

یاربّ صلّ وسلّم دائماً أبداً　　　　علی حبیبک خیر الخلق کلّھم

پڑھتے تو الفاظ سماعتوں کو محظوظ کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے اور سنتے ہی دل اقرار کرتا کہ واقعۃً کسی سچے عاشقِ رسول کی زبان سے الفاظ نکل رہے ہیں، جو سرتاپا عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بڑے مفتی صاحب (مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری) شہید رحمہ اللہ ہیں۔

درجہ سابعہ (2006-2005) تک حضرت نور اللہ مرقدہ سے جامعہ کے ایک استاذ اور نائب رئیس دارالافتاء کی حیثیت سے تعارف اور اسی کے بقدر تعلق رہا۔ لیکن اسی سال استاذ محترم مفتی محمد انعام الحق صاحب دامت برکاتہم کے سفرِ حج پر تشریف لے جانے کے بعد مفتی صاحب کی جگہ ہدایہ ثالث کا درس دینے بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ تشریف لانے لگے (اس سے قبل حضرت نور اللہ مرقدہ کئی سال تک ہدایہ جلد ثالث اور رابع کا درس دیتے رہے تھے) تب حضرت کی شخصیت کے مخفی گوہر، ناچیز پر کھلے۔ حضرت نور اللہ مرقدہ بلاتکلف ہدایہ جلد ثالث کی عبارت کتاب میں دیکھے بغیر، حفظ سے ایسے مخفی اور غیر محسوس انداز میں پڑھتے کہ سامعین کو اندازہ بھی نہ ہوتا۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے قریب بیٹھنے اور غور کرنے کے نتیجے میں جب ناچیز کو آپ کے

اس کمال کا اندازہ ہوگیا تو بعض اوقات عبارت پڑھنے کے بعد حضرت بھی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ سر کا ہلکا سا مخصوص اشارہ فرمادیتے۔

دورانِ درس عبارت کا ترجمہ، متعلقہ مسئلہ، ائمہ کا اختلاف، دلائل بیان کرنے کے بعد ایسی روانی سے کئی کئی فقہی جزئیات (بعض مرتبہ حوالہ جات کے ساتھ) بیان فرماتے کہ عقل دنگ رہ جائے۔ آپ کا درس انتہائی سادہ الفاظ میں، لیکن علمی گہرائیوں سے بھرپور ہوتا۔

انہی دروس کے دوران حضرت کی بے نظیر فقہی مہارت وبصیرت کا بھی خوب خوب اندازہ ومشاہدہ ہوا۔ بعدازاں دورۂ حدیث میں جامع ترمذی (جلد ثانی) وشمائل ترمذی اور تخصص في الفقه الاسلامي میں مقدمۂ شامی اور شرح عقود رسم المفتي کے دروس سے گنگوہیؒ ثانی، حدیث وفقہ کے مجمع البحرین کے کمالات مزید آشکارا ہوئے۔ اور آپ کی عظمت اور عقیدت ومحبت دل میں جڑ پکڑ گئی، جس میں آگے چل کر اضافہ ہی ہوتا گیا۔ آپ کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ بہت تفصیلی مباحث سے خالی، انتہائی سہل لیکن دقیق فقہی نکتوں اور اصولی قواعد سے بایں طور مزین ہوتا تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت واستعداد کے حامل ہر دو قسم کے طلبہ یکساں مستفید ہوتے تھے۔ خصوصاً مقدمۂ شامی اور شرح عقود رسم المفتی کے درس کے دوران آپ کی فقہی جلالت شان مزید نکھر کر سامنے آئی۔

شہادت کے تین چار روز بعد دیکھنے والے نے خواب دیکھا کہ حدیث کی کسی کتاب کا درس دے رہے ہیں۔ کوئی ایسا مقام ہے جہاں تفصیلی مباحث (دلائل وغیرہ) ذکر کیے جاتے ہیں۔ سبق میں حاضر طلبہ میں سے کوئی ساتھی دل دل میں سوچ رہے ہیں کہ حضرت، حدیث کے اس مقام پر تفصیلی بحث کیوں نہیں فرمارہے؟ اتنے میں حضرت نورِ ایمانی سے جان کر از خود فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے یہاں تفصیلی بحث کی جاتی ہے، لیکن اب اندازہ ہوا ہے کہ (تفصیلی مباحث کو چھوڑ کر) جتنا زیادہ حدیث کو پڑھا جائے اتنا فائدہ ہوتا ہے۔

یوں تو آپ فقیہ النفس تھے ہی، تقریباً اڑتیس سال تدریس وافتاء کی خدمت سے وابستہ رہنے کے نتیجہ میں آپ کے فقہی ذوق کو چار چاند لگ گئے تھے۔ اور یہ ذوق صرف علمی دائرے تک

محدود نہیں تھا، بلکہ آپ کا ہر عمل فقہ کے جزئیات وکلیات پر پورا اترتا تھا۔ مثال کے لیے ایک دو واقعات کا بیان کافی ہوگا۔ ناچیز دورۂ حدیث کے سال ایک روز آنکھوں میں سیاہ سرمہ ڈال کے سبق میں حاضر ہوا، تو حضرت نے دیکھتے ہی دورانِ درس مائیک کے سامنے سے سَر ہٹا کر قریب ہوکر ارشاد فرمایا: ''کالا سرمہ تو خواتین کے لیے (زینت وغیرہ کی خاطر) ہے، مردوں کے لیے فقہاء نے اسے مکروہ لکھا ہے۔ مردوں کے لیے اثمد ہے (جو سرمئی اور براؤن دورنگ کا ہوتا ہے)۔'' ناچیز کے لیے یہ علمی اضافہ تھا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کو غور سے دیکھا تو ہمیشہ اہتمام کے ساتھ اثمد کے استعمال کا عادی پایا۔ شاید ہی کبھی چشمِ مبارک سرخ اصفہانی اثمد سے خالی نظر آئی ہوں ۔(ناچیز نے بھی اس دن سے آج تک پھر کالا سرمہ استعمال نہیں کیا، کیا تو اثمد ہی استعمال کیا)۔

بعد میں یہ جزئیہ کئی کتب میں دیکھا کہ زینت کی خاطر مردوں کے لیے سیاہ سرمہ فقہاء کے ہاں مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ زینت کا حصہ ہے جو خواتین کے احکام میں سے ہے۔ مردوں کے لیے اثمد ہی کا استعمال خاص ہے۔ مثلاً: فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

" لابأس بالاثمد للرجال باتفاق المشايخ ، ويكره الكحل الأسود بالاتفاق اذا قصد به الزينة، واختلفوا في ماذا لم يقصد به الزينة، عامتهم على أنه لايكره. كذا في جواهر الأخلاطي." (كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة، (۳۵۹/۵) ط: مكتبه حقانيه پشاور)

جب کہ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں مردوں کے لیے صرف علاج وغیرہ کی ضرورت کی صورت میں سرمے کا استعمال (بلا کراہت) جائز ہے، ورنہ وہ مطلقاً کراہت کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

" ...... نعم في التعليل اشارة لطيفة الى أن المكتحل اذا أراد تحصيل السنة ينبغي أن يقصد بالاكتحال المعالجة والدواء لامجرد الزينة كالنساء؛ ولذا ذهب الامام مالک الى كراهة الاكتحال للرجال مطلقاً الّا للتداوي." (جمع الوسائل في شرح الشمائل لعلي القاريؒ، [المتوفى:۱۰۱۴ھ] ، باب ماجاء في كحل رسول الله صلى الله عليه وسلم ، (ص:۱۲۹) ط: اداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

ناچیز نے تخصص کے دوران کئی مرتبہ یہ بات محسوس کی کہ حضرت کومسندِ افتاء پر تشریف رکھتے ہوئے سلام کیا جائے تو بعض اوقات جواب دیتے ہیں اور بعض مرتبہ نہیں۔ دل میں کھٹک ہوتی کہ ناراض نہ ہوں! لیکن انہی دنوں فتاویٰ کی کتب میں یہ جزئیہ نظر سے گزرا کہ قاضی کودورانِ قضاء اور مفتی کوفتویٰ دیتے وقت سلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اس دوران اگرکوئی سلام کرے بھی تو قاضی اور مفتی پرسلام کا جواب دیناواجب نہیں ہے۔ چناں چہ پھرغور کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت جس وقت تصحیح کے لیے فتاویٰ پرنظر فرمارہے ہوتے تو اس وقت آپ کی مکمل توجہ اسی جانب ہوتی، اور جب اس مشغولیت سے ذرا فارغ ہوتے تو اس دورانیے عرصے میں سلام کرنے والوں کو جواب بھی ارشاد فرماتے۔

فقہ سے اس کلی مناسبت کے ساتھ حدیث وسنت سے علمی وعملی مناسبت بھی تام تھی۔ دورانِ درس متعارض احادیث کی تطبیق اور ترجیح کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ حدیث کے علم اور اس پر پختہ عمل ہی کا اثر تھا کہ دوران درس کیف وسرور کا ایسا روح پرور سماں بندھتا کہ الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔ راقم آثم کے ہم سبق مولانا مفتی مصباح الدین صاحب (بنگلہ دیشی، جو ٹانگ سے معذور اور بے ساکھی کے سہارے چلا کرتے تھے، اعمال کے پابند اور مجاہدات سے بھرپور زندگی گزار رہے تھے، حضرت مولانا حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے ان کے تخصص کے سال ہی انہیں خلافت بھی عطا فرمادی تھی) کی دورۂ حدیث کے سال بڑے مفتی صاحب اور حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کے سبق کے دوران عجیب حالت ہوتی تھی، آنسوؤں کی ایک لڑی آنکھوں سے بہہ رہی ہوتی تھی۔ پڑوسی ساتھی بارہا دریافت کرتے تو جواب ملتا کہ تسلسل سے بیٹھنے کی وجہ سے ٹانگ میں شدید تکلیف ہوتی ہے؛ اس لیے رو رہا ہوں۔ راقم کی ان سے بے تکلفی تھی، ایک مرتبہ مجھے بتلایا کہ میں درد اور تکلیف کی وجہ سے نہیں روتا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب بڑے مفتی صاحب اور حضرت ڈاکٹر صاحب درس دے رہے ہوتے ہیں تو مسندِ حدیث سے آسمان تک نور کا ایک ستون بن جاتا ہے اور دونوں اساتذہ (بڑے مفتی صاحب اور حضرت ڈاکٹر صاحب) دکھائی نہیں دیتے۔ بلکہ یہ نور اس قدر تیز ہوتا ہے کہ اس کی شعاعیں میری نگاہ برداشت نہیں کرپاتی اور بے اختیار آنسو بہہ

پڑتے ہیں۔ (پھر مولانا مصباح الدین صاحب نے خود ہی خواب کی تاویل یہ بیان کی کہ بڑے مفتی صاحب کا سبق صبح کے وقت سب سے پہلا اور حضرت ڈاکٹر صاحب کا شام میں سب سے آخری سبق ہے، جب اوّل آخر ایسا نورانی ہے تو درمیان کا حکم بھی یہی ہوگا)۔

تقویٰ و پرہیزگاری، اخلاص وللّٰہیت واخفاء، توکل، عبادت ،دعاوتضرع، حلم وبردباری، تواضع وانکساری، امت کی شفقت، صبر ورضا بالقضا، مسنون اذکار وادعیہ کے اہتمام سے محلّٰی طبیعت اور تکبر، غصہ، حسد، غیبت ، اسراف ایسے رذائل سے پاکیزہ فطرت رب نے ودیعت کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان پیغمبرانہ اوصاف کی جامع شخصیات بہت ہی کم دیکھی گئی ہیں ؎

بے تکلف ، بے ریا، بے نفس ، بے خود، بے غرض
مہربانے، دل نوازے، دوست دارے ایں چنیں
چشمِ من بسیار گردیداست وکم کم دیدہ است
ایں قدر عالی وقارے خاکسارے ایں چنیں
درہمہ عالم نہ بینی جزبہ خاصانِ خدا
باچنیں طبعے بلندے انکسارے ایں چنیں

عبادت کا ذوق ایسا والہانہ تھا کہ تہجد اور اشراق سے لے کر اوابین تک تمام نوافل کا آخر وقت تک اہتمام تھا۔ پنج گانہ نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام ایسا کہ ایک سفر میں ناچیز نے خود مشاہدہ کیا کہ کئی دن تک شدید گرمی اور کافی فاصلہ پیدل طے کرنے کی مشقت اٹھا کر مسجد میں جماعت سے نماز ادا فرماتے تھے، جب کہ بعض نوجوان بھی سفر کی رخصت اور بعض گرمی کے عذر کا سہارا لے کر اپنے حجروں میں جماعت کرتے تھے۔

تہجد کی عادت ایسی پختہ تھی کہ سفر ہو یا حضر، یہاں تک کہ تفریحی اسفار میں بھی جب سب تھک کر سو گئے تو نصفِ لیل تا سحر آپ کو نالۂ نیم شی میں پایا گیا۔ اشراق کی مواظبت کا علم تو ہر اس شخص کو ہے جو آپ کے جامع ترمذی کے درس سے پہلے جامعہ بنوری ٹاؤن کے وضوخانے کی طرف (یعنی جنوبی برآمدے) سے گزرا ہو۔

بعض اوقات حضرت کی مسجد میں مغرب یا عشاء کے بعد حاضری ہوئی تو بڑے مفتی صاحب کومسجد میں ہی دیر تک نوافل ادا کرتے پایا (باوجودیکہ علاقہ امن وامان کے حوالے سے حساس اور مخدوش تھا)۔

ناچیز نے بعض مرتبہ عرض بھی کیا کہ حضرت آج کل حالات بھی سازگار نہیں اور گھٹنوں کی تکلیف بھی ہے، مولوی عزیر بھی اب نیابت کرسکتے ہیں، تو کبھی خاموشی سے مسکرادیتے۔اور شہادت سے صرف دو دن قبل بھی بندے کے اس بابت استفسار پر فرمایا: جمعہ کا بیان میں خود کرتا ہوں، خطبہ اور نماز عزیر پڑھاتا ہے، کیوں کہ ٹانگ موڑنے میں تکلیف ہوتی ہے، عرض کیا کہ حضرت اب تو مولوی عزیر کے حوالے فرمادیں! تو فرمایا: دیکھتے ہیں! (کریمانہ اخلاق کے سبب اپنے صاحبزادے تک کو یہ تکلیف دینا گوارا نہیں فرمائی کہ اس کی تعلیمی یکسوئی میں حرج آئے اور ثانیاً اپنی جگہ اسے خطرے میں ڈالا جائے)۔

اکابرِ دیوبند سے آپ کو خاص عشق تھا، روزانہ معمول یہ تھا (اور ہمیں بھی یہی نصیحت فرمائی) کہ رات سونے سے پہلے آدھ گھنٹہ کم وبیش اکابر کے سوانح اور واقعات پڑھتے۔اسی کا نتیجہ تھا کہ اکابر کے مختلف رنگ آپ میں جمع تھے۔صبح سے لے کر رات دیر تک حدیث وفقہ کی تدریس اور فتاویٰ کی تصحیح کے حوالے سے آپ کا معمول ایسا لگا بندھا تھا کہ مدتوں اوقات میں معمولی فرق نہ آیا، گویا فقیہ دوراں ومحدث بے بدل حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی شانِ استقامت (کہ معمولات کی پابندی کے حوالے سے شہر کے بدترین بدامنی کے زمانے میں بھی حضرت کے پایۂ استقلال میں ذرا لغزش نہ آئی) اور شانِ جامعیت کا چلتا پھرتا نمونہ بڑے مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی صورت میں آنکھوں نے دیکھا۔

دوسری طرف حضرت مدنی علیہ الرحمۃ سے غیر معمولی حد تک متأثر نظر آتے تھے۔اگر یہ کہا جائے کہ بڑے مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی صورت میں حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کو ان آنکھوں نے دیکھا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔نہ صرف اپنے اساتذہ کی خدمت بلکہ اس پیرانہ سالی میں جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر طبقے میں آپ کو عزت واحترام عطا کر کے ہر دلعزیز بنادیا تھا، اس وقت

بھی اپنے شاگردوں، خادمین، اور اہل خانہ واولاد کی خدمت میں کوشاں رہتے تھے۔گھر میں چارپائی کی بان ڈھیلی ہونے پر رسی کسنے، کپڑے دھونے حتّٰی کہ بچوں کے کپڑے تک خود استری کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے۔

گزشتہ سال خیر المدارس ملتان میں وفاق المدارس کے زیرِ اہتمام جوابی پرچوں کی جانچ کے لیے تشریف لے گئے۔گرمی کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملتان پہنچتے ہی بعض ساتھیوں کے سر میں درد شروع ہوا تو دو دن اس طرح درد رہا کہ نہ تو پرچے چیک کرسکے اور نہ ہی نیند۔ حضرت کے کمرے میں اے سی کی سہولت موجود تھی، جو بحیثیت ممتحنِ اعلیٰ آپ کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن مخلوق کی شفقت کے آگے ایسے مجبور کہ رات ہوتے ہی اس کمرے کے دروازے خدام کے لیے یوں وا کردیتے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہتی،اور سب خدام رات کو سکون کی نیند سوتے۔

سخت گرمی کے موسم میں عام درجے کی اے سی کوچ میں گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باوجود جس صبر، سکون، بردباری اور شگفتگی کے ساتھ سفر مکمل کیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔سارا راستہ مزاح اور لطائف سے محظوظ بھی ہوتے رہے اور ''**لایزال لسانک رطباً من ذکر اللہ**'' پرعمل بھی جاری رہا۔ ملتان پہنچنے کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہ، ناچیز اور مولانا فیضان الرحمٰن صاحب ایک ہی رکشہ میں بس اسٹینڈ سے خیر المدارس تک گئے،اسی رکشے میں ہم تینوں کا سامان بھی تھا اور وفاق المدارس کے پرچوں کی مارکنگ کے لیے سرخ بال پین کے کاٹن بھی، لیکن کراچی سے ملتان کے سفر، گرمی کی شدت، رکشے کے دھوئیں، سامان اور جگہ کی تنگی کے باوجود حضرت کے چہرے پر ذرا تغیر نہیں تھا۔ بلکہ اسی طرح تروتازہ جیسے کراچی سے روانہ ہوئے تھے ،چناں چہ ملتان کی جس سڑک اور جس علاقے سے گزر ہوتا حضرت بڑی محبت اور شفقت سے تعارف کراتے،کوئی لطیفہ یا مذاق ہوتا وہ بھی کہہ جاتے اور مسکراتے جاتے۔

یہ کوئی ایک واقعہ نہیں تھا، بلکہ حضرت کی ساری زندگی ہی اس سادگی ،تواضع وانکساری کا نمونہ تھی۔جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی میں وفاق المدارس کی طرف سے امتحانات میں نگران اعلیٰ کے فرائض انجام دیتے تھے،ایک سال ناچیز بھی خدمت میں تھا۔معمول یہ تھا کہ صبح سویرے حضرت

تشریف لاتے ، مفتی حذیفہ رحمانی صاحب اور ناچیز کو ساتھ لے کر ٹیکسی کرتے اور واپسی پر بھی یہی معمول ہوتا۔ امتحانی مرکز میں کوشش یہ فرماتے کہ جو کام خود انجام دے سکتے حتی الامکان خود انجام دیتے، دوسرے سے کم سے کم مدد لیتے۔ یہاں تک کہ کئی سال طلبہ کو امتحان میں بٹھانے کی ترتیب کا نقشہ جو مراکز کے داخلی دروازے پر لگایا جاتا ہے وہ بھی اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے، آخری سالوں میں نقشہ کی تیاری میں خود شریک رہتے ہوئے مفتی احمد بلتی صاحب اور پھر ناچیز کو معاونت کے لیے بلا لیتے لیکن جب تک نقشہ مکمل تیار نہ ہو، پوری توجہ اور فکر کے ساتھ پاس موجود رہتے۔

دو سال قبل ایک جمعرات کی عصر کی اذان کے وقت راقم آثم کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی، باہر نکل کر دیکھا تو بڑے مفتی صاحب بنفسِ نفیس اپنی سادہ سی موٹر سائیکل پر موجود تھے، بندہ شرم سے پانی پانی ہو گیا، عرض کیا کہ خادم کو حکم کیا ہوتا! مسکرا کر فرمایا: بس یہ بتانا تھا کہ ہفتہ کو وفاق کے امتحانات میں نگرانی کے لیے تم نے بھی ساتھ جانا ہوگا، رات کو جامعہ آ جانا، دارالافتاء میں بیٹھ کر نقشہ بنالیں گے۔ اور یہ کہہ کر حضرت نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر لی۔ ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت تشریف لائے ہیں، اب ایسے ہی جا رہے ہیں، ٹھنڈا گرم کچھ تو ہونا چاہیے، فرمایا: عصر کی نماز کا وقت قریب ہے، نماز پڑھانے جا رہا تھا، سوچا بتاتا ہوا چلا جاؤں۔

گزشتہ سال جامعہ میں ختم بخاری کے موقعہ پر جب ہم سب کے مشفق و محسن استاذ محترم مولانا امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی صاحب کو بیان اور طلبہ کو نصائح ارشاد فرمانے کے لیے دعوت دی تو مائیک پر پہنچ کر مفتی صاحب بے ساختہ رونے لگے اور کافی دیر رونے کے بعد فرمایا: حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ ختم بخاری کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا: قیامت کی علامت ہے کہ محمد یوسف بنوری بخاری کا درس دے رہا ہے۔ یہ قول نقل کر کے فرمایا: یہ تو حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ نے تواضعاً فرمایا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت کی علامت ہے کہ عبد المجید ختم بخاری کے موقعہ پر بیان کر رہا ہے۔ اور پھر بیان میں طلبہ کے نصائح کے ضمن میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا ایک واقعہ سنایا، جس سے حضرت کی فقاہتِ نفسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حلم و بردباری کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں بعض کم نصیب لوگ آپ کو برسرِ عام منہ پر سخت

الفاظ کہہ دیتے تو زبان سے کچھ کہنا تو دور کی بات، چہرے کا رنگ بھی متغیر نہ ہوتا تھا۔

تقویٰ کی انوکھی شان آپ میں دیکھی۔شہر کی ایک مشہور دکان جہاں لوگ عیدِ قربان کے موقعہ پر قربانی کا گوشت لاکر ہنٹر بیف وغیرہ بنواتے ہیں اور یہ دکان اسی حوالے سے شہر بھر میں معروف بھی ہے۔حضرت وہاں کا بنا ہوا ہنٹر بیف نہیں کھاتے تھے۔عقدہ یوں کھلا کہ ایک مرتبہ فرمانے لگے: میں نے صاحب دکان سے کہا ہے کہ آپ کے ہاں مسلمانوں کی طرح اُن دیگر فرقوں کے لوگ بھی اپنے مذبوحہ جانوروں کا گوشت لاتے ہیں جن کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، اوران دنوں میں آپ مسلمانوں کے مذبوحہ جانور اور غیر مسلم کے حرام مذبوحہ جانور ایک ساتھ ایک گھی میں پکاتے ہیں، غیر مسلم کا ذبیحہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ ناپاک بھی ہے، اس کے ساتھ ملنے کی وجہ سے مسلمان کا گوشت بھی ناپاک ہوجاتا ہے۔فرمایا: صاحبِ دکان نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ حلال وحرام ذبیحے کے گوشت کو الگ الگ رکھوں گا اور الگ ہی پکاؤں گا ۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
ان ہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

اسراف سے اس قدر اجتناب کرتے کہ خط کا لفافہ کاٹ کر (اس کے اندر کی جانب جو خالی ہوتی ہے اس پر) فتویٰ کی تمرین کے لیے تخصص کے طلبہ کو دیا کرتے تھے۔

سنت کی پابندی کا خوب اہتمام تھا۔اخلاق ہوں یا اعمال ،آپ کے ہر عمل کی بنیاد پر کوئی نہ کوئی حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی تھی۔آخروقت بھی جب آپ کا جسدِ اطہر چارپائی پر رکھا تھا تو تقریباً اڑھائی گھنٹے ناچیز حضرت کے سرہانے رہا اور بہت ہی غور سے حضرت کو دیکھتا رہا۔اس وقت محسوس ہوا کہ حضرت ظاہر میں تو ہلالی کے سفر کی تیاری میں مونچھوں کو عین سنت کے مطابق تراش کر روانہ ہونے کو تیار تھے، لیکن حقیقت میں بارگاہ ایزدی کی حاضری کے وقت سنتِ خُبیبی پر عمل کر گئے:

لستُ أبالي حين أقتل مسلماً على أي شقّ كان لله مصرعِ
وذلک في ذات الاله وان يشأ يبارک على أوصال شلو ممزّعِ

☆......روزنامہ اسلام......☆

مولانا محمد شفیع چترالی
استاذ: شاخ جامعہ بنوری ٹاؤن

ایک چراغ اور بجھادیا گیا......!

کوئی صاحب علم ومعرفت دنیا سے جاتا ہے تو بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔ کیوں کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ علم کا اٹھ جانا علم کے اٹھائے جانے کے تکوینی سلسلے کا ایک حصہ ہے۔ ہمارا المیہ صرف یہ نہیں ہے کہ یہاں علم وایمان کے چراغ ایک ایک ہوکر بجھتے چلے جارہے ہیں بلکہ ہمارا دکھ اور درد یہ ہے کہ یہاں چراغ بجھائے جارہے ہیں، اندھیروں کے سوداگروں نے روشنی کے مینار گرانے کا سلسلہ تیز کردیا ہے اور قوم کو ایک منظم سازش کے تحت تاریکی کی جانب دھکیلا جارہا ہے۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دار الافتاء، ہمارے نہایت ہی شفیق ومہربان استاذ حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب اور انکے رفقاء مفتی صالح محمد کاروڑی صاحب اور طالب علم حسان علی شاہ کی شہادت کا واقعہ چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کی تازہ دل خراش واردات ہے، جس پر ملک کے اہلِ دل مسلمان رنجیدہ وافسردہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب شہیدؒ ایک انتہائی قابل مدرس، مشاق مفتی اور قادر الکلام خطیب تھے۔ ان تینوں شعبوں میں اللہ تعالی نے انہیں یکساں مہارت وقابلیت سے نوازا تھا۔ ہمیں ان سے فقہ اسلامی کی معروف کتاب ''ہدایہ'' جلد چہارم پڑھنے کی سعادت ملی۔ حضرتؒ کے درس میں فقیہانہ نکتہ رسی کے ساتھ خطیبانہ بانکپن بھی کمال درجے کا ہوتا تھا، بہت دفعہ کسی فقہی مسئلے یا ہدایہ کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے الفاظ اور جملوں کی ترتیب اور نشست وبرخاست اس دلکش طرز پر رکھتے کہ اس پر کسی شاندار خطبے کا گمان ہوتا اور طلبہ بے اختیار سبحان اللہ کہہ اٹھتے۔ عربی فارسی اور اردو کے اشعار، علمی لطائف اور بزرگوں کے واقعات بھی موقع محل کی مناسبت سے بیان فرماتے، جس سے ان کے درس میں ایک خاص قسم کی شگفتگی محسوس ہوتی علمی، فکری اور نظریاتی اختلافات

اوراختلافی مباحث کے بیان میں اعتدال ان کا خاص وصف تھا۔ بہت سے لوگ بہت سے اکابر اوراساتذہ ومشائخ کواپنی اپنی پسند کے فکری ونظریاتی خانوں میں ''فٹ'' کرنے کی سعی کیا کرتے ہیں اور بہت دفعہ بہت چھوٹی نوعیت کے اختلافات میں بہت بڑی سطح کی شخصیات کوگھسیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کا کمال تھا کہ انہوں نے جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے ادارے کے دارالافتاء کی مسند افتاء کی عزت ووقار کوکبھی بھی داغ دار ہونے نہیں دیا اور ہمیشہ اپنے اکابرواسلاف کے مسلک ومشرب اور جادۂ اعتدال پر قائم رہے۔ انہوں نے عزت کی زندگی گزاری اوراپنے پیش رو بزرگوں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بالآخر شہادت سے سرفراز ہوگئے اور یہ ثابت کردیا کہ وہ ان بزرگوں کے سچے پیرو کار اور صحیح جانشین تھے۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت مفتی صاحبؒ کے ہمراہ شہید ہونے والے مولانا مفتی صالح محمد کاروڑیؒ بھی ایک عجیب مردِ قلندر تھے۔ وہ بھی جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور متخصص تھے اور تقریباً ۱۶/سال سے جامعہ کے دارالافتاء سے وابستہ تھے۔ انہیں فقہی جزئیات پر زبردست دسترس حاصل تھی اور بہت سے مفتی حضرات پیچیدہ مسائل کے حل اور حوالوں کی تلاش کے لئے ان سے رابطہ کیا کرتے تھے۔ ان کی زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت تھی۔ وہ صبح سے شام تک افتاء اور تدریس میں مشغول رہتے اور شام سے رات تک ایک ماربل فیکٹری میں ملازمت کیا کرتے تھے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں احباب نے بتایا کہ شہادت سے ایک روز قبل ہی انہوں نے دوستوں کو بتایا تھا کہ میں نے اپنی زندگی کا حساب وکتاب بہت حد تک صاف کرلیا ہے، لوگوں کے قرضے وغیرہ چکا دیے ہیں، اب موت آگئی تو اللہ تعالیٰ سے کرم کی امید ہے۔

علماء کرام کی شہادتیں اور حکومت کا فریضہ:

کراچی میں علماء کرام، دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ اور مذہبی جماعتوں کے کارکنوں پر مسلسل دہشت گردانہ حملوں پر ملک بھر کے دینی وعوامی حلقوں میں شدید رنج والم کا

اظہار کیا جارہا ہے اور دینی قوتوں کے خلاف اس کھلی دہشت گردی کو روکنے میں حکومت اور متعلقہ اداروں کی ناکامی اور لاپرواہی پر سخت غم وغصہ کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ جمعرات کی شام جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں شہداء کی نماز جنازہ میں دسیوں ہزار افراد نے شرکت کی، اس موقع پر انتہائی جذباتی مناظر دیکھے گئے، تاہم جامعہ کے رئیس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے عوام سے پُر امن رہنے کی اپیل کی، جس کے نتیجے میں اتنے بڑے سانحے کے باوجود شہر میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، یہ علماء کرام کی امن پسندی، حب الوطنی اور صبر وتحمل کا واضح ثبوت ہے، ورنہ اس وقت شہرِ کراچی میں جس بے دردی کے ساتھ علماء ودینی کارکنان کا قتل عام ہورہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اہلِ حق علماء سے وابستہ عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے اور انتہائی افسوسناک اور المناک امر یہ ہے کہ جن ملکی اداروں، مقتدر قوتوں اور سیاسی حلقوں پر اس صورتحال کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ مکمل بے بسی اور ناکامی کا اشتہار بنے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس واردات کا مقصد دینی قوتوں کو اشتعال دلاکر ملک میں انتشار پھیلانا تھا تو علماء کرام اور اکابر نے اس سانحے کے بعد نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ کر کے اور مشتعل نوجوانوں کے جذبات کو کنٹرول کر کے اس سازش کو ناکام بنادیا ہے، جو ان کی جانب سے بہت بڑی قومی خدمت ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس حوالے سے سب سے زیادہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو ملکی نظم ونسق کے اعلیٰ اختیاراتی مناصب پر فائز ہیں اور جن کے فرائض منصبی میں یہ شامل ہے کہ وہ ملک وقوم کے خلاف ہونے والی سازشوں پر نظر رکھیں، دہشت گردی وتخریب کاری کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے ریاستی وسائل بروئے کار لائے جائیں اور ملک دشمن عناصر کے نیٹ ورک توڑ کر شہریوں کی جان ومال کا تحفظ یقینی بنائیں۔

علماء کرام کے قاتلوں کو متنبّی شاعر کے ذریعے سے ایک پیغام:

عربی کے باکمال شاعر متنبّی نے ایک شعر میں اپنے ممدوح سیف الدّولہ کے دشمنوں کے بارے میں کہا ہے کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ کبھی سیف الدّولہ کو نہ چھیڑتے، کیوں کہ ان کو چھیڑنے کا مطلب ان کی جاہ وحشمت میں اضافے کے اسباب ہی پیدا کرنا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ

اہلِ حق کے دشمنوں میں بھی سیف الدّولہ کے دشمنوں کی طرح عقل نام کی چیز نہیں ہے۔ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ کبھی علماء کو شہید نہ کرتے، کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ اگر کوئی عالم اپنی زندگی میں ہزاروں افراد کی روحانی تسکین کا سامان کر رہا ہوتا ہے تو راہِ حق میں نقد جاں لٹا دینے کے بعد وہ پھر لاکھوں انسانوں کے لیے مشعل راہ بن جاتا ہے۔

جب کسی عالم کی حق پرستی وحق گوئی پر شہادت کی مہر تصدیق لگ جاتی ہے تو پھر ہزاروں مائیں اپنی اولاد کو اس عالم کی "نقل بمطابق اصل" بنانے کے لیے پیش کر دیتی ہیں۔ اس لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث ونائب رئیس دار الافتاء مولانا مفتی عبد المجید دین پوری اور ان کے رفقاء کو شہید کر کے باطل پرستوں نے اگر یہ سمجھ لیا ہے کہ حق کا کارواں اب رک جائے گا اور اہلِ حق ڈر جائیں گے یا دب جائیں گے تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کی تاریخ کو لے لیں تو گزشتہ پندرہ برسوں میں اس ادارے کے ایک درجن سے زائد جید ترین علماء شہید کیے جا چکے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک ستون کی حیثیت رکھتا تھا۔ اتنے بڑے بڑے اساطینِ علم کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد بظاہر تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ آج جامعہ بنوری ٹاؤن میں ویرانیوں کے بسیرے ہوں لیکن ہوا کیا ہے؟ یہ باطل قوتوں کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی ہے۔ ۱۹۹۷ء میں جامعہ کے اس وقت کے رئیس اور وفاق کے ناظم اعلیٰ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مولانا مفتی عبد السمیع کو شہید کر دیا گیا تو جامعہ میں دورہ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۲۵۰ کے آس پاس تھی اور جامعہ اور اس کی شاخوں میں پڑھنے والے کل طلبہ وطالبات کی تعداد پانچ چھ ہزار کے قریب تھی۔ اس کے بعد جامعہ پر یکے بعد دیگرے ایسے کئی حادثات آئے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی کی شہادتوں کے سانحات رونما ہوئے۔

اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ لوگ اپنے بچوں کو اس مدرسے میں داخل کرنے سے گھبراتے اور اس کی طرف طلبہ کا رجحان کم ہو جاتا، لیکن اہلِ حق کے دشمن اور علماء کو شہید کر کے دین کی شمعیں بجھانے کی کوشش کرنے والے احمق کان کھول کر سن لیں کہ ان واقعات وسانحات کے بعد جامعہ

بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ کے لیے دنیا بھر سے پروانوں کی طرح آنے والے تشنگانِ علم کو سنبھالنا مشکل ہوگیا ہے اوراس وقت جامعہ میں صرف دورۂ حدیث میں ۷۰۰ سے زائد طلبہ وطالبات زیرِ تعلیم ہیں۔ جامعہ اوراس کی شاخوں میں اس وقت ۱۲۰۰۰ سے زائد طلبہ وطالبات زیورِ تعلیم سے آراستہ ہورہے ہیں۔اب لوگ جامعہ بنوری ٹاؤن میں اپنے بچے داخل کروانے کے لیے اتنے جتن کرتے ہیں جتنے کسی بڑے میڈیکل کالج یا انجینیر نگ یونیورسٹی کے لیے نہیں کرتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ جہاں باطل کے تیر سب سے زیادہ گرتے ہوں، حق وہیں موجود ہوتا ہے۔

بزدل دشمنوں نے اہلِ حق کو اپنے اوپر قیاس کرلیا ہے، انہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ حق کا راستہ ہی ایسا ہے کہ اس میں جان دینے والے مرتے نہیں بلکہ خود بھی زندہ رہتے اور مزید ہزاروں انسانوں کے لیے زندگی کی نوید بن جاتے ہیں۔اہلِ حق کا تو ماٹو ہی یہ ہوتا ہے کہ۔

ہرآں کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ ما نیست

جو راہِ حق میں نقدِ جاں نہ لٹا سکے وہ ہمارے قبیلے کا آدمی نہیں ہے۔

اس لیے دشمن قوتیں تسلی رکھیں، حق والے ان شہادتوں سے گھبرانے والے نہیں ہیں، ہم تو صدیوں سے کہتے آئے ہیں ؎

آستم گر! ہنر آزمائیں تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں

ٹھیک ہے ہم نے بہت زخم کھائے ہیں، ہمارے اکابر کو ہم سے چھین لینا ہمارے لیے ناقابلِ برداشت صدمہ ہے، لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ہم راہِ حق میں چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے۔تم اپنے تیر آزماتے رہو، ہم اپنے جگر کا حوصلہ دیکھتے ہیں۔فیصلہ وقت کرے گا کہ کون جیتا کون ہارا۔

زخموں سے بدن گل زار سہی، پر ان کے شکستہ تیر گنو
خود ترکش والے کہہ دیں گے، یہ بازی کس نے ہاری ہے

باطل پرستو! یہ بازی خون کی بازی ہے یہ تم جیت ہی نہیں سکتے۔تم اپنا کام کیے جاؤ لیکن یاد رکھو! شکست تمہارا مقدر ہے۔حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے کے لیے ہی ہے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد اسماعیل ریحان

کراچی میں علماء کرام کی شہادتیں

بدھ ۳۰/جنوری نمازِ عشاء کے وقت بندہ عالمگیر مسجد بہادر آباد پہنچا، جہاں گزشتہ ماہ تک حضرت مولانا قاری رفیق الخلیل شہیدؒ امامت وخطابت کی مسند پر فائز تھے مگر ۳۰/دسمبر کو انہیں شہید کردیا گیا، اب ہمارے استاذ وسرپرست حضرت مفتی سعید احمد اوکاڑوی مدظلہ نے یہ ذمہ داری سنبھالی ہے۔

ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، حالاتِ حاضرہ خصوصًا کراچی میں علمائے کرام کی شہادتوں پر بات چیت چل رہی تھی۔ اس دوران جامعہ معہد الخلیل الاسلامی کے کچھ طلبہ وفضلاء آگئے۔ وہ بتارہے تھے کہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی میں حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب اسلامی معیشت وتجارت کے موضوع پر خصوصی کورس کرارہے ہیں اور اس وقت کمیونزم اور کیپٹلازم کی بحث چل رہی ہے۔

اس مجلس کو گزرے ابھی مشکل سے سولہ گھنٹے گزرے ہونگے کہ حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری کی اپنے دو علماء ساتھیوں سمیت شہادت کی خبر بجلی بن کر گری، انہیں جس طرح شہید کیا گیا، اس کی فوٹیج خفیہ کیمرے نے محفوظ کرلی ہے، جسے ٹی وی چینلز پر اسی وقت دکھا دیا گیا، اس کے مطابق قاتل شارع فیصل پر پہلے سے ان کے انتظار میں تھے، موبائل پر برابر بات چیت کررہے تھے، جب علماء حضرات کی کار قریب آئی تو ایک بڑی گاڑی نے راستہ روک کر اسے آہستہ چلنے پر مجبور کیا، ایک تنہا شخص نے کار کے برابر چلتے ہوئے یکے بعد دیگرے پستول سے فائر کر کے تمام افراد کو شہید کردیا، پھر تمام مجرم بڑے آرام سے وہاں سے چلے گئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کراچی میں قانون کس قدر بے بس اور مجرم کس حد تک آزاد ہیں۔

حضرتؒ کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر اور پورے ملک میں پھیل گئی، نمازِ عصر کے فورا بعد جامعہ بنوری ٹاؤن میں جنازہ تھا، لوگ حالات کی خرابی کو نظر انداز کر کے جوق در جوق چلے آئے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ کراچی پہلے بھی علمائے کرام کے ساتھ

تھے اوران جان کاہ حالات میں بھی وہ ان کے شانہ بشانہ ہیں۔ بہت بڑا مجمع تھا جو آہوں اور سسکیوں کے درمیان جامعہ بنوری ٹاؤن کے سب سے بڑے مفتی کو رخصت کر رہا تھا۔

حضرتؒ کی شہادت کے بعد علمائے جامعہ بنوری ٹاؤن نے کراچی کے ائمہ کرام سے قنوتِ نازلہ پڑھنے کی اپیل کی ہے۔ یہ مسنون عمل ہے ان شاء اللہ اس کا اثر ظاہر ہوگا کہ بے بسوں کے پاس شاید اس وقت دعاء سے زیادہ کارگر کوئی اسلحہ نہیں۔ آج سے ۱۷/۱۸/سال پہلے بھی کراچی میں اسی طرح مساجد میں قتل عام کا سلسلہ چل رہا تھا، اس وقت قنوت نازلہ کا اہتمام شروع کرایا گیا، قنوتِ نازلہ کئی مہینوں تک پڑھی جاتی رہی، اللہ نے فضل فرمایا کہ حالات جن کی تبدیلی کی امید ختم ہو چکی تھی، درست ہو گئے اور کراچی میں برسوں تک امن وامان رہا۔

قوم کو اپنے انفرادی واجتماعی گناہوں سے توبہ کی ضرورت ہے، ایسے حالات ایک عذاب سے کم نہیں اور ایسے عذاب اجتماعی نافرمانی کی پاداش میں مسلط ہوتے ہیں، استغفار اور دعاء کے علاوہ عملی طور پر مزید کیا کچھ کیا جاسکتا ہے؟ اس میں ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ کراچی کے علماء ایک مؤثر پلیٹ فارم کے ذریعے جس میں اہلِ فکر ونظر شامل ہوں، کوئی مناسب ترین لائحۂ عمل مرتب کریں۔

اس موقع پر ہمیں اور کچھ نہیں تو کراچی کے علماء کی ثابت قدمی ہی دیکھ لینی چاہیے، باوجود شہادتوں کے تسلسل کے وہ اپنے محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں، چراغ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، سیاہ سے سیاہ اندھیروں کو چیر کر رکھ دیتا ہے، شمع کی لو چاہے کم ہو، گھٹا ٹوپ تاریکی پر غالب رہتی ہے۔

امید کی ایک اور کرن...... آج بھی شہرِ کراچی کے مسلمان، علمائے حق کے ساتھ ہیں، ہزاروں لاکھوں افراد یہاں سے پورے ملک کے مدارس کے ساتھ مالی تعاون میں بڑھ چڑھ کے حصہ لے رہے ہیں۔ آج بھی اگر کوئی کسی مسجد کے باہر دامن پھیلا کر چندہ کی آواز لگائے تو اسے دامن کی تنگی کا شکوہ نہ ہوگا۔ اللہ کی نصرت پر نگاہ رکھنی چاہیے...... افغانستان ہو یا عراق، لیبیا ہو یا تیونس، مصر ہو یا شام، ہر جگہ کچھ متوالوں کا بے مثال استقلال سب پر عیاں ہے کہ جس پر خود طاغوت کے پجاری بھی ششدر ہیں، یہ اللہ کی غیبی مدد نہیں تو اور کیا ہے؟...... اللہ کی مدد کے نزول

کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ابھی اس میں کچھ دیر ہو، مگر وہ وقت آئے گا ضرور۔ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ دینی مدارس جنہیں طاغوتی طاقتیں کراچی میں خوف ودہشت پھیلا کر بند کردینا چاہتی ہیں، اگلی صدی تک نیویارک، لندن اور پیرس کی گلی گلی میں کھلے ہوں اور ہر جگہ قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہوں۔

☆......ضرب مومن......☆

مولانا مفتی عبد المنعم فائز

مدرس جامعۃ الرشید، کالم نگار ضرب مومن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۳۰/مئی ۲۰۰۴ء بھی ایک ایسا ہی دن تھا، مفتی نظام الدین شامزیؒ بنوری ٹاؤن آرہے تھے۔ مجھ سمیت تخصص فی الفقہ کی درس گاہ میں بیٹھے تمام طلبہ نے فائرنگ کی آواز سنی، باہر نکلے تو مفتی نظام الدین شامزیؒ کی گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی دکھائی دی، ہر ہاتھ دعاء کے لیے اٹھ گیا اور ہر آنکھ اشکبار ہوگئی مگر تقدیر نے تدبیر کو شکست دے دی، مفتی صاحب جدا ہوئے، تخصص فی الفقہ کے طلبہ اب دارالافتاء میں مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب کے حوالے ہوئے، فتویٰ لکھنے کی مشق مفتی صاحب دیکھتے اور اصلاح دیتے، فطرت نے ذکاوت وذہانت کا وافر حصہ عطاء کیا تھا، سوال نامہ پر نظر پڑتے ہی مسئلہ سمجھ جاتے، جواب پڑھتے اور فوری اصلاح دیتے جاتے۔ ہر وقت قابل رسائی، جب چاہیں جائیں اور مسئلہ پوچھ کر آجائیں۔ دائیں بائیں ہٹو بچو کی صدا، نہ ہی بات کرنے پر پابندی اور جکڑ بندیاں۔ دارالافتاء میں تشریف لاتے ہی ان کے اردگرد جمگھٹا لگ جاتا۔ اس دور میں روزانہ موصول ہونے والے دستی سوالات کی تعداد ۷۰/ضرور ہوتی تھی۔ یہ تمام فتاویٰ ان کی نظر سے گزر کر ان ہی کے دستخط ہوکر ہی جاتے تھے۔ اتنے فتاویٰ کو روزانہ دیکھنا، اصلاح دینا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ مگر مفتی صاحب مغرب کے بعد تشریف لاتے اور فتاویٰ دیکھتے۔ صرف یہی نہیں، اس کے ساتھ ساتھ فون پر فتاویٰ پوچھنے والوں کی بھی بہت بڑی تعداد ہوتی۔ مفتی صاحب موجود ہوتے تو فون پر پوچھے جانے والے فتاویٰ کے جواب بھی خود ہی ارشاد فرماتے۔

فقہی جزئیات کا استحضار بھی کمال کا تھا۔ ہدایہ کا سبق جن طلباء نے ان سے پڑھا ہے ان کو معلوم ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے نظائر اور شواہد کس طرح بیان کرتے تھے؟ میراث کی تقسیم سے متعلق مسائل بھی چٹکی بجانے میں حل فرمادیتے۔ دو سال تک ہم نے ان سے فتاویٰ کی اصلاح لی، مگر کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مسئلے میں تردّد کا شکار ہوئے ہوں یا پہلے فتویٰ سے رجوع فرمارہے ہوں۔ جب کوئی اہم مسئلہ آتا تو تمام مفتیان کرام سے مشاورت ضرور کرتے۔ دارالافتاء میں موجود اپنے شاگردوں کی رائے ضرور لیتے۔

ایک بار مناسخہ کا مسئلہ لے کر حاضر ہوا، آپ نے کیلکولیٹر پر دو تین رقمیں جمع تفریق کیں۔ پھر فرمایا کہ غلط لکھا ہوا ہے، پھر کیلکولیٹر سامنے رکھ کر طویل ترین مسئلہ سیکنڈوں میں حل فرمادیا۔ تخصص سے فراغت ہوئی تو فرمایا کہ میرا مسجد سے منسلکہ گھر خالی ہوتا ہے، آپ اس میں رہائش اختیار کرلیں، اس کے ساتھ ساتھ معیشت پڑھ لیں، ہمیں معاشی ماہر مفتیان کرام کی ضرورت ہے۔ مگر بندہ جامعۃ الرشید میں انگلش وصحافت کورس پڑھنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ جب کبھی جامعۃ الرشید تشریف لاتے تو بہت خوش ہوتے۔ پچھلے سال میں نے فون پر عرض کیا ''استاذ جی! آج کل آپ جامعۃ الرشید تشریف نہیں لارہے؟'' فرمانے لگے ''آپ ہی نہیں بلا رہے''۔ اس کے کچھ روز بعد حلال فوڈ سے متعلق مفتیان کرام کا اجتماع ہوا، مفتی صاحب تشریف لائے اور فرمایا ''دیکھو ہم آ بھی گئے''۔

صرف بنوری ٹاؤن ہی نہیں، آپ معہد الخلیل میں آنے والے فتاویٰ بھی دیکھتے، جمشید روڈ پر موجود الحمراء مسجد کے بھی پیش امام اور خطیب تھے۔ اس مسجد میں بڑی باقاعدگی سے تشریف لے جاتے۔ اس کے ساتھ جامعہ درویشیہ میں شیخ الحدیث بھی تھے، ان تمام مقامات پر آنا جانا آپ کے روزانہ کے معمولات کا حصہ بن چکا تھا۔ اتنی مصروفیت کے باوجود کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ فون کریں اور وہ نہ اٹھائیں جب فون کریں آپ بات کرسکتے ہیں۔ مجھ جیسے نجانے کتنے شاگرد ہوں گے جو فون پر فتاویٰ دریافت کرتے تھے۔ جوں ہی کسی شخص نے مشکل مسئلہ پوچھا، فوری طور پر مفتی صاحب کا نمبر ملا کر پوچھ لیا، آپ فوری طور پر نہ صرف مسئلہ ارشاد فرماتے بلکہ دلیل بھی دے دیتے۔

دو ہفتے قبل ''شریعہ اینڈ بزنس'' میگزین کا آغاز ہوا۔ پہلا شمارہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا، فون پر فرمانے لگے ''بہت خوبصورت ہے پڑھ کر بتاؤں گا'' دوبارہ رابطہ ہوا تو فرمایا کہ ''میں نے آدھا میگزین پڑھ لیا ہے، میرا ارادہ ہے کہ ایک صفحہ کی تحریر لکھ کر بھیجوں'' دوسرا شمارہ چھپ کر آیا تو وہ بھی آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا، فرمانے لگے کچھ نہ کچھ ان شاء اللہ ضرور تحریر کروں گا، مگر تقدیر نے اس کی مہلت ہی نہ دی۔

سوال یہ ہے کہ علمائے کرام کیا کریں؟ کیا دن رات اللہ اور رسول ﷺ کا نام لینے والے ایسے ہی شہید ہوتے رہیں گے؟ شہادت بڑا رُتبہ سہی، مگر کیا ہم صرف اسی لیے پیدا ہوئے ہیں کہ آئے دن کسی نہ کسی کی سیاست کی بھینٹ چڑھتے رہیں؟ کیا خدا اسی لیے ماؤں کو بیٹے دیتا ہے کہ کوئی دہشت گرد انہیں قتل کر دے؟ خون خاک نشیناں صرف رزق خاک بننے کے لیے پیدا ہوتا ہے؟ پُر امن لوگ، طلباء اور علماء سوال کرتے ہیں تو ان کی ہچکی بندھ جاتی ہے، بے بس شہریوں کے پیغام آتے ہیں تو دیر تک قلب وجگر کو اپنی گرفت میں لیے رکھتے ہیں، مایوسی کی آخری حد سنی تھی، آج دیکھ بھی لی۔

خون خاک نشیناں تھا، رزق خاک ہوا۔ نائب رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن مفتی عبد المجید دین پوری شہید ہوگئے۔ ان کے ساتھ مفتی صالح محمد کاروڑی صاحب بھی چل بسے۔ ابھی تو نجانے وہ کتنے فتاویٰ پر تحقیق وتخریج کا کام کر رہے تھے۔ ہر لمحہ حاضر جواب اور ہر لحظہ لکھنے لکھانے میں مصروف۔ کیا لوگ تھے جو پنہاں ہوگئے۔ تصحیح کے لیے جائیے تو فوری فوری لے کر واپس آئیے۔ حوالہ جات کا استحضار اور فقہی بحث واستدلال کا زبردست ملکہ، بلاشبہ بنوری ٹاؤن جیسے ادارے میں ایسے ہی مفتیان کرام کی ضرورت تھی، مگر دستِ قاتل سے نہ بچ سکے۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆......ماھنامہ ترجمانِ القاسم......☆

مولانا خالد محمود

علماء کا قتل......امت مسلمہ کے لیے لمحۂ فکریہ

اہل علم، صلحاء، بڑی تیزی سے منزل عقبیٰ کی طرف رواں دواں ہیں، کچھ عرصہ سے وہ

علمائے کرام دشمنانِ دین کے نشانے پر ہیں جو صرف قرآن وحدیث کی نشر واشاعت اور تعلیم وتعلم میں منہمک رہتے ہیں، جو ہمہ وقت امت کی خیر خواہی میں سرگرداں نظر آتے ہیں اور تزکیہ قلب، اور اصلاح باطن اور روحانیت ان کی محنت کا خاص میدان ہے، مسائل شرعیہ کا حل اور ذکر وفکر کی تلقین کے علاوہ ان کا کوئی مشغلہ نہیں، نہ تجارت نہ زراعت نہ سیاست نہ کسی اور دھندہ سے ان کو کوئی سروکار، وہ تو تلاوت، نوافل اور یادالٰہی میں لگے رہتے ہیں، ان کی خلوت ہو یا جلوت یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا کوئی اور ہی جہان ہے جو ہمارے اس جہان سے بالکل مختلف ہے۔ لیکن کیسے لوگ ہیں جو ایسے گوشہ نشین حضرات کو بھی خون میں نہلا دیتے ہیں، دنیا کو تاریکی میں دھکیلنے کی ناپاک جسارت کر لیتے ہیں، کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسے فرشتہ صفت انسانوں کی وجہ سے دنیا آباد ہے، اگر یہ نہ رہے تو شاید دنیا بھی بربادی کے دہانے پر پہنچ جائے، کیوں ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ راحت وسکون، امن وسلامتی، عزت ووقار انہی لوگوں سے وابستہ ہے، اگر یہ حضرات نہ رہے تو پوری دنیا میں امن کے دشمنوں کا راج ہوگا، بھیڑیے دندناتے پھریں گے، سکون برباد ہو جائے گا اور نجانے کیا کیا ہوگا؟ بہرحال یہود ونصاریٰ اور ان کے آلہ کار پے در پے وار کر کے اکابر علماء کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔

چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے گزشتہ چند سالوں میں سینکڑوں علماء وطلبہ کو سفاکانہ، وحشیانہ اور ظالمانہ انداز میں شہید کر دیا گیا اور اب ملک کے مایہ ناز مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء اور استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد کاروڑی اور طالب علم سید حسان علی شاہ صاحب کو شاہراہ عام پر بے دردی سے ظلم وبربریت کا نشانہ بنا دیا گیا، مفتی صاحب اور ان کے رفقاء تو یقیناً کامیاب زندگی گزار کر اپنے پروردگار کے حضور سرخرو ہو گئے، مگر دنیا کی تاریکی میں اور اضافہ کر گئے۔ ان حالات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا منظر بھی سچ ثابت ہو رہا ہے۔ **یذهب الصالحون الاول فالاول ویبقی حفالة کحفالة الشعیر او التمر لا یبالیهم الله بالة. (بخاری شریف)**

ترجمہ: ''نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور پیچھے انسانوں کی تلچھٹ رہ

جائے گی، جیسے جَو یا کھجور کی تلچھٹ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی بھی پرواہ (یعنی عزت وحرمت) نہ ہوگی۔''

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آسمان علم وحکمت کے ستارے ایک ایک کر کے ٹوٹ رہے ہیں بلکہ توڑے جارہے ہیں، دن کے اجالے میں عین ظہر کے وقت بھرے بازار میں دہشت گردوں نے، ملک وملت کے بدترین دشمنوں نے، یہود ونصاریٰ کے ایجنٹوں نے خون کی ہولی کھیلی، ستم بالائے ستم یہ کہ تمام حکومتی ادارے اور قانون نافذ کرنے والے ان دھشت گردوں اور قاتلوں کے سامنے بے بس ہوگئے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید حکومتی سرپرستی میں یہ وحشیانہ کھیل کھیلا جارہا ہے، کئی دن گزر جانے کے باوجود حکومتی بے بسی اور خاموشی سمجھ سے بالاتر ہے، قاتل دندناتے پھر رہے ہیں، قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بے بسی جوں کی توں برقرار ہے، کس کس کا رونا رویا جائے۔

ایسے مواقع میں میڈیا کا کردار بھی انتہائی گھناؤنا اور شرمناک رہا ہے، کس قدر عجیب حادثہ ہے کہ دور حاضر کے عظیم مفسر داعی قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری کی المناک شہادت پر ہمارا میڈیا اس اندوھناک حادثہ کی خبر اس طرح نشر کرتا ہے کہ ''محمد اسلم گلشن معمار کا رہائشی مارا گیا'' اور اب کی بار علم وحکمت کے درخشاں ستارے ملک کے مایہ ناز مفتی مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت پر صرف ''عبدالمجید دین پوری'' کہا جاتا رہا، یعنی علمائے کرام کے خون کو کس قدر ارزاں سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ ایک عالم کی موت کو پورے عالم کی موت قرار دیا گیا ہے، جب ایک عالم کی طبعی موت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گویا پورا عالم مردہ تصور کیا جاتا ہے تو جب علماء پر تشدد اور بربریت کرتے ہوئے ان کو قتل کیا جائے تو کائنات پر اس کے کیا اثرات مرتب ہونگے، بے چینی، اضطراب، کسمپرسی، افراتفری، قتل وقتال، لڑائی جھگڑے، ماردھاڑ، مقدمہ بازی، کرپشن، سود، رشوت اور لوٹ مار اس کا فطری نتیجہ ہوگا۔ پانی کا بحران، بجلی کا بحران، گیس کا بحران غرض یہ کہ ہر چیز میں بے برکتی ہوگی، آپس میں ایک دوسرے کو مار کھانے کے جذبات ہی پروان چڑھیں گے، جس معاشرے میں علماء اور اولیاء اللہ مظلوم ہوں اور ان کو رلایا جارہا ہو تو اس معاشرے میں یہی

کچھ نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ مفتی عبدالمجید دین پوری کے جنازے میں اولیاء اللہ، صلحاء، اتقیاء، علماء، قطب ابدال اور طلباء دین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آہوں اور سسکیوں کے ساتھ مفتی صاحب کو رخصت کرنے کے لئے جمع تھا۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر غم سے نڈھال ہوکر شرکاء کو فرما رہے تھے کہ ''تمام حضرات صبر کا دامن نہ چھوڑیں، پُرامن طریقے پر اپنے گھروں کو واپس جائیں کوئی احتجاج نہ کیا جائے، ہم لاشوں پر سیاست نہیں کرتے، ہم اپنا مقدمہ اللہ کی عدالت میں پیش کرتے ہیں''۔ حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہید کے ساتھ احقر کا اکثر وبیشتر رابطہ رہتا، حضرت احقر پر خوب شفقت فرماتے تھے، چند دن قبل احقر نے حضرت مفتی صاحب کو فون کیا اسلامک بینکنگ اور تکافل کے حوالے سے تفصیلی بات ہوئی، جب تک احقر نے خود فون بند نہ کیا حضرت مفتی صاحب احقر کی دلجوئی اور شفقت فرماتے ہوئے گفتگو فرماتے رہے۔ اور تکافل کے بارے میں اپنی تحقیق اور رائے دلائل کے ساتھ ارشاد فرماتے رہے، بہرحال حضرت مفتی صاحب کی شہادت پورے عالم اسلام کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی شہادت کو قبول فرمائیں اور ان کو درجات علیا نصیب فرمائیں، اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

☆......**بینات**......☆

مولانا محمد کامران اجمل

مدرس جامعہ بنوری ٹاؤن

ایک دِیا اور جلا مِیر کے مَے خانے میں

جنگ احد میں جب مسلمانوں کو تکالیف سخت پہنچیں اور نعوذ باللہ یہ مشہور کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا، اس وقت ابوسفیان نے جو مشرکین کی کمانڈ کر رہا تھا یہ آواز لگائی ''ھل فیکم محمد؟'' صحابہ نے جواب کی اجازت چاہی، لیکن دربار رسالت سے اس کی اجازت نہیں ملی، ابوسفیان نے دوبارہ آواز دی ''ھل فیکم ابو بکر؟'' جواب کی اجازت نہ ملی، ابوسفیان نے ''ھل فیکم عمر؟'' کی صدا لگا کر فیصلہ سنا دینے کی ٹھانی، صحابہ کی نگاہیں پھر

پیغمبر خدا پر جمی، جواب نفی کے سوا کچھ نہ تھا۔

درحقیقت آج پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اور سبق پڑھانا چاہتے تھے، ابوسفیان ظاہری نگاہوں کے اعتبار سے فیصلہ کر بیٹھے اور گرجے: ''اُعل ھبل'' کا نعرہ لگایا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فاروق اعظم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جواب دو: ''اللہ اعلیٰ واجل'' ابو سفیان نے کہا ''لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم'' فاروق اعظم نبوی ارشاد سناتے ہوئے للکارے: ''اللہ مولانا ولا مولا لکم''۔ (مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ آل عمران: ۲/۲۲۳)

آج ایک پیغام دینا تھا، ایک ترتیب خداوندی سکھانی تھی، کوئی رہے نہ رہے، اللہ ہر حال میں باقی رہیں گے اور اللہ کا دین ہر حال میں زندہ وسالم رہے گا، مخلوق خدا جس کیفیت میں رہے خدا کا دین ہر حال میں غالب رہے گا، ذرا غور کریں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جارہا ہے اور جواب دینے کی اجازت نہیں، اس کے بعد جن دو بڑے حضرات پر مدار سمجھا گیا ان کا پوچھا، جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی، لیکن جب بات دین کی آئی لمحہ بھر تأمل نہ کیا اور جواب ترکی بہ ترکی دیا گیا، اصل حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اشخاص کو اپنے دین کے لئے استعمال فرماتے ہیں، دین کا مدار اشخاص پر نہیں رکھتے، اگر دین کا مدار محض اشخاص پر ہوتا تو شاید آج دین موجود ہی نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دین اسی طرح موجود ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک پہنچا کر گئے تھے، وجہ واضح اور سبب ظاہر ہے کہ دین کا مدار اللہ نے افراد پر نہیں رکھا افراد کو اللہ تعالیٰ نے دین کی وجہ سے عزت بخشی۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کے لئے جن افراد کو استعمال کیا وہ ان کا اعزاز اور اکرام تھا، ورنہ ہر شخص وفرد کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی، دین کی بقا کا تعلق ان کے وجود سے نہیں، ہاں چناؤ ہر شخص کا نہیں ہوتا بلکہ خاص خاص افراد کا ہوتا ہے، اگر دین افراد کے چلے جانے سے مٹ جاتا یا ادارے شہادتوں کی وجہ سے بند ہوتے تو شاید آج جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی میں موجود نہ ہوتا، اس دھرتی میں کوئی بنوری ٹاؤن کے نام تک سے واقف نہ ہوتا، بلکہ قصۂ پارینہ کی طرح کچھ لوگ اسے جانتے اس کی ثناخوانی کرتے، یہ مادر علمی اپنے خدام وطلبہ

سے لیکر مہتمم تک کی قربانی دے چکا ہے، ڈرائیوروں کے جذبے اور بوڑھے ماں باپ کی جوان ہمتوں سے لیکر مہتمم اور رئیس دارالافتاء تک کے خون میں لت پت جسم کو اپنے آغوش میں پناہ دی، اگر یہ واقعات دین کو نقصان پہنچاتے تو یہ ادارے کبھی نہ چلتے، اس کے چاہنے والے کم سے کم تر ہوتے چلے جاتے، اس میں داخلہ لینے سے طلبہ گھبراتے، والدین اپنے بچوں اس کے سائے سے بھی بھگاتے، اس کی آغوش میں پناہ دینے کے بجائے اس ادارے کو ایک ڈراؤنا جن بھوت بنا کر اپنے بچوں کو بتاتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا دشمن بے وقوفی کرتا رہا، وہ لاشوں کے انبار بنانے پر تلا رہا، وہ شہداء کی تعداد بڑھانے کے لئے تدبیریں کرتا رہا، وہ یہ بھول گیا کہ:

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

قصہ مختصر نہ دین ان تدبیروں سے مٹا ہے نہ ان طریقوں سے ختم ہوا، بلکہ یہ دین اللہ تعالیٰ کا ہے وہ اس کی حفاظت خود جانتا ہے، ایک فرد کے چلے جانے کے بعد وہ دوسرے فرد کو پیدا کرنا بھی جانتا ہے اور ایک شخص کو دوسرے کی نیابت دینا بھی جانتا ہے، البتہ چہرے مختلف ہوتے کبھی مولانا حبیب اللہ مختار شہید کی صورت میں، کبھی مفتی عبدالسمیع شہید کی صورت میں، کبھی مفتی نظام الدین شامزئی شہید کی صورت میں، کبھی مفتی جمیل خان شہید ومفتی سعید احمد جلال پوری شہید کی صورت میں، کبھی مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد کاروڑی شہید کی صورت میں، شہداء کا دنیا سے جانا بعد والوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتا ہے، ان کی شہادتیں چراغوں کا بجھنا نہیں، بلکہ شمعوں کا جلنا ہے، کسی نے حضرت استاد شہید کی شہادت پر خوب کہا ہے کہ:

ایک دیا اور جلا میر کے مے خانے میں

البتہ ہم حقیقت سے اللہ تعالیٰ کی طرح واقف نہیں ہوتے، ان کی طرح ہمیں ہر چیز اور ہر نعمت ان آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ہمارے سامنے اپنے شہداء کی خوبیاں اور کمالات ہوتے ہیں، ان کی نیک ادائیں اور دعائیں ہوتی ہیں، ان کی نیک سیرت اور چمکتا دمکتا چہرہ ہوتا ہے، ان کے پڑھائے ہوئے الفاظوں کی گونجیں ہوتی ہیں، ان کی شفقت ورحمت ہوتی ہے، ان کے الفت

بھرے بول ہوتے ہیں، ان کے معصومانہ چہرے ہوتے ہیں، پھر ہم ہیں بھی انسان، الفت کے پجاری، محبتوں کے بھکاری، اس لئے ہم ان کے دنیا سے چلے جانے پر اشک بار بھی ہوتے ہیں، روتے بھی ہیں، ان کی اداؤں کو یاد کرکے، ان کے کمالات کو گن گن کر پریشان بھی ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی چند صفات:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی ہمارے انہیں مشفق ومہربان اساتذہ میں سے تھے جو بہت ساری صفات کے مالک تھے، قدرت خداوندی نے انہیں بہت کمالات سے نوازا تھا، ان کی فقاہت نفس، ان کی حکیمانہ رائے، ان کی مدبرانہ فراست، ان کا پہلی نظر میں غلطی کو پکڑ لینا، ان کی قوت حافظہ، ان کا طرز گفتار، ان کے چلنے کی رفتار، ان کا معصومانہ کردار، ان کی تواضع اور ان کی نہ جانے کیا کیا صفات تھیں جو ہم نہیں جانتے، ان کے علم پر ان کی تواضع نے، ان کی ذہانت ومعاملہ فہمی پر ان کی سادگی نے پردہ ڈال رکھا تھا، وہ گفتگو کرتے ہوئے تو سادہ معلوم ہوتے، لیکن جب معاملہ کو حل کرتے تو ان کے جوہر سامنے آتے، وہ چلتے ہوئے تو کسی شان والے نہ تھے لیکن جب کسی الجھے ہوئے مسئلہ کو سلجھاتے تو ان کی فقاہت ظاہر ہوتی، وہ تشریح تو مختصر کرتے لیکن جب تحقیق کرنے والا تہہ میں جاتا تو عش عش کر رہ جاتا، کوئی ان کی مصروفیات کو دیکھ کر یہ اندازہ تو نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مطالعہ کرتے بھی ہوں گے یا نہیں، لیکن جب طالبعلم کو کسی کتاب کا حوالہ دیتے تو ان کی وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا۔

استاذِ محترم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بہت کم گو اور باحیا انسان تھے، وہ منظر آنکھوں کے سامنے سے نہیں ہٹتا جب بندہ مجلس دعوت وتحقیق اسلامی کی طرف جاتے ہوئے استاذِ محترم سے ملاقات ہوتے وقت سلام کرتا اور استاذ جی اس کے جواب میں کبھی دور ہونے کی صورت میں ہاتھ سے اشارہ کرنے کے بعد ایسے لوٹاتے جیسا شرمندہ ہونے والا شخص لوٹاتا ہے۔

تواضع کی ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ دیکھنے والا یہ اندازہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ جامعہ جیسے عظیم ادارے کے نائب صدر مفتی ہیں، کبھی چال ڈھال اور اٹھک بیٹھک سے یہ ظاہر ہونے ہی نہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی دولت سے نوازا ہے، رات کو گھر کے لئے دودھ خود

لے جاتے، اپنی موٹر سائیکل پر نماز کے لئے اکیلے چلے جاتے، حالات کی خرابی کے باوجود معہد الخلیل جا کر فتوؤں کی تصحیح فرماتے تھے۔

بندہ رات کے وقت کبھی مسئلہ پوچھنے دارالافتاء حاضر ہوتا تو کبھی مزاحاً فرماتے: بھئی دن بھر بھی مسئلے ہوتے ہیں، رات کو بھی مسئلے پوچھتے رہتے ہو، کبھی فرماتے: بھئی بس کرو اب خود بھی مسئلہ بتا دیا کرو، رات کے وقت میں فتاویٰ کی تصحیح فرماتے، لیکن درجہ رابعہ کے طلبہ نے جب ان سے شرح وقایہ بیوع کا حصہ پڑھنے کی خواہش کی تو رات کے وقت باوجود اپنی مصروفیات کے انہیں پڑھانے میں تأمل نہ کرتے تھے اور یہ معمول استاذ جی رحمہ اللہ کا کئی سال جاری رہا اور کئی طلبہ نے ان سے شرح وقایہ رات کے وقت میں سمجھی۔

استاذِ محترم اپنے وظائف کے ایسے پابند تھے کہ کبھی کہیں جا کر بھی اس میں کمی نہ آتی، چند بار رات کو استاذِ محترم کہ ساتھ کہیں قیام ہوا، بندہ کوشش کرتا کہ معمولات کا پتہ چلے کہ کس وقت جاگ کر اپنے رب کے سامنے گڑگڑائیں گے، اکثر دیکھا کہ رات کو سب سے پہلے اٹھتے اور نماز میں مصروف ہو جاتے اور صبح صادق کا وقت ہوتا تو ہم طلبہ کو بھی جگا لیتے اور نماز کے بعد بھی اپنے وظائف میں مصروف رہتے۔ اکثر سال کے اختتام پر یہ شعر پڑھتے:

آئے تھے ہم مثل بلبل، سیر گلشن کر چلے   سنبھال مالی باغ اپنا، ہم تو اپنے گھر چلے

جب استاذِ محترم کی شہادت ہوئی اور چہرہ دیکھا تو ایسا لگتا تھا کہ گویا آج ایک طویل مشکلات کا سفر پورا کر کے آرام وراحت کی نیند کر رہے ہیں، اپنے آبائی گاؤں دین پور میں اولیاء اللہ کے مقبرہ کے احاطے کے ساتھ متصل احاطے میں جب درخت کے سائے میں انہیں اتارا گیا اور لوگ مٹی ڈال کر فارغ ہو کر چلے گئے تو اس وقت ان کے رفیق دارالافتاء جن سے اکثر دارالافتاء میں مزاح فرمایا کرتے تھے، ان کے پاس اسی انداز سے کھڑے ہوئے جیسے دارالافتاء میں ان کی کرسی کے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے تھے، اس وقت بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مفتی صاحب ان سے مخاطب ہو کر یہ شعر دوبارہ پڑھ رہے ہوں گے ؎

آئے تھے ہم مثل بلبل، سیر گلشن کر چلے   سنبھال مالی باغ اپنا، ہم تو اپنے گھر چلے

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں اور ہم پسماندگان کو ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائیں اور جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائیں۔آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا سید زین العابدین[مدرس جامعہ امام ابویوسف]

تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے......!

موسمِ سرما کی دوپہر، الوداع کہتی خنکی اور دھیرے دھیرے پھیلتی دھوپ میں وہ روشنیوں کا پیامبر ہم سے کوسوں دور چلا گیا، ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ انہوں نے مفتی عبدالسلام چاٹگامی صاحب کی جانشینی سنبھالی تھی، ابھی قریب ہی کا تو واقعہ ہے کہ انہوں نے مفتی شامزئی شہیدؒ کے بعد ترمذی شریف کا سبق لیا تھا اور یہ کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اتنی جلدی وہ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کو سوگوار چھوڑ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہو جائیں گے۔خزاں کا موسم تو ختم ہو چکا تھا.....!مگر یہ کیا ہوا کہ گلشنِ بنوری کا گلِ سرسبد بہاروں کے آغاز میں ہی دیارِ جاودانی میں جابسا۔ جامعہ بنوری ٹاؤن کی درجہ سادسہ کی درسگاہ میں چارپائی پر لیٹے مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کا چہرہ بے رحم قاتلوں کی گولیاں کھا کر بھی مسکراتے ہوئے آمدِ بہار کے سندیسے دے رہا تھا۔گرد ونواح کے حالات وواقعات سے بے نیاز انہوں نے یوں آنکھیں موندیں تھیں جیسے ابھی کھولیں گے اور فتویٰ لکھنا شروع کر دیں گے۔

بہرحال مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اب ہم سے بہت دور جا چکے، وہ اسی شجرہ طیبہ کی ایک شاخ تھے کہ جس کی بنیادوں میں حضرت بنوریؒ کا تقویٰ، حضرت مفتی ولی حسنؒ کا تفقہ، حضرت ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ کا نظم وضبط، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کی قربانیاں، حضرت لدھیانویؒ وحضرت شامزئیؒ کی شہادتیں، مولانا جلالپوریؒ ومولانا عباسیؒ کی لہو رنگ داستانیں اور مفتی جمیل خانؒ ومولانا عطاء الرحمٰنؒ کے دوررس فیصلے اور نہ جانے کتنے اہل اللہ کی آہِ سحرگاہی اور دعائیں شامل ہیں۔ظاہر ہے کہ پھر اس کے فرزندان مفتی عبدالمجید دین پوریؒ جیسے نہ ہوں گے تو کیا ہوں گے؟

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اس وقت مفتیوں کے امام تھے، علماء کے راہبر تھے، عوام کے راہنما تھے، قابل مدرّس تھے، عمدہ خطیب تھے، جید عالم تھے، غرضیکہ ایک صاحب کمال انسان تھے۔

آہ۔۔۔امت کا کتنا نقصان ہوا؟۔۔کتنے مدارس بے آسرا ہوئے؟ کتنے علماء کے سر سے سائبان چھن گیا۔ اوظالم! تونے ذرا خیال نہ کیا......اس درویش کے کس فتوی سے تجھے تکلیف پہنچی تھی؟ اس محدّث کی قال اللہ وقال الرسول کی کس صدا سے تجھے نقصان ہوا تھا؟

مگر شاید تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ یہ لوگ مسلسل لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہوں گے، ان کے حوصلے پست ہو گئے ہوں گے، یہ ہمت ہار چکے ہوں گے، مگر یہاں ایسا کچھ نظر نہیں آیا، مفتی صاحبؒ کے جنازے کے موقع پر قافلہ بنوری کے حدی خواں مردِ قلندر حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزّاق اسکندر عجب شانِ استغناء کے ساتھ یہ اعلان کر رہے تھے کہ: ''ہم پُرامن لوگ ہیں، اس عظیم صدمے کے موقع پر تمام ساتھی سیرتِ نبوی کی روشنی میں صبر سے کام لیں، ہم ملکِ عزیز میں قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد برپا نہیں کرنا چاہتے، مگر اعداء اسلام سن لیں کہ یہ اللہ کا دین ہے، وہ خود ہی اسکی حفاظت کرنے والا ہے، تم خود مٹ جاؤ گے، مگر یہ دین قیامت تک باقی رہے گا''۔

واہ...... مفتی عبدالمجید شہیدؒ کی قسمت کے کیا کہنے! زندہ رہے تو نیک لوگوں کی معیت میں، اکابر کی صحبت میں، مفتیوں کے جھرمٹ میں، نیکی کے کاموں میں پیش پیش اور دوسروں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو شہادت پا کر دین پور کے تاریخی قبرستان میں بزرگوں کے پہلو میں جا آسودہ خاک ہوئے۔

دنیا میں بہت سے اصحابِ علم وفضل تو وہ ہوتے ہیں جنہیں دنیا جانتی ہے، وہ دنیا سے جاتے ہیں تو ایک عالم سوگوار ہوتا ہے، ان کی تعریف وتوصیف اوران کی خدمات کے اعتراف میں تعزیتی جلسے منعقد ہوتے ہیں، اخبارات ورسائل میں ایک عرصے تک ان کے بارے میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ انہیں زندگی میں نہیں جانتے تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے کارناموں سے واقف ہو جاتے ہیں، لیکن علم وادب اور ملی خدمات کے آسمان پر ایسے ستارے بھی ان گنت ہیں جن کی روشنی کی کرنیں سب کے لئے ہوتی ہیں، مگر ان کے نام سے کم

لوگ واقف ہوتے ہیں، ایسے لوگ گوشۂ تنہائی میں اپنا کام خاموشی سے کئے جاتے ہیں، ان کی تنہائی اور گمنامی، ان کے کام کی لگن، محنت اور افادیت میں کمی نہیں اضافہ کرتی ہے، نام ونمود سے دور رہ کر ان کی مخلصانہ کاوشیں رہتی دنیا تک لوگوں کو سیراب کرتی ہیں، بلاشبہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ انہی الفاظ کی آئینہ دار ایک عظیم شخصیت تھے، آپ نے جوانی سے لے کر شہادت تک کی اپنی پوری زندگی نام ونمود سے کوسوں دور رہ کر دینی خدمات میں گزار دی، آپ کے نزدیک اگر کسی چیز کی اہمیت تھی تو وہ محنت ولگن سے دینی خدمت اور وقت کو قیمتی بنانا تھا، آپ کو ایک ایسے ادارہ کا نائب رئیس دار الافتاء اور استاذ الحدیث مقرر کیا گیا تھا کہ جس کے فرزندان کی خدمات وکارناموں کو اللہ نے پورے عالم میں پھیلایا، لیکن آپ کبھی اس چیز کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کا نام اور کاموں کی تفصیل اخبارات میں شائع ہوں یا یہ کہ آپ کا نام کسی عوامی مذہبی اجتماعات یا جلسے جلوسوں کے اشتہاروں اور پوسٹروں کی زینت بنے، بلکہ عموماً مذہبی جماعتوں کے ذمہ داران بہت کوشش کرتے کہ آپ ان کے جلسے کی صدارت قبول فرمالیں، نہیں تو کم از کم کچھ دیر کے لیے اسٹیج کی زینت ہی بن جائیں، لیکن آپ کی طبیعت ان چیزوں سے انکاری رہتی۔

یکا یک آپکی شہادت کی خبر آگئی، یک دم راقم کو وہ لمحہ یاد آیا کہ جب شمائل ترمذی پڑھاتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری رہتی تھیں، میں پھوٹ پھوٹ کر رودیا کہ کیسا اللہ کا ولی تھا، اس کو بھی ظالموں نے نہ چھوڑا، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شہادت کی خبر سنتے ہی دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور شورش کاشمیریؒ کے یہ اشعار زبان پر آرہے تھے:

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہرِ مبیں نہیں ہے
تری جدائی پہ مرنے والے وہ کون ہیں جو حزیں نہیں ہیں
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
کئی دماغوں کا ایک انساں، سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں سے زورِ بیاں گیا ہے

غیر معمولی اوصاف:

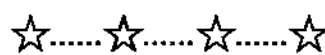
حضرت مفتی دین پوری شہیدؒ علم و عمل اور اخلاص و للّٰہیت کے پیکر، خوش مزاجی اور نرم خوئی کے خوگر، سادگی، متانت اور نورانیت کے پیکر مجسم، طلباء پر مشفق اور مہربان اور کاروان بنوری کے حدی خواں تھے، آپ انتہائی سادہ اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے، جیسا آپ کا ظاہر تھا ویسا ہی آپ کا باطن تھا، راقم الحروف کو کئی بار اس چیز کا مشاہدہ ہوا، ایک مرتبہ تقریباً دو سال پہلے میں کچھ کتب و رسائل کی خریداری کے لیے دفتر بینات مولانا فضل حق صاحب کے پاس آیا ہوا تھا تو اچانک حضرت دین پوریؒ بھی ایک صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے، جن صاحب کو حضرتؒ لے کر آئے تھے، وہ صاحب حضرت دین پوریؒ کے بھی مہمان تھے اور مولانا فضل حق صاحب کے بھی، حضرتؒ تو ان کی خاطر تواضع دارالافتاء میں کر آئے تھے، اب مولانا فضل حق صاحب کی باری تھی تو مولانا نے دفتر بینات کے خادم جناب قاری عبدالرؤوف صاحب کو بھیج کر سب کے لیے جوس منگوالیا اب مولانا فضل حق صاحب چوں کہ میزبان تھے، اس لیے ہر ایک کو ایک ایک گلاس خود اٹھا کر دے رہے تھے، مفتی صاحبؒ نے خود ہی اٹھالیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "مولانا میں تو اپنا گلاس خود ہی اٹھالیتا ہوں اور آپ کو مشقت سے بچالیتا ہوں" یہ سنتے ہی سب مسکرادیے بعد میں مولانا فضل حق صاحب فرمانے لگے کہ مفتی صاحبؒ شروع سے ہی ایسے بے تکلف ہیں۔ کوئی بات دل میں نہیں رکھتے اس کا اظہار فرمادیتے ہیں۔ یعنی حضرت شہیدؒ کا کوئی مصنوعی بناوٹی انداز نہیں تھا بلکہ جیسا ظاہر تھا ویسا ہی باطن تھا۔

ہمارے محلے کے ایک ساتھی جو کہ شرعی مسائل کے اندر پرانے اکابرین کے مؤقف پر عمل کرنے میں کافی جذباتی واقع ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ استاذِ محترم حضرت دین پوریؒ کی خدمت میں کچھ مسائل پوچھنے آئے ہوئے تھے تو اچانک حضرت دین پوریؒ سے عرض کرنے لگے کہ حضرت! آج تو آپ ماشاء اللہ ہمیں پرانے اکابر کے مؤقف کے مطابق مسائل بتاتے ہیں، لیکن کل اگر آپ نے بھی تصویر کو جائز یا ٹی وی چینل کے جواز کا فتویٰ دیا تو ان شاء اللہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو آپ کے اکابر کی آراء پر آپ کے ہٹنے کی مخالفت کروں گا اور آپ کے

فتویٰ کو نہیں مانوں گا، تو حضرت دین پوریؒ نے اس ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھائی! ہمیں ایسے ہی لوگ چاہییں اور ان شاء اللہ ہمیں بھی آپ کبھی اکابر کے مؤقف سے ہٹتے ہوئے نہیں پائیں گے، واقعی مفتی صاحبؒ نے اس بات کو سچ کر دکھایا۔

آپ مزاح بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ میں دفتر بینات کسی کام سے آیا ہوا تھا تو اچانک حضرت مفتی صاحبؒ بھی تشریف لے آئے اور کھڑے کھڑے ہی مولانا فضل حق صاحب کو فرمایا کہ روافض پر جو متفقہ فتویٰ ہے اس کے پانچ نسخے دے دیں، مولانا نے حسبِ ہدایت خادم جناب قاری عبدالرؤف صاحب سے کہا، انہوں نے مفتی صاحبؒ کو پانچ نسخے دے دیے، مفتی صاحبؒ نے قیمت پوچھی تو مولانا فضل حق صاحب نے فرمایا کہ ایک نسخہ ۱۰۰/روپے کا ہے، یہ سنتے ہی حضرت مفتی صاحبؒ ہنستے ہوئے فرمانے لگے کہ ''روافض کو آپ نے اتنا مہنگا کیا ہوا ہے؟'' اس بات پر مولانا فضل حق صاحب زور سے ہنسنے لگے، راقم الحروف کو بھی بے اختیار ہنسی آگئی اور مجلس کشتِ زعفران ہوگئی۔

اللہ اکبر! کس کس صفت کے حامل انسان تھے! اب تو صرف ان کی یادیں ہی رہ گئی ہیں۔ دل سے دعاء ہے کہ اللہ رب العزت ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین



مولانا مفتی محمد یاسر عبداللہ

استاذ: جامعہ بنوری ٹاؤن

بستیٔ دین پور کا ایک دُرِ شہوار

۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح پُو پھٹنے سے کچھ دیر قبل رات کے آخری پہر ایک دین دار خاتون نے خواب دیکھا کہ سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ افق پر فروزاں ہے اور خلقِ خدا اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہے، اچانک سورج دن دہاڑے غروب ہوگیا اور دنیا گھٹاٹوپ اندھیروں کی وادی میں چلی گئی۔ خاتون نے اتنا ہی

دیکھا تھا کہ فجر کی اذان کی آواز کے ساتھ گھبرا کر آنکھ کھلی اور وہ رونے لگی، اپنے گھر والوں کو جگا کر اُنہیں خواب سنایا اور تعبیر یہ لی کہ کسی بڑے عالم کی شہادت ہونے لگی ہے، خدا خیر کرے!

اسی روز دوپہر کو نصف النہار کی تھوڑی دیر بعد استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری اور حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی رحمہما اللہ اپنے مخلص خادم حسّان علی شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ ظالم وقاسی القلب انسان نمادرندوں کے ہاتھوں شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہوگئے۔فإناللّٰہ و إناإلیہ راجعون۔

بندہ نے یہ خواب استاذِ محترم مولانا محمد عادل صاحب دامت برکاتہم سے سنا اور ان تک محض ایک قریبی عزیز خاتون کے واسطہ سے پہنچا ہے۔ بلاشبہ اہلِ علم کی مثال سورج کی سی ہوتی ہے جس سے تمام جہاں روشن اور ساری مخلوق فیض یاب ہوتی ہے۔ حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ علم وعمل کے آفتاب ہی تو تھے جن کے ذریعے عوام وخواص راہ یاب ہورہے تھے۔ اور الحمدللہ! ان کی شہادت سے یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ چراغ سے چراغ جل رہا ہے ان شاء اللہ! تا قیامت یوں ہی شمعیں فروزاں رہیں گی، ان کا فیض جاری رہے گا اور وہ اپنی آرام گاہ میں اس کا اجر وثواب سمیٹتے رہیں گے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ظاہری اور باطنی کمالات کے حامل تھے، اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وطہارت زندگی کا حصہ تھی اور تواضع وفروتنی ان کی اداؤں سے پھوٹتی تھی۔ گزشتہ سال ختمِ بخاری شریف کے موقع پر اپنے مختصر نصائح آمیز بیان کے دوران نم ناک آنکھوں اور لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ فرمانے لگے: ''یہ قیامت کی علامات میں سے ہے کہ مجھ جیسا کم علم مسندِ حدیث پر بیٹھ کر علمِ حدیث پڑھانے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔'' یہ بات کہتے ہوئے تصنع اور تکلف کا کوئی شائبہ محسوس نہ ہوتا تھا اور اہلِ مجلس کے دل ودماغ ان کی قلبی کیفیت سے متاثر تھے۔ یہی تواضع ان کے حال وچال سے ٹپکتی تھی، سلام کرتے تو انداز ایسا ہوتا کہ گویا کوئی طالب علم اپنے استاذ سے سلام کررہا ہے۔ لباس وپوشاک میں سادگی اور عادت واطوار میں بے تکلفی تھی، عمامہ کا اہتمام فرماتے تھے، لیکن اتباعِ سنت کے خیال سے سادہ انداز اختیار فرماتے تھے، ایک بار دارالافتاء میں

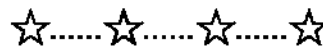
ایک عالم تشریف لائے، ان سے گفتگو کے دوران حضرت شہید رحمہ اللہ عمامہ باندھنے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ یہ عمامہ کیسے باندھ رہے ہیں؟ مجھے اجازت دیجئے میں باندھ دیتا ہوں، فرمانے لگے کہ: ''بھئی! سنت اس سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔'' اس موقع پر بندہ کے استفسار پر فرمایا کہ ''عمامہ باندھنے کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں۔'' آج کل اس سنت کی ادائیگی میں عموماً تکلفات کا جو رخ چل پڑا ہے، اس کے پیش نظر استاذِ محترم کے اس طرزِ عمل میں ہم سب کے لئے خاموش درس ہے۔ آپ کی پوری زندگی جفاکشی سے عبارت تھی اور کسل مندی سے کوسوں دور تھے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کا ایک اہم وصف ان کی ''فقہی بصیرت'' تھا، فقہی مزاج ومذاق ان کی رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔ اپنے بزرگوں سے سنا اور اصولِ افتاء کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ یہ چیز محض کثرتِ مطالعہ یا عبارات اور حوالہ جات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ایک نعمتِ خداداد اور وہبی ملکہ ہے، جس میں محنت ومطالعہ کے ساتھ باطن کی صفائی اور تقویٰ وطہارت شرطِ اول کی حیثیت رکھتی ہے، جو محض ظاہری نصاب ونظام سے حاصل ہونے والی چیز نہیں، بلکہ اہل اللہ کی صحبت اور ذکر وفکر کے اہتمام کے ساتھ عرصہ دراز تک محنت ومجاہدہ کی چکی میں پسنے کے بعد یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ حضرت استاذِ محترم ایک علمی اور روحانی خاندان سے تو تعلق رکھتے ہی تھے، پھر حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی مد ظلہ جیسے فقہی ملکہ رکھنے والوں کے صحبت یافتہ تھے، نیز کئی دہائیوں سے فقہ وفتویٰ کے میدان سے وابستہ تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علم میں خاص مہارت عطا فرما رکھی تھی۔ دورِ حاضر کے اکابر مفتیانِ کرام ان کی اس خوبی کا برملا اعتراف فرماتے تھے۔

فقہ وفتویٰ کی طرح تدریسی میدان میں بھی حضرت دین پوری رحمہ اللہ کا نمایاں مقام تھا۔ راقم الحروف کو حضرتؒ سے ہدایہ ثالث کا کچھ حصہ سنن ترمذی جلد ثانی، شمائلِ ترمذی، مقدمۂ ردالمحتار اور شرح عقود رسم المفتی پڑھنے کا موقع ملا۔ فقہ تو حضرت کا اختصاصی مضمون تھا اور ہدایہ ثالث انہوں نے کافی عرصہ پڑھائی ہے، اس لئے ہدایہ میں وہ ابواب کے اصول بتلا کر اس کے

تحت آنے والی جزئیات روانی سے بتاتے اور عبارت حل کرواتے جاتے اور اس طرح طلبہ کی فقہی تربیت فرماتے تھے۔ جزئیات کی بجائے ہر باب کے کلیات اور اصول کی طرف رہنمائی کرنا ہدایہ کے طلبہ میں فقہی مزاج پیدا کرنے کا ایک بہترین وقابلِ تقلید طریقہ ہے، اس لئے کہ کثرت کی بنا پر جزئیات ہاتھ نہیں آتیں اور ان کا استحضار نہیں ہو پاتا، اگر چہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی نظر میں جزئیات کی بجائے قواعد پر انحصار سے فقہ میں رسوخ پیدا نہیں ہوتا۔ (ملفوظات کشمیریؒ، ص:۲۵۹ ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ) لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ طبائع میں جو تکاسل چھا گیا ہے، اس کی بنا پر یہی صورت زیادہ مفید معلوم ہوتی ہے۔

یہ چند نمایاں اوصاف تھے جو بندہ کی کوتاہ نظر میں ممتاز اور لائقِ تقلید ہیں۔ تمام اوصاف وکمالات کا احاطہ مقصود ہے نہ اس کی استطاعت۔ حضرت استاذِ محترم کی شہادت ان کے لئے تو باعثِ شرف ہے بلکہ ان کی آرزو کی تکمیل ہے، لیکن رونا یہ ہے کہ ایسی شخصیات برسہابرس کی محنتوں کے بعد تیار ہوتی ہیں اور جب وہ اٹھتی ہیں تو اپنے پیچھے ایسا خلا چھوڑ جاتی ہیں جس کے پر ہونے کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ایسی صورتِ حال میں موجودہ اکابر کی حفاظت اور درازئ عمر کی دعاؤں کے ساتھ ان کے وجود سے جو علمی وروحانی استفادہ ممکن ہو اس میں کوتاہی برتنا کفرانِ نعمت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کا سایہ ہم پر تا دیر قائم رکھے۔ آمین!



مولانا محمد عمران ولی [استاذ جامعہ بنوری ٹاؤن]

لہو ہمارا بھلا نہ دینا

سمجھ سکو تو ضرورت نہیں سنانے کی
کہ دل کا خون ہے سرخی مرے فسانے کی

عیسوی سال کے پہلے مہینے کی آخری تاریخ یعنی ۳۱ رجنوری ۲۰۱۳ء کو سندھ اسمبلی کی جدید تعمیر میں کچھ احباب کے ساتھ ایک پروگرام میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، وہاں پہنچے ہی تھے کہ کچھ لمحوں بعد برادرم مفتی محمد الیاس صاحب کے موبائل پر جامعہ درویشیہ کے مہتمم مولانا لیاقت علی

شاہ صاحب مدظلہ ایک دردناک خبر کی اطلاع دے رہے تھے۔ دوران گفتگو مفتی صاحب کے حد درجہ اضطراب اور بے چینی کو دیکھ کر دل کھٹکا اور پھر انہوں نے گم سی کی حالت میں یہ الفاظ ادا کر ہی دیئے کہ ''بڑے مفتی صاحب پر حملہ ہوا ہے اور وہ شہید ہو چکے ہیں۔'' اس دوران مزید اطلاعات آتی رہیں، مفتی صالح محمد کاروڑی اور طالب علم حسان علی شاہ کی شہادت کی خبر ناگہانی بھی پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ دینِ اسلام کی خدمت وحفاظت اور اس کی آبیاری اپنے خون اور جان ومال سے کرتے اور شہادتوں کی داستان رقم کرتے ہوئے یہ تینوں حضرات سرخ لباس اوڑھے اس فانی قفسِ زندگی کی مختصر سی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو کر بزبانِ حال یہ شعر جو حضرت مفتی دین پوری شہیدؒ اکثر سناتے تھے، کہتے ہوئے راہئ خلد بریں ہو گئے:

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

حضرت بڑے مفتی صاحب اور ان کے رفیق کار مفتی صالح محمد دار الافتاء کے بنیادی ستونوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا گویا کلیات وجزئیات بمع دلائل وحوالہ جات مستحضر تھے اور یہی وجہ تھی کہ ان کا وجود مسعود دار الافتاء کے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ تھی۔ ہمیں حضرت بڑے مفتی صاحب سے درجہ سابعہ میں ہدایہ ثالث پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، یوں کہئے کہ پوری ہدایہ از بر تھی۔

تواضع وملنساری کی اعلیٰ مثال تھے، نمازوں کے حد درجہ پابند تھے۔ آخری وقت میں جب گھٹنوں کی تکلیف بڑھ گئی تو جمشید روڈ میں موجود اپنی مسجد تشریف نہیں لے جاتے تھے، بلکہ جامعہ ہی میں نماز باجماعت ادا فرماتے، باوجودیکہ گھٹنوں کی تکلیف کافی تھی، فجر کی نماز کے بعد بیٹھ کر اپنے اذکار پورے فرماتے۔ حضرت کا اس دوران ایک خاص معمول یہ تھا کہ کچھ پڑھ کر چاروں اطراف پھونکتے اور سیدھی ہاتھ کی ہتھیلی کو تقریباً تین مرتبہ زمین پر ہلکا ہلکا مارتے معلوم نہیں کہ استاذ جی کیا پڑھتے۔ شہادت والے دن اتفاق سے بندہ استاذ محترم سے نماز فجر میں دو تین صف پیچھے بیٹھا تھا، ان کے اٹھنے سے پہلے اٹھا مزارات کی طرف سیڑھیوں پر حضرت کی سرمئی

رنگ کی ایروسوفٹ چپل کوسیدھا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس خوف سے کہ استاذ جی کہیں اس پر ناگواری کا اظہار نہ فرمادیں، جلدی سے ایک طرف نکل لیا۔ استاذ محترم فجر کے بعد بلاناغہ حضرت علامہ بنوریؒ، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مولانا محمد بنوریؒ کے مزارات پر فاتحہ پڑھتے تھے، اس دن بھی فاتحہ پڑھی (جیسا کہ میں ان کو ابھی بھی اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ عصا کو سیدھی ران کے سہارے چھوڑ کر سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر کچھ پڑھ رہے ہوں) اس کے بعد دار الافتاء تشریف لے جاتے، دورۂ حدیث میں ترمذی شریف کا پہلا گھنٹہ تھا، اس سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جاتے اور ناشتہ تناول فرما کر واپس دار الافتاء تشریف لے آتے اور دفتر محاسب کے سامنے سے ہی گزر ہوتا تو اندر کی طرف دیکھ کر مخصوص انداز میں سر ہلا کر سلام فرماتے، اکثر اندر بھی تشریف لے آتے، بے شمار یادیں ہیں جو دل و دماغ پر نقش ہیں۔

استاذ جی کی شہادت کا دوسرا مہینہ شروع ہو چکا ہے، مگر دل و دماغ میں ہلچل ہے اور دل مضطرب ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جس بے دردی سے دن دہاڑے سر عام ہمارے استاذ محترم کو ہم سے جدا کیا گیا اور ان کا معصوم جسم گولیوں سے چھلنی کیا گیا، اس پر ہمیشہ دل اداس وغمگین رہے گا۔

حضرت کے صاحبزادے مولوی محمد زبیر نے بتایا کہ آخری دنوں میں ہم نے نوٹ کیا تھا کہ گھر سے نکلتے نکلتے کچھ رک سے جاتے تھے جیسا کہ کچھ بولنا چاہ رہے ہوں اور بول نہیں پاتے۔ اور تقریباً یہی صورت حال ہمارے والد (حضرت مفتی محمد ولی درویشؒ) کے ساتھ بھی ہوگئی تھی کہ وفات سے قبل گھنٹوں گھنٹوں گہری سوچ میں ڈوبے ہوتے تخصص کی کلاس میں مغرب کے بعد بیٹھتے تو باہر کیاریوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچوں میں گم ہوتے، قیلولہ کے حد درجہ پابند تھے، مگر قیلولہ کے وقت بھی چھت کو تک رہے ہوتے، پنکھا بند کرنا یاد نہ رہتا، طبیعت میں ایک دم سے خاموشی چھا چکی تھی اور ایک واضح تبدیلی ہم نے محسوس کی تھیم پھر اچانک ۱۷/اگست ۱۹۹۹ء کو آپ کا افغانستان جانے کا ارادہ ہوا اور ۱۹/اگست کو آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔

وفات کے کئی دنوں بعد والدہ ماجدہ حفظہا اللہ نے خواب دیکھا کہ والد صاحب فرما

رہے ہیں کہ: میں نے خواب دیکھا تھا کہ ایک بزرگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ آپ کا سب کچھ معاف کر دیا گیا ہے اور مجھے ایک تھیلی دی جس میں سفید کپڑا تھا، اس دن کے بعد سے میرا دل گھر میں نہیں لگتا تھا۔ واللہ أعلم بالسرائر۔

بہرحال اب اللہ کے دربار میں یہ اکابرین حاضر ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے مبارک خون سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ فرمائے۔

آخر میں ختامہ مسک کے طور پر حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی ایک مختصر سی تحریر جو انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی وفات پر آج سے تقریباً (۴۲) بیالیس سال قبل قلم بند کی تھی، پیش خدمت ہے۔ اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ جامعہ ہذا میں دورۂ حدیث کے طالب علم تھے اور یہ تحریر حضرت مفتی صاحبؒ کی ترمذی شریف کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی کاپی کے بالکل آخری صفحہ پر درج ہے اور اتفاق سے والدہ ماجدہ کی تاریخ وفات بھی 13/ ہے وہ تحریر یہ ہے:

(ھوالعظیم)

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

یلوح الخط فی القرطاس دھراً

وکاتبہ رمیم فی التراب

بروز منگل بتاریخ 8/ رجب ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۳/ اگست ۱۹۷۱ء کو والدہ ماجدہ رحیم یار خان ہسپتال میں جگر کی خرابی کے سبب بوقت دس بجے صبح اپنے محبوب حقیقی سے جاملیں، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

اور اسی دن شام کو دین پور شریف میں حضرت دین پوریؒ کے جوار اور والدہ ماجدہ کے دادا کے قدموں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ بندہ کو ٹھیک 42 گھنٹے بعد کراچی میں اطلاع ملی اور اسی وقت بذریعہ تیز رورات کو گیارہ بجے گھر پہنچ گیا، گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، والد ماجد اطال اللہ ظلہ علینا سارے دن کے تھکے ماندے تھوڑی دیر پہلے سو چکے تھے، محترم چچا علامہ صاحب جاگ رہے تھے، گھر اور سب تھے لیکن مہمان نواز میزبان کسی طرف نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ سالانہ امتحان میں باقی چند یوم تھے، اس لئے صرف چھ دن گھر رہ کر دوبارہ

کراچی آنا پڑا۔ اگرچہ وہاں سے تعلیم کے لئے جلدی آ گیا ہوں، لیکن یہ حالت ہو چکی ہے کہ دل کسی کام میں نہیں لگتا، امتحان بالکل سر پر آ پہنچا، خدا جانے کیا ہوگا، خداوند قدوس سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمادے اور والدہ ماجدہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمادیں آمین ثم آمین۔

نوشتہ بماند سیاہی بر سفید　　نویسندہ رانیست فردا امید

کتبہ العبد محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ

شریک دورۂ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی (5)

8/رجب ۱۳۹۱ھ بروز جمعہ بوقت گیارہ بجے رات

جبکہ اس کے متصل ہی کسی نے یوں لکھا ہے:

بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جناب مفتی عبدالمجید صاحب کی والدہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرماویں آمین...... بندہ جمشید علی عفی عنہ۔

اللہ تعالیٰ حضرت استاذنا المکرم مفتی صاحب اور ان کے رفقاء کرام کی شہادت عظمیٰ کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے طفیل ہم سب کو کامیاب وکامران فرمائے۔　　ع　ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالصمد محراب پور

مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی یادیں

بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی عبدالمجید صاحب دین پوری نوراللہ مرقدہ بھی شہادت کا جام نوش فرما کر سفر آخرت کے لئے روانہ ہوگئے۔

لو کانت الدنیا تدوم لواحد

لکان رسول ﷺ فیھا مخلدا

بروز جمعرات ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء حضرت مفتی صاحب دین پوری نوراللہ مرقدہ اپنے ہر دلعزیز دوست حضرت مولانا قاری اسلام الدینؒ کی تعزیت ورفع درجات کی دعاء کے لئے

محراب پور تشریف لانے والے تھے، پروگرام طے ہوگیا تھا اور سفر کے لئے سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور محراب پور میں آپ کے شاگرد بعد از اطلاع استقبال کے لئے مصروف عمل تھے اور خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تھے، واقعتاً آپ کے شاگردوں کے لئے یہ دن عید سے کم نہیں تھا کہ اچانک بعد از نماز ظہر تقریباً 3ربجے انتہائی اندوہناک، دل سوز اور جسم کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی (آپ کی شہادت کی) خبر ملی تو پہلے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا، پھر جب مزید رابطوں سے حقیقت حال واضح ہوئی تو ہماری خوشی غمی میں تبدیل ہوگئی، امیدوں پر پانی پھر گیا، سارے ساتھی سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ کیا ہونا تھا اور کیا ہوگیا، سارے بدن میں سکتہ سا طاری ہوگیا اور دل ودماغ کا م کرنا چھوڑ گئے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور آنکھوں سے آنسو اس قدر جاری ہوئے کے تھامے تھم نہیں رہے تھے، ان کیفیات کا ادراک وہی کرسکتا ہے جس کے ساتھ یہ بیتا ہو، بہر حال اب دونوں اکابر کی اعلیٰ علیین میں ملاقات بھی ہوگی اور عیادت وشہادت پر ایک دوسرے کو مبارک باد بھی دے رہے ہوں گے۔

حضرت مفتی صاحب کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جن کے بارے میں حلفیہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی کو زبان وہاتھ سے تکلیف نہیں پہنچائی اور ان کے قول وفعل سے کبھی بھی فرقہ واریت انتشار ونفرت کی بو نہیں آئی، بلکہ انہوں نے ہمیشہ اتحاد اتفاق محبت واخوت بین المسلمین کا سبق دیا ہے۔ایسی مقدس شخصیات کے ناحق قتل اور ظلم سے ظالموں کو کیا ملا ہوگا، آپ پر جو بربریت کی گئی ہے اس سے تو یقیناً عرش الٰہی بھی ہل گیا ہوگا اور بحر وبر کی مخلوق نے آنسو بھی بہائے ہوں گے۔

حضرت مفتی صاحب ہم سب کے ''مشترکہ قیمتی اثاثہ'' تھے۔انہوں نے اپنی زندگی دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ اور عوام الناس کے دینی ودنیوی مسائل کا حل حدود شرع میں رہتے ہوئے ملک وقوم کی ترقی وبہبود پر خرچ کردی۔ان کی رحلت موت العالم موت العالم کا حقیقی مصداق ہے۔اس طرح کے ہیرے طویل عرصہ کے بعد دنیا میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

ان کی شہادت سے صرف ان کے اہل خانہ ہی یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہزاروں کی تعداد

میں ملک و بیرون ملک کے تمام شاگرد یتیم ہوگئے ہیں، ان کی رحلت فرمانے سے جو خلا ہوا ہے، فی الحال اس کا پر ہونا مشکل نظر آ رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کی علمی میراث کو تا قیامت جاری و ساری رکھے اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بنا کر ان کے رفع درجات کا زینہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

زندگی کی چند نصیحت آموز یادیں:

ا۔حضرت مفتی صاحب میرے استاد و مربی تھے، بندہ نے آپ کے پاس جامعہ اشرفیہ سکھر میں تین کتابوں کے پڑھنے کا شرف حاصل کیا تھا:ا:......درجہ رابعہ کا ترجمہ۔۲:......دیوان متنبی۔۳:......مشکوٰۃ شریف۔

اس وقت تقریباً دو دہائیاں گزرنے کو ہیں، لیکن حضرت استاذِ محترم کا انداز سبق ابھی تک بحمد اللہ تعالیٰ میرے ذہن نشین ہے۔ حضرت استاذ صاحب کا انداز تدریس انتہائی آسان اور عام فہم تھا۔ اللہ رب العزت نے استاذِ محترم میں ہر ایک طالب علم (غبی، متوسط، اعلیٰ) کے دل و دماغ میں سبق اتارنے کی صلاحیت ودیعت کر رکھی تھی۔ ہمیں تو استاذِ محترم کا سبق (دوران گھنٹہ) ان کے پڑھاتے ہی یاد ہو جاتا تھا۔ اور ذہن میں ایسا نقش ہو جاتا کہ اگر کبھی کبھار رات کو تکرار و مطالعہ کا موقع نہ بھی ملتا تب بھی اگلے دن وہی تقریر (جو استاذِ محترم نے پڑھائی ہوتی) ہو بہو سنا دیا کرتے تھے۔ ہماری پوری کلاس کے ساتھ یہی معاملہ تھا، حالانکہ سختی بالکل نہیں فرماتے تھے۔ مزید برآں استاذِ محترم سبق کے ہر ہر پہلو ہر ہر بحث کو اس طرح بیان فرماتے کہ اور کوئی پہلو یا تفصیل تشنہ نہ چھوڑتے۔

ترجمۂ قرآن پاک میں سب سے پہلے ایک رکوع کا لفظی ترجمہ کرتے، اس کے بعد آیات کا شان نزول وتفسیر بیان فرماتے اور ساتھ ساتھ مشکل الفاظ کا معنیٰ سہل الفاظ اور سلیس اردو میں بیان فرمادیا کرتے، آخر میں پھر ایک بار دوبارہ رکوع کا لفظی ترجمہ کرکے سبق کو پورا کر دیا کرتے تھے۔

سورۃ الکہف کا سبق جب شروع ہوا تو استاذ صاحب نے فرمایا کہ: اس سورت کی

ابتدائی دس آیات کا پڑھتے رہنا فتنۂ دجال سے محفوظ رکھنے کا اہم ذریعہ ہے۔حضرت استاذِ محترم نے ان الفاظ کو ایسے سوز جگر سے ادا کیا کہ آج تک اس پر عمل جاری ہے۔اور اللہ عزوجل کی ذات اقدس سے امید ہے کہ آئندہ بھی تاحیات اس عمل کے جاری رکھنے کی توفیق ملتی رہی گی۔الحمدللہ بندہ نے اس وظیفہ کا اثر ہر فتن میں آزما کر دیکھا۔ان دو دہائیوں میں جب بھی فتنوں سے واسطہ پڑا تو اس عمل کی بدولت نجات پائی۔

اہل اسلام پر سب سے بڑی آزمائش ظہور دجال کے وقت ہوگی،اس وقت کے لئے سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات کا پڑھنا انتہائی مجرب ہے۔یقیناً یہ مسلمانوں پر بہت بڑی آزمائش ہوگی،باقی فتنے اس سے کم ہیں تو ان کے لئے اس عمل کا فائدہ مند ہونا یقینی ہوگا۔

اسی طرح دیوان متنبی میں استاد محترم کا طریقہ تدریس یہ تھا کہ سب سے پہلے الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق فرماتے،اس کے بعد اشعار کا لفظی وبامحاورہ ترجمہ کرتے اور طلباء کو یاد کرنے کا موقع دیتے اور آخر میں ایک بار پھر ترجمہ کرتے اور سبق ختم فرماتے۔تاہم سبق کے ہر ایک پہلو کو بیان کرنے کے بعد پھر بھی وقت بچ جاتا یہ درحقیقت ان کی کرامت تھی۔

نیز مشکوٰۃ شریف میں اولاً طالب علم سے حدیث پڑھواتے،اس کے بعد اس حدیث کا ترجمہ کرتے،پھر ائمہ کا اختلاف پھر دلائل وجوابات اور وجوہ ترجیح احناف بیان کرکے سبق ختم فرماتے۔بندہ کو تین سالوں میں استاذِ محترم سے یہ تین کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔

۲:......احقر نے استاذِ محترم میں دو چیزیں اور دیکھیں:۱:......وقت کی پابندی۔۲:......وقت کی قدر وقیمت۔یہ دونوں چیزیں آپ کے مزاج میں داخل تھیں اور ان پر عمل کرنا آپ کی طبعیت ثانیہ بن گئی تھی۔

بندہ نے ان تین سالوں میں آپ کو یا تو پڑھاتے یا قرآن پاک کی تلاوت کرتے یا نوافل میں کھڑے ہوئے دیکھا،کبھی بھی آپ کو اس کے خلاف نہ دیکھا۔عموماً طلبہ کرام کی عادت ہوتی ہے کہ گھنٹہ شروع ہونے کے دس پندرہ منٹ کے بعد ہی کلاس میں داخل (حاضر) ہوتے ہیں تو حضرت استاذِ محترم ان منٹوں اور لمحات کو قیمتی بنانے کی غرض سے قرآن پاک کی تلاوت میں

مشغول ہوجاتے اور طلبہ کرام کے آتے ہی تلاوت بند کرکے سبق شروع فرمادیتے تھے، جـزاہ اللّٰہ جزاء حسنا وافیا ۔اور درس میں نہ اتنی طوالت ہوتی کہ طلبہ اکتاجائیں۔اور نہ اتنا اختصار کہ طلبہ تشنہ رہ جائیں، بہرحال بندہ کو آپ کا طرز انداز بہت ہی پسند تھا۔

حضرت الاستاذ صاحب نوراللہ مرقدہ کی یہ دو باتیں (انداز تدریس، وقت کی پابندی وقدروقیمت) میرے دل ودماغ میں اس قدر راسخ ہوچکی ہیں کہ آج بھی مجھے ایسے نظر آتی ہیں جیسے آئینہ میں اب دیکھ رہا ہوں۔حضرت استاذ صاحبؒ کی ان دو صفات کو اپنانے کی بالخصوص نئے فضلاء کرام کو اس وقت زیادہ ضرورت ہے۔اس لئے کہ اس انداز تدریس میں بہت مطالعہ درکار ہوتا ہے۔لہٰذا اس سے خود استاذ کا ذاتی طور پر بھی فائدہ ہوگا کہ صلاحیت دن بدن بڑھتی چلی جائے گی اور طلبہ کرام بھی مطمئن رہیں گے۔

۳:...... ایک مرتبہ حضرت الاستاذ صاحب کو وفاق المدارس العربیہ کی جانب سے سالانہ امتحان میں بمقام ''کولاب جیل'' نگران اعلیٰ کی ذمہ داری سونپی گئی۔دریں اثنا کسی نگران نے عین وقت پر معذرت کرلی تو حضرت استاذ صاحب نے بندہ کو حکم فرمایا کہ تم میرے ساتھ بطور نگران کے معاونت کرو۔ بندہ حکم کی تعمیل بجالانے کے لئے استاد صاحب کے ساتھ ہوگیا۔ دوران نگرانی درجہ ثانیہ کے ایک طالب علم نے بندہ سے لا تسبوا الدیك فإنه یو قظ للصلوة حدیث میں لفظ الـدیك کا ترجمہ پوچھا طالب علم میرے منع کرنے پر بہت اصرار کرنے لگا۔اسی اثنا میں حضرت استاذ محترم کی ہم پر نظر پڑ گئی اور ہمارے پاس تشریف لے آئے، حضرت کے سامنے بھی طالب علم نے وہی سوال دہرایا تو استاذ محترم نے اس طالب علم سے جواباً فرمایا کہ بیٹھ جائیں، اگر فلاں نگران صاحب کو پتہ لگ گیا تو کہیں وہ مجھے مُرغانہ بنادے، لیکن طالب علم کو پھر بھی بات سمجھ میں نہیں آئی اس لئے کہتے ہیں کہ نقل کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔

واقعی آپ کی زندگی ہم جیسوں کے لئے نمونہ ومشعل راہ ہے اور آپ کی عملی زندگی اس قابل ہے کہ اسے اپنا کر ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے شب وروز اس کے مطابق گزارنے کی کوشش کی جائے۔دعا ہے کہ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت استاذِ محترمؒ کو خلد بریں میں جگہ

عنایت فرما کر ہر گھڑی ہر لحہ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں آمین ثم آمین۔

☆......روزنامہ **امت**......☆

مولانا ضیاء الرحمٰن چترالی

شیخ دین پوریؒ، دین پر قربان

اپنی مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ایک نورانی چہرہ میرے سامنے تھا، جامعہ کے نائب رئیس دارالافتاء اور استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری چند علماء کے ہمراہ باہر تشریف لا رہے تھے، ایک ادنیٰ شاگرد ہونے کے ساتھ ساتھ حضرتؒ سے ناچیز کا بہت ہی قریبی تعلق بھی تھا، اس لئے دعاوسلام کے بعد حال احوال پوچھے، حضرتؒ کی ٹانگوں میں کافی عرصے سے تکلیف تھی، پوچھنے پر بتلایا کہ اب تکلیف کافی کم ہے، صرف گھٹنوں کا درد باقی رہ گیا ہے۔ حضرت سے دعائیں لیتا ہوا میں اندر چلا گیا اور استاذ محترم حسب معمول باہر تشریف لے گئے، میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مفتی صاحب سے آخری ملاقات ہوگی اور صرف ۲۰/منٹ بعد وہ ہمیں داغِ مفارقت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرماجائیں گے۔

مجھے میرے شیخ مولانا فضل محمد دامت برکاتہم نے کسی کام سے بلایا تھا ان سے ملاقات کرکے جب نرسری کے پل پر پہنچا تو ٹریفک جام تھا، میں رانگ سائیڈ سے بائیک چلاتا ہوا لال کوٹھی میں واقع اپنے گھر پہنچا ہی تھا کہ موبائل میں ایک نامعلوم نمبر سے پیغام موصول ہوا کہ مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ کو نرسری میں شہید کردیا گیا، مجھے یقین ہی نہیں آیا، کیوں کہ میں ۲۰/ منٹ پہلے ان سے ملاقات کرکے آیا تھا، میں فوراً جائے وقوعہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ علم وعمل اور تقویٰ وطہارت جیسی صفات سے مزین میرے استاذ محترم کو دہشت گردوں نے شہید کردیا تھا۔

اس ناچیز کو حضرتِ والاؒ سے درس نظامی کی دو اہم کتابیں ہدایہ اور جامع ترمذی جلد ثانی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ان دونوں برسوں میں استاذ کے قدموں کے ساتھ ہی بیٹھنے کا موقع ملا اور

جامع ترمذی کے سہ ماہی امتحان میں مفتی صاحبؒ نے احقر کو سو میں سو نمبروں سے نوازا تھا۔ مفتی صاحبؒ کے چہرے سے خوفِ خدا، للّٰہیت سمیت بے شمار باطنی اوصاف کی جھلک صاف دکھائی دیتی تھی، خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ دو برسوں میں، میں نے ایک بار بھی غصہ ہوتے نہیں دیکھا، فجر کی نماز کے متصل بعد درس حدیث شروع ہو جاتا اور پونے آٹھ بجے تک جاری رہتا۔ حضرتؒ سچے عاشقِ رسول تھے، ترمذی شریف میں جب شمائل کا حصہ شروع ہوا تو حضور انور ﷺ کے حسنِ صورت وسیرت کی احادیث پڑھاتے ہوئے آپ اکثر آبدیدہ ہو جاتے، سارا سال پڑھانے کے بعد جب کتاب ختم ہوئی تو باوجودیکہ سات سال کا عرصہ اس بات کو گزر چکا ہے، مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے طلبہ کو الوداعی نصیحت کرتے ہوئے یہ شعر بھی رقت آمیز انداز میں سنایا تھا:

ہمارا خوں بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں

ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

آج واقعی حضرت بنوریؒ کے گلستان کی تزئین میں ان کا خون بھی شامل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مقبولیت کے لئے ان کا رتبۂ شہادت پر فائز ہونا ہی کافی ہے، کیوں کہ انہیں صرف دین پڑھانے کی پاداش میں شہید کیا گیا، ورنہ ان کا کسی سیاسی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ حضرتؒ کے جنازے میں شہر کے گوشے گوشے سے مسلمانوں نے آکر شرکت کی، جو جامعہ اور علماء سے والہانہ عقیدت کی ایک زندہ مثال ہے۔ جامعہ میں دورۂ حدیث میں پڑھنے والے میرے ایک شاگرد مولوی محمد عامر نے بتایا کہ مفتی دین پوری شہیدؒ نے آخری درس میں یہ حدیث پڑھائی تھی: "القبر روضة من رياض الجنة" یعنی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

انبیائے کرام کے قتل کی پاداش میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے، ہمارے ملک میں انبیاء کے ورثاء کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی جا رہی ہے۔ ہمارے اوپر خوف ودہشت کی جو فضاء چھائی ہوئی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ انبیاء کے ورثاء کا قتلِ عام بھی ہے، حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ علماء کی حفاظت کو یقینی بنائے جو حکومت عوام کی جان ومال کی حفاظت نہیں کر سکتی اسے اقتدار میں رہنے کا کوئی حق نہیں

پہنچتا۔ آخر میں علماء واساتذہ کی خدمت میں عاجزانہ گزارش ہے کہ کوئی لائحۂ عمل طے کرنا چاہیے، ورنہ ہم کب تک جنازے اٹھاتے رہیں گے؟

☆......☆......**القلم**......☆......☆

مولانا مدثر جمال تونسوی

آہ.....حضرت دین پوریؒ

کراچی کے دینی حلقے ایک بار پھر خون کے آنسو رلا دیے گئے ہیں، علم دین کا ایک اور روشن چراغ بجھا دیا گیا ہے، مسندِ افتاء کا ایک اہم اور ماہر شناور گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا ہے اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے ماتھے پر شہادت کا ایک اور ستارہ ہمیشہ کے لیے قربان ہو کر امر ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور ان کے رفیق مفتی صالح محمدؒ کو دن دھاڑے ایک عام چلتی ٹریفک والی شاہراہ پر موٹر سائیکل سوار غنڈوں نے نشانہ بنا دیا، مگر وہ یہ بھول گئے کہ اس طرح یہ اہلِ حق تو شہادت کا اونچا مقام پا گئے ہیں اور خود ان قاتلوں کے ہاتھ جہنم کا عذاب آیا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

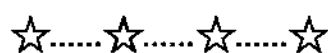
> "جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس قاتل کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اللہ کی لعنت ہے، اور اللہ نے اس کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے" (النساء)۔

یوں تو بعض حلقے کافی مدت سے دینی مدارس کے وجود کو کہیں بھی برداشت نہیں کر رہے اور وہ لوگ اپنے ان عزائم کا متعدد بار اظہار بھی کرتے رہتے ہیں، مگر کراچی کے دینی مدارس شروع سے ہی دین دشمن طاقتوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھ رہے ہیں، دین دشمنوں کی مکمل کوشش ہے کہ کسی طرح دین کی مخلصانہ خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھنے والے ان درویش خدا مست اہلِ علم اور ان کے قائم کردہ مدارس کو کسی بھی طریقے سے ختم کر دیا جائے، تاکہ بے دینی کا ماحول عام ہو، نفس پرستی کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، اسلام کی حدود کی پاسداری کرنے والے یہ بے لوث سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیے جائیں، خاص کر ملک پاکستان میں جن علمی حلقوں کی محنتوں

اور کاوشوں سے دین دشمنوں کی سازشیں ناکامی سے دوچار ہوئیں ہیں وہ ان کا خاص نشانہ ہیں، تاکہ ان سے بدلہ بھی لے لیا جائے اور آئندہ بھی وہاں سے کوئی ایسی قوت نہ ابھرے جو ان دین دشمنوں کے منصوبوں کو غارت کرنے والی ہو اور پھر ایک خاص طبقہ اس مشن پر بھی سرگرم ہے کہ اس طرح قتل وغارت کی آگ بھڑکا کر خاص کر کراچی اور عمومی طور پر ملک بھر میں خانہ جنگی کی کیفیت بنادی جائے، مگر افسوس یہ ہے کہ ہماری حکومتیں، انتظامیہ، پولیس، رینجرز اور خفیہ ادارے اس حوالے سے مکمل ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اب تک کسی بھی جید عالم دین کے قاتل گرفتار کر کے ان کو کیفرِ کردار تک نہیں پہنچایا گیا، بلکہ کراچی کی حالت تو اس اعتبار سے مزید بدتر ہے کہ وہاں تو بہت دفعہ خود قانون کے رکھوالوں کو بھی اپنی جان بچانے کے لیے انہی غنڈوں کے تحفظ کا سایہ لینا پڑتا ہے تو ان حالات میں عوام کا تحفظ کون کرے گا؟

حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ ایک جید عالم دین اور میدان افتاء کے ماہر شناور تھے، اہلِ علم جانتے ہیں کہ صرف اندرونِ ملک ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کا علمی مقام کیا ہے؟ ایسے میں اتنے بڑے ادارے میں ''نائب رئیس دارالافتاء'' کے عہدے کو پالینا کوئی عام کھیل نہیں، بلکہ اس کے پیچھے ان کی کمال درجے کی محنت، علمی لگن، اعلیٰ صفات، اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق اور مقبولیت کا کردار کار فرما ہے، جس نے انہیں اس اونچے منصب تک پہنچایا، پھر موصوف خود بھی ''دین پور'' کی نسبت کے حامل تھے، جس خطے کا نام ہی دینی خدمات کے تصور کے ساتھ اجاگر ہوتا ہے۔ خطۂ دین پور تحریک آزادی میں ایک خاص مقام کا حامل تھا اور اس خطے کے علمی خاندانوں کی بہت سی تاریخی داستانیں ہیں جو صفحۂ تاریخ پر ثبت ہیں۔ جہادِ آزادی کے نامور قائد حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو آخری آرام گاہ اسی سرزمین نے فراہم کی۔ اس خطے سے نسبت رکھنے کی وجہ سے حضرت دین پوری شہیدؒ میں بھی قابل رشک دینی حمیت اور دینی استغناء موجود تھا۔ ان کے ایک شاگرد بتا رہے تھے کہ دارالافتاء کے اوقات میں بعض اوقات جب کوئی مال داری یا عہدے وغیرہ کے تکبر کی چادر تان کر بات کرتا تو حضرت دین پوری شہیدؒ اس کا ایسا سبق لیتے کہ تھوڑی ہی دیر میں ان صاحب کا تمام غرور اور تکبر ہوا ہو جاتا اور حضرتؒ بڑے استغناء کے ساتھ ان

کے اس مادہ وجاہ کو کسی خاطر میں نہ لاتے۔ حضرت دین پوریؒ کی شہادت صرف جامعہ یا اہلِ کراچی کے لیے صدمہ کا باعث نہیں ہے بلکہ یہ تو پوری ملت کے لیے صدمے کا مقام ہے کیوں کہ حضرتؒ اس پائے کے مفتی تھے کہ جن سے ملک وبیرون ملک کے سب لوگ استفادہ کرتے تھے۔ الغرض ہر جان قیمتی ہے مگر بعض لوگ اپنے کردار کی وجہ سے نہایت اونچے درجے پر جا پہنچتے ہیں اور ان کا یوں چلے جانا دوسروں کے لیے نہایت افسوسناک ہوتا ہے، مگر خود ان کے لیے تو یہ بڑی سعادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو نوازتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص سچے دل کے ساتھ اللہ سے شہادت مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مقام تک پہنچا دیتے ہیں اگر چہ وہ بستر پر اپنی طبع موت پائے۔ ہمارے حضرت دین پوریؒ کی خوش بختی بھی دیکھیے کہ بظاہر میدانِ جہاد سے کتنا دور تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے شہر میں رہتے ہوئے شہادت کا کیسا انتظام کر دیا! اور اللہ کا یہ ولی طلبہ کو نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ''القبر روضة من رياض الجنة'' یعنی بعض لوگوں کے لیے قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے، پڑھا کر گئے اور پھر اسی دن ان باغوں کی سیر پر روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ حضرت دین پوری شہیدؒ اور مفتی صالح محمد شہیدؒ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین



مولانا حافظ محمد اسد

لہولہو بنوری ٹاؤن

آہ! جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے سرخ در و دیوار کو ایک بار پھر خون میں نہلا دیا گیا.... استاذ محترم حضرت اقدس مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ اور استاذ محترم حضرت مفتی صالح محمد صاحبؒ شہید کر دیے گئے۔ انا لله وانا اليه راجعون.

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اور ان کے رفیقِ سفر کی قبروں کو نور سے بھر دے اور انہیں کروٹ کروٹ راحتیں نصیب فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین میں مقامِ عالی نصیب فرمائے۔ آمین

حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں شہید لکھتے ہوئے بھی دل کو ہول آرہے ہیں، بے شک ان

کے لیے تو شہادت بہت بڑا اعزاز اور بہت اونچا مقام ہے لیکن ان کی صلبی وروحانی اولاد اور اعزہ واقارب وحلقۂ احباب کے لیے یہ جان لیوا صدمہ ہے۔

یقین نہیں آرہا کہ کیا واقعی استاذ جی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے، یہ بدھ کی رات کی تو بات ہے کہ حضرت دین پوریؒ سے فون پر بات ہوئی۔ حسبِ عادت حضرتؒ نے مزاح بھی فرمایا اور خوب کھل کر گفتگو فرمائی، لیکن اگلے ہی دن دوپہر کو حضرتؒ کی شہادت کی اطلاع آ گئی۔ **اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم.**

حضرت دین پوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات سے نوازا تھا، اکابر علمائے دیوبند کی جو صفات کتابوں میں پڑھتے تھے، ان کا عملی نمونہ حضرتؒ کی شخصیت میں دیکھا۔ شفقت، محبت، عاجزی وانکساری، عبادت وریاضت، للّٰہیت وخشیت، بردباری، کمالِ استغناء اور بے پناہ تفقہ فی الدین آپؒ کے وہ عمومی اوصاف تھے جن کا ہر ایک مشاہدہ کیا کرتا تھا۔

آہ! استاذ جی! آپ کی کس کس ادا کا تذکرہ کروں، گزشتہ سال ایک دن جب کہ آپ رات کو دارالافتاء کا کام نمٹا کر واپس جارہے تھے تو چلتے چلتے اچانک آپؒ کے بائیں گھٹنے میں تکلیف شروع ہوگئی جو آخر دم تک موجود رہی، ایک دن کسی نے تکلیف پر دکھ کا اظہار کیا تو حضرتؒ نے کسی بزرگ کا واقعہ سنایا کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو یہ شعر پڑھا کرتے:

لطفِ سجن دم بدم قہرِ سجن گاہ گاہ
ایں وی سجن واہ واہ، اُوں وی سجن واہ واہ

شعر پڑھتے ہوئے حضرتؒ کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں اور فرمانے لگے: ''ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں اگر مالک کی طرف سے تھوڑی سی تکلیف آ گئی تو کیا ہوا؟''

جگہ ختم ہونے کو ہے اور ابھی تک صرف ایک استادِ محترم کی بھی چند باتیں ہی نقل ہوسکیں جب کہ یہاں تو زخم بھی دوہرا ہے، ظالموں نے امت کے دو ہیرے توڑ ڈالے دل چھلنی ہے، کس کس کے غم روئیں؟

حضرت مفتی صالح محمد کاروڑی صاحبؒ دارالافتاء کے فعال ترین اور چست وچالاک

مفتی تھے، سب سے زیادہ فتاویٰ آپ ہی کو دیے جاتے تھے۔ خواتین کے مسائل اور تحکیم کے مسائل کی تقریباً ساری ذمہ داری آپؒ ہی کے پاس تھی، آپؒ کی نشست کے سامنے اکثر لوگوں کا جم گھٹا لگا رہتا تھا، بہت زیرک انسان تھے، حالات پر بہت کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپؒ کی بہت سی یادیں دل میں بسی ہیں۔ آج حضرتؒ کی ایک عجیب وغریب خوبی ذکر کر کے اجازت چاہوں گا وہ یہ کہ حضرتؒ کی دو شادیاں تھیں اور صاحب اولاد بھی تھے، کسی نے پوچھا حضرتؒ مدرسے کی تنخواہ پر اس مہنگائی کے دور میں کس طرح گزارا ہوتا ہے؟ فرمایا ''اللہ کا شکر ہے، بہت اچھا نظام چل رہا ہے۔'' بعد میں پتہ چلا کہ حضرتؒ شام کو جامعہ سے واپس جانے کے بعد ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے اور رات ایک بجے گھر جاتے تھے.... اللہ اکبر کبیرا..... ایسے لوگ دنیا میں خال خال ہی رہ گئے ہیں اور پھر کمال تو یہ کہ ساری زندگی اس چیز کو چھپائے رکھا، کوئی شکوہ نہیں، کوئی شکایت نہیں، بس شکر ہی شکر اور کام ہی کام.... یقیناً یہی لوگ امت کے مقتداء تھے اور ان کی زندگیاں علماء وطلباء کے لیے نمونۂ عمل ہیں۔

یا اللہ! یا رحمٰن! ہمارے ان پیارے اساتذہ اور ان کے رفیقِ سفر کی مغفرت فرما، ان کے درجات بلند فرما اور ان کی شہادت کو قبول فرما، امت کو ان کا نعم البدل عطاء فرما۔ اور اے جبار وقہار مالک! بدبخت قاتلوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار فرما، اور لہولہو بنوری ٹاؤن کی ہر قسمی شرور سے حفاظت فرما، آمین۔ اے سرخ چادر اوڑھے پیارے بنوری ٹاؤن! اداس نہ ہونا! ہمت نہ ہارنا! تیرے بیٹے ان مظالم کا بدلہ لیں گے اور جانوں پر کھیل کر بھی تیری حفاظت کرنا پڑی تو دریغ نہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

☆......روزنامہ **امت**، کراچی......☆

مفتی طاہر مکی

علماء کا قتلِ عام......آخر کب تک؟

جامعہ بنوری ٹاؤن کے دار الافتاء کے نائب رئیس، ہزاروں مفتیان کرام کے استاذ، استاذ الحدیث مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب اپنے دو ساتھی علمائے کرام کے ساتھ دن

دھاڑے شہید کردیے گئے اور جس انداز سے قاتل گولیاں چلا رہا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسے اس گاڑی میں بیٹھے ہوئے اہلِ علم کے مرتبے اور مقام کا کوئی احساس نہیں، اس سے چند روز قبل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے مبلغ مولانا محمد اجمل کو ڈرائیور سمیت شہید کردیا گیا، اور کچھ عرصہ قبل ہی میرے بزرگ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کو شہید کردیا گیا۔ یہ کڑی جامعہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ تک جا پہنچتی ہے، مسئلہ یہ نہیں کہ اس قسم کی کارروائیوں سے دین اسلام کی خدمت کرنے والے ختم ہو جائیں گے یا ناموس رسالت اور ناموس صحابہؓ کا کام تھم جائے گا، یہ تو علمائے حق کی ''ریت'' ہی نہیں۔ جس کا اندازہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق نائب امیر مرکزیہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی المناک شہادت کے بعد دشمنان ناموسِ رسالت کے لئے مجاہدین ختم نبوت کے متحرک ہونے سے لگایا جاسکتا ہے۔ موجودہ حالات میں اس قسم کی کارروائیوں سے جو کارکنان اور شہداء کے تلامذہ کے جذبات بے قابو ہوتے ہیں اور اس کے بعد وہ قابو سے باہر آکر کوئی غلط قدم اٹھا لیتے ہیں تو اس کی روک تھام کے لئے ذمہ داری حکومت کی ہے، حکومت سے انصاف کی اپیل کی جانی چاہیے۔ لیکن تب جب حکومت کرنے والا اپنی زوجہ کے قاتل کو گرفتار کر چکا ہو اور انہیں سزا دے چکا ہو۔ جو شخص اپنے بچوں کی والدہ کے قاتل برسوں گزر جانے کے بعد اب تک گرفتار نہیں کرسکا، وہ ہمارے علماء کے قاتل کیوں کر گرفتار کرسکے گا؟ جن علماء کے ساتھ اس کا کوئی خاص تعلق بھی نہیں بلکہ بڑی احتیاط کے ساتھ عرض کردوں کہ مذہب سے واجبی تعلق رکھنے والے صدر کو ہمارے علماء سے کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ سرحد کے وزیر اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمودؒ جب وزیر اعلیٰ بنے تو فرمایا کہ جس کے قاتل گرفتار نہ ہوں اس کی قاتل حکومت ہے اور یہ ایسا ہی ہے کہ میرے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی چوری ہو جائے تو یا چور پکڑ کردوں یا چیز بھر کردوں اور جب چیز بھر کردوں گا تو میں خود چور ہوں۔

بہر حال مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری و ماقبل علماء کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے ہماری اس کمی کو پورا فرمائے۔ آمین۔

☆......ہفت روزہ **ختم نبوت**......☆

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

شہرِ قائد علماء وطلباء کی مقتل گاہ بن گیا

مدارس دینیہ کے ننھے پھول اپنے اساتذہ اور طلباء ساتھیوں کے جنازے اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہیں، آخر کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ پاکستان کا ہر شہر، ہر گلی، ہر محلّہ علماء وطلباء کے خون سے رنگین ہے۔ یہ خبر ہمارے لیے انتہائی افسوس ناک تھی کہ ایک بزرگ شخصیت کو درس وتدریس کے سلسلے میں جاتے ہوئے کراچی کی معروف شاہراہ پہ موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے ابدی نیند سلا دیا، ان کے ساتھ ان کے دو رفقاء کو بھی شہید کر دیا۔ کراچی میں آئے روز دینی مدارس کے علماء وطلباء کو ہی نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان افسوس ناک واقعات پہ انسانی حقوق کی تنظیموں کی خاموشی معنیٰ خیز ہے۔ ملالہ یوسف زئی کے واقعے پہ یقیناً دینی طبقوں کو بھی افسوس ہوا اور اس کی مذمت بھی کی گئی مگر کیا دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء اور پڑھانے والے علماء علم کی شمع کو روشن نہیں کر رہے؟ کیا دینی مدارس کے معصوم بچے اور بچیاں اپنے ماں باپ کے لیے ملالائیں نہیں؟

کراچی شہر دینی علوم کا مرکز ہے اور اس شہر میں پاکستان کے ہر کونے سے دین کی تڑپ رکھنے والے ماں باپ اپنے لختِ جگروں کو نبی ﷺ کی میراث سیکھنے کے لیۓ بھیجتے ہیں، پاکستان میں سب سے زیادہ دینی مدارس اس شہرِ قائد میں ہیں، اس شہر میں کہیں آپ کو گلشنِ بنوریؒ جامعہ بنوری ٹاؤن ملے گا، کہیں آپ کو یادگارِ مفتیٔ اعظم پاکستان جامعہ دارالعلوم کراچی ملے گا تو کہیں شیخ سلیم اللہ خان کے زیرِ سایہ جامعہ فاروقیہ ملے گا، پھر کہیں آپ کو مولانا زرولی خان کو لگایا ہوا پودا جامعہ احسن العلوم ملے گا اور کہیں گلشنِ مفتی نعیم جامعہ بنوریہ ملے گا۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شہداء میں مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور مفتی صالح محمد کاروڑیؒ بھی اپنا نام لکھوا گئے اور رب کے دربار میں سرخرو ہو گئے۔

ہم ان کی جسمانی وروحانی اولاد کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالی ہمارے اس

پیارے ملک کو اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ فرمائے۔

☆......روزنامہ امت......☆

سیلانی کے قلم سے

''تنگ آمد''

شہر کے وسط میں مزارِ قائد کے قریب سرخی مائل رنگ سے رنگی عمارت کو چاروں جانب سے سنتری بادشاہوں نے گھیر رکھا تھا، سامنے سے گزرنے والی شاہراہ پر کسی گاڑی کو جانے کی اجازت نہیں تھی، کسی بے چارے کا ٹرک پکڑ کر روڈ پر ترچھا کھڑا کر دیا گیا تھا، ایسا ہی ٹرک عمارت کے بائیں جانب سڑک پر بھی دکھائی دے رہا تھا، پولیس کے ساتھ ساتھ سادہ لباس والے ''فرشتے'' بھی دکھائی دے رہے تھے، جو موبائل فون کے ذریعے اس عمارت میں آنے والے ہر شخص کی اوپر رپورٹ کر رہے تھے، پولیس اور فرشتوں کی پھرتیاں دیکھ کر سیلانی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوگئی، اگر یہ ''مخلوق'' فرض شناسی سے اپنا کام کر رہی ہوتی تو آج یہ سرخ رنگ میں رنگی عمارت انبیاء کے وارثوں کے لہو سے رنگی ہوتی؟ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید سے لے کر خان پور کے مفتی عبدالمجید دین پوری شہید تک، جامعہ بنوری ٹاؤن کے تقریباً پندرہ اساتذہ ناحق شہید کر دیے گئے، مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی شہید کا قصور تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اس دور میں سرِ عام جہاد کی بات اور مجاہدین کی پشتیبانی کرتے تھے، جب دین کو حسبِ ضرورت استعمال کرنے والی نادیدہ قوتوں کو اپنی ہانڈی میں جہاد کے نمک کی ضرورت نہیں رہی تھی، لیکن مفتی عبدالمجید دین پوری شہید کا قصور کیا تھا؟ انہوں نے کبھی مخالفین کو گمراہ کہا نہ کافر، جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں مسلمانوں کی مدد فرماتے، ان کی الجھنیں سلجھاتے، ان کے مسائل کا حلِ شرعی بتاتے اور اپنے سینے میں محفوظ علم کے نور سے علم کے طالبوں کا دل اُجالتے۔

سیلانی جامعہ بنوری ٹاؤن کے دروازے پر کھڑا مفتی عبدالمجید دین پوری شہید اور ان کے ساتھیوں کے جرم کا سوچ رہا تھا، شہداء کی امین، جامعہ بنوری ٹاؤن کے لیے بدھ چھ فروری کا دن غیر معمولی تھا، جامعہ کے بغلی دروازے پر طالب علموں کا جم گھٹا لگا ہوا تھا، انہیں علم تھا کہ آج

یہاں استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے آنا ہے، جامعہ دار العلوم کراچی سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی آمد کی بھی اطلاع تھی، جامعہ دار الخیر گلستانِ جوہر سے مولانا محمد اسفند یار خان صاحب کے آنے کی بھی اطلاع تھی، یہ بھی علم ہوا کہ جامعہ احسن العلوم کے مولانا محمد زرولی خان صاحب بھی تشریف لائیں گے۔ یہ علم کے افق پر جگمگاتے وہ روشن ستارے تھے جنہیں دیکھ کر بھٹکتے مسافر اپنی سمت درست کرتے، ان حضرات کی آمد نے طلباء کو پر جوش اور بے چین کر رکھا تھا، وہ ان کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب ہو رہے تھے، ان کی تڑپ ان کا شوق اور ان حضرات کا احترام دیکھ کر وہاں موجود ''فرشتے'' اور سنتری بادشاہ حیران ہو رہے تھے، اور ان کی حیرت بجا تھی کہ یہ منظر ان کے لیے انوکھا تھا کہ ایک عام سی کار آ کر رکتی ہے، جس کے آگے کوئی ٹوں ٹوں کرتی کار ہوتی نہ ہٹو بچو کا شور مچانے والا، کار پر کوئی جھنڈا ہوتا ہے نہ سبز رنگ کی نمبر پلیٹ، اس میں سے اترنے والے نے کوئی خاص پوشاک بھی نہیں پہن رکھی ہوتی، لیکن طلباء ان کے ہاتھ چومنے آگے بڑھتے، ان کے لیے بچھے بچھے جاتے، حضرات کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، سیلانی ایک طرف کھڑا بزرگ ہستیوں کو دیکھ رہا تھا، شہر کے جید علماء کرام بنوری ٹاؤن آ رہے تھے کہ اب کرنا کیا ہے؟ چائے خانوں پر چائے پینے والے طلباء محفوظ ہیں نہ مصروف شاہراہوں پر سفر کرنے والے اساتذہ۔ ٹارگٹ کلنگ اتنی ہو چکی ہے کہ اب وزیر اعلیٰ ہاؤس کا پریس سیکریٹری اللہ بچایو میڈیا کو وزیر اعلیٰ صاحب کی جانب سے نوٹس لینے کا فیکس بھی جاری نہیں کرتا۔

سیلانی جامعہ بنوری ٹاؤن میں اجلاس کی خبر لینے آیا تھا، اس کی نگاہ دروازے پر مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی شہید کے صاحبزادے مولانا امین الدین شامزئی صاحب پر پڑی اور وہ ان کے پاس چلا آیا، سلام کلام کے بعد سیلانی نے ان سے اجلاس کے حوالے سے جاننا چاہا تو انہوں نے تُرکی ٹوپی پہنے ایک نوجوان سے ملوادیا، یہ مولانا سعید خان صاحب تھے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے رئیس و شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبد الرزّاق اسکندر صاحب کے صاحبزادے، وہ گرم جوشی سے ملے اور سیلانی کو لے کر اپنے چھوٹے سے صاف ستھرے دفتر میں آ گئے۔

''اجلاس کا ایجنڈا تو وہی ہے ''ٹارگٹ کلنگ''۔ سیلانی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا ''جی دیکھیں حضرات کیا فیصلہ فرماتے ہیں''

''مجھے علم ہے جو فیصلہ ہوگا، زیادہ سے زیادہ ایک نیوز کانفرنس اور ٹارگٹ کلنگ کی مذمت بس..... بھئی یہ زبان حکمرانوں کو سمجھ آتی ہے نہ ان کے کانوں پر جوں رینگتی ہے''۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ مگر ہم اور کیا کریں؟'' سعید بھائی نے الٹا سوال کر ڈالا۔

''فارسی بولنے والے فارسی بولیں، جو زبان حکمران سمجھتے ہیں اسی زبان میں بات کریں''

''یہی تو ہم سے نہیں ہوتا، ورنہ کوئی مسئلہ نہیں کہ چودہ ہزار طلبہ کو لے کر سامنے چوک پر جا بیٹھیں، آپ یقین کریں گے جب مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب پر حملے کی اطلاع ملی تو والد صاحب نے تمام اساتذہ کو ہدایت کی کہ باہر جامعہ کے دروازوں پر پہنچ جائیں اور کوئی طالب علم باہر نہ جائے، صرف اسی لیے کہ طلباء جذباتی ہو کر توڑ پھوڑ نہ شروع کر دیں اور یہاں شہداء کا جنازہ پڑھا گیا، تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، ہزاروں لوگ تھے، محاورتاً نہیں حقیقتاً ایک گملا بھی نہیں ٹوٹا، آج کا اجلاس بھی بہت مجبوری میں بلایا گیا ہے''۔

اجلاس بلانے کا سبب تین بجے نیوز کانفرنس میں پتہ چل گیا، جب قاری محمد عثمان صاحب نے مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب کی موجودگی میں تمام علماء کی نمائندگی کرتے ہوئے اجلاس میں ہونے والے فیصلے پڑھ کر سنائے اور جمعہ آٹھ فروری کو ہڑتال کا اعلان کیا، علماء کی جانب سے ہڑتال کے اعلان نے وہاں موجود میڈیا کو چونکا دیا، وہ بھی سیلانی کی طرح سخت لفظوں میں ایک پریس کانفرنس کی توقع کر رہے تھے، ہڑتال کا اعلان ایک بڑا فیصلہ تھا فوراً سوال داغا گیا: ''ہڑتال میں جو توڑ پھوڑ ہوگا اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟''

''بھائی ہم پُر امن لوگ ہیں اور یہ ہم نے اپنے عمل سے ثابت کیا ہے، یہاں سے شہداء کے جنازے اٹھے آپ نے کسی گاڑی پر پتھر اچھلتے دیکھا؟ کہیں توڑ پھوڑ دیکھی؟ جلاؤ گھیراؤ..... ہمیں تو انتظامیہ نے مجبور کر دیا ہے، دن دیہاڑے علمائے دین شہید کر دیے گئے اور کسی حکمران کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ ایک فون ہی کر لیتا.....''۔

''کیا وزیر اعلیٰ یا حکومت میں سے کوئی بھی نہیں آیا؟'' ایک صحافی بھائی کے لہجے میں بے یقینی تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی کہ جامعہ بنوری ٹاؤن شہر کی ہی نہیں ملک کی ممتاز درسگاہوں

میں سے ہے، اس کے دار الافتاء کے نائب رئیس اور جید عالمِ دین کو شہید کیا گیا تھا، بھانڈ، مراثیوں، ناٹک بازوں کے انتقال پر ''کبھی نہ بھرنے والا عظیم خلا'' پیدا کرنے والے حکمرانوں سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ ایک تعزیتی بیان ہی جاری کردیتے، شاہراہ فیصل ابھی تک کراچی ہی کا حصہ ہے اور مفتی عبدالمجید دین پوری بھی قسم خدا کی پاکستانی تھے، یہ واقعہ بھوٹان یا نئی دہلی میں نہیں ہوا تھا۔

''جی! صرف گورنر صاحب کا فون آیا تھا، ان کے علاوہ کسی نے آنے کی زحمت کی اور نہ فون کرنے کی'' ایک بات اور جن کے لیے دھرنے دیے جائیں، ان کے ورثاء کے لیے تو حکومت دس دس لاکھ روپے کا اعلان کردیتی ہے، لیکن ہمارے شہداء کے لیے حکومت کے خزانے خالی ہوجاتے ہیں؟ اس سے ہم کیا سمجھیں، حکمران ہمیں کیا ترغیب دینا چاہتے ہیں؟ یہی کہ ہم بھی سڑکوں پر نکل آئیں، دھرنا دے کر بیٹھ جائیں، وزیراعلیٰ ہاؤس کا گھیراؤ کرلیں؟ مدارس کے طلباء، مدرسین کو یہ سب نہیں آتا، یہ پُرامن ہیں اور رہنا چاہتے ہیں لیکن اگر علماء کرام کو یوں ہی چن چن کر شہید کیا جاتا رہا اور حکومت کا انداز بھی ایسا ہی رہا تو ملک بھر کے سترہ لاکھ طلباء سڑکوں پر ہوں گے''۔

قاری عثمان یوں ہی گیدڑ بھبکی نہیں دے رہا تھا، سیلانی کو ذرائع سے علم ہوچکا تھا کہ اجلاس میں طے ہوچکا ہے کہ بس اب اور نہیں، اب اگر کسی عالمِ دین کا لہو بہایا گیا تو علماء کرام سڑکوں پر آبیٹھیں گے، ''دورۂ حدیث'' اور ''گھنٹے'' شاہراہوں پر ہوں گے، بزرگ اور ضعیف وزیراعلیٰ سوچ لیں، جب مزارِ قائد کے سامنے جامعہ بنوری ٹاؤن کے چودہ ہزار طلباء بیٹھے ہوں گے، شاہراہ فیصل ناتھا خان پل پر جامعہ فاروقیہ کے طلباء سبق دوہرا رہیں گے، کورنگی روڈ پر جامعہ دار العلوم کراچی کے طلباء دکھائی دیں گے، سائٹ میں جامعہ بنوریہ کے طلباء دھرنا دیے ہوئے ہوں گے.....شہر کے کس علاقے میں مدارس نہیں ہیں؟ اور ان مدارس کے طلباء کرائے بھاڑے کے ٹٹو بھی نہیں جنہیں تین سو روپے کی دیہاڑی پر لایا جائے، یہ جب مدارس سے نکلیں گے تو قائم علی شاہ اور عشرت العباد خان کی لینڈ کروزر اور مرسڈیز کہاں چلے گی؟ سیلانی چشم تصور میں شہر بھر میں ہونے والے دھرنوں کو دیکھنے لگا اور پھر دیکھتا رہا، دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا۔

☆......ماہنامہ ''**بینات**''......☆

مولانا مفتی راشد ابوبکر

رفیق دارالافتاءواستاذ، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

میدان فتویٰ کا نایاب شہسوار

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

''اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل''

یہ ایک حدیث ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مشکلات ومصائب کا سامنا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ذات طیبات کو اپنے فرض منصبی کی تکمیل میں کرنا پڑتا ہے۔اور پھر انبیا علیہم السلام کے بعد جو جس قدر مقصد نبوت کے قریب ہوگا اسی قدر اس کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس حدیث شریف کے آئینہ میں اگر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ کی قائم کردہ عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی ، دیوبند ثانی ، مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کی شہادتوں اور قربانیوں کی تاریخ کو دیکھا جائے تو جامعہ کی عنداللہ مقبولیت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔چنانچہ کون نہیں جانتا کہ چند سالوں میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ سے لے کر حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری شہیدؒ،اور حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی شہید نور اللہ مراقدھم وطیب اللہ آثارھم وجعل الجنۃ مثواھم تک بڑے بڑے اساطین امت کو جامعہ کے ساتھ تعلق کی بناء پر ہی موت کی نیند سلایا گیا۔لہٰذا اگر چہ شہداء کے فراق کے غم میں دل اداس ہیں ،مگر یہی شہادت جس کو دشمن اپنی کامیابی تصور کرتا ہے جامعہ کی حقیقی کامیابی کی دلیل بھی ہے اوران شاءاللہ جامعہ کی تاقیامت بقاء کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی۔

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے بڑی زرخیز ہوتی ہے بہت شاداب ہوتی ہے

۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء کو ایک بار پھر جامعہ کو خون میں نہلا دیا گیا، دشمن نے ایسی گھناؤنی وارداتوں میں جو روایت قائم کی تھی کہ اپنا ہدف قیمتی سے قیمتی ہستی کو بنایا جائے، پہلے کی طرح اس

بار بھی دشمن نے اپنی اس روایت کو برقرار رکھا کہ گلستان بنوری کے دارالافتاء جیسے اہم پودے کے ''تنے'' دارالافتاء کے نائب رئیس، استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب اور معاون مفتی، حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی صاحب اور ان حضرات کی ''پک اینڈ ڈراپ'' کی خدمت پر مامور طالب علم حسان علی شاہ صاحب کو دن دیہاڑے شہید کر کے اپنے سیاہ کارناموں میں اضافہ کیا۔ دشمن جو ایسے گھناؤنے کارناموں کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے حق تعالیٰ شانہ کتاب مقدس میں قتل علماء کو قتل انبیاء کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''**ویقتلون الذین یأمرون بالقسط من الناس فبشرهم بعذاب الیم** '' ترجمہ: ''اور انصاف کی تلقین کرنے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔'' اس آیت مبارکہ میں اللہ نے علماء کے قاتلوں کے لئے عذاب الیم کو ذکر فرمایا ہے اور مفسرین لکھتے ہیں کہ جہنم میں جتنی انواع واقسام کے عذاب ہوں گے، ان میں سب سے سخت عذاب، عذابِ الیم ہوگا، کیونکہ عذابِ الیم ایسا عذاب ہے کہ جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ **اعاذنا الله منه ومن کل غضب الله تعالیٰ۔**

حضرت دین پوری شہید علیہ الرحمہ کاروان بنوری کے ایک مخلص فرد تھے، احقاقِ حق اور اور احکام دین پر عمل میں حضرت استاذ علیہ الرحمہ **لایخافون لو مة لائم** کے بلند مرتبہ پر فائز تھے، جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے عالمی ادارے کے دارالافتاء جیسے اہم شعبے کے مسند نشین ہونے کے باوجود عاجز وانکساری اور تواضع کا پیکر تھے، ہمیشہ گردن جھکا کر چلتے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے حضرتؒ کے جسم پر کبھی کلف والا لباس نہیں دیکھا، طلباء کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے، حضرت بنوری علیہ الرحمہ کے ساتھ والہانہ تعلق رکھتے تھے، جب بھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت بنوریؒ کی قبر پر حاضری دیتے، بازار سے سودا سلف خود جا کر خریدتے اور اکثر اٹھا کر بھی خود ہی لاتے، اگر کوئی طالب علم سامان پہنچانے کی خدمت کی درخواست کرتا تو بہت کم اس کو موقع دیتے تھے۔

گزشتہ چار پانچ سال سے گھٹنوں میں بہت زیادہ تکلیف رہنے لگی تھی، مگر اس کے

باوجود بنوری ٹاؤن میں ہوتے ہوئے صف اول کی نماز فوت نہیں ہوتی تھی، حضرتؒ کی زندگی میں صوم وصلوٰۃ کا جتنا اہتمام تھا، اس دور میں بہت کم دکھائی دیتا ہے، گزشتہ سال وفاق کے پرچوں کی مارکنگ ملتان جامعہ خیر المدارس میں ہوئی تھی اور یہ بہت زیادہ گرمی کے دن تھے، مجھے وہ منظر بڑی اچھی طرح یاد ہے کہ ان دنوں میں ظہر کی اذان ایک بجے ہوجاتی تھی اور نماز ڈیڑھ بجے ہوتی تھی، مگر حضرتؒ دوپہر کی کڑکتی دھوپ میں اذان کے فوراً بعد اپنے آرام دہ اے.سی کمرے سے نکل کر مسجد روانہ ہوجاتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما کر دیر تک ذکر اذکار میں مشغول رہتے اور جب واپس آتے تو تمام کپڑے پسینے کے ساتھ شرابور ہوچکے ہوتے، مگر اذان کے بعد کمرے میں بیٹھنا گوارہ نہ فرماتے۔

احقر نے اپنے دوسالہ تخصص میں حضرت الاستاذؒ کو بہت قریب سے دیکھا، بلاشبہ حضرت اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ چونکہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے جاری ہونے والے تمام فتاوی پر آخری دستخط حضرتؒ کے ہوتے تھے، اس لئے بلامبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ زبانی وتحریری فتاویٰ کا جتنا کام بنوری ٹاؤن جیسے ملک کے مصروف ترین دارالافتاء میں ۸۔۷ جیّد و تجربہ کار مفتیان کرام کرتے تھے، حضرت الاستاذؒ اتنا کام بڑھاپے کے ضعف واعذار اور کتبِ حدیث کی تدریس اور امامت وخطابت جیسی ہمہ گیر مصروفیات کے باوجود اکیلے تنِ تنہا کرتے تھے۔

حضرتؒ فتویٰ کے میدان کے ایسے شہسوار تھے کہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، برجستہ جواب ،قرآن وحدیث پر گہری نظر، فقہی جزئیات کا استحضار اور ان سے برموقع استدلال، تحریری فتاویٰ میں بڑی سے بڑی غلطی اور چھوٹی سے چھوٹی چوک پر یکساں گرفت اور اسکی مربیانہ اصلاح حضرت شہید کا طرۂ امتیاز تھا، اس بات کی گواہی یقیناً وہ سینکڑوں متخصصین کرام دیں گے جنہوں نے ایک دھائی سے زائد عرصہ میں حضرتؒ سے اس میدان میں استفادہ کیا ہے۔ بلامبالغہ صرف بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں حضرتؒ روزانہ درجنوں، ماہانہ سینکڑوں اور سالانہ ہزاروں فتاویٰ کی تصحیح فرماتے ۔جامعہ کے استاذ اور دارالافتاء میں حضرتؒ کے رفیق کار مولانا مفتی شعیب عالم صاحب مدظلہم نے حضرتؒ کے صرف دارالافتاء بنوری ٹاؤن میں تصحیح شدہ فتاویٰ کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ لگایا ہے، جب کہ

زبانی فتاویٰ اس سے کئی گناہ زیادہ ہوں گے اور دیگر اداروں کے فتاویٰ اس تخمینے میں شمار نہیں کئے گئے۔ یہ حساب ۱۹۹۸ء کے بعد کے فتاویٰ کا ہے اور حضرت ۱۹۷۰ء سے فتویٰ کے شعبے کے ساتھ باقاعدہ منسلک رہے ہیں۔ یوں حضرتؒ نے اپنی زندگی کے تقریباً ۳۸ (اڑتیس) سال افتاء نویسی کی خدمت سرانجام دی ہے، جس سے کل فتاویٰ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرتؒ کے فتاویٰ میں اکابر کی احتیاط اوران کے مسلک ومشرب کی کامل تقلید نمایاں تھی۔ جدید مسائل میں اپنی تحقیقات کی بجائے اکابر کی رائے کو خود بھی اپناتے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین فرماتے۔ خاص طور پر مسئلہ تکفیر میں بہت احتیاط فرماتے۔ تخصص کے دوسرے سال میں ایک مرتبہ احقر کے پاس ایک استفتاء آیا کہ سندھ کے ایک مصنف ڈاکٹر انور علی عالمانی نے لندن کے ایک اسکالر علامہ آء۔آء قاضی کی انگلش تقاریر کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس ترجمہ میں ڈاکٹر عالمانی سے یہ غلطی ہوئی کہ ''سورۂ مدثر'' کی آیت ''یا ایھا المدثر'' میں علامہ نے انگلش میں ترجمہ کیا تھا ''o.you entolded in your mantle'' جو کہ بالکل درست تھا، مگر ڈاکٹر علمانی نے لفظ ''mantle'' (مانٹل) کا ترجمہ ''mentle'' (مینٹل) کے اعتبار سے کردیا۔ جس سے ترجمہ غلط ہوا، اور ترجمے میں توہین رسالت کا شبہ ہونے لگا تو مقامی مسلمانوں نے ڈاکٹر موصوف پر توہین رسالت کا مقدمہ درج کروادیا اور مقدمے کی پیروی کی مضبوطی کے لئے جامعہ سے فتویٰ طلب کیا۔ میں جب استفتاء لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے دیکھتے ہی تمام صورتِ حال کو سمجھ لیا اور ''دی آکسفورڈ ڈکشنری'' میں دیکھا تو واقعہ کی اصل حقیقت بالکل اسی طرح سامنے آئی جیسے استاذ محترمؒ نے بیان فرمائی تھی۔ اور ڈاکٹر عالمانی کی یہ غلطی چونکہ توہین رسالت کے زمرے میں نہیں آتی تھی، اس لئے فتوے میں اس غلطی کو توہین رسالت سے خارج قرار دیا، مگر اس مسئلے کی حساسیت کی بناء حضرت شہیدؒ نے دارالافتاء کے تمام مفتیان کرام کی ایک میٹنگ بلوائی اور تمام مفتیان کرام کی مشاورت سے اس کا جواب لکھا گیا۔

لیکن اس احتیاط میں حضرت نہ تو افراط کا شکار تھے اور نہ ہی تفریط کی طرف مائل تھے، چنانچہ ایک مرتبہ توہین رسالت ہی کا ایک مسئلہ تھا جس میں ایک خبیث نے اپنے باطنی خبث کا

مظاہرہ کیا تھا، اس کا جواب جب ایک متخصص لکھ کر لے گئے تو اس سے فرمایا کہ ''جواب بالکل درست ہے، مگر اس کی خباثت کے اعتبار سے الفاظ بہت نرم استعمال کئے گئے ہیں۔'' چنانچہ اس فتوے کو دوبارہ لکھنے کا حکم دیا۔

حضرتؒ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں میں سے ایک اپنے مشائخ واساتذہ کے ساتھ والہانہ تعلق اور عقیدت تھی۔ عشاء کے بعد ہم حضرت کے پاس ان کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے تو اکثر اپنے اساتذہ کے واقعات بڑی محبت سے سناتے اور فرطِ عقیدت سے اکثر آنکھیں بھیگ جاتیں۔ ایک دن اپنا ایک واقعہ سنایا کہ: ''ہم خان پور میں پڑھتے تھے، شرح جامی کا سبق تھا، سبق خود حل کر کے لانا ہوتا تھا، ایک دفعہ جمعرات کا دن تھا اور ہم پر گھر جانے کا نشہ سوار تھا، اس لئے سبق حل نہ کیا، صبح استاذ صاحب نے سبق سنا تو سبق یاد نہ تھا، استاذ جی نے غصے سے پوچھا کہ: بھائی کیوں یاد نہیں کیا؟ تو میں نے کہہ دیا کہ نہیں جو یاد ہوا تو اب کیا کریں؟ [حضرت نے اتنی بات سنا کر فرمایا کہ: آج تک مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میرے منہ سے یہ بات کیسے نکل گئی؟] بس یہ کہنا تھا کہ ساتھ میں ایک درخت تھا، جس کی جڑوں میں چیونٹوں کی بلیں تھیں، اس میں پانی ڈلوا کر وہاں استاذ جی نے کان پکڑوائے اور خوب جوتے بھی لگائے اور کتاب دے کر حکم دیا کہ ابھی سبق یاد کر کے سناؤ، بقول حضرت شہید علیہ الرحمہ کہ بس پھر تو جو سبق ساری رات میں یاد نہیں ہوا تھا، صرف دس، بارہ منٹ میں یاد ہو گیا، یہ واقعہ سنا کر استاذ صاحبؒ رونے لگے اور فرمایا کہ: ''اگر استاذ جی اس وقت جوتے نہ لگواتے تو نجانے آج میں کہاں ہوتا۔''

دورۂ حدیث کے سال آخری سبق کے بعد بڑی رقت آمیز دعاء کروائی اور آخر میں فرمایا کہ'' آپ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک حدیث کے ساتھ یہ تعلق برقرار رکھے اور شہادت کی موت عطاء فرمائے۔'' اللہ نے حضرتؒ کی اس دعاء کو حرف بحرف قبول فرمایا کہ بخاری کے درس کے لئے جاتے ہوئے ہی حضرتؒ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے بعد حضرت کے چہرہ کا اطمینان زبان حال سے'' فزت ورب الكعبة'' کا نعرہ لگا رہا تھا۔

☆......☆......☆......☆

ترتیب: مولانا محمد زین العابدین

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ......اخبارات کی نظر میں

ہفت روزہ ضربِ مؤمن کراچی:

ٹیپو سلطان تھانے کی حدود شارع فیصل نرسری پل کے قریب، سوزوکی ہائی روف نمبر CT-7956 پر موٹر سائیکل سوار تین مسلح ملزمان نے فائرنگ کردی اور فرار ہوگئے، فائرنگ کے نتیجے میں شارع فیصل پر بھگدڑ مچ گئی اور گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں، دہشت گردوں کی فائرنگ سے گاڑی پر سوار جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء اور استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ موقع پر ہی شہید ہوگئے، فائرنگ ہونے پر گاڑی قریبی واقع بنگلے کی دیوار سے ٹکرا کر رک گئی، اطلاع ملنے پر پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری موقع پر پہنچ گئی اور جاں بحق ہونے والے افراد کی لاشوں کو جناح ہسپتال پہنچایا گیا، جائے وقوعہ پر بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے جنہیں پولیس نے جائے وقوعہ سے دور کردیا اور گاڑی کو تحویل میں لے کر تھانے منتقل کردیا۔ اطلاع ملنے پر ایس ایس پی عاصم قائم خانی جائے وقوعہ پر پہنچ گئے، اس موقع پر انہوں نے میڈیا کو بتایا کہ عینی شاہدین کے بیانات سے معلوم ہوا ہے کہ فائرنگ کرنے والے ملزمان موٹر سائیکل پر سوار تھے اور وہ گھات لگائے بیٹھے تھے، گاڑی جیسے ہی شارع فیصل سے مسجد کی جانب موڑ کاٹنے لگی تو ملزمان نے گاڑی پر فائرنگ کردی، جس سے گاڑی میں سوار مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ شہید ہوگئے۔ ملزمان موقع سے فرار ہوگئے۔ انہوں نے بتایا کہ واردات میں نائن ایم ایم پستول استعمال ہوا ہے، پولیس نے جائے وقوعہ سے نائن ایم ایم پستول کی گولیوں کے خول تحویل میں لے کر انہیں فارنسک لیبارٹری بھیج دیا ہے۔ مفتی عبدالمجید دین پوری کے قتل کے عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ ہائی روف کی گھات میں موڑ پر کھڑے ہوئے دہشت گردوں کے علاوہ جائے وقوعہ پر سیاہ رنگ کی کار بھی کھڑی تھی جو کہ ملزمان کے پیچھے تھی اور واقعہ کے بعد ملزمان کے ساتھ ساتھ وہ بھی غائب ہوگئی، ایک عینی شاہد کا کہنا تھا کہ شاپنگ بیگوں

میں اسلحہ چھپا کر کھڑے ہوئے دہشت گرد چوں کہ لنک روڈ پر شادی ہال کی دیوار کے ساتھ کھڑے تھے، اس لیے انہیں شارع فیصل سے آنے والی مفتی عبدالمجید دین پوری کی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی تاہم اس کی اطلاع دینے کے لیے دہشت گردوں کا ایک ساتھی شارع فیصل کے سروس روڈ پر کھڑا ہوا تھا اور موبائل فون پر باتیں کرتے ہوئے ٹہل رہا تھا جیسے ہی ہائی روف اس موڑ کے قریب پہنچی اس دہشت گرد نے آخری بار اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ ہائی روف موڑ کے قریب ہے اور وہ فائرنگ کے لیے تیار رہیں شارع فیصل سے سندھی مسلم سوسائٹی بلاک ۶/کی طرف مڑنے والے لنک روڈ کے کونے پر قائم شادی ہال کی عمارت پر نصب خفیہ کیمرے سے واقعہ کی ویڈیو فوٹیج حاصل کر لی گئی ہے ویڈیو میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ سفید شرٹ اور جینز کی پینٹوں میں ملبوس دو دہشت گرد شادی ہال کی دیوار اور سروس روڈ کے درمیان موجود درخت کے ساتھ کھڑے تھے جیسے ہی مفتی عبدالمجید دین پوری کی سفید ہائی روف شارع فیصل سے سندھی مسلم سوسائٹی جانے کے لیے لنک روڈ پر مڑی تو اس کی رفتار آہستہ ہوگئی اسی دوران ایک دہشت گرد لپک کر ہائی روف کے پاس آیا اور اس کے شیشے پر نائن ایم ایم کی پستول رکھ کر اندھادھند فائرنگ کردی، اتنے قریب فائرنگ سے تینوں علمائے دین بچ نہ سکے اس کے بعد جیسے ہی ہائی روف کچھ آگے بڑھی تو دوسرے دہشت گرد نے بھی دوڑتے ہوئے زخمیوں پر دوبارہ فائرنگ کردی اور اس کے ساتھ ہی دونوں مین روڈ کی طرف بھاگے جہاں پر ان کا تیسرا ساتھی موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا تھا جس نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا اور وہ تینوں فرار ہوگئے۔علاوہ ازیں مفتی عبد المجید دین پوری کے قتل کی سی سی ٹی وی فوٹیج سامنے آنے کے باوجود پولیس، ملزمان کے خاکے جاری کرنے میں ناکام ہوگئی، واردات میں استعمال کیا جانے والا اسلحہ ۲۵/ہائی پروفائل کیسز سے میچ نہیں ہو سکا، اور ان کے قتل کی تحقیقات میں کسی قسم کی کوئی پیش رفت نہ ہوسکی، تحقیقات کرنے والی کمیٹی کے ایک رکن نے بتایا کہ جن کیمروں نے قتل کی واردات محفوظ کی وہ کیمرے اتنے طاقت ور نہیں ہیں، جب ان کیمروں کو زُوم کیا جاتا ہے تو تصویر واضح نہیں ہوتی، انہوں نے بتایا کہ شہری حکومت کا آخری کیمرہ شارع فیصل پر کارساز پل کے قریب لگا ہوا ہے اور شارع فیصل پر سندھ پولیس کا کیمرہ مسجد رومی کے قریب لگا ہوا ہے جو واردات سے ۱۵۰۰/سے ۲۰۰۰/میٹر کے فاصلے پر ہے انہوں نے بتایا مسجد رومی

کے قریب لگے ہوئے سندھ پولیس کے کیمرے سے یہ ضرور واضح ہوا ہے کہ ملزمان موٹر سائیکل پر شارع فیصل سڑک کی درمیانی ٹریفک لائن پر تیزی سے اندرون شہر کی جانب جا رہے ہیں اور موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھا ہوا ایک ملزم اپنا اسلحہ پلاسٹک کے شاپنگ بیگ میں رکھ رہا ہے انہوں نے بتایا کہ ایف ٹی سی بلڈنگ کے بعد ملزمان کا کچھ نہیں پتہ چل سکا کہ ملزمان کہاں گئے ہیں کیوں کہ ایف ٹی سی بلڈنگ کے باہر لگے ہوئے کیمرے خراب ہیں اور ان کیمروں سے کوئی فوٹیج حاصل نہیں کی جاسکی انہوں نے بتایا کہ جائے وقوعہ سے ملنے والے نائن ایم ایم پستول کے خول فارنسک لیبارٹری پہلے روز ہی بھجوا دیے گئے تھے اور ان خالی خولوں کو ابتدائی طور پر ۲۵/ ہائی پروفائل کیسز سے میچ کیا گیا تاہم کوئی نتیجہ سامنے نہیں آسکا اور ان خالی خولوں کا مزید معائنہ کیا جا رہا ہے، حتمی معائنہ کے بعد ہی کچھ کہا جاسکے گا اس بات کا بھی امکان ہے کہ واردات میں استعمال کیا جانے والا اسلحہ ملزمان نے پہلی مرتبہ استعمال کیا ہو۔

(پہلے جنازہ کے متعلق تفصیلات روزنامہ ''اسلام'' کے اداریہ میں ملاحظہ فرمائیں۔) بعد ازاں مفتی عبدالمجید دین پوری کی دوسری نماز جنازہ ایلیمینٹری کالج خان پور کے وسیع و عریض گراونڈ میں ادا کی گئی، نمازِ جنازہ سے قبل شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا پیر سیف الرحمٰن درخواستی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا سالک ربانی، پروفیسر محسن رحمانی، ملک فاروق طور و دیگر نے کہا کہ مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت پر ہم نے صبر و استقامت کا دامن تھاما ہوا ہے ہم امن پسند ہیں ہمارے پاس لاکھوں طلباء زیرِ تعلیم ہیں اس کے باوجود ہم نے پرتشدد احتجاج اور نظام کو ڈی ریل کرنے کا راستہ اختیار نہیں کیا ہمارے اکابر نے اپنی تاریخ خون سے لکھی ہے اہلِ علم کا دن دیہاڑے قتل لمحہ فکریہ ہے کیا پاکستان اسی لیے بنایا گیا تھا کہ اسے علماء کی قتل گاہ بنایا جائے گا؟ اس موقع پر خان پور کی تمام دینی جماعتوں کی طرف سے مکمل شٹر ڈاؤن کی کال پر کاروبارِ زندگی معطل رہا، نمازِ جنازہ جمعیت علماء اسلام پنجاب کے سرپرست اور خانقاہ راشدیہ قادریہ دین پور شریف کے سجادہ نشین میاں مسعود احمد دین پوری نے پڑھائی نمازِ جنازہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی، مرکزی سیکریٹری جنرل مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، جمعیت علماء

اسلام پنجاب کے امیر مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا پیر سیف الرحمٰن درخواستی، مولانا زبیر احمد صدیقی، جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا عبدالحنان دین پوری، اہل السنّت والجماعت کے مرکزی نائب امیر ملک محمد اسحاق، مولانا ظفر احمد قاسم، مولانا مطیع الرحمٰن درخواستی، مولانا خلیل الرحمٰن درخواستی، مولانا ارشاد احمد، مولانا محمد یوسف سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل سمیت ہزاروں افراد نے شرکت کی پھرانہیں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں دین پور شریف کے معروف قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا جہاں مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا عبداللہ درخواستیؒ سمیت متعدد بزرگان دین آسودہ خاک ہیں۔(۸؍تا۱۴فروری ۲۰۱۳ء)

ہفت روزہ القلم پشاور:

جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء اور استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری دیگر علماء سمیت قاتلانہ حملے میں شہید ہوگئے۔ ٹیپو سلطان تھانے کی حدود شارع فیصل نرسری پل کے قریب سوزوکی ہائی روف نمبر CT-7956 پر موٹر سائیکل تین مسلح ملزمان نے فائرنگ کر دی اور فرار ہوگئے، دہشت گردوں کی فائرنگ سے گاڑی پر سوار جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء اور استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ موقع پر ہی شہید ہوگئے، عینی شاہدین کے مطابق فائرنگ کرنے والے ملزمان موٹر سائیکل پر سوار تھے اور وہ گھات لگائے بیٹھے تھے گاڑی جیسے ہی شارع فیصل سے مسجد کی جانب موڑ کاٹنے لگی تو ملزمان نے گاڑی پر فائرنگ کر دی جس سے گاڑی میں سوار تینوں علماء شہید ہوگئے۔(۸؍تا۱۴فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ اسلام کراچی:

جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء اور استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری دیگر علماء سمیت قاتلانہ حملے میں شہید ہوگئے۔ پولیس کے مطابق مقتول مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح محمد پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی میں قائم جامعہ درویشیہ میں درس دینے کے لیے آتے تھے اور حسان علی شاہ انہیں لینے کے لئے جامعہ بنوری ٹاؤن جاتے تھے۔ جمعرات کو بھی وہ دونوں حضرات کو لے کر مدرسہ آرہے تھے کہ ملزمان نے ان پر فائرنگ کر دی مقتولین کی لاشیں جناح ہسپتال لائی گئیں

جہاں مدارس کے طلباء کی بڑی تعداد جمع ہوگئی۔ بعد ازاں لاشوں کو ضابطے کی کاروائی کے بعد ورثاء کے حوالے کردیا گیا اور جناح ہسپتال سے جامعہ بنوری ٹاؤن منتقل کردیا گیا جہاں بعد نمازِ عصر تینوں کی نمازِ جنازہ اداء کی گئی جس میں بڑی تعداد میں علماء، اساتذہ، طلباء اور شہریوں نے شرکت کی۔

دریں اثناء جامعہ بنوری ٹاؤن کے رئیس وشیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے کہا ہے کہ علمائے دین کو شہید کرنے والے جان لیں کہ اللہ ہی اپنے دین کا محافظ ہے علماء کرام ہمیشہ دین کی سربلندی اور اشاعت کے لیے کام کرتے رہیں گے۔ نمازِ جنازہ کی ادئیگی کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر نے تمام شرکاء کو ہدایت کی کہ نمازِ جنازہ کے شرکاء پرامن طور پر منتشر ہوجائیں، شرکاء کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے اسلام دشمن فائدہ اٹھائیں، نمازِ جنازہ کے بعد کسی قسم کا احتجاج نہ کیا جائے۔ وفاق المدارس کے رہنماؤں مولانا سلیم اللہ خان، مولانا انوار الحق اور مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء اور استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری اور ان کے رفقاء کی شہادت قومی سانحہ ہے اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ انہوں نے کراچی میں علماء کرام کی مسلسل شہادتوں پر حکومتی بے حسی کو افسوسناک قرار دیا اور کہا کہ جب تک حکومت کی طرف سے قاتلوں کی گرفتاری کی سنجیدہ کوششیں اور علماء کی مظلومانہ شہادت کی آزادانہ اور منصفانہ تحقیقات نہیں کیں جاتیں اس وقت تک قومی اور صوبائی حکومتیں ان علماء وطلباء کے قتل کی ذمہ دار ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی امیر مولانا فضل الرحمٰن نے مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ کے قتل کو بدترین دہشت گردی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حکومت صرف بیانات نہ دے بلکہ قاتلوں کو بے نقاب کرے اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائے۔ اہل السنّت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی نے کہا ہے کہ علماء کے قاتل اسلام دشمن ہیں۔ وفاقی وزیر داخلہ کے انکشاف کے فوری بعد فروری سے پہلے ہی قتل وغارت گری معنٰی خیز ہے۔ انہوں نے سپریم کورٹ سے استدعاء کی ہے کہ وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کے بیانات کا نوٹس لے کر ان کی تحقیقات کرائی جائیں۔ جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی سیکریٹری جنرل مولانا عبد الغفور حیدری، مرکزی ترجمان مولانا محمد امجد خان، مولانا محمد غیاث اور محمد اسلم غوری نے کہا کہ اس واقعہ

پرحکومت کو مستعفی ہوجانا چاہیے۔ مجلس صوت الاسلام پاکستان کے چیئرمین مفتی ابوہریرہ محیی الدین نے کہا کہ کراچی میں علماء کرام کی ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کے واقعات قابلِ افسوس اور قابل مذمت ہیں، علمائے دین کا قتل عام ملک وملت کے لیے عظیم سانحہ ہے حکومت ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی روکنے میں ناکام نظر آتی ہے، مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت کراچی کی خوفناک اور المناک صورت حال کا ثبوت ہے، کراچی میں علماء کرام کو چن چن کر ٹارگٹ بنایا جارہا ہے جو دینی ومذہبی حلقوں میں بے چینی اور اشتعال کا باعث بن رہا ہے، قابل ترین علماء کو عوام اور معاشرے سے جدا کردینے کی گھناؤنی سازش سے دینی حلقوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے، کراچی میں ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کا بازار پھر گرم کیا جارہا ہے، جس سے ملک وقوم کو مفلوج کر کے شر پسند عناصر بدامنی اور لاقانونیت کا راج چاہتے ہیں، جبکہ حکومت بھی دہشت گردی روکنے میں بری طرح ناکام نظر آتی ہے، مفتی عبدالمجید دین پوری کے قاتلوں کو فوری گرفتار کیا جائے۔

مفتی عبدالمجید دین پوری اور ان کے رفقاء کی شہادت پر اہل السنّت والجماعت اور جمعیت علمائے اسلام نے آج احتجاج کا اعلان کردیا۔ علاوہ ازیں جمعیت علمائے اسلام کراچی کے امیر قاری محمد عثمان نے مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح محمد کے سفاکانہ قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت مکمل طور پر ناکام ہوچکی ہے۔ جمعیت علمائے اسلام آج شہر بھر میں یومِ احتجاج منائے گی، دیگر کیسوں پر سپریم کورٹ ازخود نوٹس لیتا ہے تو علماء کرام کے قتل پر کیوں ایکشن نہیں لیا جاتا؟ اگر علماء کرام اور مدارسِ دینیہ کے طلباء کا قتل عام بند نہ ہوا تو اہلِ مدارس سڑکوں پر آجائیں گے۔ اہل السنّت والجماعت کراچی کے امیر مولانا اورنگ زیب فاروقی نے کہا کہ موجودہ حکومت ہمیں ہزاروں علماء اور کارکنان کی لاشوں کے تحفوں کے سوا کچھ نہ دے سکی۔ حکومت ہمیں کوئی اور راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے، اہل سنت نے کوئی اور راستہ اختیار کیا تو حالات کنٹرول سے باہر ہوجائیں گے۔ علاوہ ازیں جمعیت علمائے اسلام (س) کا ہنگامی اجلاس صوبائی امیر مولانا اسعد تھانوی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں کراچی کے امیر مولانا قاری عبدالمنان انور، مفتی عثمان یارخان اور دیگر نے شرکت کی۔ اس موقع پر رہنماؤں نے کہا کہ کراچی میں پے درپے علماء کرام کا قتل عام حکومتی رٹ کی ناکامی اور نااہلی کا

ثبوت ہے، علماء کرام کے قتل پر اب خاموش نہیں بیٹھ سکتے، آج سندھ بھر میں پرامن یوم احتجاج منایا جائے گا۔ شرکاء نے مطالبہ کیا کہ علماء کرام کے قاتلوں کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے ورنہ احتجاج کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے سندھ بھر میں حکومت کی نااہلی کے خلاف احتجاجی مظاہرے، جلسے جلوس اور دھرنے دیے جائیں گے۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کے صدر میاں محمد نواز شریف نے کہا کہ علماء کا قتل انتہائی قابلِ مذمت ہے کراچی کے شہریوں کو قاتلوں کے رحم وکرم پہ چھوڑ دیا گیا ہے، حکومت عوام کے جان ومال کے تحفظ میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے کراچی میں حکومتی رٹ نام کی کوئی چیز نہیں تمام مجرموں کے خلاف بلاامتیاز سخت آپریشن کیا جائے۔

جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سید منور حسن اور سیکریٹری جنرل لیاقت بلوچ نے کراچی میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور محمد حسان کے قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت علماء کرام کو ٹارگٹ کیا جارہا ہے اور مدارس ومساجد پر حملے کیے جارہے ہیں جماعتِ اسلامی کے رہنماؤں نے اساتذہ کرام سمیت کراچی میں دہشت گردی کا نشانہ بننے والے دیگر افراد کے لیے دعائے مغفرت اور انکے پسماندگان سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے کہا کہ کراچی میں فائرنگ کے واقعات شہر کے امن کو تباہ کرنے کی سازش ہے انہوں نے علماء کرام کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں علماء کرام کو بے دردی سے قتل کیا جارہا ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے دہشت گردی کو کنٹرول کرنے میں بے بس ہو گئے ہیں۔

دریں اثناء مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت پر جنوبی پنجاب کے علماء کرام، طلباء، جمعیت علمائے اسلام (ف)، جمعیت علمائے اسلام (س) اور اہل سنت والجماعت نے شدید احتجاج کیا۔ مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت کی خبران کے آبائی شہر خان پور میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ تمام لوگ جامعہ مخزن العلوم خان پور میں جمع ہو گئے، جمعیت علمائے اسلام کے ضلعی سیکریٹری جنرل مولانا خلیل الرحمٰن درخواستی، ضلعی ڈپٹی سیکریٹری جنرل قاری عزیز الرحمٰن درخواستی، جمعیت علمائے اسلام

(س) پنجاب کے رابطہ سیکریٹری مفتی اسعد درخواستی و دیگر علماء کی قیادت میں جامعہ مخزن العلوم سے احتجاجی جلوس نکالا گیا، جلوس کچہری روڈ، ماڈل ٹاؤن، نواں کوٹ، دوابہ چوک سے ہوتا ہوا دین پور چوک پہنچا جہاں جلوس بڑے احتجاجی جلسے میں تبدیل ہوگیا، اس موقع پر شہر کی تمام مارکیٹیں بند ہوگئیں، نواں کوٹ اور دین پور چوک پر مشتعل کارکنوں نے ٹائر جلا کر چاروں طرف کے روڈ بند کردیے جلوس کے شرکاء نے مفتی عبدالمجید دین پوری کے قاتلوں کی فوری گرفتاری، وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کی فوری برطرفی کے مطالبات پر مشتمل بینرز اٹھا رکھے تھے، جمعیت علمائے اسلام (س) ضلع راجن پور کے زیر اہتمام جامعہ شیخ درخواستی میں ایک بہت بڑے احتجاجی مظاہرے سے خطاب کرتے ہوئے جمعیت علمائے اسلام (س) کے مرکزی نائب امیر پیر سیف الرحمٰن درخواستی نے کہا کہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ کو کراچی میں دہشت گردانہ کاروائی کے ذریعہ شہید کرنے کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس دہشت گردی کے اندر امریکن بلیک واٹر کے کارندے ملوث ہیں، امن وامان کی ناکامی پر اور دہشت گردوں کی سرپرستی کرنے پر وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک اور گورنر سندھ عشرت العباد کو گرفتار کرکے علماء کے قتل کا مقدمہ درج کیا جائے۔ احتجاجی مظاہرے سے جامعہ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ کے مہتمم و شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمد، رئیس دارالافتاء اور نائب مہتمم مفتی حامد حسن، جمعیت علمائے اسلام (ف) پنجاب کے امیر مولانا رشید احمد لدھیانوی، اتحاد العلماء کے مولانا غلام حیدر تونسوی و دیگر نے کہا کہ کراچی میں علماء کا پے در پے قتل انتہائی افسوسناک ہے۔ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے رئیس و شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صدیقی نے تحصیل شجاع آباد کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کراچی کے اندر گزشتہ چند ماہ میں ۶۰ر کے قریب علماء وطلباء کو شہید کیا جاچکا ہے ملک کی ممتاز جامعات جامعہ بنوری ٹاؤن، جامعہ احسن العلوم اور کئی دیگر اداروں پر حملے کیے گئے، کئی ایک مدارس کا تقدس پامال کیا گیا، امن وآشتی کا پیغام پھیلانے اور خالصتاً علم کا پرچار کرنے والی شخصیات کو چن چن کر گولیوں سے بھونا جارہا ہے، انہوں نے کہا کہ وفاق المدارس کی قیادت اہلِ کراچی کا خون رائیگاں نہیں جانے دے گی۔ حکومت کراچی کے حالات کنٹرول کرے بصورتِ دیگر علماء انتہائی اقدام کرنے پر مجبور ہوں گے۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ جنگ کراچی:

جمعرات کی دوپہر ٹیپو سلطان تھانے کی حدود شارع فیصل نرسری پل کے قریب تین نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے دن دہاڑے ہائی روف وین نمبر CT-7956 پر اندھا دھند فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں گاڑی پر سوار مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ شہید ہوگئے ڈی ایس پی نثار قائم خانی کے مطابق مولانا حسان علی شاہ مسجد درویش کے پیش امام مولانا لیاقت علی شاہ کے بیٹے تھے اور وہ مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح محمد کو اپنی گاڑی میں جامعہ بنوری ٹاؤن سے جامعہ درویشیہ لے کر جا رہے تھے۔ پولیس نے واقعے کی سی سی ٹی وی فوٹیج حاصل کرلی ہے جس میں واضح طور پر نظر آرہا ہے کہ ہائی روف جیسے ہی شاہراہ فیصل سے سروس روڈ کی جانب مڑی اور اس کی رفتار دھیمی ہوئی، وہاں پہلے سے موجود موٹر سائیکل پر سوار تین ملزمان میں سے دو ملزمان نے گاڑی پر فائرنگ کی موڑ کے قریب پہلے ایک ملزم نے فائرنگ کی جبکہ دوسرے ملزم نے گاڑی کے اندر تاک تاک کر تینوں علمائے کرام کو دن دھاڑے شہید کیا اور تینوں ملزمان ایک ہی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ایف ٹی سی پل کی جانب جانے والی روڈ پر باآسانی فرار ہوگئے، تینوں ملزمان نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی اور ان کی بے خوفی کا یہ عالم تھا کہ تینوں نے اپنے چہرے بھی کسی کپڑے سے نہیں ڈھانپے تھے۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ دنیا کراچی:

شارع فیصل نرسری کے قریب سوزوکی ہائی روف پر نامعلوم دہشت گردوں کی فائرنگ سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس دارالافتاء مفتی عبدالمجید دین پوری اپنے دو رفقاء مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ سمیت جاں بحق ہوگئے، دہشت گرد فائرنگ کرکے باآسانی فرار ہوگئے، فائرنگ کے بعد گاڑی قریبی واقع بنگلے کی دیوار سے ٹکرا کر رک گئی، اطلاع ملنے پر پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری موقع پر پہنچ گئی اور جاں بحق ہونے والے افراد کی لاشوں کو جناح ہسپتال پہنچایا گیا، پولیس کے مطابق مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح محمد پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی میں قائم جامعہ درویشیہ میں درس دینے کے لیے آتے تھے اور حسان علی شاہ انہیں لینے کے لئے جامعہ بنوری

ٹاؤن جاتے تھے، جمعرات کو بھی وہ دونوں حضرات کو لے کر مدرسہ آرہے تھے کہ ملزمان نے ان پر فائرنگ کردی، مفتی عبدالمجید دین پوری چھ بچوں کے باپ، جمشید روڈ کے رہائشی اور الحمراء مسجد کے امام وخطیب تھے۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ ایکسپریس کراچی:

نرسری پل سروس روڈ عکاسیہ شادی ہال کے قریب موٹر سائیکل سوار ملزمان نے سفید رنگ کی ہائی روف پر فائرنگ کردی، جس کے نتیجے میں مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ جاں بحق ہوگئے۔ مفتی عبدالمجید دین پوری کا تعلق خان پور کے علاقے دین پور سے تھا، انہوں نے ابتدائی تعلیم پنجاب میں حاصل کی اور پھر مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کراچی آگئے، وہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے دار الافتاء کے نائب رئیس اور استاذ الحدیث تھے۔ جبکہ مفتی صالح محمد بنارس کے رہائشی، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتی اور جامعہ درویشیہ کے استاذ تھے، اس دن بھی دونوں عالم دین حسان علی شاہ کے ساتھ جامعہ درویشیہ میں تعلیم دینے جارہے تھے کہ تعاقب میں آنے والے موٹر سائیکل سوار ملزمان نے ہائی روف کے دونوں طرف سے اندھا دھند فائرنگ کردی، ہائی روف کے پچھلے دونوں دروازوں کے شیشے ٹوٹ گئے، مفتی عبدالمجید دین پوری کو سر اور سینے میں نائن ایم ایم کی گولیاں لگیں جس سے وہ موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ نوائے وقت کراچی:

جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کے سربراہ مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد کاروڑی اور حسان علی شاہ جاں بحق ہوگئے۔ شارع فیصل میں نرسری کے مقام پر نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے جامعہ بنوری ٹاؤن کے رئیس دار الافتاء مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد کاروڑی اور حسان علی شاہ کو شہید کردیا ذرائع کے مطابق استاذ الحدیث مفتی عبدالمجید دین پوری جامعہ درویشیہ کے مہتمم مولانا لیاقت علی شاہ کے صاحبزادے حسان علی شاہ کی گاڑی میں درس کے لئے سندھی مسلم سوسائٹی میں واقع جامعہ درویشیہ جارہے تھے جنہیں شارع فیصل کے علاقے نرسری کے قریب موٹر سائیکل سوار حملہ آوروں نے ٹارگٹ کیا۔ ذرائع کے مفتی عبدالمجید دین پوری روزانہ جامعہ بنوری

ٹاؤن سے جامعہ درویشیہ میں درس کے لئے جاتے تھے مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح کی نماز جنازہ جامعہ بنوری ٹاؤن میں اداء کی گئی، ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ خبریں کراچی:

کراچی میں قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری، فائرنگ کے واقعات میں تین علماء جاں بحق ہوگئے۔ شارع فیصل پر نرسری برج کے قریب نامعلوم موٹر سائیکل سواروں کی سوزوکی ہائی روف پر فائرنگ، جس کے نتیجے میں گاڑی پر سوار مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور محمد حسان موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے، جن کا تعلق جامعہ بنوری ٹاؤن سے بتایا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سید منور حسن اور سیکریٹری جنرل لیاقت بلوچ نے کراچی میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور محمد حسان کے قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت علماء کرام کو ٹارگٹ کیا جارہا ہے اور مدارس و مساجد پر حملے کیے جارہے ہیں جماعتِ اسلامی کے رہنماؤں نے اساتذہ کرام سمیت کراچی میں دہشت گردی کا نشانہ بننے والے دیگر افراد کے لیے دعائے مغفرت اور انکے پسماندگان سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ امّت کراچی:

ٹیپو سلطان تھانے کی حدود نرسری کے قریب سندھی مسلم سوسائٹی، بلاک بی، ناظم کٹ، بالمقابل آکاشیہ میرج لان کے پاس جمعرات کی دوپہر پونے ایک بجے کے قریب گھات لگائے مسلّح دہشت گردوں نے بائیں جانب مڑنے والی سفید ہائی روف وین نمبر CT-7956 کی کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر چلتی گاڑی میں اندھا دھند فائرنگ کردی، جب کہ ہائی روف کے عقب میں کھڑے ایک اور دہشت گرد نے بھی گاڑی کو فائرنگ کا نشانہ بنایا، دونوں دہشت گرد فائرنگ کے بعد اپنے تیسرے ساتھی کے ہمراہ موٹر سائیکل پر فرار ہوگئے۔ گولیاں لگنے کے نتیجے میں وین میں سوار مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد کاروڑی اور طالب علم حسان علی شاہ موقع پر ہی شہید ہوگئے۔ گاڑی حسان علی شاہ چلارہے تھے، جنہیں سب سے پہلے فائرنگ کا نشانہ بنایا گیا، حملہ کے بعد گاڑی فٹ پاتھ سے ٹکرا کر خود

ہی رُک گئی۔(یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ جسارت کراچی:

ٹیپو سلطان تھانے کی حدود شاہراہ فیصل روڈ F.T.C پل کے قریب نامعلوم موٹر سائیکل سوار ملزمان نے ہائی روف CT.7956 کو روک کر اس پر فائرنگ کردی جسکے نتیجے میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ الحدیث اور نائب رئیس دارالافتاء مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری ولد محمد عظیم اور انکے دو ساتھی مفتی صالح محمد کاروڑی اور حسان علی شاہ ولد لیاقت علی شاہ، شہید ہوگئے جبکہ فائرنگ کی زد میں آکر ایک شخص زخمی ہوگیا پولیس کے مطابق سی سی ٹی وی فوٹیج مل گئی ہیں جلد ملزمان کو گرفتار کرلیا جائے گا، واقعے کے بعد مشتعل افراد نے گلشن اقبال، گرومندر، شاہ فیصل کالونی میں دوکانیں اور کاروبار بند کرادیے۔ بعدازاں جامعہ بنوریہ کے مہتمم مفتی محمد نعیم نے مفتی عبدالمجید دین پوری اور دیگر علماء کی ٹارگٹ کلنگ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی طبقے کے خلاف غیر اعلانیہ جنگ جاری ہے، انہوں نے عوام اور طلباء کو صبر کی تلقین کی اور حکومت کو کہا کہ اگر ٹارکٹ کلنگ پر ہم نے جواب دیا تو حالات قابو سے باہر ہوجائیں گے۔ علاوہ ازیں جامعہ بنوری ٹاؤن میں بعد نماز عصر جامعہ کے رئیس مولانا ڈاکٹر عبدالرّزاق اسکندر کی امامت میں نماز جنازہ اداء کی گئی، نماز جنازہ سے قبل مولانا یوسف حسن طاہر کی دعاء کے دوران رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔(یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ اوصاف اسلام آباد:

کراچی میں شارع فیصل پر نرسری پل کے قریب نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے ہائی روف وین پر اندھا دھند فائرنگ کی جسکے نتیجے میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتی عبدالمجید دین پوری کے علاوہ انکے نائب مفتی صالح محمد کاروڑی اور جامعہ درویشیہ کے مہتمم مولانا لیاقت علی شاہ کے بیٹے حسان علی شاہ شہید ہوگئے۔ سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے علماء کرام کی شہادت کی بھرپور الفاظ میں مذمت کی پاکستان مسلم لیگ (ن) کے صدر میاں محمد نواز شریف نے کہا کہ علماء کا قتل انتہائی قابلِ مذمت ہے کراچی کے شہریوں کو قاتلوں کے رحم وکرم پہ چھوڑ دیا گیا ہے، متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے کہا کہ علماء کے قاتلوں کو فی الفور گرفتار کیا جائے۔(یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ مشرق کراچی:

کراچی شاہراہ فیصل نرسری کے علاقے میں جمعرات کو نامعلوم موٹر سائیکل پر سوار حملہ آوروں نے جامعہ بنوری ٹاؤن کے صدر مفتی مفتی عبدالمجید دین پوری کی گاڑی پر فائرنگ کردی، اس حملے میں مفتی عبدالمجید دین پوری کے علاوہ ان کے نائب مفتی صالح محمد جامعہ درویشیہ کے پیش امام مولانا لیاقت علی کے بیٹے حسان علی شاہ بھی جاں بحق ہوگئے، پنجاب کے علاقے خان پور سے تعلق رکھنے والے مفتی عبدالمجید دین پوری کا تعلق کراچی میں دیوبند مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے بڑے علماء میں ہوتا تھا، وہ گزشتہ کئی سال سے جامعہ بنوری ٹاؤن میں درس وتدریس کے شعبے سے منسلک تھے۔ یاد رہے کہ ماضی میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا ڈاکٹر نظام الدین شامزئی اور مولانا سعید احمد جلال پوری سمیت جامعہ بنوری ٹاؤن کے متعدد علماء ٹارگٹ کلنگ کے واقعات میں شہید ہو چکے ہیں۔ مفتی عبدالمجید اور ان کے ساتھی مفتی صالح کی نماز جنازہ جمعرات کی شام بنوری ٹاؤن میں ہی ادا کی گئی ہے، واقعہ کے بعد متعدد علاقوں میں کشیدگی پائی جاتی ہے اور ہنگامہ آرائی کی اطلاعات بھی ہیں۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ وقت لاہور:

جامعہ بنوری ٹاؤن کے صدر مفتی، مفتی عبدالمجید دین پوری اور ان کے نائب جاں بحق ہوگئے۔ ٹیپو سلطان تھانے کی حدود میں شاہراہ فیصل پر نرسری پل کے قریب نامعلوم افراد کی فائرنگ سے گاڑی میں سوار تین افراد جاں بحق ہوگئے، ملزمان موٹر سائیکل پر سوار تھے، جن کی تعداد تین تھی اور گاڑی پر اس وقت فائرنگ کی جب گاڑی نے موڑ کاٹنے کے لئے رفتار کو کم کیا، ملزمان نے پہلے ڈرائیور کو نشانہ بنایا جس سے گاڑی دیوار سے ٹکرا گئی، اس کے بعد دیگر افراد کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ مقتولین میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے صدر مفتی، مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد، جامعہ درویشیہ کے پیش امام مولانا لیاقت علی کے بیٹے حسان علی شاہ شامل ہیں۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ جرأت کراچی:

شاہراہ فیصل نرسری پل کے قریب نامعلوم موٹر سائیکل سوار ملزمان نے ہائی روف پر فائرنگ

کر کے گاڑی میں سوار مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی صالح محمد اور حسان علی شاہ کو شہید کر دیا، پولیس نے تینوں مقتولین کی نعشوں کو کاروائی کے لئے جناح اسپتال منتقل کیا، پولیس کے مطابق وقوعہ کے وقت شہید ہونے والے مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح محمد اپنے شاگرد حسان علی شاہ کے ہمراہ جامعہ بنوری ٹاؤن سے جامعہ درویشیہ جا رہے تھے۔ مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح محمد جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے وابستہ تھے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے صدر میاں محمد نواز شریف اور متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے مفتی عبدالمجید دین پوری کے قتل کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی ہے۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

روزنامہ انصاف لاہور:

کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ نہ تھم سکا، شہرِ قائد میں مزید تین علماء شہید ہو گئے۔ جمعرات کو پولیس کے مطابق کراچی میں شارع فیصل پر نرسری پل کے قریب نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے ہائی روف پر اندھا دھند فائرنگ کر دی، جس کے نتیجے میں گاڑی پر سوار جامعہ بنوری ٹاؤن کے صدر مفتی، مفتی عبدالمجید دین پوری اور مفتی صالح محمد جاں بحق ہو گئے، واقعے کی اطلاع ملتے ہی پولیس جائے وقوعہ پر پہنچ گئی اور لاشوں کو ہسپتال منتقل کیا جبکہ حملہ آوروں کی تلاش شروع کر دی گئی۔ دریں اثناء اہل سنت والجماعت کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں نے کراچی میں مفتی عبد المجید دین پوری اور ان کے رفقاء سمیت ان کے بہیمانہ قتل کے خلاف اپنے مذمتی بیان میں کہا کہ مفتی عبد المجید دین پوری جیسے جید عالم کا قتل عام ناقابلِ برداشت ہے، وزیر داخلہ بتائیں ان بے گناہ علماء کا خون کس کے سر ہے؟ حکومتی سرد مہری باعث حیرت ہے، حکومت عوام کو تحفظ فراہم کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے، جب سے موجودہ حکومت برسرِ اقتدار آئی ہے، اس وقت سے علماء کا لہو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، بالخصوص کراچی جیسے بڑے شہر میں دہشت گردوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے، مفتی عبد المجید دین پوری کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، ظالم دہشت گرد بہت جلد اللہ کی پکڑ میں آئیں گے۔ (یکم فروری ۲۰۱۳ء)

☆......☆......☆......☆

ترتیب: مولانا محمد صدیق حسن دین پوری ☆

حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ......اخبارات کی نظر میں

ہفت روزہ ’’ضرب مومن‘‘ ۲۶ ربیع الاول

۱......علماء کرام کی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف ملک بھر میں یوم احتجاج (شہ سرخی)

کراچی میں علماء کرام اور دینی طلباء کے قاتلوں کو آج تک گرفتار نہیں کیا جاسکا، قاتلوں کی عدم گرفتاری ملک وقوم کے خلاف گھناؤنی سازش ہے۔

۲......کراچی: فوٹیج کے باوجود ملزمان کے خاکے جاری نہ ہوسکے۔

۳......دہشت گرد موبائل فون پر مسلسل کسی سے رابطے میں تھے۔

ہفت روزہ ’’القلم‘‘ پشاور ۲۶ ربیع الاول

کراچی ایک بار پھر علماء کے خون سے رنگین، مفتی عبدالمجید دین پوری سمیت تین علماء دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید۔ امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ کی خصوصی ہدایات پر جماعتی وفد کی جامعۃ العلوم الاسلامیہ جاکر مولانا عبدالرزاق اسکندر سے ملاقات، علماء کی شہادت پر تعزیت۔

روزنامہ ’’اسلام‘‘ کراچی، ۱۹ ربیع الاول

۱......رئیس دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن مفتی عبدالمجید دین پوری 2 علماء سمیت شہید۔ (شہ سرخی)

۲......اللہ ہی اپنے دین کا محافظ ہے۔ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر۔

۳......مفتی عبدالمجید دین پوری ودیگر علماء کی شہادت پر جنوبی پنجاب میں شدید احتجاج۔

۴......جامعہ بنوری ٹاؤن کے اکابر علماء کی طرف سے تمام مساجد کے ائمہ سے اپیل کی

☆ بھتیجا حضرت دین پوری شہیدؒ......ابن حکیم عبداللہ صاحب

گئی ہے کہ تا اطلاع ثانی فجر کی نماز میں ''قنوت نازلہ'' کا اہتمام کریں۔

۵......علماء کی شہادتیں قومی سانحہ ہے۔ وفاق المدارس العربیہ

۶......سیکورٹی ادارے ناکام ہوگئے۔ سیاسی راہ نما

روزنامہ ''اسلام'' کراچی، ۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ......2 فروری 2013ء......ہفتہ

۱......مفتی عبدالمجید دین پوری دین پور شریف میں سپرد خاک، خان پور میں مکمل ہڑتال، ملک بھر میں مظاہرے۔

۲......سندھ حکومت علماء کو تحفظ دینے میں ناکام ہو چکی ہے۔ مولانا سمیع الحق

۳......جماعۃ الدعوۃ کے وفد کی مولانا عبدالرزاق اسکندر سے ملاقات۔

۴......مفتی عبدالمجید اور علماء کی شہادت بڑا علمی نقصان ہے۔ جمعیۃ علماء برطانیہ

۵......کراچی بدامنی کے خلاف پارلیمنٹ میں شدید احتجاج، واک آؤٹ

روزنامہ ''اسلام'' کراچی، ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ......3 فروری 2013ء......اتوار

۱......کراچی، علماء کے قاتلوں کے خاکے تیار، ایک سرکاری ملازم نکلا۔

۲......علماء کے قاتلوں کو ہر صورت گرفتار کر لیں گے۔ پرویز الٰہی

۳......دفاع کونسل کا کراچی بدامنی کیخلاف دھرنے پر غور۔ گورنر اور حکومت سندھ ہٹوا کر ہی اٹھیں گے۔ مولانا سمیع الحق

روزنامہ ''اسلام'' ملتان، ۲۱ ربیع الاول

۱......علماء کے قتل پر احتجاجی مظاہرے، ملک گیر احتجاج کی دھمکی۔ ملتان، خان پور، رحیم یار خان، بہاول پور سمیت چھوٹے بڑے شہروں میں زبردست احتجاج جاری۔

۲......علماء کو تحفظ فراہم، قاتلوں کو گرفتار کیا جائے۔ جے یو آئی (ف)(س) اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل مدارس کا مطالبہ۔

روزنامہ ''اسلام'' کراچی، ۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ......5 فروری 2013ء......منگل

۱......علماء کرام کی شہادت، جامعہ بنوری ٹاؤن میں کل مدارس کا اجلاس طلب۔

۲......علماء کے قاتلوں کی عدم گرفتاری، جے یو آئی کا ہڑتال پر غور

۳......جماعت اسلامی کی مولانا عبدالرزاق اسکندر سے علماء کی شہادت پر تعزیت

روزنامہ ''اسلام'' کراچی، ۲۴ربیع الاول،۱۴۳۴ھ......6فروری2013ء......بدھ

۱......مولانا دین پوری کے قاتل گرفتار نہ ہوئے تو سمجھیں گے کہ حکومت ہی قاتل ہے۔مولانا عبدالغفور حیدری

۲......سندھ حکومت علماء کو تحفظ دینے میں ناکام ہو چکی ہے۔جے یو آئی (س)

۳......علماء کے قاتل گرفتار نہ ہوئے تو ہائی وے پر دھرنا دیں گے۔قاری عثمان

۴......مولانا اورنگزیب فاروقی کی مولانا عبدالرزاق اسکندر سے ملاقات۔

۵......ایم کیو ایم کے راہنماؤں کا جامعہ بنوری ٹاؤن کا دورہ۔

روزنامہ ''اسلام'' کراچی، ۲۵ربیع الاول،۱۴۳۴ھ...... 7فروری2013ء......جمعرات

۱......علمائے کرام نے قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف ہڑتال اور تحریک کا اعلان کردیا۔کل کراچی میں پہیہ جام، اس کے بعد مرحلہ وار احتجاجی تحریک شروع کردی جائے گی۔ جس میں غیر معینہ مدت تک سڑکوں پر درس وتدریس کا سلسلہ شامل ہوگا۔

۲......عوام آٹھ فروری کی ہڑتال کامیاب بنائیں۔مولانا قاری حنیف جالندھری

۳......علماء اور شہریوں کے قاتلوں کو سزا دی جائے۔اسفندیار ولی

روزنامہ ''اسلام'' کراچی، ۲۷ربیع الاول،۱۴۳۴ھ......9فروری2013ء......ہفتہ

۱......علمائے کرام کی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف کراچی میں شٹر ڈاؤن، پہیہ جام۔قاتلوں کی گرفتاری کے لیے ایک ہفتے کی مہلت۔

۲......کامیاب ہڑتال، وفاق المدارس کا عوام اور تاجروں سے اظہار تشکر

۳......علماء کے قاتل گرفتار نہ ہوئے تو سہ روزہ ہڑتال کریں گے۔تاجر راہنما

۴......علماء کے قتل کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔متحدہ قومی موومنٹ

۵......شارع فیصل پر علماء کے قتل کا کیس بندگلی میں داخل، زیرحراست افراد کو چھوڑ دیا

گیا۔

روزنامہ ''اسلام'' کراچی، یکم ربیع الثانی،۱۴۳۴ھ......12 فروری 2013ء......منگل

برطانوی ماہرین نے ایک قاتل کی تصویر قابل شناخت بنادی۔

روزنامہ ''ایکسپریس'' کراچی، ۱۹ ربیع الاول

کراچی میں قتل وغارت گری جاری، تین علماء سمیت مزید سترہ افراد جاں بحق۔

(شہ سرخی)

روزنامہ ''ایکسپریس'' رحیم یارخان، ۱۹ ربیع الاول

کراچی میں تشدد، فائرنگ سے تین علماء سمیت 16 جاں بحق۔ سینٹ وقومی اسمبلی میں اتحادی جماعتوں کا احتجاج، واک آوٹ۔

۲......مفتی عبدالمجید کی شہادت کے خلاف خان پور میں احتجاجی مظاہرہ۔

۳......کراچی میں بلاامتیاز سخت آپریشن کیا جائے۔

روزنامہ ''ایکسپریس'' رحیم یارخان، ۲۱ ربیع الاول

۱......علماء کی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف اہل السنۃ والجماعۃ کا یوم احتجاج۔

۲......کراچی میں علماء کی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف خان پور میں مظاہرہ۔

۳......شاہراہِ فیصل پر قتل ہونے والے علماء کرام کے قاتلوں کا سراغ مل گیا۔

روزنامہ ''امت'' کراچی، ۱۹، ربیع الاول

۱......دہشت گردی میں تین علماء سمیت انیس جاں بحق۔ (شہ سرخی)

۲......مفتی دین پوری نے 38 برس دین کی تدریس کی۔

۳......جامعہ بنوری ٹاؤن کے 9 جید علماء 11 طلباء دہشت گردی کا نشانہ بنے۔

روزنامہ ''جنگ'' ملتان، ۱۹ ربیع الاول

۱......کراچی میں خون ریزی، 3 علماء سمیت 5 افراد جاں بحق۔

۲......اہل السنۃ والجماعۃ کا تین روزہ سوگ، جمعیۃ علماء اسلام کا آج یوم احتجاج منانے

کا اعلان۔

۳.....علماء کے قتل کے خلاف راجن پور، خان پور میں مظاہرے، ہڑتال۔

۴.....تحریک طالبان کا علماء کے قتل کا بدلہ لینے کا اعلان۔

روز نامہ ''جنگ'' ملتان، ۲۰ ربیع الاول

مولانا عبدالمجید خان پور میں سپردِ خاک، شہر میں مکمل ہڑتال ریلی اور دھرنا۔

روز نامہ ''جنگ'' ملتان، ۲۱ ربیع الاول

۱.....مفتی عبدالمجید دین پوری کے قتل کے خلاف خان پور میں مظاہرہ، علماء کی مذمت

۲.....مفتی عبدالمجید دین پوری کی ٹارگٹ کلنگ، پولیس نے اہم معلومات حاصل کرلیں۔

روز نامہ پاکستان، ملتان، ۱۹ ربیع الاول

۱.....شہر قائد میں پھر خون کی ہولی، جامعہ بنوری ٹاؤن کے 2 علماء اور طالب علم سمیت 12 افراد جاں بحق۔

۲.....راجن پور احتجاجی مظاہرے سے پیر سیف الرحمٰن درخواستی، عبدالصمد درخواستی اور مفتی اسعد درخواستی کا خطاب۔

۳.....خان پور میں احتجاجی مظاہرے سے خلیل الرحمٰن درخواستی، عزیز الرحمٰن دخواستی، محسن رحمانی اور ملک فاروق طور کا خطاب۔ شہریوں نے سڑک بلاک کردی۔

روز نامہ ''پاکستان'' ملتان، ۲۰ ربیع الاول

ٹارگٹ کلنگ کا شکار مفتی عبدالمجید خان پور میں سپرد خاک، شہر میں ہڑتال، مظاہرہ، نماز جنازہ میاں مسعود دین پوری نے پڑھائی۔ ہزاروں افراد کی شرکت۔ مشتعل کارکنوں نے سڑکیں بلاک کردیں، رحیم یار خان، لودھراں، یزمان، علی پور، کبیر والا، شجاع آباد میں بھی شدید احتجاج کیا گیا۔

حمزہ احسانی

مختلف رسائل واخبارات میں چھپنے والے چند مضامین کی فہرست

ذیل میں اُن رسائل وجرائد اور اخبارات کی فہرست درج کی جارہی ہے جن میں کسی بھی حوالے سے حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کا تذکرہ شائع ہوا۔حتیٰ اگر کسی میں خبر،اعلان یا بلا معاوضہ اشتہار بھی شائع ہوا تو اس کا نام بھی بصد شکریہ درج کر دیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس فہرست میں تمام اخبارات ورسائل کا ذکر آ گیا ہو،لیکن ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ اپنی معلومات کی حدتک سب کا ذکر کر دیا جائے۔واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

[۱]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۱۹ربیع الاول......مفتی عبدالمجید دین پوری ۲ علماء سمیت شہید....خبریں

[۲]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۱۹ربیع الاول......مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت......اداریہ

[۳]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۰ربیع الاول......مفتی صاحب سپرد خاک......خبریں

[۴]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۰ربیع الاول......کراچی کی بدامنی،باغ تو سارا......پروفیسر خباب

[۵]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۰ربیع الاول......کراچی دہشت گردوں کے......مولانا محمد ازہر

[۶]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۰ربیع الاول......تری مرگ ناگہاں کا مجھے......مولانا زین العابدین

[۷]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۰ربیع الاول......مولانا عبدالمجید دین پوری......عابد محمود عزام

[۸]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۰ربیع الاول......کراچی میں قیام امن......اداریہ

[۹]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۱ربیع الاول......علماء کے قاتلوں کے خاکے تیار......خبریں

[۱۰]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۱ربیع الاول......ایک چراغ اور بجھا دیا گیا......مولانا شفیع چترالی

[۱۱]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۱ربیع الاول......مقبرۃ الاولیاء کا شہید مدفون......مولانا زبیر صدیقی

[۱۲]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۲ربیع الاول......خان پور میں جنازہ کے احوال......عبدالجبار

[۱۳]روزنامہ''اسلام'' کراچی......۲۲ربیع الاول......کراچی کا مقتل اور علمائے حق......محمد فاروق قریشی

[۱۴] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۲ ربیع الاول......علمائے کراچی، شہادتوں پر......محمد اسماعیل ریحان

[۱۵] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۳ ربیع الاول......بنوری ٹاؤن میں اجلاس طلب......خبریں

[۱۶] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۳ ربیع الاول......علماء کے قتل کے پیچھے مذموم......شفقت سعید

[۱۷] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۴ ربیع الاول......قاتل گرفتار نہ ہوئے تو حکومت قاتل......خبریں

[۱۸] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۵ ربیع الاول......قاتلوں کی عدم گرفتاری، ہڑتال وتحریک......خبریں

[۱۹] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۵ ربیع الاول......مدارس واہل مدارس کے تحفظ......مولانا محمد ازہر

[۲۰] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۶ ربیع الاول......آج کراچی میں عام ہڑتال......خبریں

[۲۱] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۷ ربیع الاول......گرفتاری کے ایک ہفتے کی مہلت......خبریں

[۲۲] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۷ ربیع الاول......علماء کا بہیمانہ قتل، مؤثر احتجاج......محمد نذیر کاغانی

[۲۳] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۷ ربیع الاول......علماء کے قتل کے خلاف پرامن......ریدا حمد نعمانی

[۲۴] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۸ ربیع الاول......عوام نے حکمرانوں کے خلاف......عثمان حسن زئی

[۲۵] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۸ ربیع الاول......خفیہ کیمروں کی فوٹیج سکارٹ لینڈ یارڈ......خبریں

[۲۶] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۹ ربیع الاول......کہیں بھی نہیں لہو کا سراغ......سید سلمیٰ بخاری

[۲۷] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......یکم ربیع الثانی......علماء کے قاتل گرفتار نہ ہوئے تو......خبریں

[۲۸] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲ ربیع الثانی......کراچی کے حالات اور مذہبی اتحاد......جمیل الرحمٰن فاروقی

[۲۹] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲ ربیع الثانی......کراچی میں علماء کے قتل کے خلاف ٹوبہ میں امن مارچ

[۳۰] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۹ ربیع الثانی......وفاق المدارس، مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس طلب

[۳۱] روزنامہ ''اسلام'' کراچی......۲۴ ربیع الثانی......۱۱ مارچ کو اسلام آباد میں مظاہرہ ہوگا۔......خبریں

[۳۲] روزنامہ ''ایکسپریس'' کراچی......۱۹ ربیع الاول......کراچی میں فائرنگ سے ۳ علماء......خبریں

[۳۳] روزنامہ ''ایکسپریس'' رحیم یار خان......۱۹ ربیع الاول......آج سپرد خاک کیا جائے گا......خبریں

[۳۴] روزنامہ ''ایکسپریس'' رحیم یار خان......۲۱ ربیع الاول......خان پور میں احتجاجی مظاہرہ......خبریں

[۳۵] روزنامہ ''جنگ'' ملتان......۱۹ ربیع الاول......کراچی میں خون ریزی، ۳ علماء جاں بحق......خبریں

[۳۶] روزنامہ ''جنگ'' ملتان......۲۰ ربیع الاول......مولانا عبدالمجید خان پور میں سپرد خاک......خبریں

[۳۷] روزنامہ ''جنگ'' ملتان......۲۱ ربیع الاول......خان پور میں مظاہرہ، علماء کی مذمت......خبریں

[۳۸] روزنامہ ''پاکستان'' ملتان......۱۹ ربیع الاول......شہر قائد میں پھر خون کی ہولی......خبریں

[۳۹] روزنامہ ''پاکستان'' ملتان......۲۰ ربیع الاول......مفتی عبدالمجید سپرد خاک......خبریں

[۴۰] روزنامہ ''امت'' کراچی......۱۹ ربیع الاول......دہشت گردی میں ۳ علماء سمیت ۱۹ جاں بحق......خبریں

[۴۱] روزنامہ ''امت'' کراچی......۱۹ ربیع الاول......متحدہ کے قاتل دستے......امت رپورٹ

[۴۲] روزنامہ ''امت'' کراچی......۱۹ ربیع الاول......مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی......اداریہ

[۴۳] روزنامہ ''امت'' کراچی......۲۴ ربیع الاول......متحدہ نے علماء ٹارگٹ کلنگ......امت رپورٹ

[۴۴] روزنامہ ''امت'' کراچی......۲۵ ربیع الاول......ہڑتال کا اعلان......خبر

[۴۵] روزنامہ ''امت'' کراچی......۲۶ ربیع الاول......وفاق المدارس نے دھرنوں......وجیہہ احمد صدیقی

[۴۶] روزنامہ ''امت'' کراچی......۲۶ ربیع الاول......تنگ آمد......سیلانی کے قلم سے

[۴۷] روزنامہ ''امت'' کراچی......۲۴ ربیع الاول......مفتی صاحب کا قاتل متحدہ دہشت گرد پکڑا گیا......خبر

[۴۸] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......یار زندہ صحبت باقی......مفتی ابولبابہ شاہ منصور

[۴۹] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......یہ بازی تم ہی ہاروگے......ملا مسکین

[۵۰] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......ناقدری......جمیل اعجاز

[۵۱] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......علماء کی قتل گاہ......سید عدنان کاکاخیل

[۵۲] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......کہیں دیر نہ ہوجائے......یاسر محمد خان

[۵۳] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......خدا رحمت کند......عبدالمنعم فائز

[۵۴] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......پاسباں مل گئے......مولانا محمد اسماعیل ریحان

[۵۵] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......دوراستے......عمر فاروق راشد

[۵۶] ہفت روزہ ''ضرب مومن'' ......۲۷ ربیع الاول......ہر ایک کو اپنے حصے کی ذمہ داری......اداریہ

[۵۷] ہفت روزہ ''القلم'' پشاور......۲۶ ربیع الاول......مادر علمی کے نام......سعدی کے قلم سے

[۵۸] ہفت روزہ ''القلم'' پشاور......۲۶ ربیع الاول......اظہار تعزیت......مولانا مسعود ازہر

[۵۹] ہفت روزہ ''القلم'' پشاور......۲۶ ربیع الاول......کراچی! موت کی وادی......نوید مسعود ہاشمی

[۶۰] ہفت روزہ "القلم" پشاور......۲۶ ربیع الاول......بکھری باتیں......مدثر جمال تونسوی

[۶۱] ہفت روزہ "القلم" پشاور......۲۶ ربیع الاول......بنوری ٹاؤن......حافظ اسد

[۶۲] ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی......ج:۳۲،ش:۸......مولانا اعجاز مصطفیٰ......اداریہ

[۶۳] ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی......ج:۳۲،ش:۹......مولانا طارق نعمانی گڑنگی

[۶۴] ماہنامہ "بینات"......ربیع الثانی......اداریہ......مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

[۶۵] ماہنامہ "بینات"......ربیع الثانی......مقبرۃ الاولیاء کا شہید مدفون......مولانا محمد زبیر صدیقی

[۶۶] ماہنامہ "بینات"......ربیع الثانی......عاش سعیدا و مات شھیدا......مولانا مفتی محمد شعیب عالم

[۶۷] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......مفتی عبدالمجید دین پوری......مفتی عزیز الرحمٰن

[۶۸] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......شہیدِ علم......مولانا محمد یوسف افشانی

[۶۹] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......ایک اور جنتی بسوئے فردوس......مولانا ڈاکٹر منظور مینگل

[۷۰] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......مفتی محمد عبدالمجید کی شہادت......مولانا محمد ازہر

[۷۱] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......مسندِ بنوری کے جانشین، اُن کی یادیں......مفتی احمد ممتاز

[۷۲] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......حضرت دین پوری کی شہادت......مولانا عبدالقیوم حقانی

[۷۳] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......ایک دیا اور جلا میر کے مے خانے......مولانا محمد کامران اجمل

[۷۴] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......کراچی، علماء کی قتل گاہ......مولانا سید عدنان کاکاخیل

[۷۵] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......مادرِ علمی کے نام......مولانا محمد مسعود ازہر

[۷۶] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......مجموعۂ محاسن شخصیت......محمد اسامہ مجاہد دین پوری

[۷۷] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......یار زندہ صحبت باقی......مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور

[۷۸] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......"تنگ آمد"......جناب سیلانی صاحب

[۷۹] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......ایک چراغ اور بجھا دیا گیا......مولانا محمد شفیع چترالی

[۸۰] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......تا ابد او نچا رہے اُن کی عظمت کا نشاں!......حمزہ احسانی

[۸۱] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......میدانِ فتویٰ کا نایاب شہسوار......مفتی ارشد ابوبکر

[۸۲] ماہنامہ "بینات"......اشاعت خاص......خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک......مفتی عبدالمنعم فائز

[۸۳] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......حضرت کا تدریسی انداز......مولوی محمد عمران ممتاز

[۸۴] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......حضرت کے ملفوظات......مولانا محمد سفیان بلند

[۸۵] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......لہولہو بنوری ٹاؤن......مولانا حافظ محمد اسد

[۸۶] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......تری مرگ ناگہاں کا مجھے......مولانا محمد زین العابدین

[۸۷] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......بستیِ دین پور کا دُرِّ شہسوار......مولانا محمد یاسر عبداللہ

[۸۸] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......لہو ہمارا بھلا نہ دینا......مولانا محمد عمران ولی

[۸۹] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......مفتی صاحب کی یادیں......مولانا عبدالصمد

[۹۰] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......شفیق باپ کی شہادت......محمد افضل شاکر

[۹۱] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......اِک ستارہ جو کہکشاں ہوگیا......مولوی عزیز محمود دین پوری

[۹۲] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......میرے مشفق ومہربان ابوجی......محمد شعیب دین پوری

[۹۳] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......مستور مگر مسحور کن شخصیت......مولانا محمد زبیر شمس الضحیٰ

[۹۴] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......میدانِ فتویٰ کا عظیم شہسوار......مفتی عبداللہ حسن زئی

[۹۵] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......مفتی عبدالمجید دین پوری......قاضی محمود الحسن اشرف

[۹۶] ماہنامہ ''بینات''......اشاعت خاص......تواریخ وفات......مولانا خلیل احمد تھانوی لاہور

[۹۷] ماہنامہ ''حق چاریار'' لاہور......مئی......مفتی عبدالمجید شہیدؒ پر خاص اشاعت......اعلان

[۹۸] ماہنامہ ''الخیر'' ملتان......مارچ......مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت......مولانا محمد ازہر

[۹۹] ماہنامہ ''الخیر'' ملتان......جون......مفتی عبدالمجید دین پوری پر خاص اشاعت......اشتہار

[۱۰۰] ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی......جمادی الاولیٰ/مارچ......اخبار الجامعہ......ادارہ

[۱۰۱] ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی......مارچ......مفتی عبدالمجید، سنگین واردات میں شہید......مفتی عزیز الرحمٰن

[۱۰۲] ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' شجاع آباد......ربیع الثانی......حاملان کتاب و......مولانا محمد زبیر صدیقی

[۱۰۳] ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' شجاع آباد......ربیع الثانی......مقبرۃ الاولیاء کا......مولانا محمد زبیر صدیقی

[۱۰۴] ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' شجاع آباد......ربیع الثانی......صدیوں تجھے......محمد اسامہ مجاہد دین پوری

[۱۰۵] ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' شجاع آباد......ربیع الثانی......جامعہ کی ڈائری......مولانا محمد زبیر صدیقی

[۱۰۶] ماہنامہ ''المرابطون'' لاہور......ربیع الثانی/مارچ......اناللہ وانا الیہ راجعون......ادارہ

[۱۰۷] ماہنامہ ''تذکرہ دارالعلوم'' کبیروالا......اپریل......مردِ باید......مفتی حامد حسن

[۱۰۸] ماہنامہ ''تذکرہ دارالعلوم'' کبیروالا......اپریل......صدیوں تجھے گلشن کی فضا......محمد اسامہ مجاہد

[۱۰۹] ماہنامہ ''ترجمان القاسم'' ڈیرہ غازی خان......مفتی عبدالمجید دین پوری......مولانا عبدالمجید قاسمی

[۱۱۰] ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' لاہور......مارچ......مفتی عبدالمجید دین پوری کو......وفیات......ادارہ

[۱۱۱] ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ......مارچ......وفیات......مولانا محمد فیاض خان سواتی

[۱۱۲] ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان......مارچ......مسافران آخرت......ادارہ

[۱۱۳] دوماہی ''المصطفیٰ'' بہاول پور......جمادین......مفتی عبدالمجید اور......مولانا مفتی محمد یوسف الحسینی

[۱۱۴] دوماہی ''المصطفیٰ'' بہاول پور......جمادین......صدیوں تجھے گلشن کی......محمد اسامہ مجاہد دین پوری

[۱۱۵] ماہنامہ ''الصیانہ'' لاہور......جون......مفتی عبدالمجید دین پوری پر خصوصی اشاعت......اشتہار

[۱۱۶] ماہنامہ ''مدینۃ العلم'' فیصل آباد......جون......مفتی عبدالمجید صاحب پر اشاعت خاص......اشتہار

[۱۱۷] ماہنامہ ''الاحسن'' کراچی............مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری......مولانا مفتی زرولی خان

[۱۱۸] ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ......مئی......مفتی عبدالمجید صاحب پر اشاعت خاص......اعلان

[۱۱۹] ماہنامہ ''انوارِ ربانیہ'' ٹوبہ ٹیک سنگھ......جمادی الثانیہ......صدیوں تجھے گلشن...محمد اسامہ مجاہد دینپوری

[۱۲۰] ماہنامہ ''فقیہ'' سرگودھا......مارچ......اناللہ وانا الیہ راجعون......ادارہ

[۱۲۱] ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ......مارچ......مولانا مفتی عبدالمجید اور ان کے......مولانا عبدالقیوم حقانی

[۱۲۲] ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ......جون......مولانا مفتی عبدالمجید پر خاص اشاعت......اعلان

[۱۲۳] ماہنامہ ''لولاک'' ملتان......جمادی الاولیٰ......کراچی کے حالات اور قنوت نازلہ......مولانا اللہ وسایا

[۱۲۴] ماہنامہ ''لولاک'' ملتان......جمادی الاولیٰ......مولانا مفتی عبدالمجید شہیدؒ......مولانا زین العابدین

[۱۲۵] ماہنامہ ''میثاق'' لاہور......جون......مولانا مفتی عبدالمجید پر اشاعت خاص......اشتہار

[۱۲۶] سہ ماہی ''ندائے رحیمیہ'' ملتان......ربیع الثانی تا جمادی الاخریٰ......ابناء الآخرہ......ادارہ

[۱۲۷] ماہنامہ ''فقاہت'' لاہور......مارچ، اپریل......راہروان راہِ بقا......ابوایمان دہلوی

[۱۲۸] ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ......مارچ......صدیوں تجھے گلشن......محمد اسامہ مجاہد دین پوری

[۱۲۹] ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان......مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری......ادارہ

[۱۳۰] ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' جھنگ......مئی......مفتی عبدالمجید شہید پر خاص اشاعت......اعلان

[۱۳۱] ماہنامہ ''الحقانیہ'' ساہیوال......جون......مفتی عبدالمجید شہید پر اشاعت خاص......اعلان

[۱۳۲] ماہنامہ ''سلوک واحسان'' کراچی......فروری......مفتی عبدالمجید دین پوری کی شہادت......

[۱۳۳] ماہنامہ ''سلوک واحسان'' کراچی......فروری......پیش لفظ......مدیر کے قلم سے

[۱۳۴] ہفت روزہ ''غلبہ''......صدیوں تجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی......محمد اسامہ مجاہد دین پوری

[۱۳۵] ماہنامہ ''ایوان اسلام'' کراچی......

[۱۳۶] ماہنامہ ''ایوان اسلام'' کراچی......

[۱۳۷] ماہنامہ ''ایوان اسلام'' کراچی......

[۱۳۸] ماہنامہ ''المرابطون''......حضرت والد ماجدؒ......صاحبزادہ مولانا محمد عزیر دین پوری

[۱۳۹] ماہنامہ ''المرابطون''......صدیوں تجھے گلشن کی فضا......محمد اسامہ مجاہد دین پوری

[۱۴۰] ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی......ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ......مولانا مفتی عبدالمجیدؒ......محمد اسامہ مجاہد

......باب نمبر ۹......

منظوم

خراجِ عقیدت

شعراء کرام کا نذرانۂ عقیدت

بیاد
شہید حق قتیل ستم حضرت مولانا
مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ
نائب رئیس دارالافتا جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

دنیا میں مسجد کی **تعمیر** میں حصہ لیں **جنت** میں اپنا گھر بنائیں

عظیم الشان

چوک رازی خان پور

جامع مدنی مسجد

تعمیر نو میں حصہ لیں

فوری ضرورت
سیمنٹ ۔ بجری ۔ سریا ۔ اینٹ ہے

فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور اُن کے عظیم والد مولانا محمد عظیمؒ فاضلِ دیوبند کی یادگار ''مدنی مسجد، خان پور'' کی تعمیر جدید کا کام شروع ہے، الحمدللہ پہلی منزل کی دیواریں اور پلر مکمل ہو چکے ہیں۔ گرانی اور ہوشربا مہنگائی کے اس دور میں اس کام کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا حق تعالیٰ کی خاص نصرت کے بغیر ممکن نہیں۔

مسجد کی مکمل تعمیر کے خرچ کا تخمینہ ڈیڑھ کروڑ (1,50,00,000) ہے۔

جملہ اہل اسلام، بالخصوص حضرت شہیدؒ کے متعلقین ومحبین سے درخواست ہے کہ اپنی خاص دعاؤں میں باری تعالیٰ سے اس کام کی تکمیل کے لیے دعا فرمائیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے خود بھی اور اپنے احباب کو بھی مالی تعاون کی طرف توجہ دلائیں۔ اجر کم علی اللہ

خدا تعالیٰ ہم سب کو اس صدقۂ جاریہ کے موقع سے فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین، بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

برائے رابطہ: مولانا عبدالکریم دین پوری
امام وخطیب: جامع مدنی مسجد چوک رازی، خان پور ضلع رحیم یار خان
0333-7498893......0334-7373351

اکاؤنٹ نمبر 0027-0081-000793-01-2 محمد عبداللہ، بینک الحبیب، خان پور برانچ

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

شیخ عبدالمجید اٹھے

فضا پہ سکتہ ہوا ہے طاری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے
حزیں طبیعت ہے قوم ساری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

فلک پہ چھائے ہیں غم کے بادل، زمیں بھی ماتم کناں ہوئی ہے
بتا رہی ہے یہ سوگواری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

بَنوری ٹاؤن کا چپہ چپہ، تری جدائی پہ نوحہ گر ہے
بپا ہے ہر سمت آہ وزاری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

حدیث و افتاء کی مسندوں پہ، فسردگی ہی فسردگی ہے
ہیں درسگاہوں کے نالے جاری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

مصافحہ کے لیے فرشتے قطار اندر قطار آئے
سجی ہے جنت بحکمِ باری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

وہ رس بھری گفتگو کہاں اب، وہ میٹھا لہجہ بھی چھن گیا ہے
ہوئی ہیں گم کیا ادائیں پیاری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

شجر شجر پہ اداسی چھائی، کلی کلی پہ ہے مُردنی سی
ہے ماند گلشن کی لالہ زاری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

حدیث و قرآن و فقہ کے اک مبلّغ و پاسبان تھے وہ
ہے اہلِ حق پہ یہ صدمہ بھاری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

سعیدؒ و لدھیانویؒ، جمیلؒ و سمیعؒ و مختارؒ و شامزئیؒ کی
فراقتوں پر تھے اشک جاری کہ شیخ عبدالمجیدؒ اٹھے

☆......☆......☆......☆

مقتل

حضرت دین پوری کا اٹھا جنازہ
ہوئے حالات ایسے نامساعد
ہوا ہے قاتلوں کا راج ایسا
کہ مقتل بن گیا ہے شہرِ قائد

انجم نیازی

بڑے لوگوں میں ہوگا روزِ محشر بھی شمار اُس کا

صحابہؓ کو تھا فردوسِ بریں میں انتظار اُس کا
وہاں جانے کو ہر موئے بدن تھا بے قرار اُس کا

مئے توحید کے صاغر پلاتا تھا وہ بھر بھر کے
مہینوں تک رہا کرتا دماغوں میں خمار اس کا

ہوا کرتی تھی دل کش روح پرور انجمن اس کی
نظر تھی خوبصورت اور بدن تھا مُشک بار اس کا

تڑپتا ہے ابھی تک رات دن اس کی محبت میں
ہر اِک ساتھی، ہر اِک تلمیذ، ہر اِک بادہ خوار اس کا

پہاڑ اونچے سے اونچے ہورہے ہیں اس کی عظمت کے
ارے! بڑھتا چلا جاتا ہے دنیا میں وقار اس کا

نظر میں گھومتی رہ جائے گی روشن جبیں اس کی
نہ بھولا ہے نہ بھولے گا کسی انساں کو پیار اس کا

تر و تازہ رہے ہر پھول ہر شاخِ شجر اس کی
کبھی یارب نہ مرجھائے چمن اور لالہ زار اس کا

مری ماں عائشہؓ کے اس گھڑی جذبات کیا ہوں گے
نظر آئے گا زخموں سے بدن جب تار تار اس کا

وہ پہلی ہی صفوں میں پایا جائے گا وہاں انجمؔ
بڑے لوگوں میں ہوگا روزِ محشر بھی شمار اس کا

☆......☆......☆......☆

انجم نیازی

نبی کا ایک عاشق لازمی کہنا

محدث یا مفسر یا ولی ابن ولی کہنا
شہادت کے چمن کا خوبصورت پھول ہی کہنا

اگرچہ وہ ہمارے دور میں پیدا ہوا پھر بھی
صحابہؓ کے زمانے کا اسے اِک آدمی کہنا

زبان و لب اگر تعریف کرنے کے نہیں لائق
اُسے کچھ بھی نہ کہنا، بس چراغِ آگہی کہنا

جہاں بھی ذکر ہو اس کا، جہاں بھی بات چل نکلے
وہاں اُس کو نبی کا ایک عاشق لازمی کہنا

وہ شہر نُور کا روشن چراغِ نُور تھا اُس کو
سراپا روشنی لکھنا، سراپا روشنی کہنا

اگرچہ موت اس کو لے گئی ہے ساتھ بہلا کر
مگر اُس کو ہمیشہ آفتابِ زندگی کہنا

مدارس کے در و دیوار اس کو یاد کرتے ہیں
اُسے شہرِ محبت اور اِک معمار ہی کہنا

بدن میں جس کے خوشبو ہو تقدس کے گلابوں کی
حیا جس کے قدم چُومے اسے وہ متقی کہنا

اُسے صدیقۂ ارض و سما کا باوفا بیٹا
پرستارِ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کہنا

زباں اپنی ہلاؤ جب کبھی اُس کے لیے سن لو!
وہ بندہ تھا مگر اُس کو وقارِ بندگی کہنا

کبھی اُس کی زیارت خواب میں ہوجائے تو انجم
یہاں روتی ہے اس کے واسطے ہر اِک گلی کہنا

☆......☆......☆......☆

محمد امجد، متعلّم جامعہ بنوری ٹاؤن

اور نکھرے گا خوں سے گلستانِ دیں

نم ہے ہر آنکھ ہر ایک دل ہے حزیں
کیا فلک کیا زمیں سب ہیں اندوہ گیں

ڈھونڈ لائے کوئی زخم دل کے لیے
ہائے مرہم اگر ہو جہاں میں کہیں

جن کی برکت سے قائم ہے سارا جہاں
آج محفوظ جانیں انہی کی نہیں

شہر جو مرکزِ علم وفن تھا کبھی
بن گیا اب وہی مقتلِ اہلِ دیں

دین پوریؒ کی پوری ہوئی آرزو
دین پر جان دی پہنچے خلدِ بریں

بحرِ علمِ نبیؐ شیخ عبد المجیدؒ
اہلِ دل کے دلوں میں ہیں اب تک مکیں

ان کے اوصاف کیسے کروں میں بیاں
میرے پاس ایسے الفاظ بھی تو نہیں

شیخ صالحؒ بھی آخر ہمیں چھوڑ کر
چل دیے جانب حلقۂ صالحیں

کہہ دو امجد یہ اعدائے اسلام سے
اور نکھرے گا خوں سے گلستانِ دیں

☆......☆......☆......☆

حافظ ولی محمد خاکی

''ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے''

بہا کر خون اپنا گلشن ہستی نکھار آئے
شہادت کا وہ جذبہ سب کے دل میں پھر اُبھار آئے

بڑی حسنِ ادا سے قرض وہ اپنا اُتار آئے
دیا جیون تھا جس نے اس کے ہی رستے میں وار آئے

جو دینِ حق تھا صدیوں سے بلند و اعلیٰ و اَرفع
لہو سے اپنے وہ اس پر لگا کر چاند چار آئے

گزاری دین کی خاطر ہی اپنی زندگی ساری
اسی ہی دین پر پھر جان بھی کر کے نثار آئے

مچاہے شور اِک فردوس میں یہ کس کی آمد ہے
ملائک کی سواری پر یہ کیسے شہسوار آئے

نہ دیکھا منتظر اتنا کبھی حوروں کو رضواں نے
کہ ان سے قبل بھی جنت میں ان جیسے ہزار آئے

فرشتوں نے کیا جنت میں یہ اعلاں مبارک ہو
وہ دیکھو دین پوری پہن کے پھولوں کے ہار آئے

کہا پھر مرحبا صد مرحبا حوروں نے بھی ان کو
لیے غلمان ہاتھوں میں کھجوریں اور انار آئے

وہ خود مصداق ٹھہرے اپنے ہی اس شعرِ دلبر کا
کہ جس کے مصرعے ان کی زباں پر بار بار آئے

''ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے''

☆......☆......☆......☆

سید شاہ عالم زمرد اکبر آبادی

بیاد مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ

پھیلی ہیں فضاؤں میں اس طرح تیری یادیں
جس سمت نظر اٹھی آواز تیری آئی

ہاں! تمہاری یاد میں ہر آنکھ اشک بار ملی
تمہارے کمرے کی ہر چیز سوگوار ملی

کتابیں پوچھ رہی ہیں انہیں پڑھے گا کون
ہے غم تمہارے فسانوں کو اب لکھے گا کون

تمہاری میز پہ رکھے ہوئے سب رسالے چپ
تمہاری ذات سے وابستہ سب حوالے چپ

عجب اک عالم تنہائی دل پہ طاری ہے
گئے ہو آج جو تم کل ہماری باری ہے

شہید ہو کے سرخرو ہو گئے تم
تمام عالم میں غازی بن گئے تم

مولانا رزین شاہ

تیرا جینا ہی رہا جینا سدا عبدالمجید!

دین و ملت کے محافظ تھے حقیقی پاسباں
تا ابد اُونچا رہے گا اُن کی عظمت کا نشاں

پی کے وہ جامِ شہادت چل پڑے دار القرار
جنت الفردوس میں ان کا یقیناً ہے مکاں

غیرتِ دینی، شجاعت، قوتِ ایماں کے ساتھ
تیرے آگے اہلِ باطل ٹھہر سکتے تھے کہاں

تمکنت بخشی تھی ایسی آپ کو اللہ نے
واقعی تھا وصفِ درویشی میں وہ شاہِ جہاں

وصفِ عالی سے نوازا تھا خدا نے آپ کو رزین
تیرے چہرے پر تبسم سے شرافت تھی عیاں

تیرا جینا ہی رہا جینا سدا عبدالمجید!
مل گئی تجھ کو شہادت سے حیاتِ جاوداں

بدبختی

لئیق احمد

ہر روز قتل وغارت اور فائرنگ دھماکے
دِل شہریوں کے ہر دم دہلائے جارہے ہیں
بدبختی اب اور کیا اس سے بڑھ کے ہوگی
علمائے دیں بھی خون میں نہلائے جارہے ہیں

زندہ وجاوید

لئیق احمد

بہتا ہے شاہراہوں پہ اہلِ صفا کا خون
ہوتے ہیں آئے دن یہاں دین پوری شہید
قاتل سب ان کے قعرِ ہلاکت میں جائیں گے
زندہ ہمیشہ رہتے ہیں مرتے نہیں شہید

فریاد

حاصل تمنائی

ہر ایک کیا کرتا ہے ظالم کی اعانت
مظلوم کی فریاد کو سنتا نہیں کوئی
پھولوں کے کچلنے پہ تو مامور ہیں گلچیں
گلشن سے مگر خار کو چنتا نہیں کوئی

نہ رہا

جس کی مہر تھی ہر فتوے پر ''الجواب صحیح''
وہ پیکر علم و فضل، وہ تابندہ ستارا نہ رہا
کرتے تھے جو راہ نمائی خلقِ خدا کی روز و شب
وہ مفتی صالح محمد، وہ بے چارہ نہ رہا
لگتا تو یوں ہے ہر طالب کو کہ کوئی سہارا نہ رہا
اپنا ہوتے بھی کوئی بشر اب ہمارا نہ رہا
زندگی کے غم ہیں کہ گھٹتے ہی نہیں ارمان
بحرِ بے کراں ہو جیسے کہ جس کا کنارا نہ رہا

......باب نمبر ۱۰......

آئینہ تحاریر و تصاویر

حضرت شہید رحمہ اللہ کے ہاتھ
کی چند تحاریر کے عکس
اور یادگار تصاویر

۲۷ پیر ۲۳ شوال - ۱۵ بیساکھ

آج صبح دس بجے تقسیم اسباق کی میٹنگ ہوئی بندہ کے حصہ میں درج ذیل اسباق آئے ۔

۱. جامع ترمذی ۔ کافیہ ابن حاجب ۔ علم الصیغہ

نور الانوار ۔ دیوان حماسہ ۔

بعد نماز ظہر رفع تعارض کیلئے نقشہ تقسیم اسباق بنایا

تکمیل کام باقی رہ گیا ۔

۲۸ منگل ۲۴ شوال - ۱۶ بیساکھ

نقشہ پر نظر ثانی کی گئی درجہ سادسہ کی وجہ سے دفع تعارض مشکل ہو گیا

پانچ اسباق میں تبدیلی کی گئی نور الانوار کی جگہ دیوان متنبی تبدیل ہو گیا ۔

تعارض ختم ہو گیا اور نقشہ تقسیم اسباق مکمل ہو گیا ۔

سے ہم کو فارغ ... بھی آ گئے ۔

۱۶ جمعرات ۱۲ شوال - ۴ بیساکھ / **۱۷** جمعہ ۱۳ شوال - ۵ بیساکھ

جمعرات سے ہم گھر بیٹھے ہیں۔ ادھر اسجد تھانوی ہے۔ ادارہ میں اسجد آئے گھر پر قیام کیا مولانا عبدالرحمن ہیں۔ اشرفی بھی آئے ان کا قیام حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ ہیں۔ مولانا سے ملاقات جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کی جمعہ پڑھا کر جامع مسجد گیا قاری خلیل صاحب کے جلسہ میں شریک ہوا تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آ گیا بعد عشاء حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ کو کھانا کھلایا پھر حضرت جامع مسجد چلے گئے دس بجے کے قریب جلسہ میں گیا۔ مولانا خان محمد مدظلہ میاں عبدالصمد صاحب لیکچرر سرور ... وغیرہ حضرات دورہ تفسیر والوں کی دستار بندی کرائی آخر میں مولوی عبدالمجید ندیم کی تقریر ہوئی ایک بجے شب کے بعد واپسی ہوئی ایک مہمان کو کھانا کھلایا پھر سو گیا ۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق

۵ اتوار ۱۳ محرم - ۲۳ ہاڑ

بائیجی شریف پنوعاقل میں جبکہ سجادہ نشین اور دیگر اہل قریہ نماز عشاء پڑھکر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ بارہ مسلح افراد مسجد میں داخل ہوئے اس سے پہلے فائرنگ کرکے میاں عبدالستار رحمہ صاحبزادہ سے عبدالباسط اور ایک دوسرے شخص کو زخمی کر دیا تھا مسجد میں آ کر میاں ؒ اور باقی نمازیوں کو کہا کہ چلو ایک آدمی کو مسجد میں شہید کر دیا دوسرے آدمی کو مسجد کے دروازہ پر شہید کردیا اور ۳۵ افراد کو اغوا کر کے ساتھ لے گئے راستہ میں جو آدمی ان کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا انکو وہیں قتل کرتے گئے اسطرح چھ افراد کو راستہ میں شہید کیا پولیس اور رینجرز وغیرہ نے ڈاکوؤں کا تعاقب کیا مگر ڈاکو ان کو جل دینے میں کامیاب ہو گئے اور تمام اغوا شدہ افراد کو دریا عبور کرا کر کچے کے جنگلات میں لے جا کر روپوش ہو گئے

۶ پیر ۱۴ محرم - ۲۴ ہاڑ

آج شہدائے بائیجی شریف کا جنازہ بائیجی شریف ادا کیا گیا میاں عبدالصمد ؒ۔ سجادہ نشین درگاہ بائیجی شریف نے نماز جنازہ پڑھائی۔ شام تک کسی طرح کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔

۷ منگل ۱۵ محرم - ۲۵ ہاڑ

قاری خلیل کراچی گئے ہوئے تھے آج ہی واپس آئے اور مدرسہ کی جانب سے بائیجی شریف جا کر تعزیت کرنے کا پروگرام بنایا دو بجے کوسٹر کی میں روانہ ہوئے مدرسہ کے اساتذہ مفتی محمد احمد۔ مولانا عبدالرحمٰن مولانا عبداللہ احمد مولانا محمد طیب قاری برہان الدین ؒ۔ قاری خلیل اور حاجی رفیق ساتھ تھے تقریباً پونے دو بجے بائیجی پہنچے مولانا عبدالرحمٰن درخواستی قاری شیر افضل تونسوی صاحب۔ آپ تعزیت میں پہلے سے موجود تھے دیر میں تقریباً آدھا گھنٹہ گزارا اور تعزیت کے بعد واپس روانہ ہوئے۔ ڈاکوؤں نے مغویوں میں سے دس افراد کو رہا کر دیا جو کہ واپس پہنچ گئے۔ نماز ظہر سانگھی میں ادا کی تیت بعد مدرسہ پہنچے حسابسہ پڑھا دیا۔ مولوی فضل الرحمٰن درخواستی کا فون آیا عمر ... کا فون ترجیح مرتب ان نے کچھ معروضات لکھوائے بعد عصر بازار گیا۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق

حضرت شہیدؒ کے والد مکرم مولانا محمد عظیمؒ کی دار العلوم دیو بند کی سند فراغت جس پر حضرت مدنیؒ اور مولانا اعزاز علیؒ وغیرہما جیسے اکابر کے دستخط ثبت ہیں۔

ملتان پاکستان

ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۱ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَتَمَّ عَلَیْنَا نِعْمَتَهٗ وَرَضِیَ لَنَا الْاِسْلَامَ دِیْنًا. وَاَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ الْحَکِیْمَ شِفَاءً لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَسَکِیْنَةً لِّلْقُلُوْبِ وَیَقِیْنًا. وَبَعَثَ صَفْوَتَهٗ وَرَحْمَتَهٗ سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدًا رَّسُوْلًا اَمِیْنًا. فَاَقَامَ بِهِمَا الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ وَفَتَحَ بِهِمَا قُلُوْبًا غُلْفًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّاَعْیُنًا عُمْیًا نَجْعَلُهُمَا نُوْرًا مُّبِیْنًا. وَلَمَّ شَعْثَنَا. وَجَمَعَ شَمْلَنَا فَزَادَنَا طُمَانِیْنَةً وَّسُکُوْنًا. فَاللّٰهُمَّ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ لَا نُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ. صَلِّ عَلٰی صَفْوَةِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی اٰلِهِ النُّجَبَاءِ وَصَحْبِهِ السُّعَدَاءِ وَسَائِرِ الْمُحَدِّثِیْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الَّذِیْنَ نَشَرُوْا اَلْوِیَةَ الْاِسْلَامِ وَرَفَعُوْا رَایَاتِ الْعِلْمِ وَالدِّیْنِ بِالْاِخْلَاصِ بِکُلِّ مُجَاهَدَةٍ وَّعَنَاءٍ. اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ دَائِرَةَ وِفَاقِ الْمَدَارِسِ الْعَرَبِیَّةِ الْاِسْلَامِیَّةِ اَصْبَحَتْ دَائِرَةً وَّحِیْدَةً لِّتَوْحِیْدِ نِظَامِ الْمَدَارِسِ الْعَرَبِیَّةِ الدِّیْنِیَّةِ الْاِسْلَامِیَّةِ؛ وَاِصْلَاحِ مَنَاهِجِ التَّعْلِیْمِ وَالتَّرْبِیَةِ وَصَدْعِ شُعَبِهَا وَاِصْلَاحِ فَسَادِهَا، مِمَّا حَدَثَ فِیْهَا مِنَ الْفَوْضَوِیَّةِ. بَعْدَ مَا طَالَ تَفْکِیْرُ اُولِی الْعِنَایَةِ بِهَا. وَاَصْبَحَتْ قَاعِدَةً لِّتَعْدِیْلِ بَرَامِجِهَا مِنْ نِصَابِ التَّعْلِیْمِ وَنِظَامِهٖ وَتَنْشِئَةِ اَفْکَارٍ نَاصِحَةٍ لِّخِدْمَةِ الْعِلْمِ وَالدِّیْنِ. وَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلَیْنَا بِاَنْ وَّفَّقَنَا لِجَمْعِ شَمْلِ الْمَدَارِسِ وَدُوْرِ الْعِلْمِ فِیْ رُبُوْعِ هٰذِهِ الْبِلَادِ، وَوَفَّقَنَا لِغَرْسِ نَوَاةٍ صَالِحَةٍ لِّحَدَائِقِ الدِّیْنِ وَالْعِلْمِ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالثَّنَاءُ عَلٰی هٰذَا التَّوْفِیْقِ. وَلَا رَیْبَ اَنَّ الْعُلُوْمَ الْاِسْلَامِیَّةَ اَصْبَحَتْ وَسِیْلَةً وَّحِیْدَةً لِّبَقَاءِ هٰذِهِ الْمِلَّةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ وَحِفْظِ سِیَاجِهَا مِنَ الْفِتَنِ النَّاشِئَةِ فِیْ هٰذِهِ الْبِلَادِ مَا یَکَادُ یَنْقَضُّ بِهَا بِنَاءُ الدِّیْنِ وَمَنَائِرُ الشَّرْعِ الْمُبِیْنِ. فَمِمَّنْ فَازَ فِی الْاِمْتِحَانِ النِّهَائِیِّ مِنْ طَلَبَةِ الْعِلْمِ خِرِّیْجِیْ مَدْرَسَةِ عربیہ اسلامیہ بستی [illegible] - وَاسْتَحَقَّ اَنْ یَّنَالَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ هُوَ اَخُوْنَا فِی اللّٰهِ المولوی عبد المجید ابن المولوی محمد عظیم المتوطن خانپور ضلع رحیم یار خان نَجَحَ فِی الدَّرَجَةِ ....العلیا---- وَنُوْصِی الْاَخَ الْکَرِیْمَ الْمُسْلِمَ اِلَیْهِ اَنْ یَّجْعَلَ خِدْمَةَ الدِّیْنِ وَالْعِلْمِ نُصْبَ عَیْنَیْهِ بِاِخْلَاصٍ وَّنَشَاطٍ، وَاَنْ لَّا یَخَافَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَاَنْ یَّبْذُلَ جُهُوْدَهُ الْمُوَفَّقَةَ فِیْمَا یَسْتَدْعِیْهِ الْعِلْمُ وَالدِّیْنُ بِکُلِّ حِکْمَةٍ وَّتَدْبِیْرٍ مُّلَائِمٍ وَنَدْعُوْ لَهٗ بِالتَّوْفِیْقِ وَالتَّسْدِیْدِ فِیْ حَیَاتِهٖ وَاَنْ یُّکَلَّلَ بِالنَّجَاحِ الْبَاهِرِ اٰمَالُهٗ وَاَعْمَالُهٗ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِکُلِّ خَیْرٍ وَّسَعَادَةٍ وَّهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ.

اَلتَّوْقِیْعَات

الناظم للوفاق	Attested	رئیس الوفاق المدارس
شیخ الحدیث للمدرسة	Head Master, Govt. High School Khan Pur Distt. Rahim Yar Khan	مدیر المدرسة

بسم الله الرحمن الرحيم

المدرسة العربية الاسلامية
نيوتاؤن كراتشي — ٥
باكستان

الرقم : (٣٧٠)
التاريخ : ٨ جمادی الاخری ١٣٩١

شهادة حسن السيرة و السلوك

تشهد ادارة المدرسة العربية الاسلامية بكراتشي بأن الأخ (عبد الحميد بن محمد عالم) (الباكستاني) الجنسية المتخرج من قسم (العالمية) بالمدرسة العربية الاسلامية في عام ١٣٩١-١٣٩٠ هـ قد لمسنا منه خلقا طيبا و سيرة محمودة طول مدة دراسته عندنا و لطلبه أعطيت له هذه الشهادة. ونرجو له التوفيق و السداد في المستقبل كذلك و هو ولي التوفيق.

الختم الرسمي



توقيع المدير

محمد يوسف البنوری عفی عنہ
المدرسة العربية الاسلامية
نيوٹاؤن كراچی نمبر ٥

شهادة حسن السيرة والسلوك

Ssl. No. 33747/80



کراچی یونیورسٹی
University of Karachi

FACULTY OF ARTS

Bachelor of Arts (Pass)

Whereas ABDUL MAJEED DEENPURI s/o MUHAMMAD ASHRAF has pursued a course of study prescribed by this University for the Degree of Bachelor of Arts (Pass) in the Faculty of Arts and has passed the requisite Annual / Supplementary examination of 82 held in 1981, having been placed in FIRST class.

It is hereby certified that he/she has been duly admitted to the degree of Bachelor of Arts (Pass) in this University.

Registrar — S. Masoom Ali Tirmizi, Vice Chancellor

Dated Karachi, the 2nd JANUARY 1982

کلیۂ فنون

بی۔ اے (پاس)

ہرگاہ عبدالمجید دین پوری ولد محمد اشرف نے کلیۂ فنون کے تحت بی۔ اے (پاس) کی سند کے لیے اس جامعہ کے منظورہ نصاب کی تکمیل کر لی ہے اور مطلوبہ امتحان سالانہ / ضمنی منعقدہ ۱۹۸۱ء میں کامیاب ہو کر اوّل درجہ حاصل کر لیا ہے لہٰذا تصدیق کی جاتی ہے کہ انہیں اس جامعہ میں بی۔ اے (پاس) کے درجہ پر فائز کیا گیا۔

شیخ الجامعہ — معتمد

کراچی بتاریخ ۔۔۔ ۱۹۸۲

کراچی یونیورسٹی سے حاصل شدہ بی اے کی سند

مفتی عبدالمجید دین پوری 2 علماء سمیت شہید

رئیس دار الافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن



کراچی: جامعہ بنوریہ کے مفتی عبدالمجید سمیت مزید 8 افراد قتل

مفتی عبدالمجید دین پوری سمیت 3 علماء دہشتگردوں کے ہاتھوں شہید

مفتی عبدالمجید دین پوری 2 علماء سمیت شہید

3 علماء سمیت مزید 17 افراد جاں بحق

کراچی میں قتل و غارت جاری



کراچی میں دہشتگردی اور ٹارگٹ کلنگ، 3 علماء سمیت 15 افراد جاں بحق

مفتی دین پوری نے 38 برس دین کی تدریس کی

مفتی دین پوری سمیت 11 افراد قتل

مفتی عبدالمجید دین پوری سمیت علماء دہشتگردوں کے ہاتھوں شہید

کراچی میں ایک بار پھر

نوائے وقت — اسلام — ایکسپریس (DAILY EXPRESS) — جنگ — امت — پاکستان — دنیا — WEEKLY ALQALAM E PESHAWAR

حضرت شہیدؒ کے مادرِ علمی جامعہ بنوری ٹاؤن کے مختلف مناظر

جامعہ کی مسجد کے عقبی جانب اساتذہ کے مکانات

جامعہ بنوری ٹاؤن میں حضرت بنوریؒ کا مزار

دین پور کے تاریخی قبرستان میں حضرت شہیدؒ کا مرقد

حضرت شہیدؒ کے زیرِ استعمال، مصلیٰ، کرسی، عمامہ اور رومال





حضرت شہیدؒ کا کمرہ اور گھر میں موجود ذاتی لائبریری

شهادة المدرسة العربية الإسلامية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي جعل القرآن الحكيم هدى وشفاء والسنة المحمدية نورا وضياء فأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله شهادة خالصة من كل سمعة ورياء فاللهم صل وسلم وبارك عليه وعلى آله النجباء وصحبه السعداء الذين جاهدوا في الله حق جهاده وفتحوا ينابيع الرشد في جميع الأرجاء ونشروا ألوية الإسلام ورايات العلوم النبوية بكل إخلاص ونشاط ولم تحل دون عزيمتهم مكابدة وعناء.

أما بعد: فإن القرآن الحكيم وأحاديث النبي الكريم صلى الله عليه وسلم والعلوم الدينية الإسلامية المستنبطة من تلك المنابع الصافية بها قوام الدين وإصلاح نظام العالم وبها تهذيب النفوس البشرية وتزكية القلوب - وإن العلوم المصطفوية بها نجاة الأمة وسعادتها - ومنها تتفجر ينابيع الحكمة والرشاد - ومنها تنبع مكارم الأخلاق وبها يصلح نظام البشر في المبدأ والمعاد - وما يحتاجون إليه من نظام الأسرة والمدينة وحكومة البلاد وبما يستقيم نظام المعاشرة والاقتصاد من سياسة الممالك إلى تدبير المنزل وإصلاح العائلة وتربية الأولاد ولن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها من إقامة العوج ولم الشعث وإصلاح الفساد وإن هذه الوراثة الدينية قصاراها أولا بالإخلاص وثانيا بالصلاح والتقوى وثالثا بكمال الكفاءة والأهلية ورابعا بالصبر على المكاره والعزيمة والثبات كما وقعت إليها الإشارة في التنزيل العزيز في سورة والعصر والآيات البينات بشهادة تاريخ البشر وأنباء العالم وحوادث الكائنات وقد أنشأت بحول الله وقوته وتوفيقه وإعانته هذه المدرسة العربية الإسلامية في عاصمة هذه البلاد في أمل كبير لتعليم القرآن والسنة والعلوم الدينية لأن هذه المقاصد الحكيمة من غير أن يعكر صفوها آمال الدنيا القريبة ولكن من فضل الله وكرمه أن يكلل مساعينا بنجاح وفلاح - وقد دخل هذه المدرسة [illegible] فمكث فيها مشتغلا بالاستفادة من سنة ١٣٨٩ه إلى سنة ١٣٩١ه وقرأ فيها [illegible] وفاز في الامتحان [illegible] في الدرجة [illegible] واستحق أن ينال هذه الشهادة ونوصي الأخ الكريم أن يجعل خدمة الدين إمامه والإخلاص نصب عينيه وأمامه والحق رائده والصدق قائده والدين شعاره والعلم دثاره وأن لا يخاف في الله لومة لائم وأن يعرف مع ذلك بعض مصالح العصر الذي يعيش فيه والتدبير الملائم وندعو الله سبحانه أن يوفقنا وإياه لما فيه فلاح الأمة المحمدية وأن يسدد خطانا ويكلل بالنجاح آمالنا وهو الموفق لكل خير وسعادة وهو حسبنا ونعم الوكيل.

التوقيعات

جامعہ بنوری ٹاؤن کی طرف سے عطا کی گئی سندِ فراغت

مدنی جامع مسجد خان پور......اور......مسجد الحمراء کراچی







جامعہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں حضرت شہیدؒ کی نشست













